خوبصورت مساجد

فقیر اللہ خاں



سعُودی عرَب (ہیڈآفس)

پوسٹ بکس: 22743 الرّیاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa, riyadh@dar-us-salam.com
Website:www.darussalamksa.com

- الرّیاض العُلیاء فون: 4614483 01 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 01 فیکس: 4735221 • سویلم فون: 2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695-0505196736 • قصیم (بریدہ): فون/فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948-0506640175 • مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121 موبائل: 0503417155
- جدّہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 • الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
- ینبع البحر فون/فیکس: 3908027 04 موبائل: 0500887341 • خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 07 موبائل: 0500710328

شارجہ فون: 5632623 6 00971 امریکہ • ہوسٹن فون: 7220419 713 001 • نیویارک فون: 6255925 718 001
لندن فون: 4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان (ہیڈآفس ومَرکزی شورُوم)

- 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

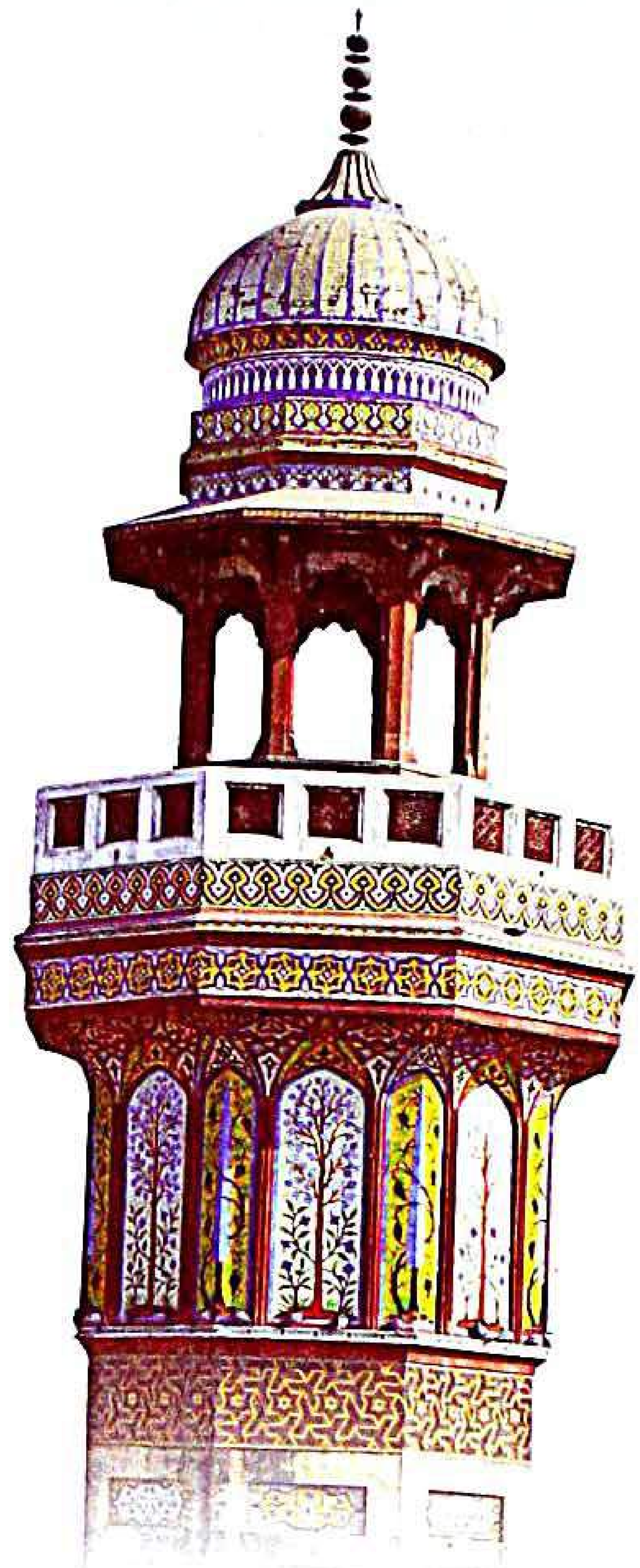
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072 موبائل: 0322-8484569
- غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 موبائل: 0322-4439150
- 260-Y بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 042-5084895 موبائل: 0321-4212174

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 2281513 51 0092 موبائل: 5370378 0321
کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دُوسری گلی، کراچی
فون: 4393936 21 0092 فیکس: 4393937 موبائل: 0321-2441843

© مكتبه دار السلام، ١٤٢٤هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دار السلام
اشهر مساجد العالم: اللغة الأردية. / مكتبة دار السلام. الرياض، ١٤٣٧هـ
ص: ٣٣٢، مقاس ١٧ x ٢٤ سم
ردمك: ٨-٤٠٠-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨
١-المساجد-تاريخ ٢- المساجد-العالم ١ الاسلامي-أ. العنوان
ديوي ٢١٥ رقم الإيداع ١٧٠/ ١٤٣٨

رقم الإيداع: ١٧٠/ ١٤٣٨
ردمك: ٨-٤٠٠-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨



خوبصورت مساجد

فقیر اللہ خاں

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾

''اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا تو انہی (لوگوں) کا کام ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔''

(التوبة 18:9)

'مَنْ بَنَىٰ مَسْجِدًا لِلّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ.'

''جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔''

(صحيح البخاري، حديث: 450، و صحيح مسلم، حديث: 533)

'مَنْ بَنَىٰ مَسْجِدًا لِلّٰهِ كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ، أَوْ أَصْغَرَ، بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ'

جو شخص چڑیا کے گھونسلے جتنی بھی مسجد بنائے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں محل بنائے گا۔

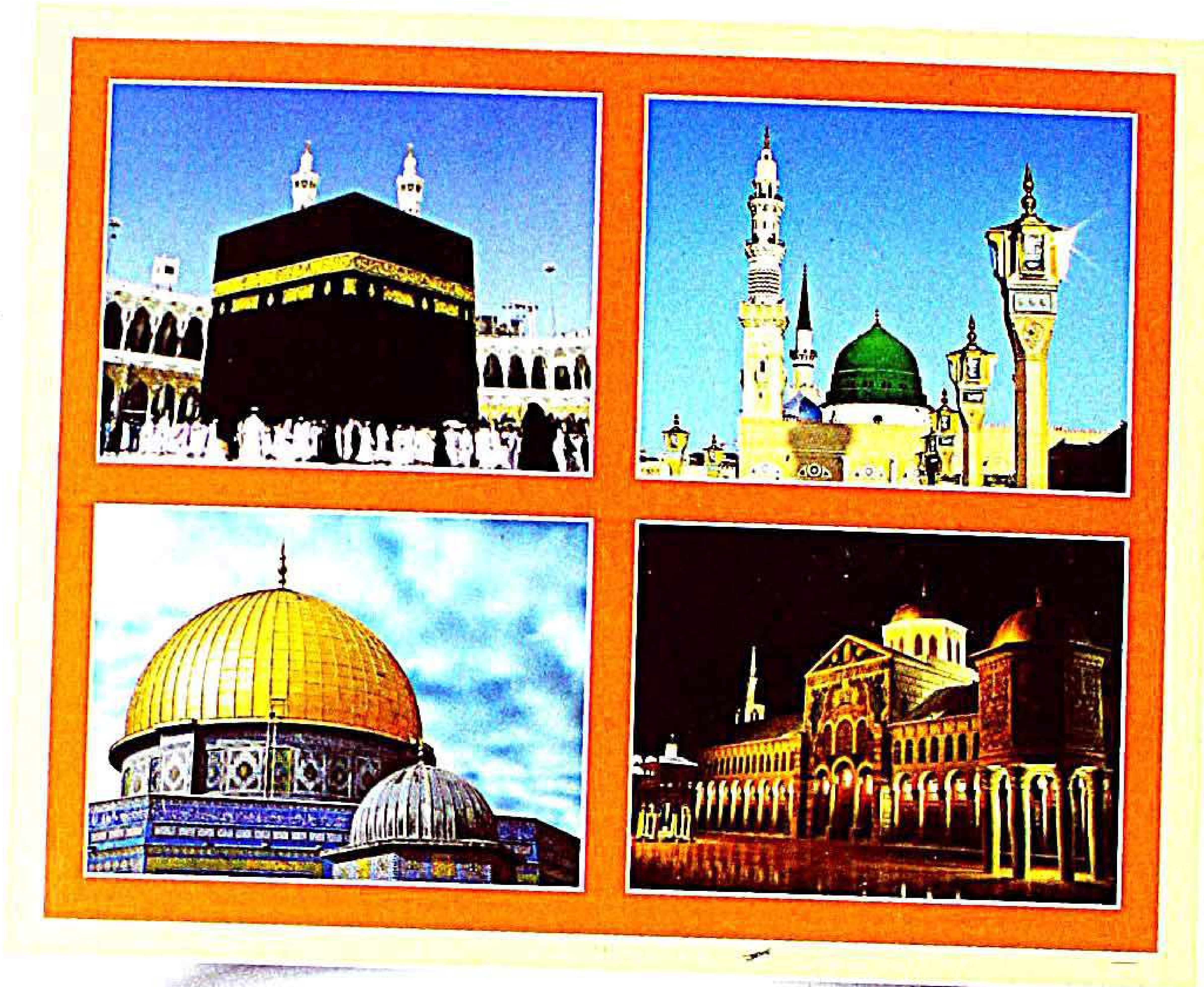
(سنن ابن ماجه، حديث: 738، و مسند أحمد: 241/1)

فہرست مساجد

فہرست مساجد

فہرست مساجد

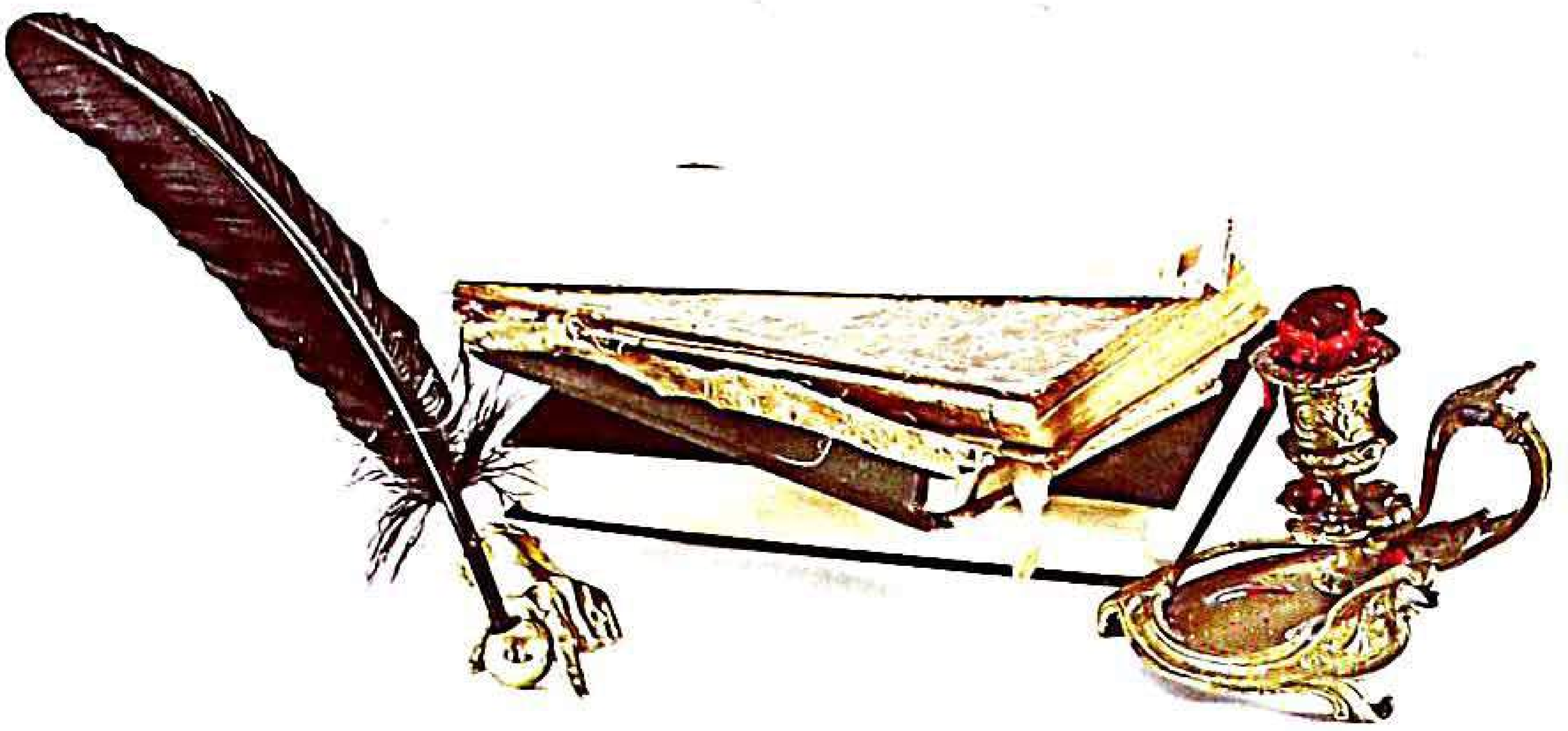
فہرست مساجد



اِنتساب

اپنے پیارے والدین کے نام جنھوں نے میرے بچپن
میں برسات میں بھی مجھے مسجد جانے کی ترغیب دی۔

(غفر اللہ لھما)



عرض ناشر

مسجد مسلمانوں کا شعار ہے۔ وہ پاکیزہ مقام جسے رب العزت کے حضور سجدہ کرنے کے لیے خاص کر دیا جائے، جہاں پانچ وقت نماز باجماعت ادا کی جائے مسجد کہلاتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو قبا میں چند روز قیام فرمایا۔ دین اسلام میں مسجد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ آپ سب سے پہلا کام وہاں یہ کرتے ہیں کہ مسجد قباء کی تعمیر کا کام شروع کرواتے ہیں جو بلاشبہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے بعد روئے زمین کی پہلی مسجد تھی۔ پھر جب آپ قباء سے مدینہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو اپنا گھر بعد میں تعمیر کرواتے ہیں، پہلے مسجد نبوی تعمیر کرواتے ہیں۔ اس مسجد کی تعمیر میں آپ نے بنفس نفیس حصہ لیا۔ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے گارا لاتے اور اینٹیں لگاتے۔ اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ آپ کے نزدیک مسجد کی اہمیت کس قدر زیادہ تھی۔

آپ ﷺ نے مسجد کی تعمیر کرنے والے کو جنت کی خوشخبری سنائی ہے خواہ چھوٹی ہو یا بہت بڑی...... فرمان نبوی ہے:

" مَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ "

''جو شخص اللہ کو راضی کرنے کے لیے مسجد بنائے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں محل بنائے گا۔''

اسلام میں مسجد کی اہمیت اور اس کی فضیلت جان لینے کے بعد عہد نبوی سے لے کر آج تک دنیا میں ہر جگہ مسلمان اپنے وسائل کے مطابق مساجد تعمیر کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ان مساجد میں بعض بہت ہی دیدہ زیب اور خوبصورت ہیں۔ مساجد دنیا کے ہر ملک میں بنائی گئی ہیں جو ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت ہیں۔ ہر جگہ لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں دین سے محبت اور ایمان کی حرارت کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ مساجد اسلام کی عظمت وشوکت اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی

زندہ نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ بلند و بالا گھر دنیا بھر میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا بھی مؤثر ذریعہ ہیں۔ یہ روئے زمین پر افضل ترین جگہیں ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا "اللہ کے نزدیک محبوب ترین جگہیں مسجدیں ہیں۔" (مسلم)

امت کے لیے یہ امر باعث اطمینان ہے کہ ہر دور میں مسلم سلاطین اور اصحاب اقتدار نے بہتر سے بہتر مساجد تعمیر کرنے کے لیے ہر قسم کے وسائل دل کھول کر مہیا کیے ہیں۔ مسجد حرام اور مسجد نبوی کی تعمیر نو اور توسیع سے لے کر دنیا کے دور دراز ممالک تک جہاں بھی مسجد کی ضرورت محسوس کی گئی، حکمران طبقے کے علاوہ مسلم تاجروں اور مالداروں نے بھی دل کھول کر اس اہم کام میں تعاون کیا۔

زیر نظر کتاب ہمارے دوست فقیر اللہ صاحب کے قلم کی کاوش ہے۔ پی آئی اے میں ملازمت کے دوران پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں انہیں دنیا کے مختلف ممالک میں جانا ہوتا تھا۔ جاتے تو اور لوگ بھی بہت ہیں، مگر یہ ان کی دین اسلام سے محبت اور مساجد سے خصوصی عقیدت ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی تالیف کا بیڑا اٹھایا اور ایک خوبصورت کتاب منظر عام پر لانے میں کامیاب رہے۔ ان سے گزشتہ سال لاہور میں ملاقات ہوئی۔ وہ دارالسلام سے اس کتاب کو شائع کروانے کے خواہاں تھے۔ میں نے مسودہ دیکھا تو کتاب مجھے جاذب اور عمدہ نظر آئی، فوراً شائع کرنے کی ہامی بھر لی۔

اس کتاب کے ذریعے آپ کو دنیا کی بہت سی خوبصورت ترین مساجد کی سیر کا موقع میسر آئے گا اور آپ جان سکیں گے کہ اکثر مقامات پر غیر مسلم ممالک میں بنائی گئی مساجد بھی شان و شوکت اور رونق و آبادی میں مسلم ممالک کی مساجد سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اس کتاب کو شائع کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد اصحاب ثروت مساجد بنانے کی طرف متوجہ ہوں۔ ان میں مسجدیں تعمیر کرنے کا شوق پیدا ہو۔ میرے سامنے کتنے ہی ایسے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے اپنی زندگی بھر کی کمائی مسجد بنانے پر صرف کر دی۔

اس کا ڈیزائن آپ کو پسند آئے گا۔ ہمارے آرٹسٹ شہزاد احمد کا شکریہ کہ انہوں نے اس کتاب کو نہایت خوبصورت طریقے سے ڈیزائن کیا ہے۔ جناب فقیر اللہ صاحب کا بہت زیادہ شکریہ جنہوں نے ہمیں اس کتاب کے ذریعے اللہ کے گھروں کے ساتھ محبت میں اضافہ کرنے کا سنہری موقع فراہم کیا ہے۔

خادم کتاب وسنت:

عبدالمالک مجاہد دارالسلام الریاض

14 اگست، 2016

گلہائے عقیدت

اللہ تعالیٰ جب کسی کو کسی مقدس کام کے لیے منتخب کرتا ہے تو وہ شخص خوش قسمت ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور خوش قسمتی کیا ہو گی کہ اسے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں کی فہرست میں شامل کیا جاتا ہے۔ یقیناً یہ اللہ کے ایسے بندے ہوتے ہیں جن پر اُن کی قسمت بھی ناز کرتی ہے۔ یہ سعادت کسی کو اپنے زورِ بازو سے حاصل نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توفیق نہ بخشے۔



جناب نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے چند ہی ماہ قبل جب یمن کے حاکم ابرہہ نے خانہ کعبہ پر چڑھائی کی تو حضور اکرم ﷺ کے دادا سردار عبدالمطلب جو کعبہ کے متولی بھی تھے، ان کے کچھ اونٹ ابرہہ نے پکڑ لیے۔ سردار عبدالمطلب اپنے اونٹ چھڑوانے کے لیے ابرہہ کے پاس پہنچے اور اس سے اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ میرے اونٹ چھوڑ دو۔ ابرہہ سردار عبدالمطلب کا یہ سوال سن کر بہت حیران ہوا اور اس نے کہا کہ مجھے گمان تھا کہ تم خانہ کعبہ کے متعلق گفتگو کرو گے مگر تم تو صرف اپنے اونٹ واپس لینے آ گئے ہو۔ سردار عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اس گھر (بیت اللہ) کا جو مالک ہے وہ اپنے گھر کی خود ہی حفاظت کرے گا۔ اس تاریخی واقعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ روئے زمین کی سب مساجد اللہ کا گھر ہیں۔

میرے ان الفاظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مسجدوں کی تعمیر کرانا کسی کا ذاتی کمال نہیں ہوتا بلکہ جب تک دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور جذبۂ ایمانی موجود نہ ہو، ایسی سعادت کا حاصل کرنا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔ جس طرح دنیا میں آج کل فلک بوس عمارتیں تعمیر کروانے کی مراتھن ریس لگی ہوئی ہے، بالکل اسی طرح دنیا میں خوبصورت مساجد تعمیر کروانے کی بھی

ایک دوڑ لگی ہوئی ہے لیکن اس دوڑ کو دیکھ کر امت مسلمہ خوش ہوتی ہے۔ دل کو اطمینان، ایمان میں پختگی اور آنکھوں کو تروتازگی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جبّاریت اور بڑائی ذہن میں نقش ہو جاتی ہے۔

جن خوش قسمت لوگوں کو اللہ نے خوبصورت مساجد تعمیر کرانے کی توفیق عطا فرمائی، انھوں نے بھی اپنی طرف سے انتہا کر دی۔ جب جذبے صادق ہوں تو اللہ کی رحمت اور مدد گھنگور گھٹاؤں کے روپ میں برستی ہے۔ اس وقت وہ اللہ کا بندہ حیران رہ جاتا ہے اور اپنی قسمت پر ناز کرتا ہے۔

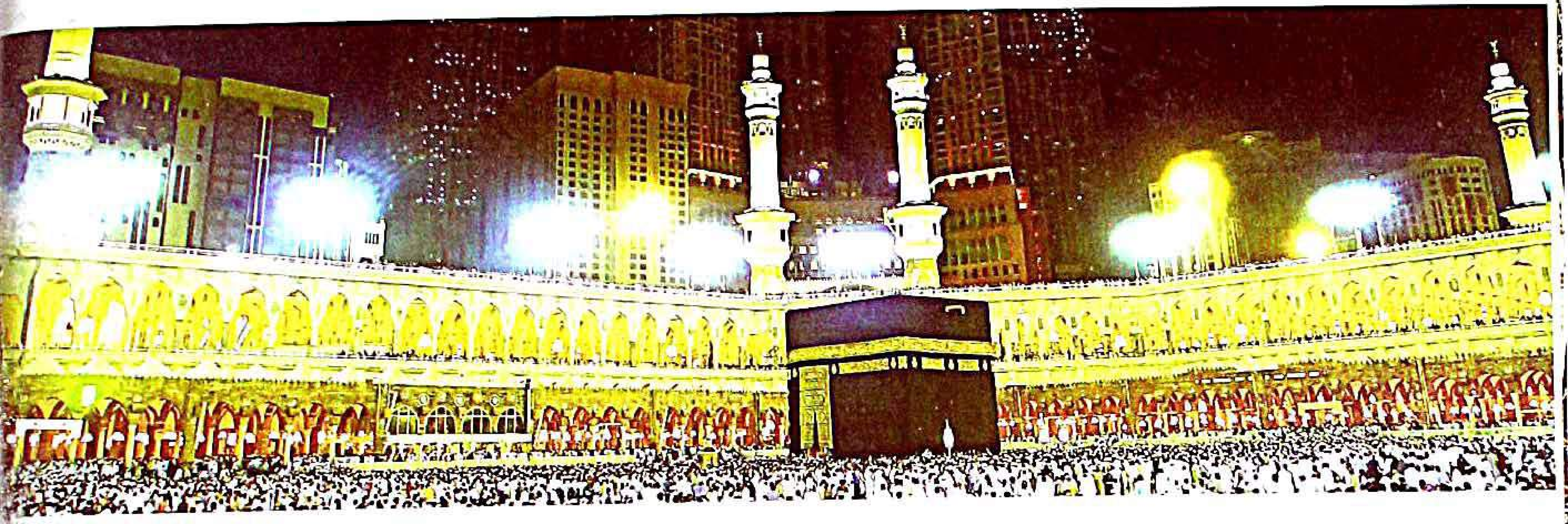
ایک مسجد حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی تعمیر کروائی تھی۔ اس مسجد کے معمار اور مزدور جنات تھے۔ اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جذبے کو اتنا پسند فرمایا کہ ان کی اس کاوش کو رہتی دنیا تک قرآن کا حصہ بنا دیا اور اس ''مسجد اقصیٰ'' کو قبلۂ اوّل کے درجہ سے سرفراز فرمایا۔

اس روئے زمین پر ایک وہ مسجد بھی تعمیر ہوئی جس کے معمار بڑے انوکھے، اللہ کے لاڈلے اور تمام انسانوں سے نرالے تھے۔ وہ معمار باپ بیٹا تھے اور دونوں اللہ کے پیغمبر اور نبی تھے۔ ان کے پائے کے معمار آج تک دنیا میں پیدا ہوئے اور نہ ہوں گے۔ وہ دونوں بیت اللہ کے معمار حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

درحقیت مساجد کی تعمیر کوئی آسان کام نہیں۔ بڑے بڑے متمول لوگوں اور بادشاہوں نے مساجد کی تعمیر کا بارِ گراں سر پر اٹھایا اور صرف اللہ کی مدد اور عطا کردہ ہمت سے خوبصورت مساجد تعمیر کروائیں۔ اس ضمن میں ترکی، ملائیشیا، انڈونیشیا، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات جیسے ممالک نے خوبصورت مساجد تعمیر کرانے کی انتہا کر دی۔ راقم کو پی آئی اے کی سروس کے دوران میں جہاں دنیا کے کئی ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں ان کے شہروں کی خوبصورت مساجد کو دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ واقعی اللہ کے ان گھروں کو دیکھ کر جو آنکھوں کو تازگی اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے وہ کسی بُلبل کو خوبصورت پھول چومنے میں کہاں حاصل ہوتا ہوگا؟

ترکی کا وہ شہر جو آدھا یورپ اور آدھا ایشیا میں واقع ہے اور جس کے تین اطراف سمندر ہے، قسطنطنیہ یا استنبول ہے۔ یہ شہر پہاڑی اور میدانی سطح پر واقع ہے۔ آپ کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر شہر کا نظارہ کریں تو ایسا لگتا ہے کہ سارے شہر میں مسجدیں اُگی ہوئی ہیں۔ ہر طرف مساجد کے مینار ہی مینار نظر آئیں گے۔

دنیا کی یہ خوبصورت مساجد کئی برسوں اور کئی مراحل میں تکمیل کو پہنچیں۔ واقعی اللہ کے گھر کی تعمیر کوئی آسان کام نہیں۔ راقم کو تو ان مساجد کے تعارف کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا بھی ایک مشکل مرحلہ محسوس ہوا۔ اللہ کا نام لے کر دنیا کی سینکڑوں مساجد میں سے خوبصورت مساجد کا انتخاب مشکل مرحلہ ضرور تھا لیکن ناممکن نہیں تھا۔



چنانچہ اللہ کا نام لے کر قلم اٹھایا اور صرف اللہ کی رضا اور مدد سے اس منصوبے کو تکمیل تک پہنچا کر دم لیا۔ ان مساجد کے احوال ضبط تحریر میں لانے سے قبل کچھ احباب نے مشورہ دیا کہ یہ ایک مشکل کام ہے۔ آپ کے بس کی بات نہیں۔ ان کی یہ بات کسی حد تک درست تھی لیکن جب اللہ کی مدد کے لیے ہاتھ اٹھ جائیں تو اللہ اپنی طرف متوجہ ہوئے لوگوں کو مایوس نہیں کرتا اور جب اللہ کی اعانت اور ہمت حاصل ہو جائے تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی اس گناہگار کے ساتھ ہوا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں کسی حد تک اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنا سکا۔ یہ عاجزانہ کاوش آپ کے سامنے ہے جن دنوں ان مساجد کے متعلق معلومات اکٹھی کر رہا تھا، ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے میں روئے زمین کے خوبصورت گلستانوں سے خوبصورت پھول اکٹھے کر کے ایک خوبصورت گلدستے کی شکل دے رہا ہوں۔ اس خوبصورت گلدستے کی تیاری میں دل کو جو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوئی وہ صرف چشم تصور سے محسوس کی جا سکتی ہے۔ میری طرف سے یہ ''گلہائے عقیدت'' ہیں جو میں نے اپنے قارئین کے لیے چُنے ہیں۔ خدا کرے میری یہ حقیری سی کاوش، جو اللہ کے خوبصورت گھروں کا مرقع ہے، قارئین کے دلوں میں گھر کر جائے۔ (آمین)

خوش نصیبی سے الٰہی پائیں یہ رنگِ قبول
پھول کچھ میں نے چُنے ہیں اُن کے دامن کے لیے

جن دنوں یہ کتاب تحریر کے مراحل سے گزر رہی تھی، قریبی دوست واحباب کو اس کی خوشبو آنے لگ گئی تھی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے اس بابرکت کتاب کی خوشبو پھیلتی رہی، حلقۂ احباب میں اشتیاق بھی بڑھتا رہا کہ یہ کتاب کب منظر عام پر آئے گی۔ خیر وہ دن میرے لیے بڑے صبر آزما تھے۔ دوستوں کے جذبۂ اشتیاق نے میرے لیے مہمیز کا کام کیا۔ وہ کتاب جو شاید پانچ، چھ ماہ میں پبلشنگ کے مراحل تک پہنچتی صرف تین ماہ میں مسودہ مکمل کر لیا گیا۔ اس کیفیت کے اظہار کے لیے اگر میں ''دنیا ٹی وی'' سے تعلق رکھنے والے محترمی ہارون شہزاد کا ذکر نہ کروں تو ناانصافی ہوگی۔

ان سے جب کبھی سرِ راہ ملاقات ہوتی، علیک سلیک کے بعد ان کا اگلا سوال کتاب ہی کے بارے میں ہوتا۔ دراصل ہارون شہزاد صاحب نے پاکستان کی کچھ دور افتادہ خوبصورت مساجد کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں راقم کی مدد کی تھی۔ ان کا اثر ورسوخ کام آیا۔ اس سلسلے میں جناب انجینئر مجید شیخ اور مظفر گڑھ کے نعیم انجم صاحب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے کچھ مساجد کے متعلق قیمتی معلومات اکٹھی کرنے میں راقم کی مدد کی۔ اللہ ان کو جزائے خیر سے نوازے!

اسی طرح راقم نے کینیڈا، اسپین، برطانیہ اور جاپان میں رہنے والے دوستوں سے رابطہ جاری رکھا اور ہر اس ذریعے کو استعمال کیا جو اس کتاب کی تیاری میں مدد گار ثابت ہوا۔

الحمدللہ جب ''دنیا کی خوبصورت مساجد'' کا مسودہ تیار ہو گیا تو اس کو شایان شان شکل میں لانے کا مرحلہ درپیش آیا۔ راقم نے پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر محمد ہارون عثمانی اور گورنمنٹ کالج یونیورسٹی کے پروفیسر محمد نعیم سے مشاورت کی۔ ان دونوں حضرات کے گورنمنٹ کالج یونیورسٹی کے پروفیسر محمود الحسن بزمی صاحب سے دوستانہ مراسم تھے۔ جناب بزمی صاحب نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے عالمی شہرت کے حامل اور قرآن و دینی کتب کی اشاعت کے شہرت یافتہ ادارے ''دارالسلام'' کا راستہ دکھایا اور ایک دن ہماری انگلی پکڑ کر وہ ہمیں ''دارالسلام'' کی دہلیز تک لے آئے۔ کتاب کا مسودہ ''دارالسلام'' کے منیجنگ ڈائریکٹر مولانا عبدالمالک مجاہد کو دکھایا جو بذات خود عالم، فاضل، مصنف اور دینی کتب کی اشاعت میں جنون کی حد تک دلچسپی لیتے ہیں۔ انھوں نے دنیا کی خوبصورت مساجد کے مسوّدے کو بخوشی اپنے اشاعتی ادارے کی شان کے مطابق کتابی شکل دینے کا اشارہ دیا۔ اس وقت اس اسلامی اشاعتی ادارے کا دین کی ترقی و ترویج کے لیے کام دنیا کے تیس ممالک کی شاخوں میں تیزی سے جاری ہے۔ علم کے پیاسے اس ادارے کی ''دریا دلی'' سے پیاس بجھا کر اپنی عاقبت سنوار رہے ہیں۔ اللہ اس دینی ادارے کو دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور اس ادارے کے تمام کارکنوں کو جذبہ خیر سگالی سے ہمیشہ ہمیشہ سرفراز فرمائے۔ آمین

انجام اُس کے ہاتھ ہے، آغاز کرکے دیکھ
بھیگے ہوئے پروں سے ہی پرواز کرکے دیکھ

فقیر اللہ خاں

ای میل: fu747uz@yahoo.com

سعودی عرب

جزیرہ نمائے عرب کا زیادہ تر علاقہ سعودی عرب پر مشتمل ہے۔ سعودی عرب کے شمال میں عراق اور اُردن، جنوب میں یمن اور عمان، مشرق میں کویت، خلیج فارس، قطر اور متحدہ عرب امارات اور مغرب میں خلیج عقبہ اور بحیرۂ احمر (بحیرۂ قلزم) واقع ہیں۔ سعودی عرب کا رقبہ 21 لاکھ 50 ہزار مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 3 کروڑ ہے۔ اس میں بحرین، تہامہ، حجاز، نجران اور نجد کے تاریخی علاقے شامل ہیں۔ حجاز میں حرمین شریفین مکہ مکرمہ کی آبادی (20 لاکھ) اور مدینہ منورہ (13 لاکھ) ہے۔ دیگر بڑے شہر الریاض (53 لاکھ)، جدہ (51 لاکھ)، تبوک (6 لاکھ)، طائف (6 لاکھ) اور دمام (32 لاکھ) ہے۔ الظہران، ابہا، الہفوف، بریدہ، راس تنورہ، بقیق اور نجران بھی مشہور شہر ہیں۔ سعودی عرب میں 80 لاکھ غیر ملکی کارکن مقیم ہیں۔

سعودی عرب میں کوئی دریا نہیں۔ زیادہ تر رقبہ خشک اور بنجر ہے۔ شمال میں صحرائے نفود، جنوب میں الربع الخالی اور مشرق میں صحرائے دہنا بڑے ریگستان ہیں۔ حجاز میں جبال السراۃ شمالاً جنوباً پھیلے ہوئے ہیں۔ سعودی معیشت کا انحصار تیل کی دولت پر ہے جو منطقہ شرقیہ یا خلیج فارس سے حاصل ہوتا ہے۔ دمام تیل کی صنعت کا مرکز ہے اور راس تنورہ کی بندرگاہ سے تیل برآمد کیا جاتا ہے۔ منطقہ شرقیہ سے مغربی ساحل پر واقع ینبع کی بندرگاہ تک تیل کی پائپ لائن بچھائی گئی ہے۔ الجبیل اور جدہ میں تیل صاف کرنے کے کارخانے ہیں۔ زرعی پیداوار میں کھجور، گندم، تربوز اور قہوہ (کافی) شامل ہیں۔ تیل کے علاوہ دیگر معدنیات سونا، چاندی، تانبا، سیسہ، جست، لوہا اور فاسفیٹ بھی پائی جاتی ہیں۔ ملکی برآمدات میں معدنی تیل اور کیمیکلز شامل ہیں جبکہ مشینری، موٹر گاڑیاں، اشیائے صرف اور اشیائے خوردنی درآمد کی جاتی ہیں۔



مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد قباء کے علاوہ ملک کی بڑی مساجد مسجد ابن عباس (طائف)، مسجد امام ترکی (دیرہ، الریاض) اور مسجد جامعہ ملک عبدالعزیز (جدہ) ہیں۔

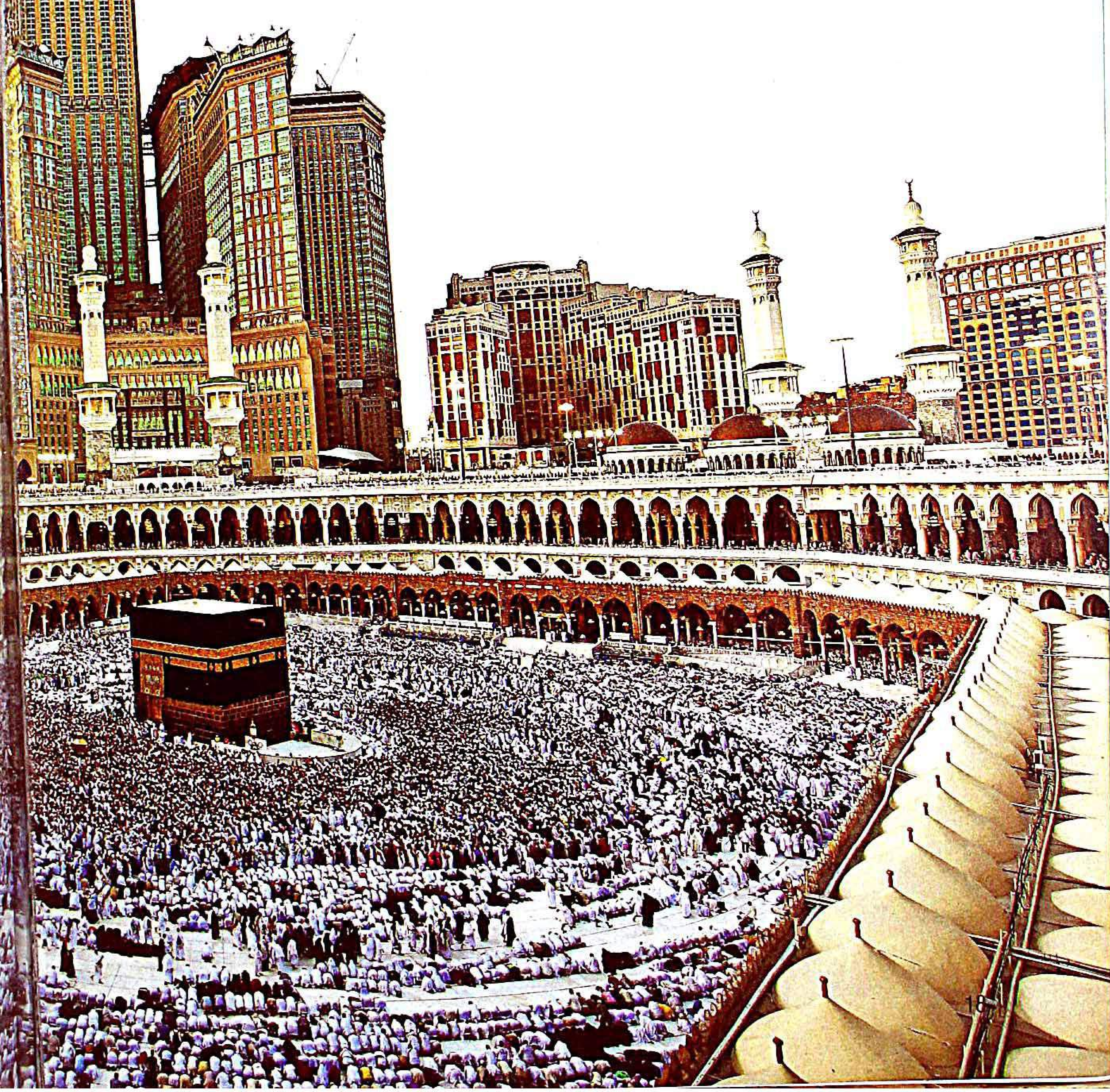
سعودی عرب مختلف ادوار میں خلافت راشدہ، خلافت بنوامیہ، خلافتِ عبّاسیہ، عبیدیوں، ایوّبی اور مملوک سلاطین اور خلافت عثمانیہ کے زیرِ حکومت رہا۔ (24-1901ء) کے دوران میں شاہ عبدالعزیز بن سعود نجد، حجاز اور نجران وغیرہ پر قابض ہو گئے اور المملکۃ العربیۃ السعودیہ کی بنیاد رکھی۔ ان کے عہد میں 1937ء میں تیل دریافت ہوا اور آج سعودی عرب شرقِ اوسط میں تیل برآمد کرنے والا سب سے بڑا ملک ہے۔ تیل کے ذخائر العثمانیہ، الحویّہ، الغوار، الحرملیہ، خریص، حَرَض، الجلادی، شدُقم اور خلیج فارس میں المرجان، السفانیہ، الظلوف، ابوسعفہ اور منیفہ کے مقام پر ہیں۔ الحویّہ (منطقہ شرقیہ) میں گیس کے ذخائر بھی ہیں۔ انتظامی طور پر سعودی عرب درج ذیل صوبوں میں بٹا ہوا ہے:

"مکہ، المدینہ، تبوک، الجوف، حائل، القصیم، الریاض، نجران، عیسر، الباحہ، جازان، الحدود، الشمالیہ، الشرقیہ۔"



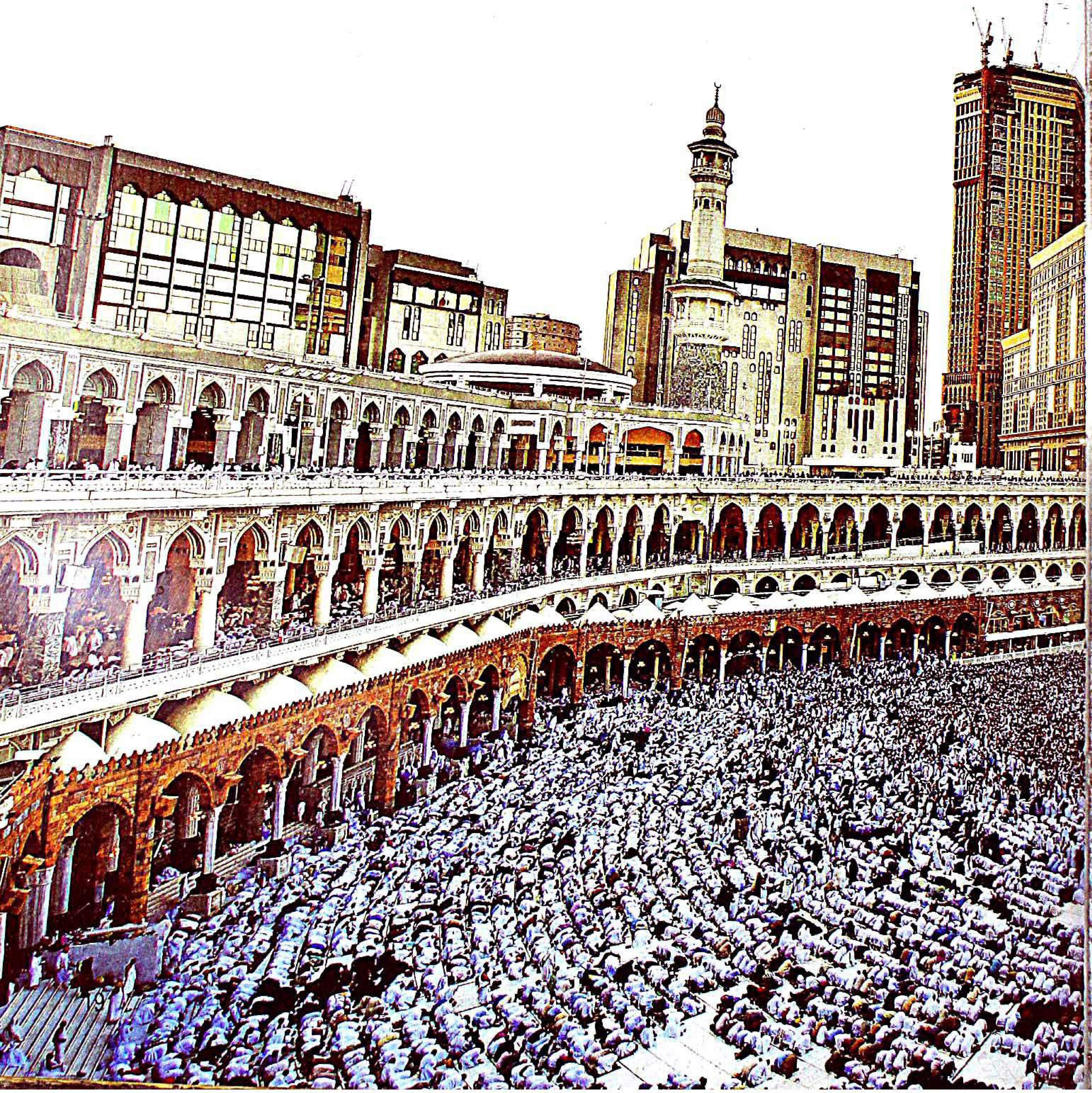
مسجد حرام

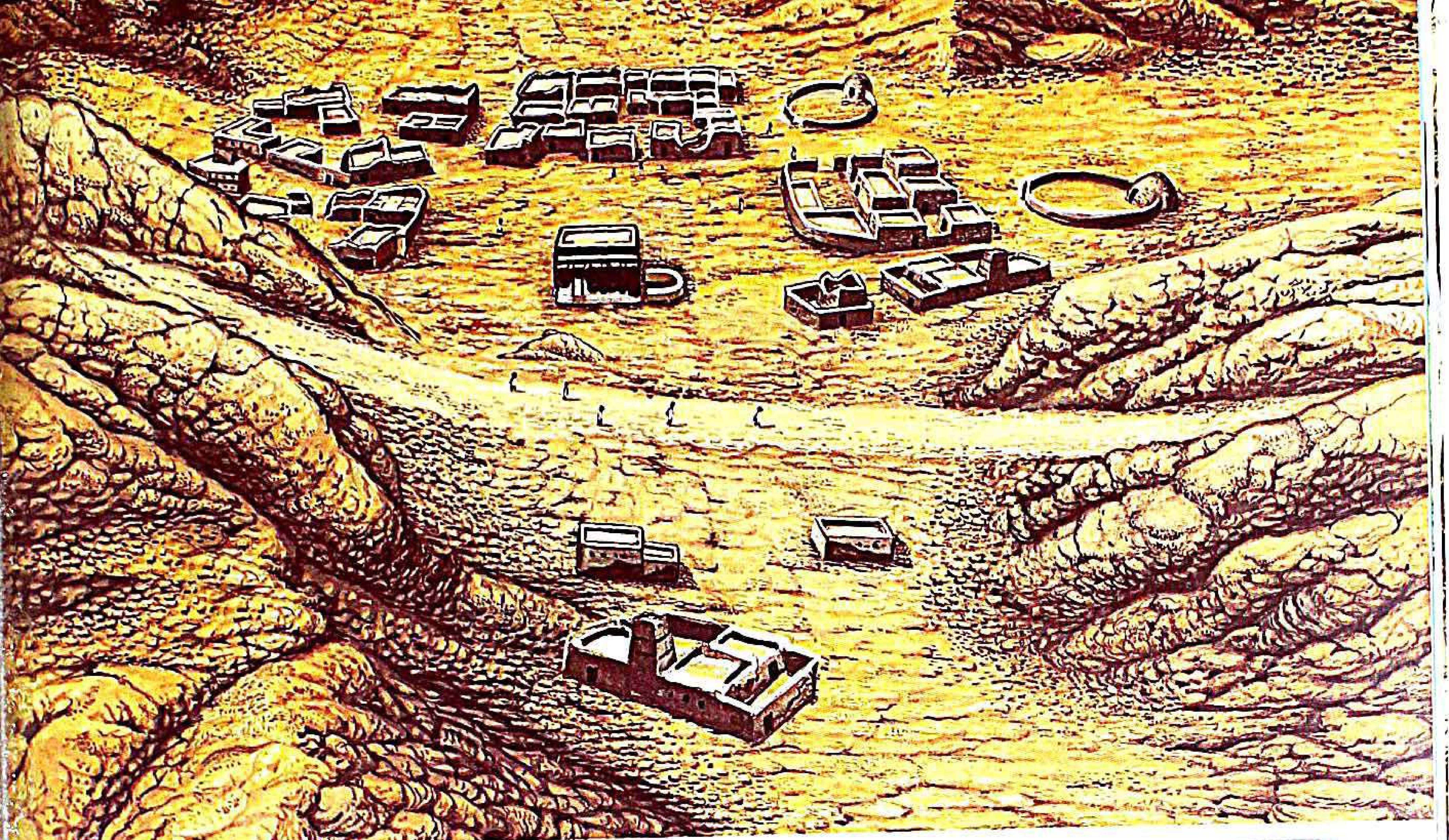
یہ مسجد مسلمانوں کے مقدس ترین شہر مکہ میں واقع ہے۔ اسی شہر میں مسلمانوں کا مرکز خانہ کعبہ (بیت اللہ) موجود ہے۔ مسجد حرام جسے حرم بھی کہتے ہیں، خانہ کعبہ کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ روئے زمین پر اس سے بڑھ کر مقدس مسجد اور کہیں نہیں۔ دنیا بھر کے مسلمان اسی خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں، گویا کہ یہ مقام دنیائے اسلام کا ایک مرکزی نقطہ اور روحانی محور ہے۔



اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن حج ہے۔ جس کسی کو استطاعت ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ زندگی میں ایک بار یہاں آکر حج کرے اور یہ اہم رکن اسی جگہ حاضر ہو کر ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔ پورے کرۂ ارض پر اس کا کوئی اور نعم البدل موجود نہیں۔

اس وقت مسجد حرام کا رقبہ 356800 مربع میٹر (88.2 ایکڑ) ہے۔ اور یہاں بیک وقت 820,000 نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں جبکہ ایامِ حج میں اس کے اطراف میں 40 لاکھ نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کے بلند و بالا 9 مینار ہیں اور ہر مینار کی بلندی 292 فٹ ہے۔ بیت اللہ کے ایک کونے میں وہ سیاہ رنگ کا پتھر ہے جسے حجرِ اسود کہتے ہیں۔ اس پتھر کو اللہ نے جنت سے اتارا ہے۔ بیت اللہ کئی ہزار سال قبل تعمیر کیا گیا تھا تاکہ عوام الناس اسی ہستی کی عبادت کریں جو اس پوری





کائنات کا مالک اور رب ہے۔ اس گھر کو تعمیر کرنے والے دو معمار دنیا جہان کے معماروں میں انوکھے اور نرالے تھے، وہ دونوں باپ بیٹا ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام تھے اور یہ دونوں اللہ کے نبی تھے۔ تمام روئے زمین پر یہ سعادت کسی اور عمارت کو نصیب نہیں ہوئی جس کے دونوں معمار نبی ہوں۔ یہ مسجد اس لیے بھی تمام مساجد سے متبرّک اور افضل ہے کہ اس کے اندرونی صحن میں وہ پتھر موجود ہے جس کو مقامِ ابراہیم کہا جاتا ہے۔

خانہ کعبہ کے دروازے کے بالکل سامنے چند گز کے فاصلے پر شیشے اور چاندی سے بنے ہوئے ایک خول میں وہ پتھر محفوظ ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات ثبت ہیں۔ آپ علیہ السلام نے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کعبہ فرمائی تھی۔ جیسے جیسے کعبہ کی دیوار بلند ہوتی جاتی، ساتھ ساتھ یہ پتھر بھی بلند ہوتا جاتا۔ یہی وہ مقامِ ابراہیم ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں دو جگہ ذکر فرمایا ہے:

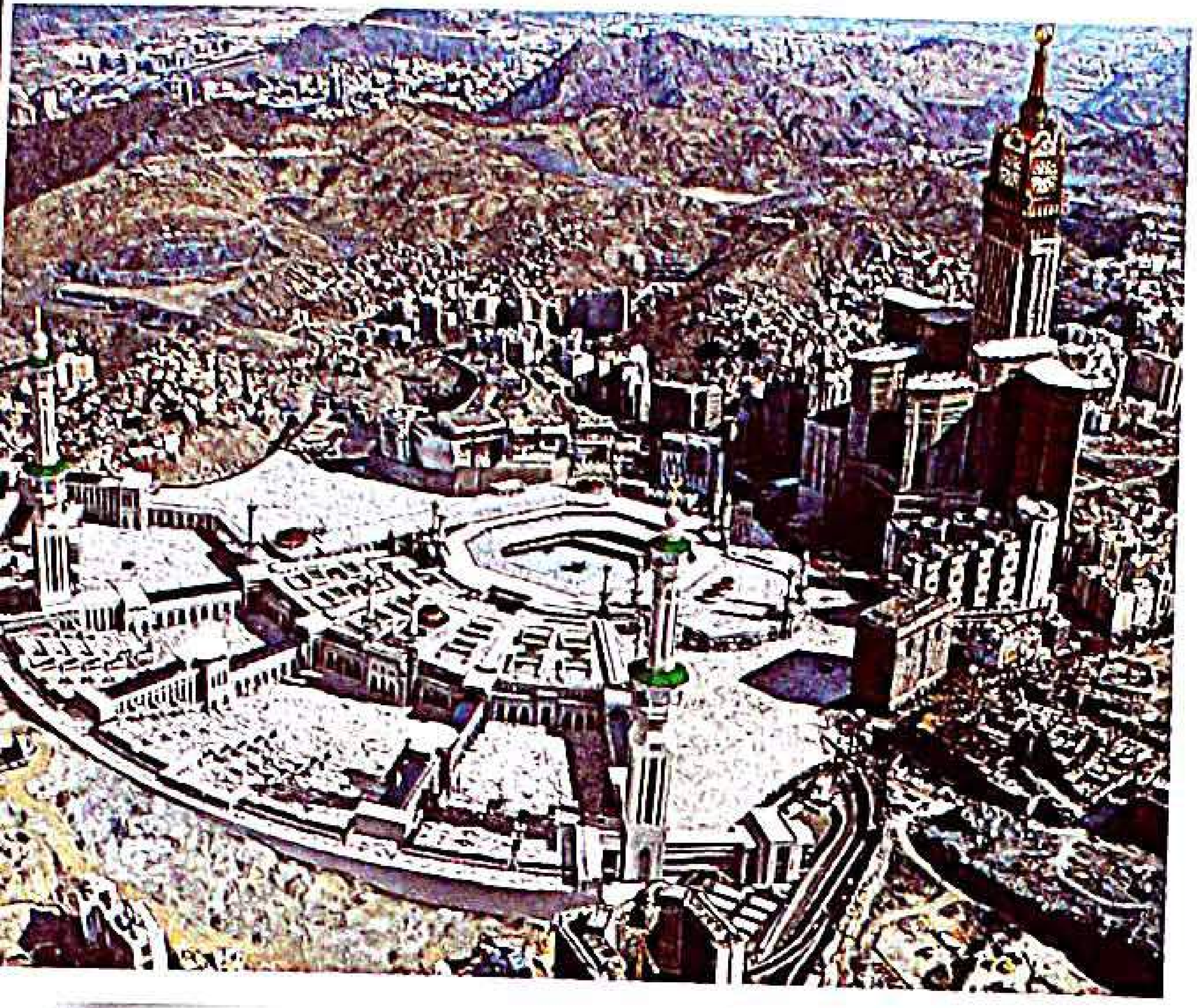
﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرٰهِمَ مُصَلًّى﴾

''مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔'' (البقرة 2:125)

﴿فِيهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيمَ﴾

''اس (خانہ کعبہ) میں کھلی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہے۔'' (آلِ عمران 3:97)

یہ وہ متبرّک مقام ہے جہاں دونوں باپ بیٹے کی دعائیں قبول ہوئیں۔ طوافِ کعبہ مکمل کرنے کے بعد زائرین مقامِ



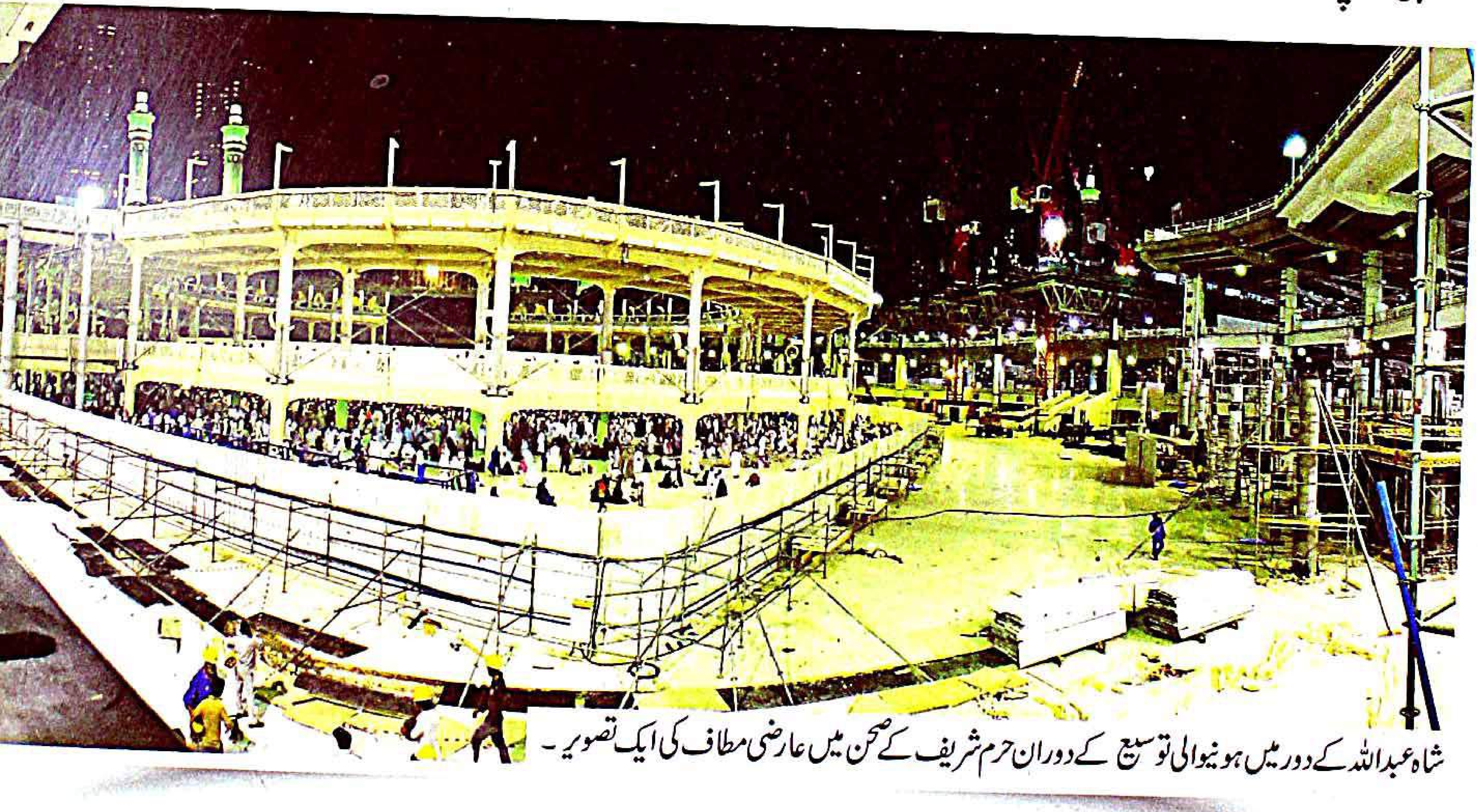
جدید توسیع کی ایک تصویر

ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں جنھیں ادا کرنا سنت ہے۔

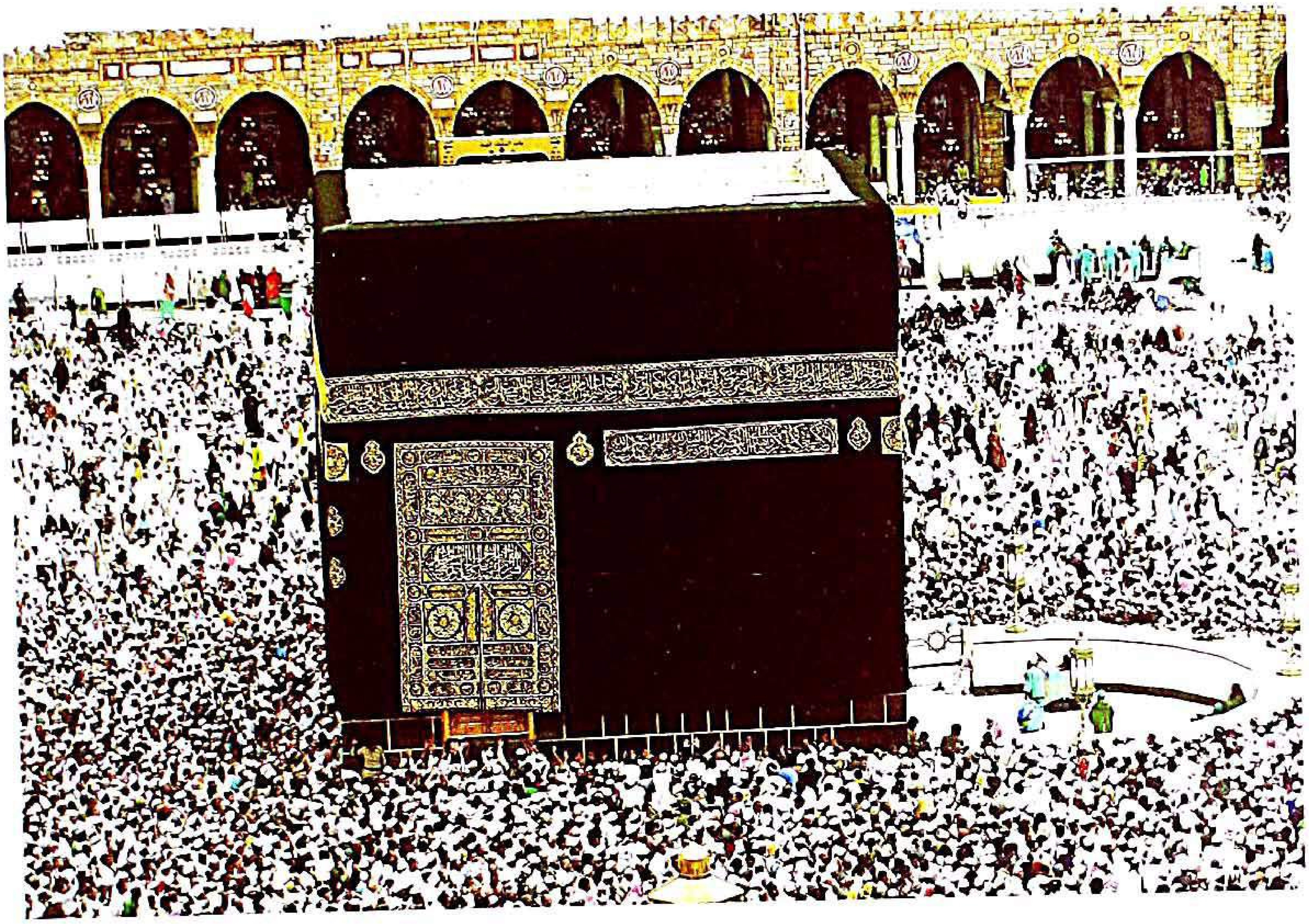
اسی مسجد کے ایک حصے میں وہ کنواں موجود ہے جسے بئرِ زم زم یا چاہِ زم زم کہا جاتا ہے۔ اس کا متبرک پانی دنیا کے تمام پانیوں سے افضل ہے، جسے پینا ہر بیماری سے باعثِ شفا اور ذائقہ میں ہر طرح کے شربت سے منفرد ہے۔ خانہ کعبہ سے چند ہی قدم کے فاصلے پر مسجد الحرام کے ایک طرف صفا اور مروہ کی پہاڑیاں موجود ہیں، جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ اپنے پیارے جگر گوشے کی پیاس بجھانے کے لیے پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں۔ اللہ نے قرآنِ پاک میں ان کو شعائر اللہ (یعنی اللہ کی نشانیاں) کے مبارک الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ حجاج کرام اور معتمرین سیدہ ہاجرہ کی پیروی میں صفا اور مروہ کے مابین سعی کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسجد الحرام میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب دوسری مساجد میں ایک لاکھ نمازیں پڑھنے سے افضل ہے۔ یہ دنیا کی واحد مسجد ہے جس میں محراب نہیں۔

خانۂ کعبہ

بیت اللہ یا خانہ کعبہ کے چار کونے ہیں۔ مشرقی کونے میں حجرِ اسود نصب ہے جو فرش سے تقریباً چار فٹ کی بلندی پر ہے اور یہی کونا پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کو سیدھا پڑھتا ہے۔ اس کونے کے ایک طرف رکن یمانی ہے جو یمن کی سمت

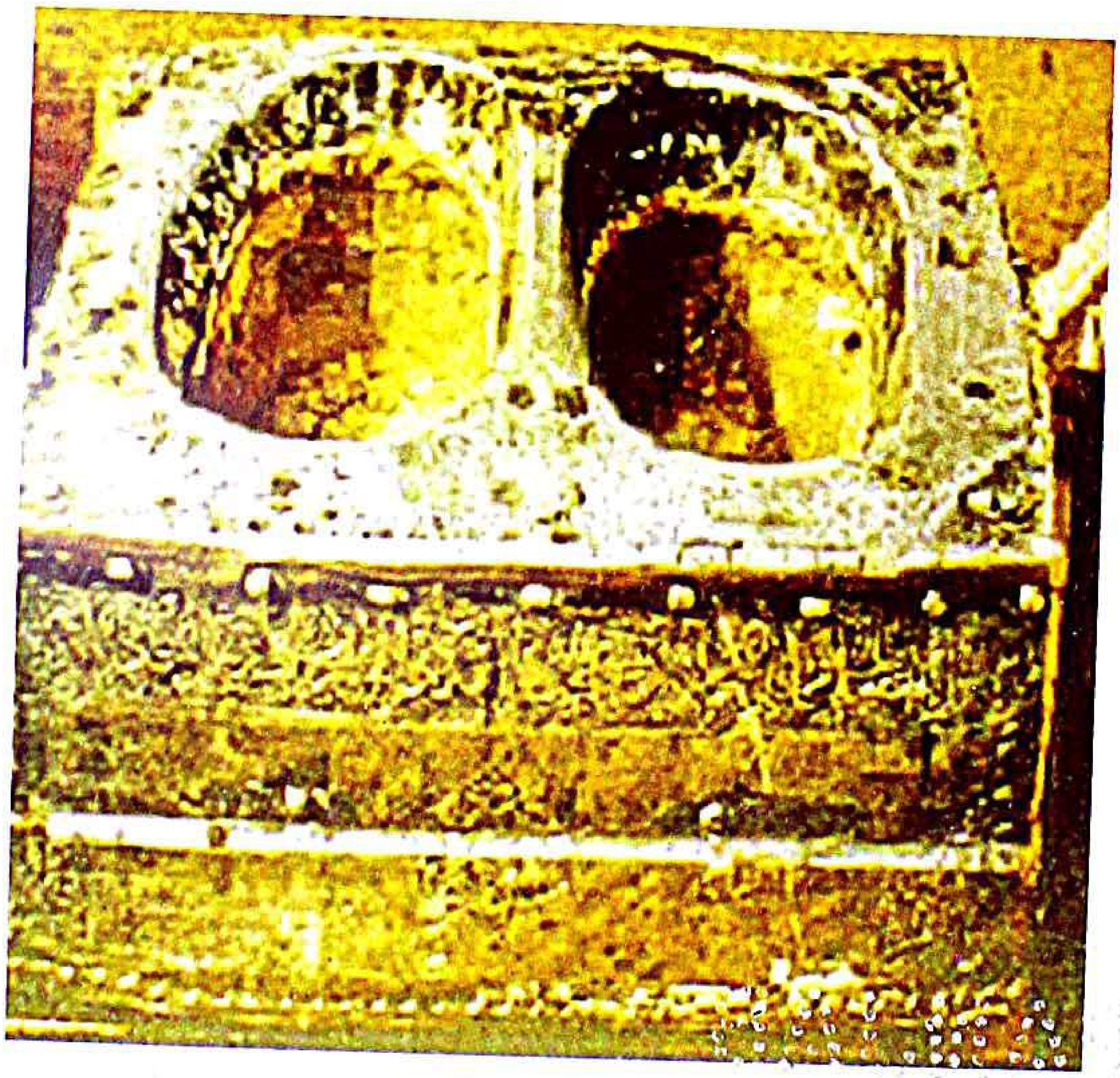


شاہ عبداللہ کے دور میں ہونیوالی توسیع کے دوران حرم شریف کے صحن میں عارضی مطاف کی ایک تصویر۔



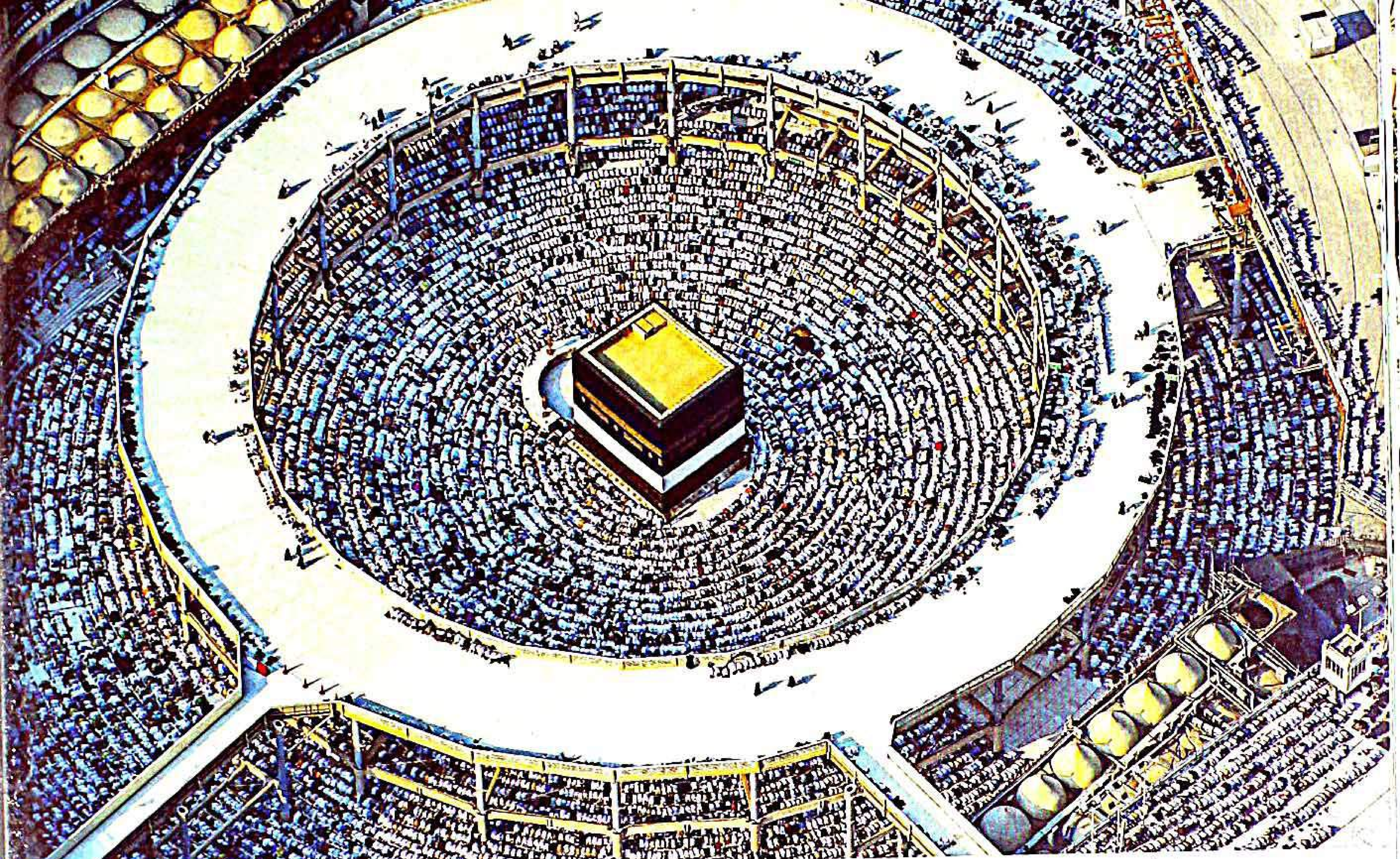









مقام ابراہیم



شاہ عبداللہ کے دور میں ہونیوالی توسیع کے دوران حرم شریف کے اندرونی صحن میں عارضی پل لگایا گیا جس پر معتمرین طواف کرتے تھے۔شروع میں یہ پل ایک منزل پر مشتمل تھا بعد میں اسے دو منزلہ کر دیا گیا۔ 2016ء میں توسیعی کام مکمل ہونے پر رمضان المبارک سے قبل اس عارضی مطاف کو ختم کر دیا گیا ہے۔

واقع ہے اور دوسری جانب خانہ کعبہ کے دروازے سے آگے رکن عراقی ہے جو کہ شمال کی سمت واقع ہے اور عراق کی طرف پڑتا ہے۔اس کے آگے حطیم ہے جو ہے تو بیت اللہ ہی کا حصہ لیکن یہ بغیر چھت کے کھلا چھوڑا گیا ہے۔حطیم کے ساتھ والا دوسرا کونا رکن شامی کہلاتا ہے جو ملک شام کی طرف مغرب میں واقع ہے۔خانہ کعبہ کی دیواریں 12.84 میٹر، 11.28 میٹر، 12.11 میٹر اور 11.52 میٹر لمبی ہیں جبکہ فرش سے اس کی بلندی 14 میٹر ہے۔خانہ کعبہ کے اندر تین ستون ایک قطار میں موجود ہیں جنھوں نے خانہ کعبہ کی چھت کو سہارا دیا ہوا ہے۔خانہ کعبہ کا اندرونی فرش سنگِ مرمر (ماربل) اور چونے سے بنا ہوا ہے جبکہ دروازے کی چوکھٹ فرشِ مطاف سے سات فٹ اونچی ہے۔خانہ کعبہ کی دیواریں مکہ کے قرب و جوار کی پہاڑیوں سے حاصل کیے گئے گرینائٹ پتھر (سنگِ خارا) سے چنی گئی ہیں جو ایک میٹر چوڑی ہیں۔

مکہ کا مقدس شہر جس میں خانہ کعبہ اور مسجد الحرام واقع ہیں، سعودی عرب کے ساحلی شہر جدّہ سے جانبِ مشرق 64 کلو میٹر اور سطح سمندر سے 985 فٹ بلندی پر واقع ہے۔آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تو اس وقت اللہ کا یہ گھر اتنا سادہ تھا کہ اس کی چھت تھی نہ دروازہ اور نہ چوکھٹ۔آلِ اسماعیل میں سے قصی بن کلاب کو جب کعبے کی تولیّت حاصل ہوئی تو انھوں نے قدیم عمارت گرا کر نئے سرے سے اس کی تعمیر کروائی اور کھجور کے تختوں کی چھت ڈالی۔سب سے پہلے جس نے کعبہ پر غلاف چڑھایا وہ ملک یمن کا بادشاہ اسعد تبّع تھا۔



مسجد حرام میں توسیع کا عمل

خانہ کعبہ کے گرد مسجد تعمیر کرانے کا پروگرام سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں 17 ھ میں شروع کیا۔ خانہ کعبہ کے گرد بنے ہوئے مکانوں کو مسمار کر کے ان کی جگہ بیت الحرام میں شامل کرنے کا حکم دیا تاکہ زائرین کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لیے مناسب جگہ تعمیر کی جا سکے۔ اس مقصد کے لیے مسجد الحرام کے اردگرد پانچ فٹ اونچی دیوار تعمیر کی۔ اس وقت مسجد الحرام کا رقبہ 2500 مربع میٹر ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی رات کے وقت دیواروں پر پہلی مرتبہ روشنی کا انتظام کروایا۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں 26 ھ میں مسجد الحرام سے ملحقہ مکانات خرید کر ان کو مسجد میں شامل کر لیا اور مسجد کو مزید وسیع کیا۔ کھجور کی لکڑی کے ستون اور محرابیں بنوائیں۔ اس طرح مسجد کا رقبہ 4200 مربع میٹر ہو گیا۔

مسلمانوں کے خلیفہ عبداللہ بن زبیر کے دور میں بھی مسجد الحرام میں توسیع کا عمل جاری رہا جس سے مسجد کا رقبہ 7500 مربع میٹر تک بڑھ گیا۔

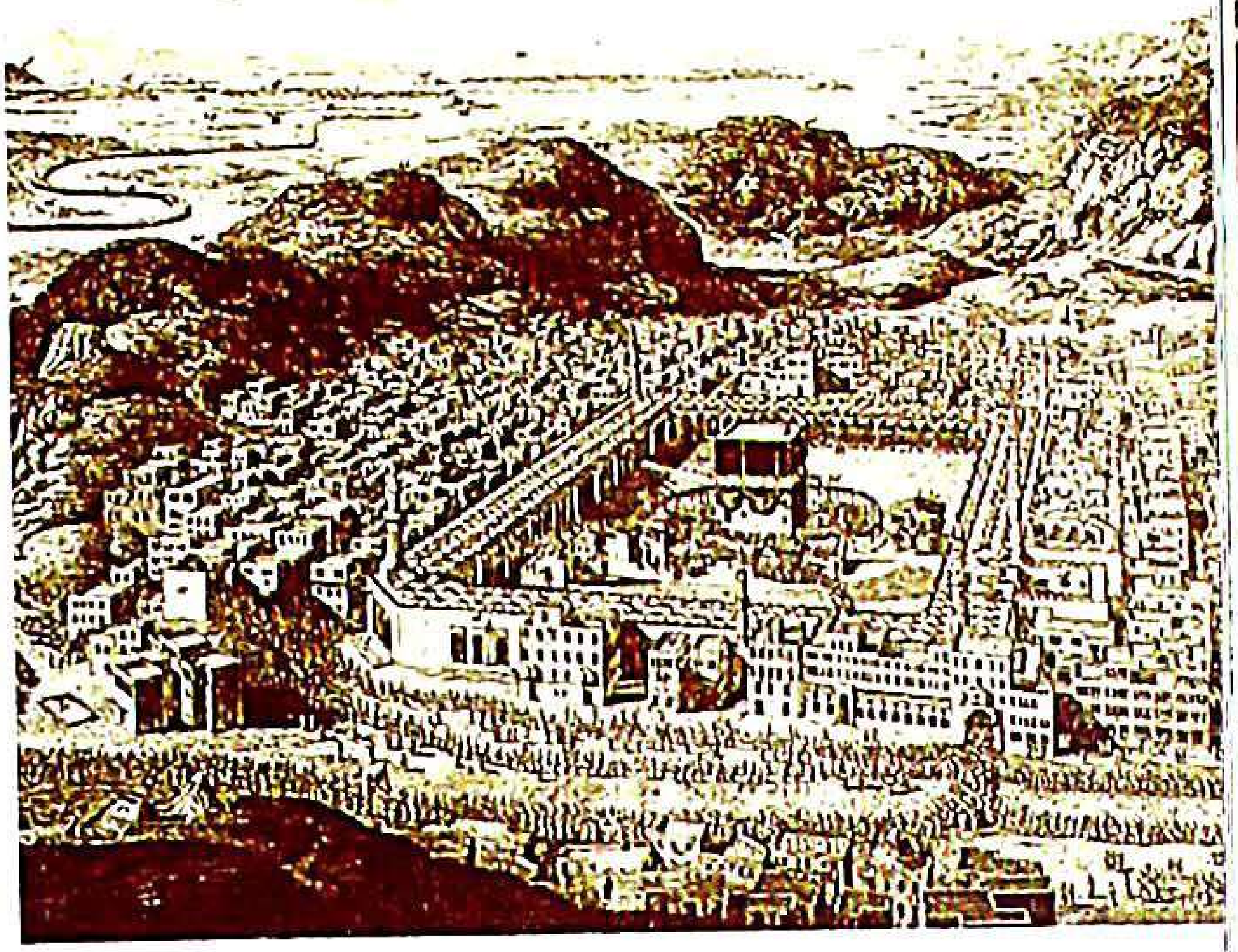
پھر خلیفہ عبدالملک بن مروان نے مسجد کی دیواریں اونچی کروائیں اور مسجد کی چھت میں ساگوان کی لکڑی استعمال کی۔ بعد ازاں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے 91 ھ میں لکڑی کے ستونوں کی جگہ سنگِ مرمر کے ستون تعمیر کروائے۔

137 ھ میں دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور نے مسجد کے رقبے میں دگنا اضافہ کیا۔ شمالی اور مغربی سمت مسجد کے صحن میں توسیع کروائی اور اسی جانب باب العمرہ کا مینار بنوایا۔

160 ھ میں زائرینِ حرم کی تعداد میں اضافے کے پیشِ نظر عباسی خلیفہ محمد المہدی نے مسجد دوبارہ تعمیر کروائی جس سے اس کا رقبہ 300,000 مربع فٹ (643x466) ہو گیا۔ بطورِ خاص شام اور مصر سے سنگِ مرمر منگوا کر نئے ستون بنوائے گئے۔ المہدی نے تین مینار باب السلام، بابِ علی رضی اللہ عنہ اور باب الوادی بھی تعمیر کروائے۔

اس کے بعد عثمانی سلطنت کے خلفاء نے مسجد الحرام کی توسیع اور تزئین و آرائش کا

کام جاری رکھا۔ سلطان سلیم ثانی نے معمار سنان کو حکم دیا کہ مسجد کی نئے سرے سے مکمل طور پر تزئین و آرائش کی جائے۔ مسجد کے گنبدوں کی اندرونی سطح پر ملمّع کاری سے قرآنی آیات تحریر کروائیں۔ وادی مکہ کے قریبی پہاڑ کوہِ شمس کے پتھر سے نئے ستون بنوائے۔



مسجد حرام کی دو تاریخی تصویر

سعودی دورِ حکومت میں شاہ عبدالعزیز نے 1932ء سے 1953ء کے درمیانی عرصے میں مسجد الحرام میں توسیع کا کام کروایا۔ مسجد کے برآمدوں کو دومنزلہ کروایا۔ پرانے دروازوں کی نئے سرے سے تزئین و آرائش کروائی اور جنوبی سمت بابِ عبدالعزیز کے علاوہ دو اور دروازے بھی تعمیر کروائے جس سے دروازوں کی تعداد سات ہوگئی اور مسجد کا رقبہ 152,000 مربع میٹر ہو گیا۔

شاہ فہد کے دور میں مسجد الحرام کا بیرونی حصہ بھی مسجد میں شامل کر دیا گیا۔ یہ توسیعی منصوبہ 1988ء سے 2005ء تک جاری رہا۔ اس دوران میں مسجد الحرام کے 18 مزید دروازے، تین گنبد اور سنگِ مرمر کے 500 ستون بنائے گئے اور مسجد کے میناروں کی تعداد 9 ہو گئی۔

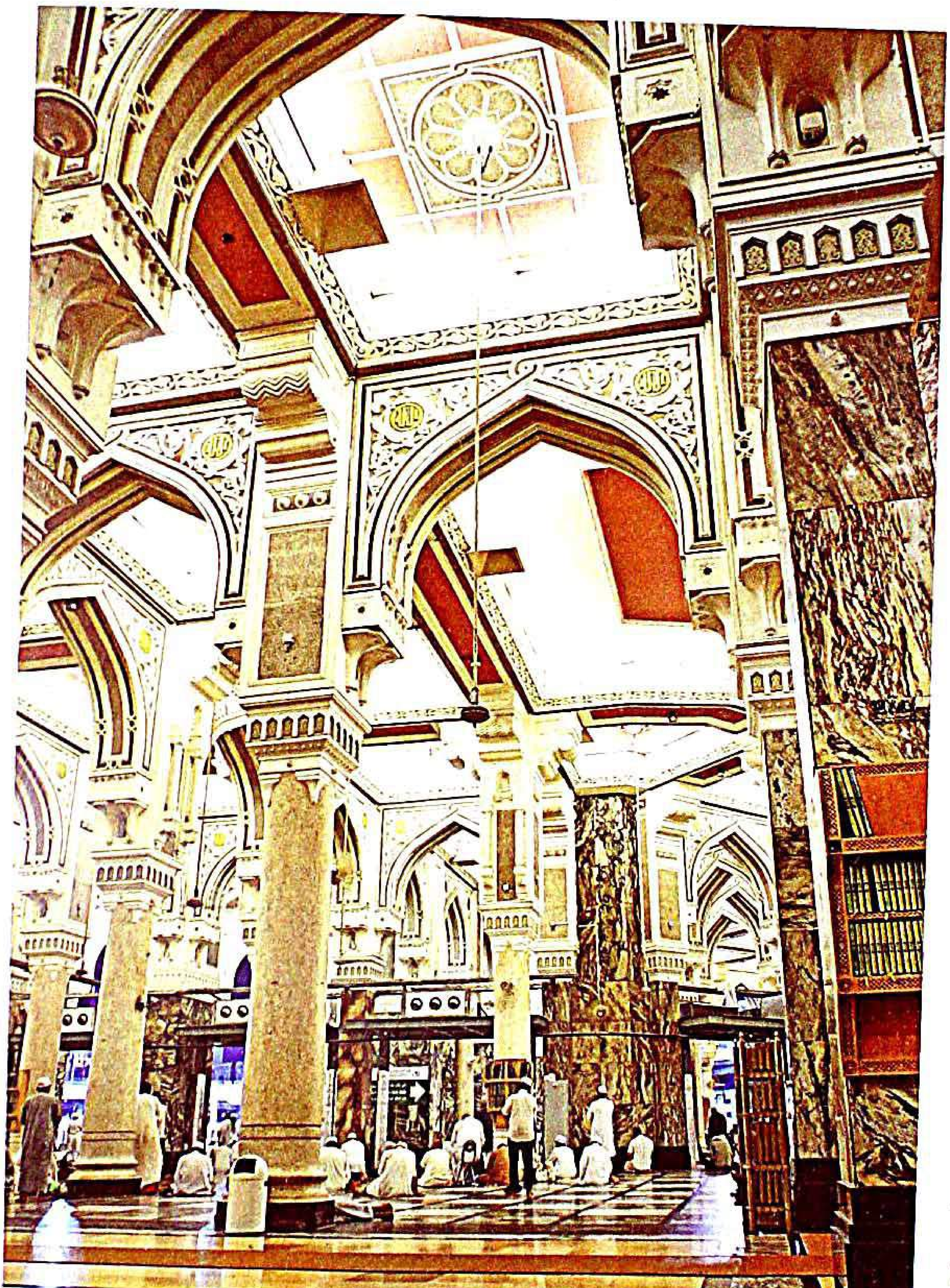
شاہ عبداللہ کا توسیعی منصوبہ

سعودی فرمانروا خادمین الحرمین شاہ عبداللہ کے حکم سے مسجد حرام میں مزید توسیع کا کام اگست 2011ء میں شروع کیا گیا تھا۔ توسیع کا یہ عمل آخری مراحل میں ہے، اس کی تکمیل سے مسجد میں 25 لاکھ زائرین بیک وقت نماز ادا کر سکیں گے۔ اس توسیع کے بعد مسجد حرام کا کل رقبہ 356800 مربع میٹر سے بڑھ کر 400,800 مربع میٹر (4300,000 مربع فٹ) ہو جائے گا۔ ایک بڑا دروازہ ''بابِ مَلِک عبداللہ'' تعمیر کیا گیا۔ مسجد کے مزید دو مینار بنائے گئے۔ خانہ کعبہ کے گرد مطاف کو ائیر کنڈیشنڈ کیا جا رہا۔ اس پورے توسیعی منصوبے پر 21 بلین ڈالر (80 بلین سعودی ریال) خرچ ہوں گے۔ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے 11000 کارکن شب و روز کام کر رہے ہیں جن میں انجینئر، ٹیکنیشن، معمار اور مزدور شامل ہیں۔ مسجد الحرام کے توسیعی منصوبہ کی تکمیل کے لیے اتنی تعداد میں تعمیراتی عملہ پہلی دفعہ ملازم رکھا گیا ہے جو ایک تاریخی ریکارڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔

شاہ سلمان بن عبدالعزیز کے دور کا توسیعی منصوبہ

2016 تک کی تفصیلات کے مطابق مملکت سعودی عرب کے شاہ سلمان بن عبدالعزیز آل سعود حفظہ اللہ مسجد حرام کی تیسری توسیع کا افتتاح کر چکے ہیں جس کی تکمیل سے حرم مکی شریف میں نمازیوں کی گنجائش اٹھارہ لاکھ پچاس ہزار (1850000) نمازی تک پہنچ جائے گی۔

اس توسیع کا کل رقبہ چودہ لاکھ ستر ہزار (1470000) مربع میٹر ہے۔ توسیع کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے والوں کی گنجائش 150 فیصد بڑھ جائے گی جب کہ اس وقت یہاں ایک گھنٹے میں ایک لاکھ اٹھارہ ہزار (118000) افراد سعی کر سکتے ہیں۔ حالیہ توسیع کے بعد مطاف میں نمازیوں کی گنجائش نوے ہزار (90000) تک پہنچ جائے گی۔ توسیع کے کام میں یہ منصوبہ بھی شامل ہے کہ مطاف کی وسعت میں اضافہ کیا جائے؛ تاکہ یہاں طائفین کی تعداد ایک لاکھ سات ہزار (107000) فی گھنٹہ تک پہنچ جائے۔ یہ تمام کام ان شاء اللہ اگلے رمضان المبارک تک مکمل ہو جائے گا۔

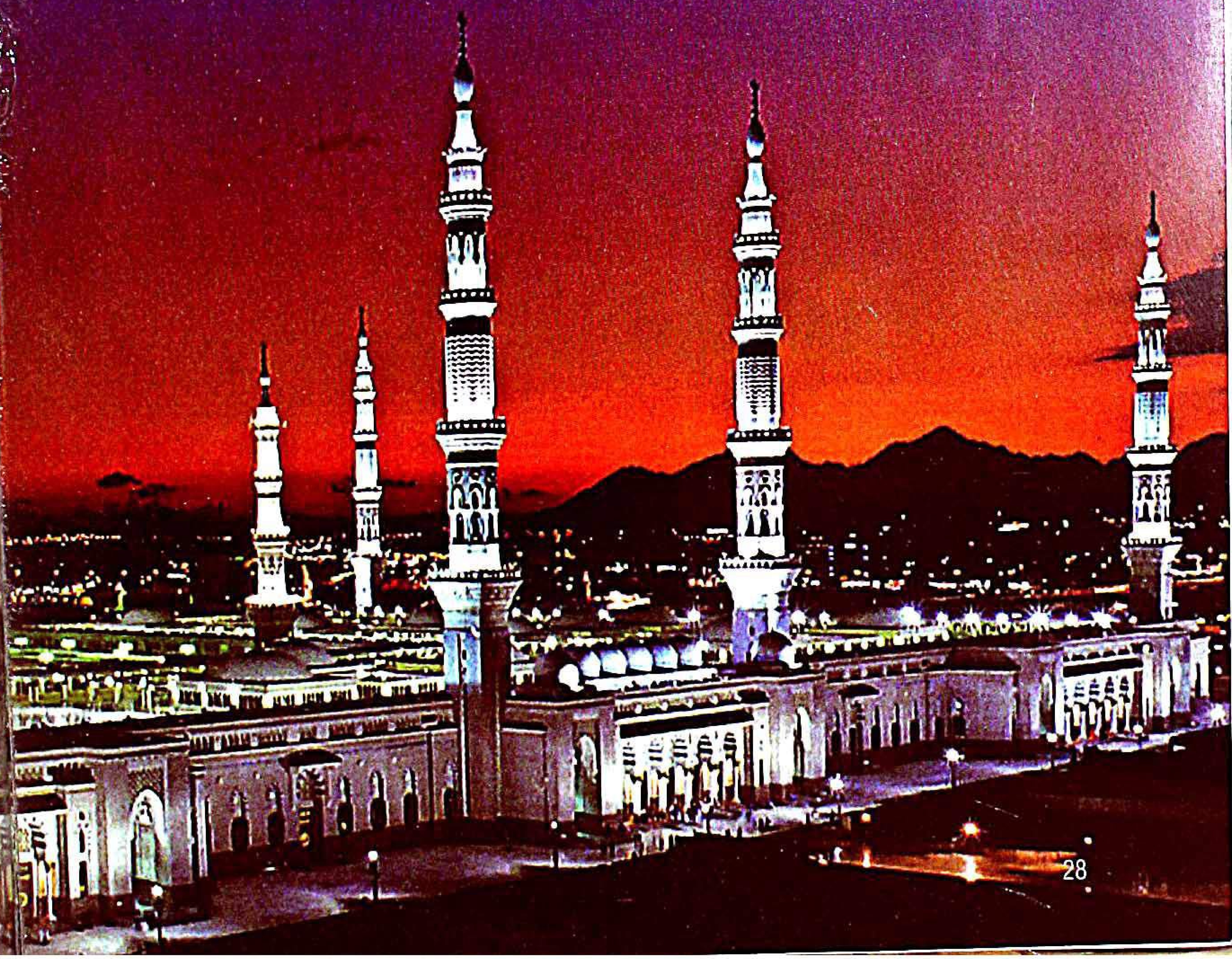


جدید توسیع کے بعد حرم مکی کی اندرونی تصویر

مسجد حرام میں سب سے پہلی توسیع سیدنا عمر فاروق کے عہد خلافت میں کی گئی اور پھر پوری تاریخ اسلامی کے دوران یہ عمل جاری رہا؛ یہاں تک کہ اب یہ کام جدید ترین عمارات کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ ان عمارات کو بناتے وقت اسلامی طرز تعمیر کا ہر طرح سے خیال رکھا گیا ہے۔

مسجد نبوی شریف

مسجدِ نبوی سعودی عرب کے دوسرے مقدس شہر مدینہ منورہ میں واقع ہے۔ یہی وہ شہر ہے جہاں آقائے دوجہاں آنحضرت ﷺ کی آخری آرام گاہ ہے۔ مسجدِ نبوی دنیا میں دوسری مسجد ہے جو عہدِ اسلام میں تعمیر کی گئی۔ اس کی تعمیر سے چند ماہ قبل مسجدِ قباء بن چکی تھی جو اسلامی دور کی پہلی مسجد تھی اور آنحضور ﷺ نے مکہ سے ہجرت کے وقت مدینہ کی نواحی بستی قباء میں خود اپنے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر تعمیر کی۔ سن 2 ھ میں جناب رسالت مآب ﷺ نے اپنے سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں خود اپنے مبارک ہاتھوں سے مسجدِ نبوی کا سنگِ بنیاد رکھا، اس لیے اس مسجد کو تمام روئے زمین کی دوسری مساجد کی نسبت ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ اسی میں روضۂ رسول ﷺ موجود ہے۔ یہ مسجد، مسجد حرام کے بعد دنیا کی دوسری بڑی مسجد ہے۔

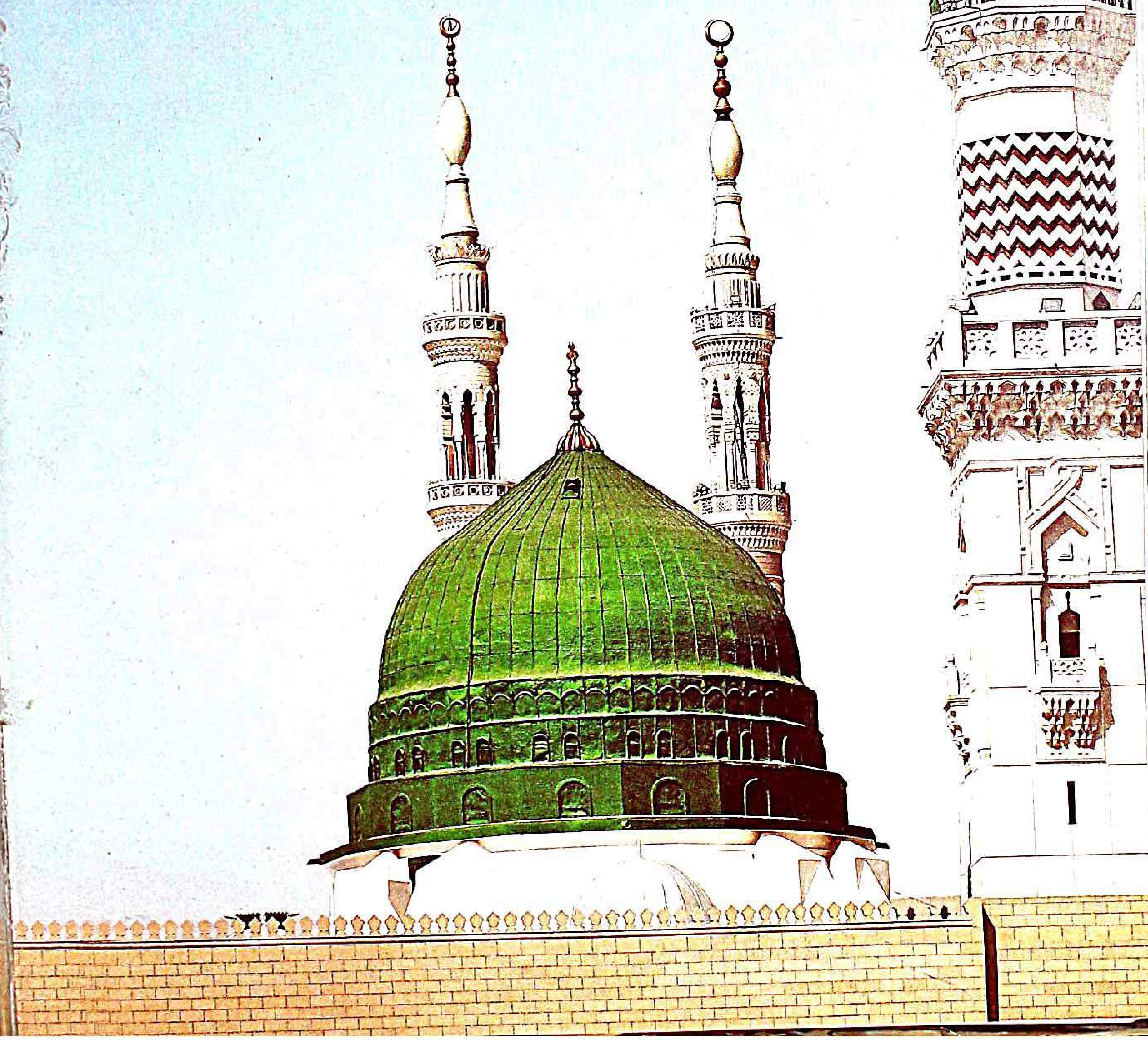


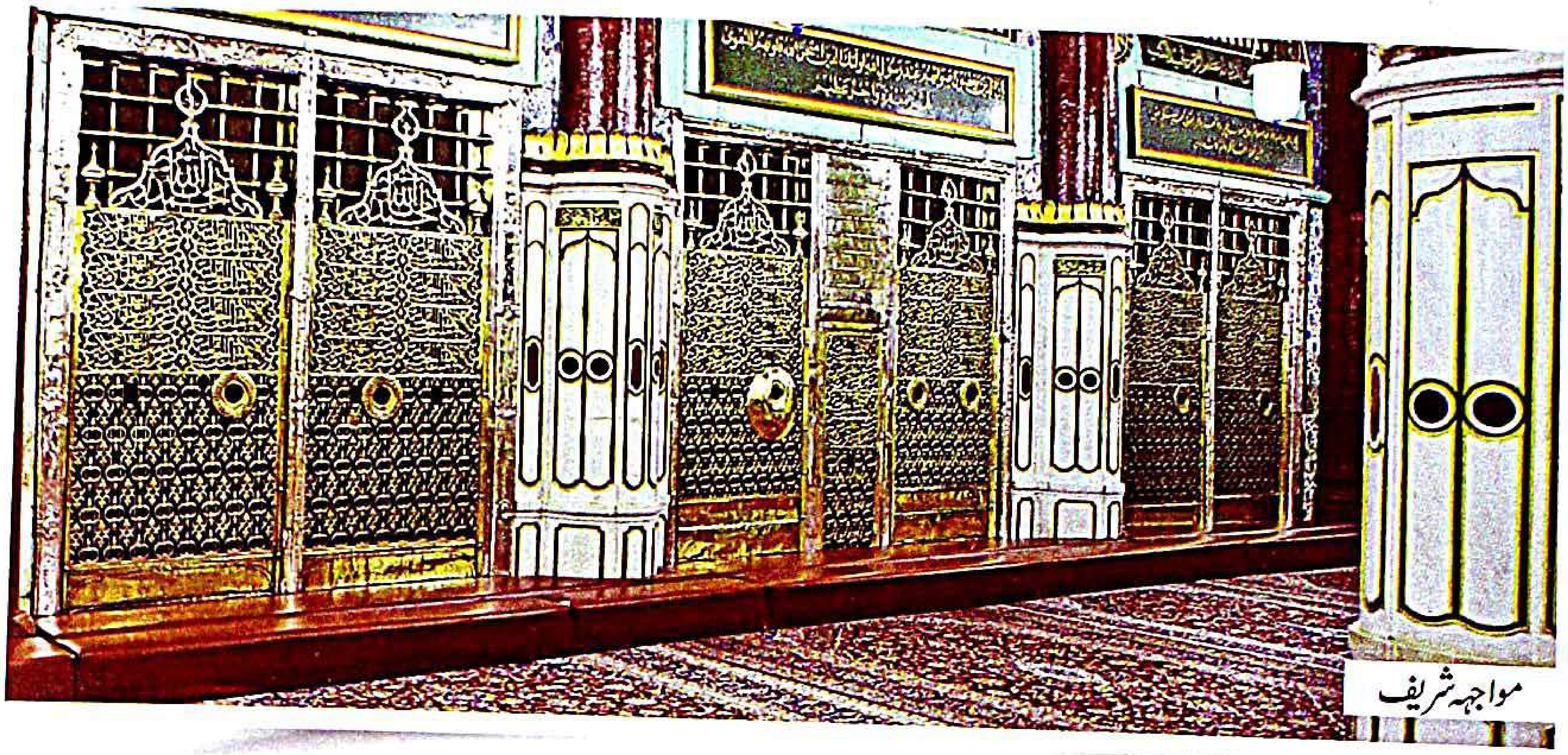
جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں قیام فرمایا تو اپنی رہائش کے ساتھ ہی آپ نے مسجد بنانے کا قصد کیا۔ یہ قریب کی جگہ دراصل دو یتیم بھائیوں کی ملکیت تھی۔ وہ اس جگہ کھجوریں سکھایا کرتے تھے۔ جب ان یتیم بچوں کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہاں مسجد تعمیر کروانے کا علم ہوا تو انھوں نے یہ جگہ تحفتاً دینا چاہی لیکن آپ ﷺ نے وہ جگہ دس دینار کے عوض ان بچوں سے خرید لی اور وہاں یکم ہجری بمطابق 622ء کو مسجد کی تعمیر شروع کر دی۔ تعمیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ ﷺ نے بہ نفسِ نفیس حصہ لیا۔ اس مسجد کی لمبائی 105 فٹ اور چوڑائی 90 فٹ تھی اور چھت کی اونچائی تقریباً 7 فٹ تھی۔ کھجور کے پتوں اور گارے سے اس کی تعمیر ہوئی۔ مسجد میں داخل ہونے کے لیے تین دروازے تھے۔ ایک دروازہ مغربی جانب بابِ رحمت تھا۔ مشرق کی طرف باب النبی (ﷺ) تھا جس کا موجودہ نام بابِ جبرائیل علیہ السلام ہے اور تیسرا دروازہ جنوب کی طرف تھا۔ شمال کی جانب قبلہ اوّل بیت المقدس تھا۔ یاد رہے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم 2ھ میں نازل ہوا اور ہجرت سے تقریباً 16 ماہ تک آپ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ہی نماز پڑھائی۔ مسجد کے ایک کونے میں اصحابِ صُفّہ کے لیے ایک چبوترہ بھی بنوایا جہاں بیٹھ کر وہ اسلامی تعلیمات سے اپنے دلوں کو منور فرماتے۔



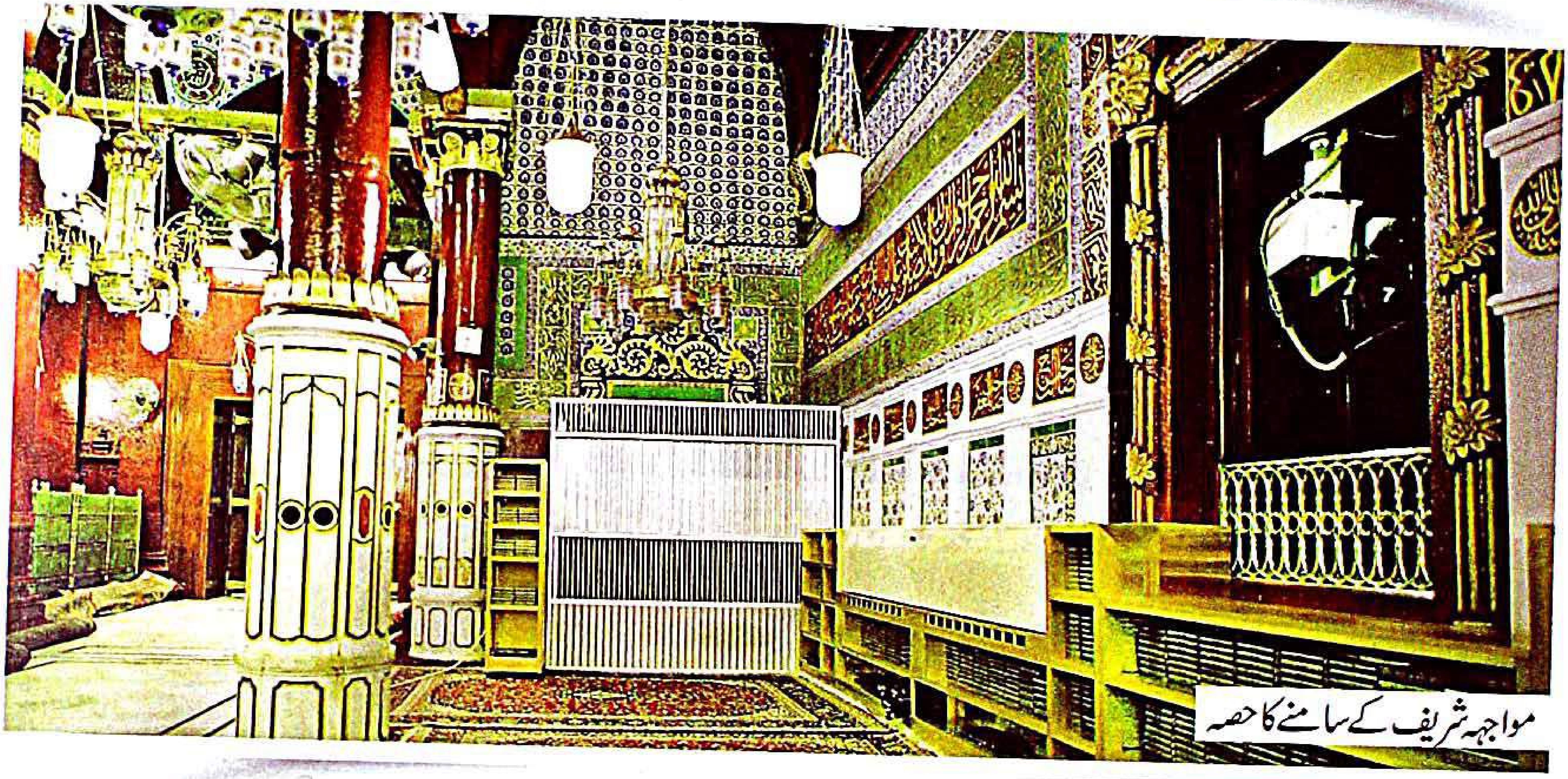
جب روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں 7ھ بمطابق جون 628ء میں خیبر سے واپسی پر مسجد نبوی میں توسیع کروائی۔ اس وقت مسجد نبوی تقریباً سات فٹ بلند تھی۔ مسجد کا صحن پہلے سے دگنا کر دیا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت کے پہلے چار سال تک مسجد نبوی کو ویسے ہی رہنے دیا لیکن اسلامی فتوحات کی وجہ سے جب مدینہ کی آبادی بڑھنے لگی تو نمازیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ 17ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کو وسیع کرنا چاہا۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات کے مکانات چھوڑ کر مسجدِ نبوی کے گرد جس قدر مکانات اور عمارتیں تھیں، گرا کر مسجد کو توسیع دی گئی۔ اس سے پہلے مسجد کا طول 100 گز تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے 140 گز کر دیا اور عرض بھی 120 گز تک بڑھا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے قبل مسجد میں روشنی کا انتظام نہیں تھا۔





مواجہہ شریف



مواجہہ شریف کے سامنے کا حصہ



اصحاب صفہ کا چبوترا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد ہی سے یہاں روشنی کا بندوبست کیا گیا۔

مسجد نبوی میں تیسری دفعہ توسیع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے 29ھ بمطابق 649ء میں کروائی۔ مسجد کی چھت میں ساگوان کی لکڑی استعمال کی گئی اور اس کا طول بڑھا کر 160 گز اور عرض 150 گز کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نئے مفتوحہ علاقوں میں ایسا ہی حکم دیا کہ نئی مساجد تعمیر کی جائیں اور پہلے سے تعمیر کی گئی مساجد کو وسیع کیا جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کا صحن پتھر سے پختہ کروایا۔ مسجد کی بلندی بھی سات فٹ سے بڑھا کر گیارہ فٹ کردی گئی اور اس میں چونے اور پتھر سے 35 ستون بنائے گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں ذرا نیچے کی طرف سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ آرام فرما ہیں۔ روضۂ اطہر کی موجودہ عمارت 22 میٹر لمبی اور 15 میٹر چوڑی ہے۔ بالکل اسی جگہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارک تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہوئے۔ مدینہ منورہ سے کعبۃ اللہ جنوب میں ہے اور جنوبی رخ کی طرف مواجہہ شریف ہے جس کے سامنے کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے۔

مدینہ منورہ کا ہر حصہ خیر اور برکتوں سے مالا مال ہے لیکن مسجد نبوی روئے زمین پر خانہ کعبہ اور مسجد حرام کے بعد ایسی جگہ ہے جہاں دن رات اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ایک ہزار نمازیں پڑھنے سے افضل ہے، سوائے مسجد حرام کے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 1190)

گنبدِ خضرا

روضۂ اقدس کے اوپر گنبدِ خضرا ہے۔ سب سے پہلے 687ھ میں مملوک حکمران الملک المنصور قلاوون نے روضۂ اقدس پر ایک گنبد بنوایا جو نیچے سے مربع اور اوپر سے آٹھ گوشوں کا تھا، یہ لکڑی کے تختوں اور سیسے (Lead) کی پلیٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ 886ھ میں الملک اشرف قایت بائی نے اس گنبد کا رنگ سفید کر دیا جسے ”القبۃ البیضاء“ کہا جاتا ہے۔ دسویں صدی ہجری کے وسط میں عثمانی سلطان سلیمان قانونی نے روضۂ اقدس کا فرش سنگِ مرمر کا بنوایا جو آج تک موجود ہے۔

سلطان محمود ثانی نے 1233ھ میں گنبد کو از سرِ نو تعمیر کروایا اور 1255ھ میں گنبد پر سبز رنگ کرایا گیا اور اسی وقت سے اسے گنبدِ خضرا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔









ریاض الجنۃ

مسجدِ نبوی میں وہ مقدس مقام بھی ہے جسے آنحضور ﷺ نے روضۃ الجنہ سے تعبیر کیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

'مَابَیْنَ بَیْتِي وَ مِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ'

''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

(صحیح البخاري، حدیث: 1195، 1196، و صحیح مسلم، حدیث: 1390، 1391)

ریاض الجنہ کی جگہ

اگر آپ باب البقیع سے مسجدِ نبوی میں داخل ہوں تو روضۂ رسول ﷺ آپ کے دائیں ہاتھ ہوگا اور جونہی آپ روضۂ رسول سے گزریں گے تو روضہ کی اگلی جانب مغربی دیوار سے منبرِ رسول ﷺ تک درمیانی جگہ نسبتاً نمایاں نظر آئے گی۔ اسی جگہ بچھے ہوئے قالین سبز رنگ سے نمایاں کیے گئے ہیں جبکہ مسجد میں باقی جگہ قالین اور صفیں سرخ رنگ کی ہیں اور یہی سبز رنگ والا حصہ ''ریاض الجنہ'' ہے۔ جس کا موجودہ رقبہ 15x22 میٹر ہے۔ مذکورہ حدیث میں اسے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے بعض شارحینِ حدیث کا کہنا ہے کہ یہ متبرک حصہ واقعی



ریاض الجنہ

جنت سے اتارا گیا ہے جب روزِ قیامت ہوگا تو اس حصے کو جنت میں منتقل کر دیا جائے گا۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ ٹکڑا رحمت کے نزول کی جگہ ہے اور یہاں اللہ کا ذکر کرنے والوں کو رحمتیں اور سعادتیں نصیب ہوتی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں عبادت کرنا جنت میں داخلے کی ضمانت ہے۔

(فتح الباري: 4/130، و وفاء الوفاء: 2/429، 430)

اس لیے سب زائرین اس جگہ چند لمحے گزارنے اور دو نفل ادا کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اسے وہ اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔



منبرِ رسول ﷺ

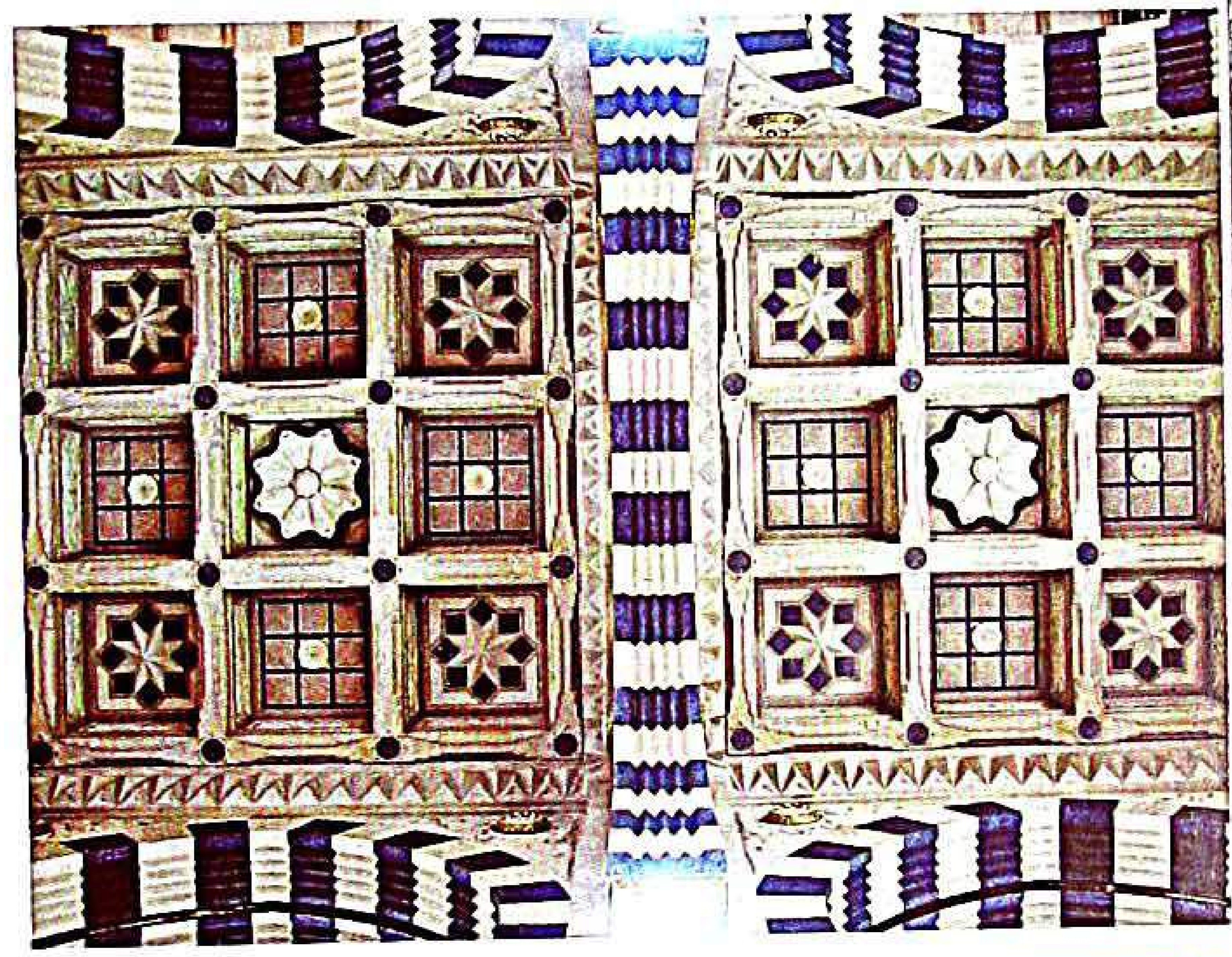
منبرِ رسول ﷺ

مسجدِ نبوی کی پہلی تعمیر مکمل ہونے کے بعد جب پہلا جمعہ پڑھانے کا موقع آیا تو جناب رسالت مآب ﷺ نے مسجد کے صحن میں ایک کھجور کے خشک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبے کے دوران آپ تھک بھی جاتے تھے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو بیٹھنا بھی پڑ جاتا تھا۔ اس کیفیت کو دیکھ کر آپ ﷺ کے ایک صحابی تمیم داری رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے لیے لکڑی کا منبر تیار کرنے کا قصد ظاہر کیا جسے آپ ﷺ نے پسند فرمایا۔ تمیم داری رضی اللہ عنہ نے لکڑی سے تین سیڑھیوں والا منبر تیار کیا اور جس جگہ کھجور کا تنا تھا اسے کاٹ کر وہیں دفن کر دیا گیا اور اس جگہ لکڑی کا تیار کردہ منبر رکھ دیا گیا۔ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد خلفائے راشدین بھی خطبے کے لیے یہ منبر استعمال کرتے رہے لیکن بہ تقاضائے ادب آخری سیڑھی پر بیٹھنے سے گریز کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس لکڑی کے منبر پر ایک قیمتی کپڑا ڈالا گیا اور منبر کے نیچے ایک فٹ اونچی چوکی سنگِ مرمر سے تیار کروائی اور منبر اس پر رکھ دیا گیا۔ اس منبر کی لمبائی ایک گز اور چوڑائی نصف گز تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 50ھ میں جب دار الخلافہ دمشق منتقل کیا تو اس منبر کو بھی شام لے جانے کا قصد کیا۔ جب منبر مبارک کو اس کے مقام سے حرکت دی گئی تو سورج گرہن ہو گیا اور اتنا اندھیرا چھا گیا کہ دن کے وقت بھی ستارے نظر آنے لگے۔ ہوا کے شدید طوفان کے ساتھ زلزلے کی وجہ سے زمین جنبش کرنے لگ گئی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر منبر رسول ﷺ کو مسجد نبوی سے باہر کسی بھی جگہ منتقل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔ بعد میں مروان بن حکم نے اس خیال کے پیشِ نظر کہ لکڑی کے اس منبر کو کہیں دیمک لگ سکتی ہے نو سیڑھیوں والا ایک نیا منبر تعمیر کروایا، لہٰذا آج تک نو ہی زینوں والا

منبر شریف زیب مسجد ہے۔ بعد میں اکثر خلفا اور سلاطین اپنے خلوص اور محبت کے اظہار کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ منبر تیار کروا کر مسجد نبوی سے عقیدت کا اظہار کرتے رہے۔ 563ھ میں ایک نیا منبر بنایا گیا جو 654ھ میں آگ سے جل گیا۔ 888ھ میں ملک اشرف قایت بائی نے سنگِ مرمر کا منبر مبارک تعمیر کروایا جو اس وقت مسجد قباء میں رکھا ہوا ہے۔ 998ھ میں عثمانی سلطان مراد خاں نے بھی سنگِ مرمر کا ایک عالیشان منبر تعمیر کروا کر اپنی دلی عقیدت کا اظہار کیا۔ یہی منبر مبارک ابھی تک مسجد نبوی میں موجود ہے۔





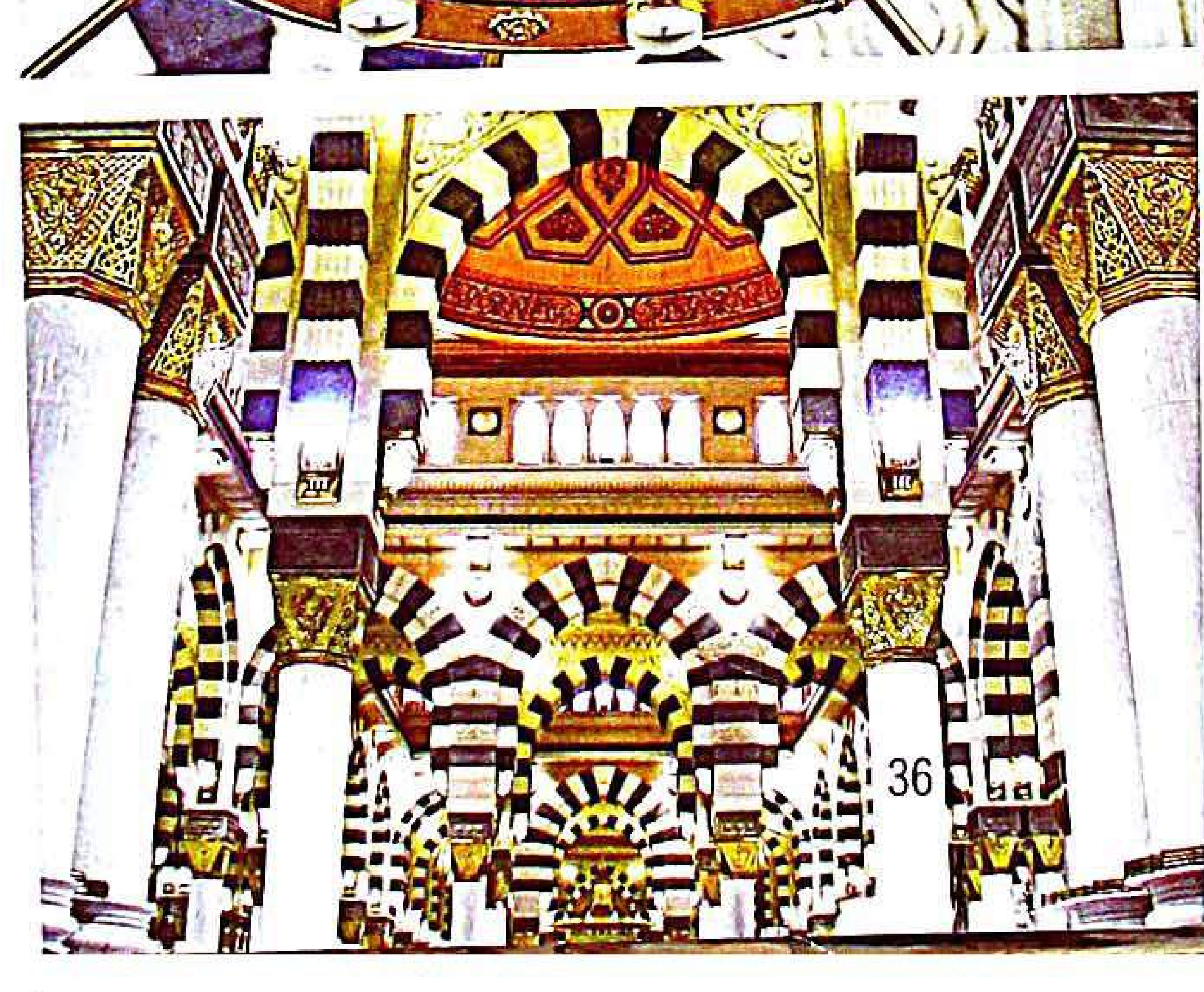
سات ستون

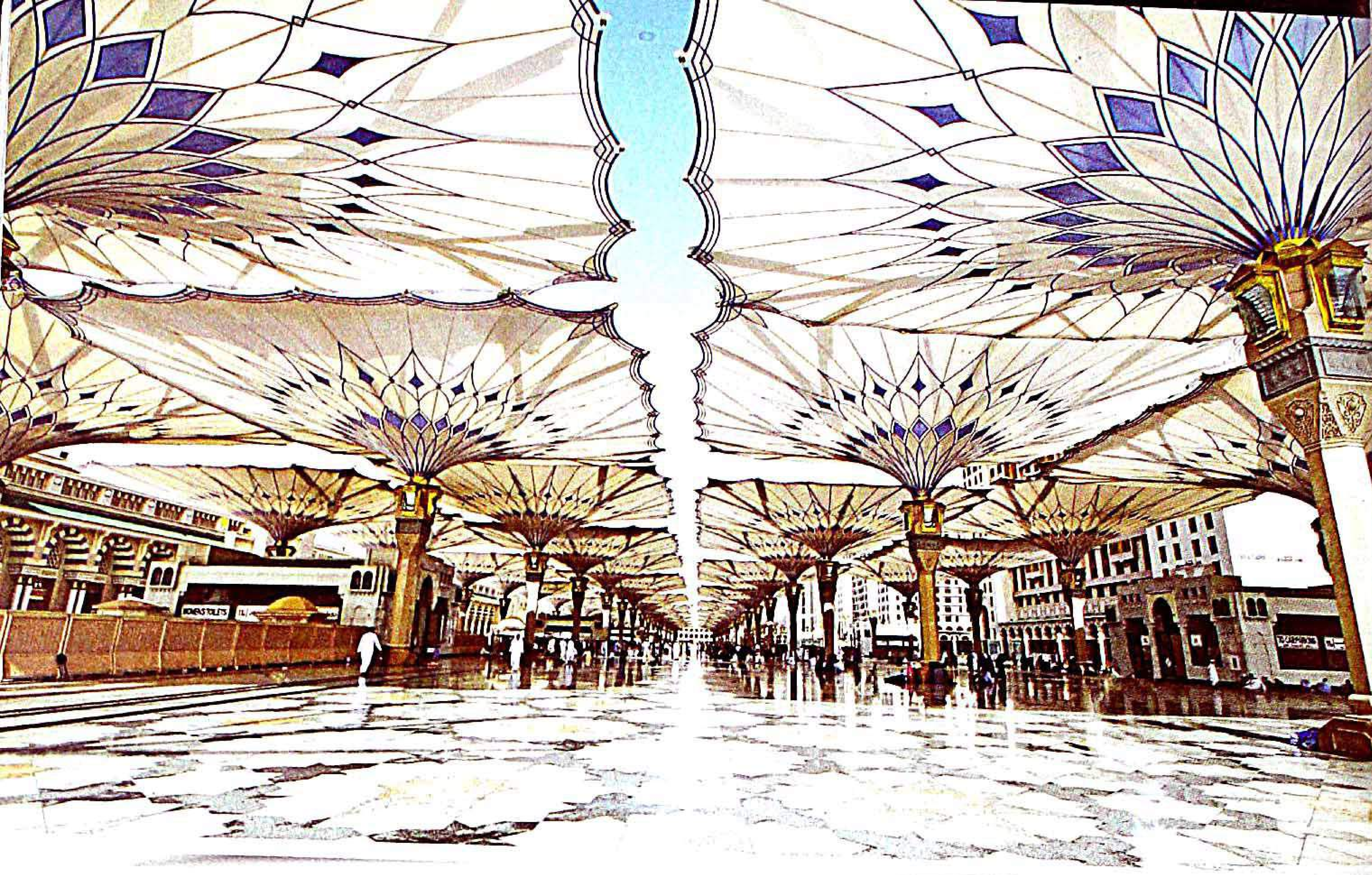
یوں تو مسجد نبوی کا ہر حصہ بابرکت اور مقدس ہے مگر ''ریاض الجنۃ'' کے وہ سات ستون جنھیں مسجد نبوی کے دوسرے ستونوں سے نمایاں اور ممیز کر دیا گیا ہے، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اور یہ ستون ''ریاض الجنۃ'' والے حصے میں ہیں۔ ان ستونوں کی مختصر تفصیل کچھ اس طرح ہے:



ستونِ حنّانہ

یہ ستون محراب النبی ﷺ کے قریب ہے۔ نبی ﷺ اس ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، اسی جگہ کھجور کا وہ تنا (درخت) دفن ہے جو لکڑی کا منبر تیار کیے جانے کے بعد آپ ﷺ کے فراق میں بلک بلک کر رویا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کھجور کے تنے کو اپنے مبارک





سینے سے لگا کر تسلّی دی تو اس نے رونا بند کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے رونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ اس وجہ سے رویا کہ اس کے پاس اللہ کا ذکر ہوتا تھا اور وہ اسے سنتا تھا۔''

ستونِ عائشہ رضی اللہ عنہا

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میری مسجد میں ایک ایسی جگہ موجود ہے کہ اگر لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت کا علم ہو جائے تو وہ اسی جگہ نماز پڑھنے کی باری حاصل کرنے کے لیے قرعہ اندازی کرنے لگیں۔''

(المعجم الاوسط للطبراني:1/476، حديث: 866)

اس متبرک جگہ کی نشاندہی اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی تھی، پھر اس جگہ ستونِ عائشہ بنا دیا گیا۔

ستونِ ابولبابہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے ایک صحابی تھے۔ ان سے ایک لغزش سرزد ہو گئی۔ اس گناہ کو معاف کروانے کے لیے انھوں نے اپنے آپ کو مسجدِ نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا، یہاں تک کہ انھوں نے اللہ کے حضور گڑگڑا کر اپنے گناہ کی صدقِ دل سے معافی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، جس کا ذکر سورۂ توبہ میں موجود ہے۔ آنحضور ﷺ پر جب ان کی توبہ قبول ہونے کے بارے میں وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی براءت کا بتایا اور خود اپنے ہاتھوں سے اس صحابی کو ستون سے کھولا، اس لیے اس ستون کا نام ستونِ ابولبابہ ہے۔

ستونِ وفود

اس ستون کے پاس نبی کریم ﷺ مدینہ کے باہر سے آنے والے وفود سے ملاقات کیا کرتے تھے، اس لیے اس ستون کا نام ستونِ وفود ہے۔

ستونِ سریر

اس ستون کے پاس آنحضور ﷺ اعتکاف فرمایا کرتے اور رات کو اسی جگہ آپ ﷺ کا بستر بچھا دیا جاتا تھا۔

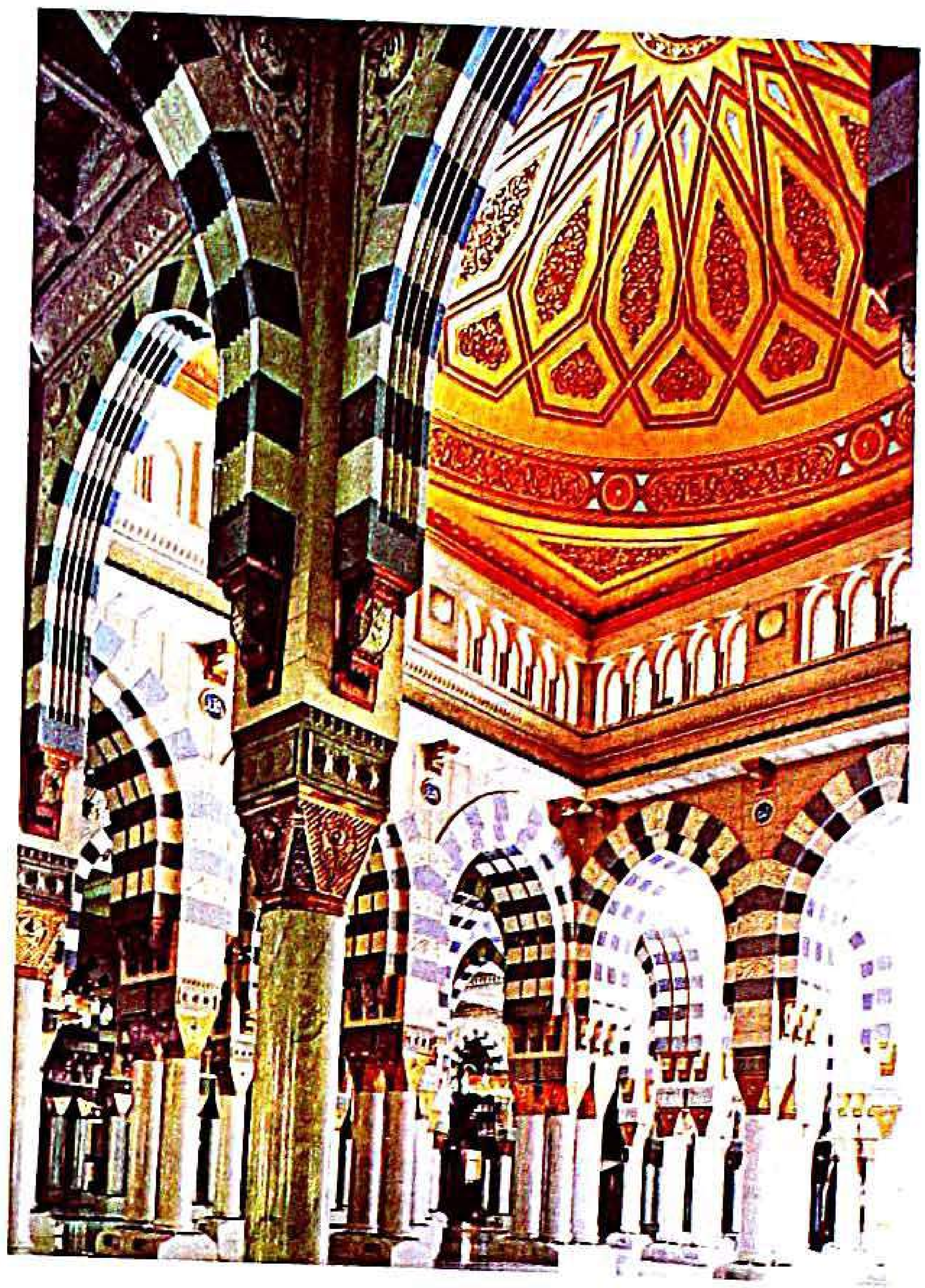
ستونِ حرس

اس مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اکثر نماز پڑھا کرتے تھے اور یہیں بیٹھ کر سرکارِ دو عالم ﷺ کی پاسبانی کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ اس ستون کو ستون علی رضی اللہ عنہ بھی کہتے ہیں اور یہ بابِ جبریل علیہ السلام کے سامنے ہے۔

ستونِ تہجد

نبی اکرم ﷺ اس جگہ اکثر نمازِ تہجد ادا فرمایا کرتے تھے، اس لیے اس ستون کا نام ستونِ تہجد رکھا گیا ہے۔



اصحابِ صُفّہ کا مسکن

مسجدِ نبوی میں منبرِ رسول کے سامنے ایک جگہ مختص تھی جس میں وہ اصحاب رضی اللہ عنہم رہتے تھے جنھوں نے اپنی زندگی اسلام کی تعلیمات حاصل کرنے کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ ان صحابہ کو اصحابِ صُفّہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کچھ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت بلال، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو بشر کعب بن عمر، حضرت عمیر بن عوف، حضرت سلمان فارسی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عبداللہ بن زید، حضرت ابو ذر غفاری، حضرت زید بن خطاب، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن عامر (رضوان اللہ علیہم اجمعین)۔

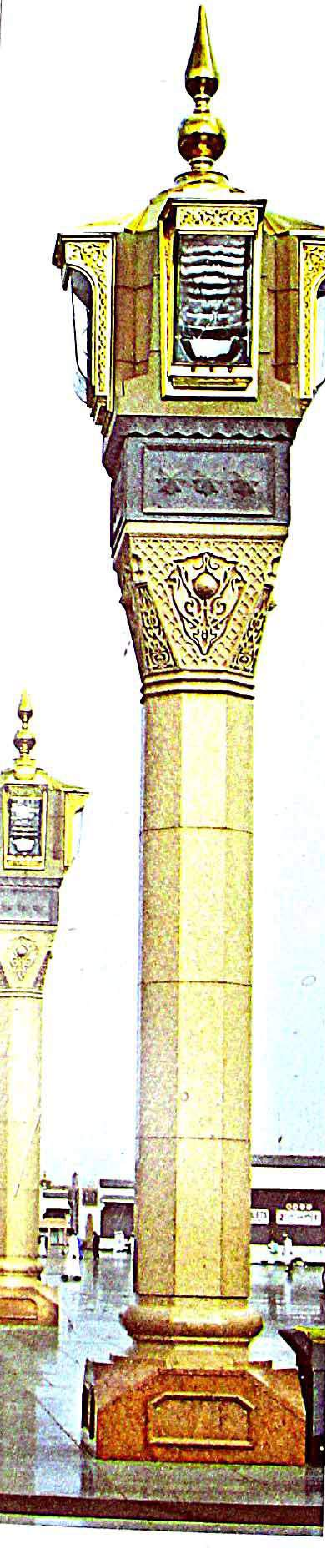
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اُن ستر اصحابِ صُفّہ میں سے تھا جن کے پاس سوائے ایک چادر کے اور کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا جسے وہ گلے میں پہنے رکھتے۔

مسجدِ نبوی میں توسیع کا عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد نبوی کا سنگِ بنیاد اپنے دستِ مبارک سے رکھا، اس وقت سے تقریباً بیس مرتبہ مختلف ادوار میں اس میں توسیع کی جا چکی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور میں مسجدِ نبوی کے چار مینار تعمیر کروائے جن



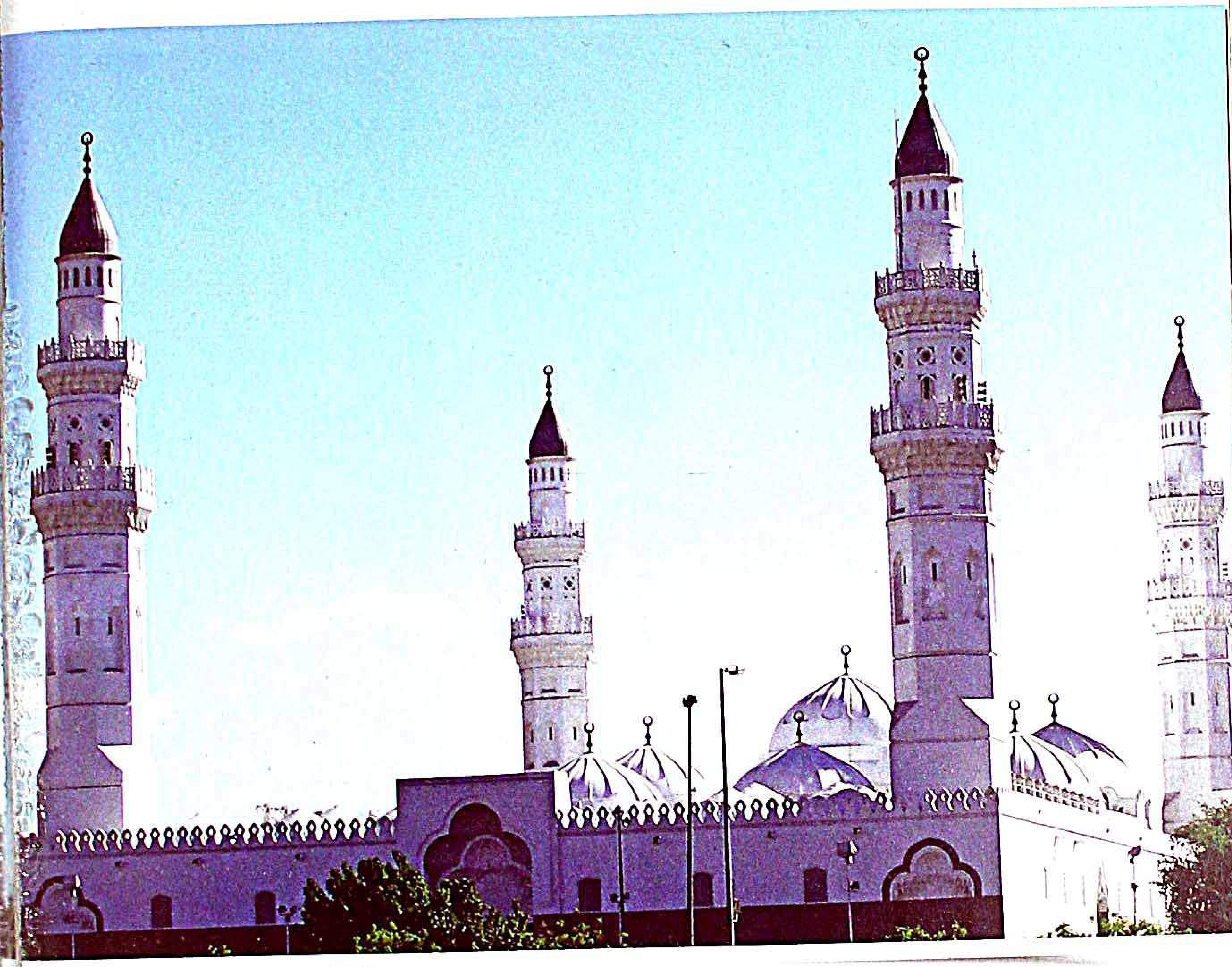
اونچائی اٹھاسی، اٹھاسی فٹ تھی۔ سلطان عبدالمجید اول نے مسجدِ نبوی کی تزئین و آرائش اور توسیع کا کام 1265ھ میں شروع کیا اور 1277ھ میں مکمل ہو گیا۔ نئے ستون تیار کروائے گئے۔ ان کے دور میں مسجد نبوی کے ستونوں کی تعداد 296 تھی اور ہر ستون کے نچلے حصے پر سلطان نے سونے کے کڑے چڑھائے۔ مسجد نبوی کا شمالی جانب والا دروازہ بابِ مجیدی کے نام سے مشہور ہے۔



شاہ عبداللہ کا عظیم توسیعی منصوبہ

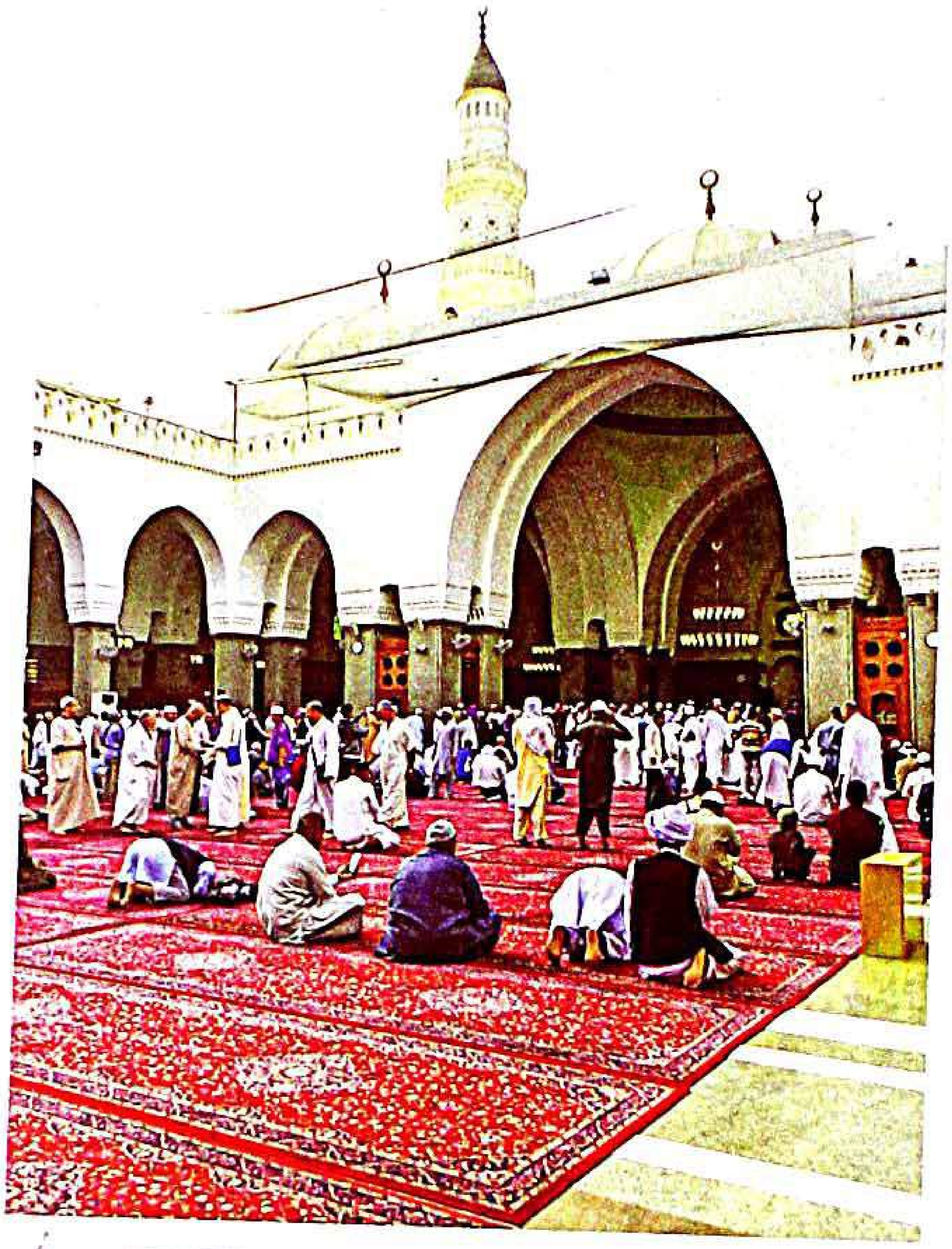
ابھی حال ہی میں خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ نے مسجد نبوی میں توسیع کا پروگرام ترتیب دیا۔ شاہ عبداللہ 24 ستمبر 2012ء کو مدینہ منورہ پہنچے اور اس عظیم منصوبے کا سنگِ بنیاد رکھا جس میں مسجدِ نبوی کی توسیع مقصود تھی۔ یہ توسیعی منصوبہ تین مرحلوں میں مکمل کیا جائے گا۔ پہلے مرحلے میں نمازیوں کی گنجائش 800,000 تک بڑھائی جائے گی۔ جبکہ دوسرے اور تیسرے مرحلے میں مسجد کی گنجائش دس لاکھ کر دی جائے گی اور جب 2040ء میں مسجد نبوی کی توسیع کا عمل مکمل ہو گا تو اس میں نمازیوں کی گنجائش بارہ لاکھ تک بڑھ جائے گی۔ اس توسیع کو بروئے کار لانے کی خاطر بڑے بڑے 23 ہوٹل اور کئی بلند و بالا عمارتوں کو مسمار کرنا پڑے گا جس کے نتیجے میں ان میں زائرین کے ٹھہرنے کے لیے 4760 کمرے کم پڑ جائیں گے لیکن ساتھ ساتھ مدینہ شہر کے ترقیاتی ادارے (ایم ڈی اے) نے یہ منصوبہ بندی بھی کی ہے کہ ایک سال کے اندر مزید 21 ہوٹل شہر میں تعمیر کر دیئے جائیں تاکہ زائرین کو دورانِ قیامِ مدینہ کسی پریشانی یا دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ پرانے ہوٹلوں اور عمارتوں کے مالکان کو سعودی حکومت اڑھائی ارب ریال بطورِ معاوضہ ادا کرے گی۔ مسجد نبوی کے اس توسیعی منصوبے کے مکمل ہونے کے بعد مدینہ شریف کا وہ پورا شہر، جو نبی ﷺ کے دور میں آباد تھا، مسجد نبوی میں شامل ہو جائے گا۔ یہ رحمتِ الٰہی کے آثار ہیں جس کے متعلق زائر کہتا ہے ۔

جب مسجدِ نبوی کے مینار نظر آئے
اللہ کی رحمت کے آثار نظر آئے



مسجد قباء

ہجرتِ نبوی کے بعد جو پہلی مسجد بنی، وہ مسجد قباء ہے۔ یہ ایک ایسا منفرد اعزاز ہے جو کسی اور مسجد کو حاصل نہیں۔ اس مسجد کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں یوں فرمایا ہے: ''وہ مسجد جس کی بنیاد روزِ اوّل ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔'' اسی لیے اسے مسجدِ تقویٰ بھی کہا جاتا ہے۔ مسجد قباء کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس کی بنیاد نبی کریم ﷺ نے خود اپنے ہاتھوں سے رکھی۔ جب رسالت مآب ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی تو مدینہ میں داخل ہونے سے قبل شہر سے تین کلومیٹر دور طریقِ مکہ پر قباء کی بستی تھی، جہاں آپ ﷺ نے اپنے جانثار شریکِ سفر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بیس دن قیام فرمایا۔ قباء میں دورانِ قیام آپ ﷺ نے ایک مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا، وہ یہی مسجد قباء تھی۔ آپ ﷺ نے خود مسجد قباء کی تعمیر میں حصہ لیا۔ جس دن آپ ﷺ بستی قباء پہنچے، وہ پیر کا دن تھا، ماہِ ربیع الاوّل کی 12 تاریخ تھی اور سنِ عیسوی کی 24 ستمبر 622ء، اسی



دن سے اسلامی کیلنڈر اور اسلامی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔

مسجدِ قباء کے چھ گنبد اور چار مینار ہیں جو چاروں کونوں پر تعمیر کیے گئے ہیں۔ اس میں چھ داخلی دروازے ہیں جو کہ شمال، مشرق اور مغربی سمت ہیں۔ مسجد کی محراب جنوب، یعنی قبلہ کی جانب ہے۔ صحن سفید، سرخ اور سیاہ سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے جو دیکھنے میں انتہائی خوبصورت ہے۔ خواتین کے لیے مردوں سے علیحدہ جگہ مخصوص کی گئی ہے۔

حدیثِ مبارکہ ہے کہ اگر کوئی گھر سے وضو کر کے مسجد قباء میں دو رکعت نماز ادا کرے گا تو اسے ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔

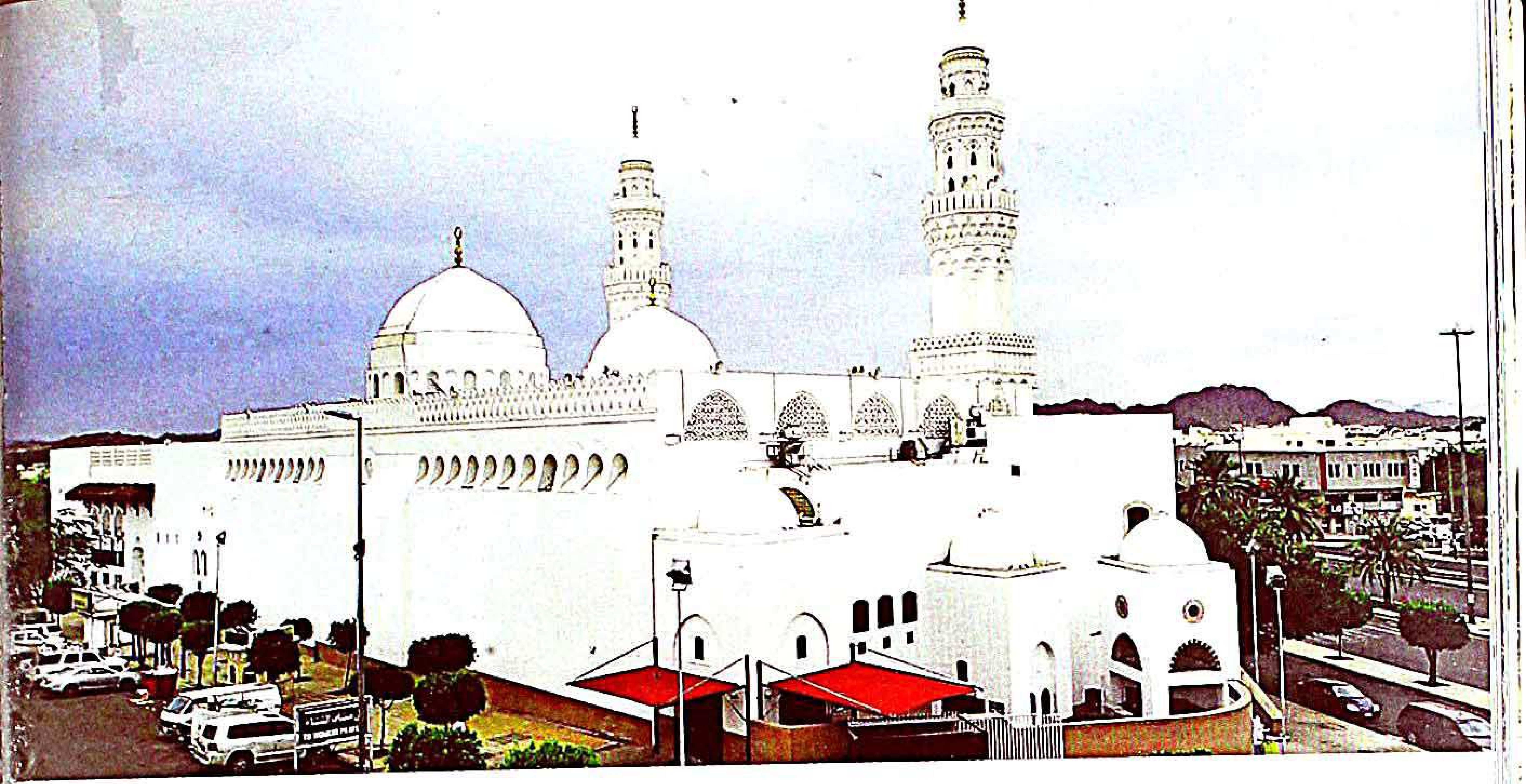
(سنن ابن ماجه، حديث:1412)



ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''مسجد قباء میں جو کوئی دو نفل نماز ادا کرے گا اسے ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔''

(سنن ابن ماجه، حديث:1411)

نبی ﷺ خود بھی گاہے گاہے ہفتے کے روز اس مسجد میں تشریف لے جاتے اور نفل نماز ادا فرمایا کرتے۔ مسجد قباء جانے کے لیے کبھی آپ ﷺ پیدل تشریف لے جاتے اور کبھی سواری پر۔ آج بھی ہر زائر جس کو ایامِ حج اور عمرہ میں مدینہ جانے کا شرف حاصل ہوتا ہے، مسجد قباء میں اپنی اولین فرصت میں نماز کے لیے جاتا ہے۔ مسجد قباء کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس میں نبی کریم ﷺ نے پہلی دفعہ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو علانیہ طور پر نماز باجماعت پڑھائی۔



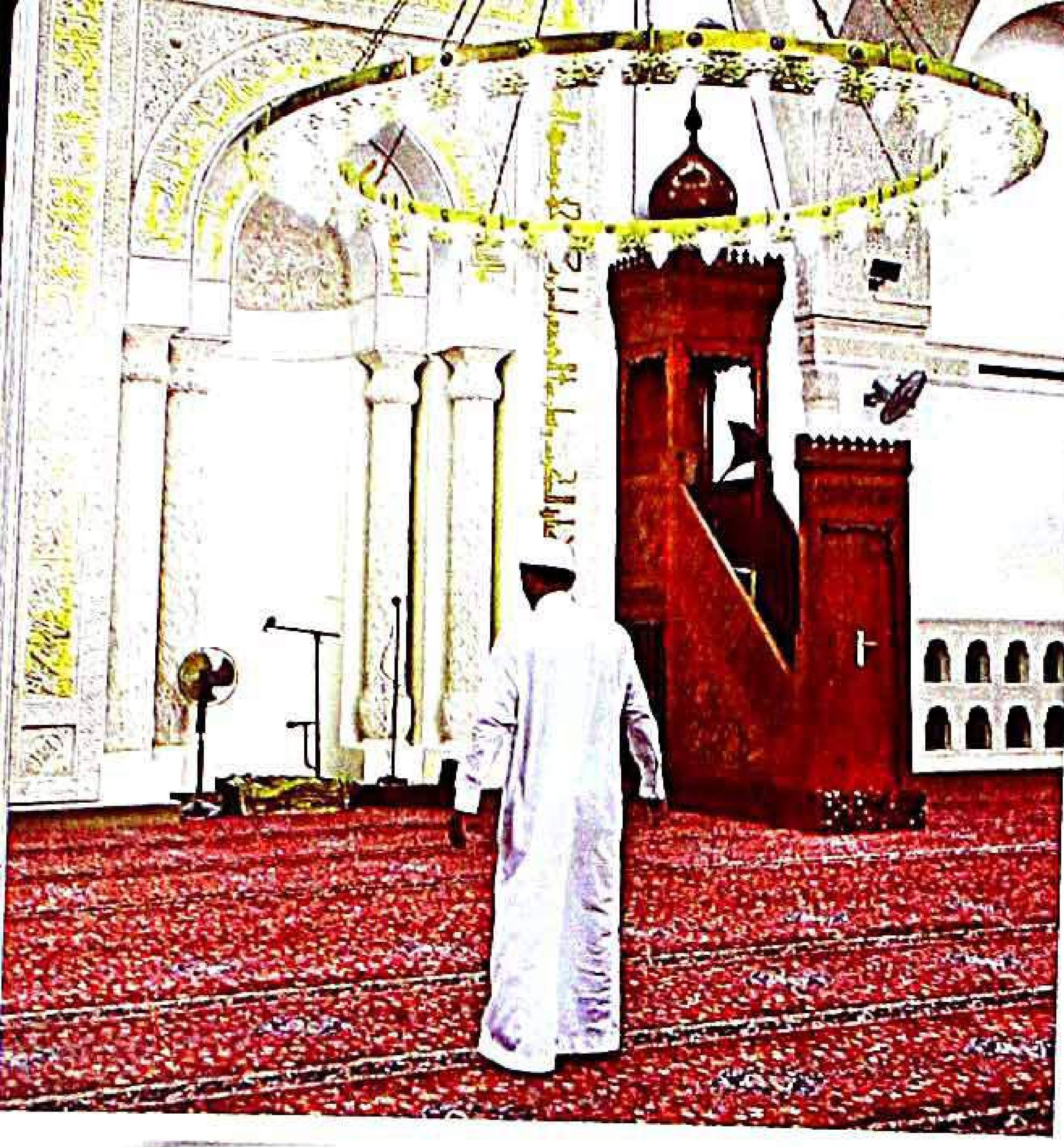
مسجد قبلتین

یہ مسجد مدینہ منورہ سے چار کلومیٹر کے فاصلے پر، جانب مغرب واقع ہے۔ اسے مسجد قبلتین اس لیے کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بحالت نماز ہی اپنا رخ بیت المقدس سے پھیر کر بیت اللہ کی جانب کر لیا تھا۔ اس سے قبل ہجرتِ مدینہ سے لے کر سولہ (16) ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کیں۔ بیت المقدس مسلمانوں کے لیے اس لیے قابلِ احترام تھا کہ یہ سابقہ انبیاء کے زمانے سے قبلہ چلا آ رہا تھا، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر معراج کے لیے بیت المقدس ہی سے تشریف لے گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دلی تمنا اور خواہش تھی کہ امتِ مسلمہ جدُّ الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل میں یہ تمنا لیے بار بار آسمان کی طرف دیکھا کرتے۔ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو سلمہ کے ہاں نماز ظہر کی امامت فرما رہے تھے۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت ہی پڑھائی تھیں کہ تیسری رکعت میں بذریعہ وحی تحویل قبلہ کی آیت نازل ہوئی:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ

”یہ تمھارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ لو، ہم اسی قبلے کی طرف تمھیں پھیر دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو، پھر تم مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) کی طرف رخ پھیر لو۔ اور جہاں کہیں تم ہو (بوقتِ نماز) اسی (قبلہ) کی طرف منہ پھیر لیا کرو۔“

(البقرة 2:144)



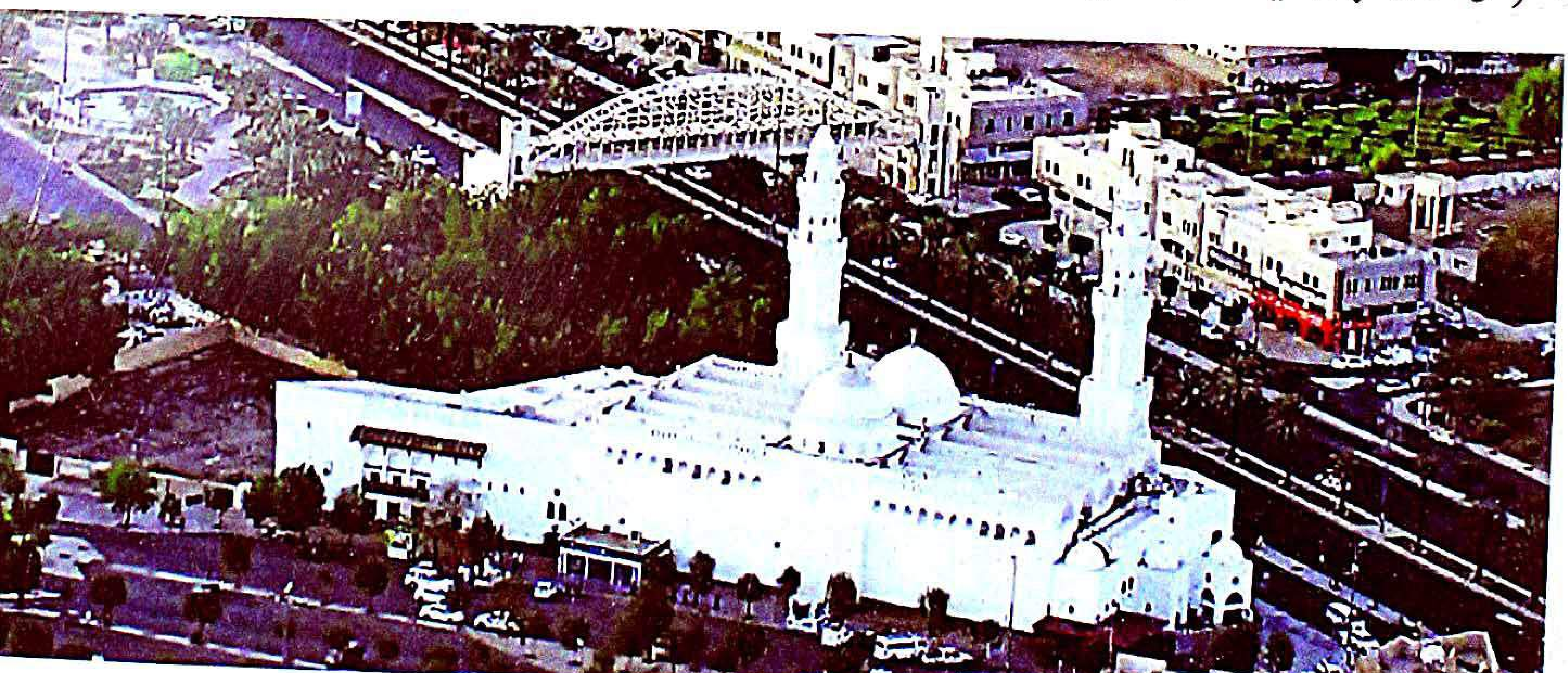
تحویلِ قبلہ کا حکم شعبان 2ھ میں نازل ہوا تھا اور جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے دورانِ نماز ہی اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف موڑ لیا۔ یہ واقعہ مسجد بنی سلمہ میں رونما ہوا، اس لیے یہ مسجدِ قبلتین (دو قبلوں والی مسجد) کہلاتی ہے۔


جب تحویلِ قبلہ کا حکم آیا تو اہلِ کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) نے بڑا شور مچایا کہ ہمارا قبلہ بیت المقدس مسلمانوں نے کیوں بدل لیا ہے، حالانکہ ان کو پہلے سے اس بات کا علم تھا کہ مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے بدل کر خانہ کعبہ (مکہ) کر دیا جائے گا اور یہ بات ان کی کتابوں میں موجود بھی تھی مگر ان کا نسلی غرور اور حسد قبولِ حق میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔

یہ تحویلِ قبلہ والا دن جہاں مسلمانوں کے لیے خوشی کا موقع تھا وہاں مدینہ کے اہلِ یہود کے لیے غم اور حزن کا دن تھا کیونکہ اس بارے میں ان کی کتاب میں جیسا لکھا ہوا تھا بالکل صحیح ثابت ہوا۔

حال ہی میں مسجدِ قبلتین کی تزئین و آرائش نئے سرے سے کی گئی ہے اور یہ مسجد دنیا کی خوبصورت مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ زائرین حرم اکثر اس تاریخی مسجد کی زیارت کو جاتے ہیں۔





فلوٹنگ مسجد، جدہ (سعودی عرب)

یوں تو جدہ شہر میں 1300 مساجد ہیں لیکن فلوٹنگ یا تیرتی مسجد نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلم سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ یہ مسجد جدہ شہر کے ''بلد'' سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر بحیرۂ قلزم کے اندر بنی ہوئی ہے۔ جب سمندر میں طغیانی کی کیفیت ہوتو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ مسجد بحیرۂ قلزم کی لہروں پر تیر رہی ہے۔ مسجد کا ڈیزائن ایسا منفرد اور خوبصورت ہے کہ اس کے بنانے والے کے ذہن کی داد دینی پڑتی ہے۔ اس کا اندرون نہایت خوبصورت ہے۔ مسجد میں تمام جدید سہولیات مہیا کی گئی ہیں۔ روشنی کا نظام، جدید ساؤنڈ سسٹم اور اس کے علاوہ ٹھنڈے اور گرم پانی کا انتظام موجود ہے۔ تیرتی مسجد جدید وقدیم فنِ تعمیر کا نہایت خوبصورت شاہکار دکھائی دیتی ہے۔ یہ مسجد جدہ کے ایک امیر شیخ صالح کامل نے بنوائی ہے۔





پاکستان

اسلامی جمہوریہ پاکستان جنوبی ایشیا کا ایک اہم ملک ہے۔ اس کا رقبہ 8,03,943 مربع کلومیٹر اور آبادی 18 کروڑ سے زائد ہے۔ اس کے شمال میں چین، جنوب میں بحیرۂ عرب، مشرق میں بھارت، شمال مغرب میں افغانستان اور مغرب میں ایران واقع ہیں۔ شمال میں افغانستان کی پٹی واخان اسے تاجکستان سے جدا کرتی ہے۔ پاکستان کے شمال مشرق میں مسلم اکثریتی خطہ جموں وکشمیر واقع ہے۔ مختلف ادوار میں پاکستان کے علاقوں پر ہخامنشی، یونانی، کشان (بدھ)، ساسانی، پال، غزنوی، غوری، غلامان خلجی، تغلق، سادات، لودھی، مغل، سکھ اور برطانوی حکمران رہے۔ اسلام کا ورود 93ھ/712ء میں محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح سندھ و ملتان سے ہوا۔ محمود غزنوی (997ء-1030ء) نے لاہور و سرحد اپنی سلطنت میں ضم کر لیے۔ ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ قطب الدین ایبک لاہور میں چوگان کھیلتے ہوئے فوت ہو کر یہاں دفن ہوا۔ مغل بادشاہ جہانگیر کا مقبرہ بھی لاہور میں ہے۔ 1799ء تا 1849ء پنجاب پر سکھ قابض رہے۔

دنیا کی بہت بلند چوٹیاں کے ٹو، راکاپوشی اور نانگا پربت پاکستان میں واقع ہیں۔ کے ٹو (28250 فٹ) دنیا میں دوسری بلند ترین چوٹی ہے۔ پاکستان میں دریائے سندھ اور اس کے معاون جہلم، چناب، راوی، ستلج اور کابل بہتے ہیں جن کی وادیاں مل کر سندھ کا زرخیز میدان بناتی ہیں۔ پاکستان کی زرعی پیداوار میں کپاس، گندم، چاول، گنا، آم، کنو اور کھجور سرفہرست ہیں۔ معدنی پیداوار میں قدرتی گیس، محدود پٹرولیم، خام کوئلہ، لوہا، تانبا، نمک، جپسم، کرومائٹ، چونے کا پتھر شامل ہیں۔ فی کس آمدنی 2500 ڈالر ہے۔ کراچی، محمد بن قاسم اور گوادر بڑی بندرگاہیں ہیں۔ شرح خواندگی 55.5 فیصد ہے۔

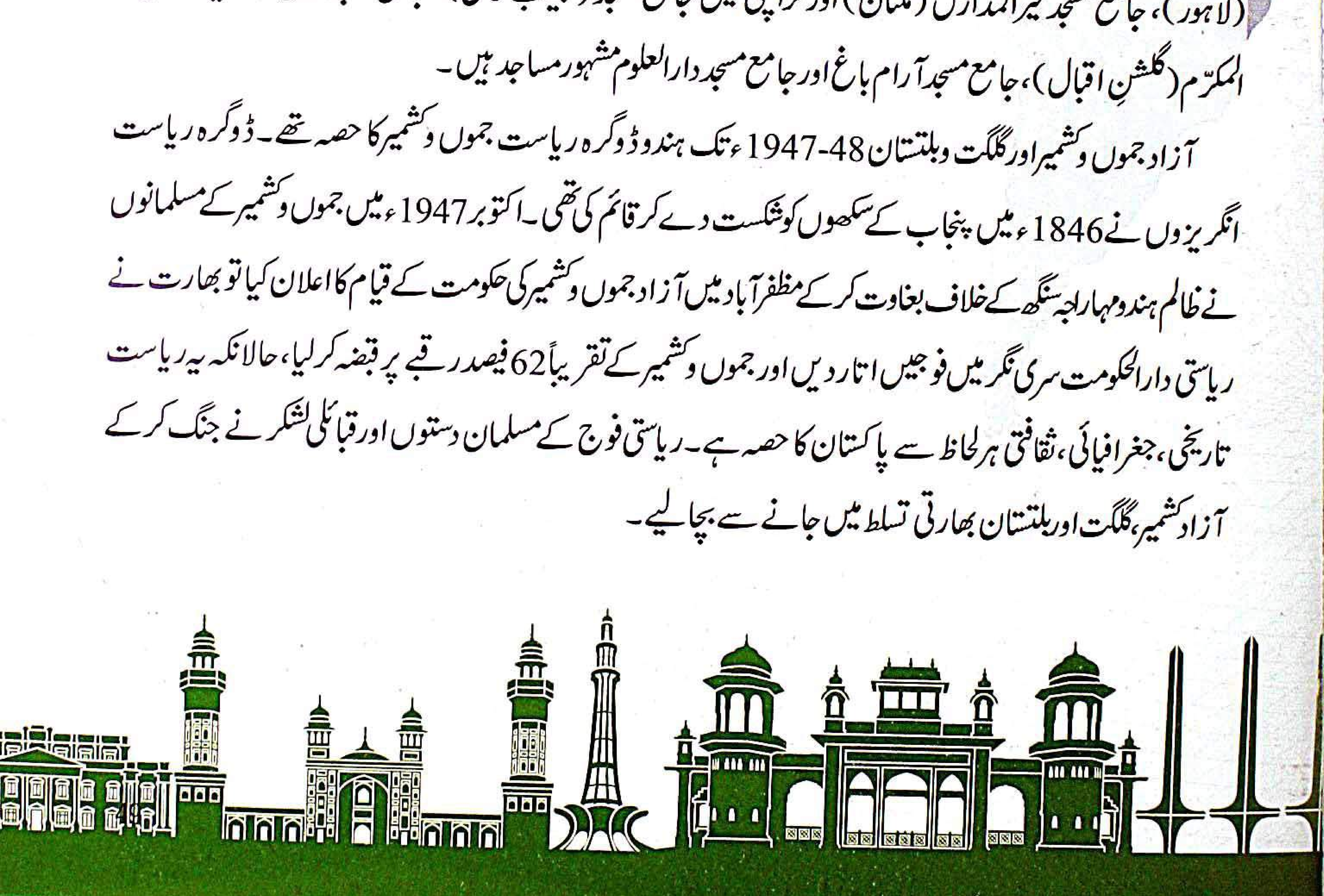
کراچی ملک کا سب سے بڑا شہر (آبادی 2.35 کروڑ)، معروف بندرگاہ اور سابق دارالحکومت ہے۔ موجودہ دارالحکومت اسلام آباد ایک جدید خوبصورت شہر ہے۔ پاکستان کے دیگر بڑے بڑے شہر لاہور (1.25 کروڑ)، فیصل آباد، ملتان، حیدرآباد، گوجرانوالہ، پشاور، راولپنڈی، سیالکوٹ، سکھر اور کوئٹہ ہیں۔

شاہی مسجد اور مسجد وزیر خان (لاہور) اور فیصل مسجد (اسلام آباد) کے علاوہ مہابت خاں مسجد (پشاور)، شاہی مسجد



(چنیوٹ)، مسجد عید گاہ (بہاولپور)، مسجد شاہجہان ٹھٹھہ (سندھ)، مسجد چینیانوالی، جامع مسجد اشرفیہ اور جامع القادسیہ (لاہور)، جامع مسجد خیر المدارس (ملتان) اور کراچی میں جامع مسجد (جیکب لائن)، جامع مسجد محمدی (گولیار)، بیت المکرّم (گلشنِ اقبال)، جامع مسجد آرام باغ اور جامع مسجد دار العلوم مشہور مساجد ہیں۔

آزاد جموں وکشمیر اور گلگت وبلتستان 48-1947ء تک ہندو ڈوگرہ ریاست جموں وکشمیر کا حصہ تھے۔ ڈوگرہ ریاست انگریزوں نے 1846ء میں پنجاب کے سکھوں کو شکست دے کر قائم کی تھی۔ اکتوبر 1947ء میں جموں وکشمیر کے مسلمانوں نے ظالم ہندو مہاراجہ سنگھ کے خلاف بغاوت کر کے مظفر آباد میں آزاد جموں وکشمیر کی حکومت کے قیام کا اعلان کیا تو بھارت نے ریاستی دار الحکومت سری نگر میں فوجیں اتار دیں اور جموں وکشمیر کے تقریباً 62 فیصد رقبے پر قبضہ کر لیا، حالانکہ یہ ریاست تاریخی، جغرافیائی، ثقافتی ہر لحاظ سے پاکستان کا حصہ ہے۔ ریاستی فوج کے مسلمان دستوں اور قبائلی لشکر نے جنگ کر کے آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان بھارتی تسلط میں جانے سے بچا لیے۔



شاہ فیصل مسجد

(اسلام آباد)

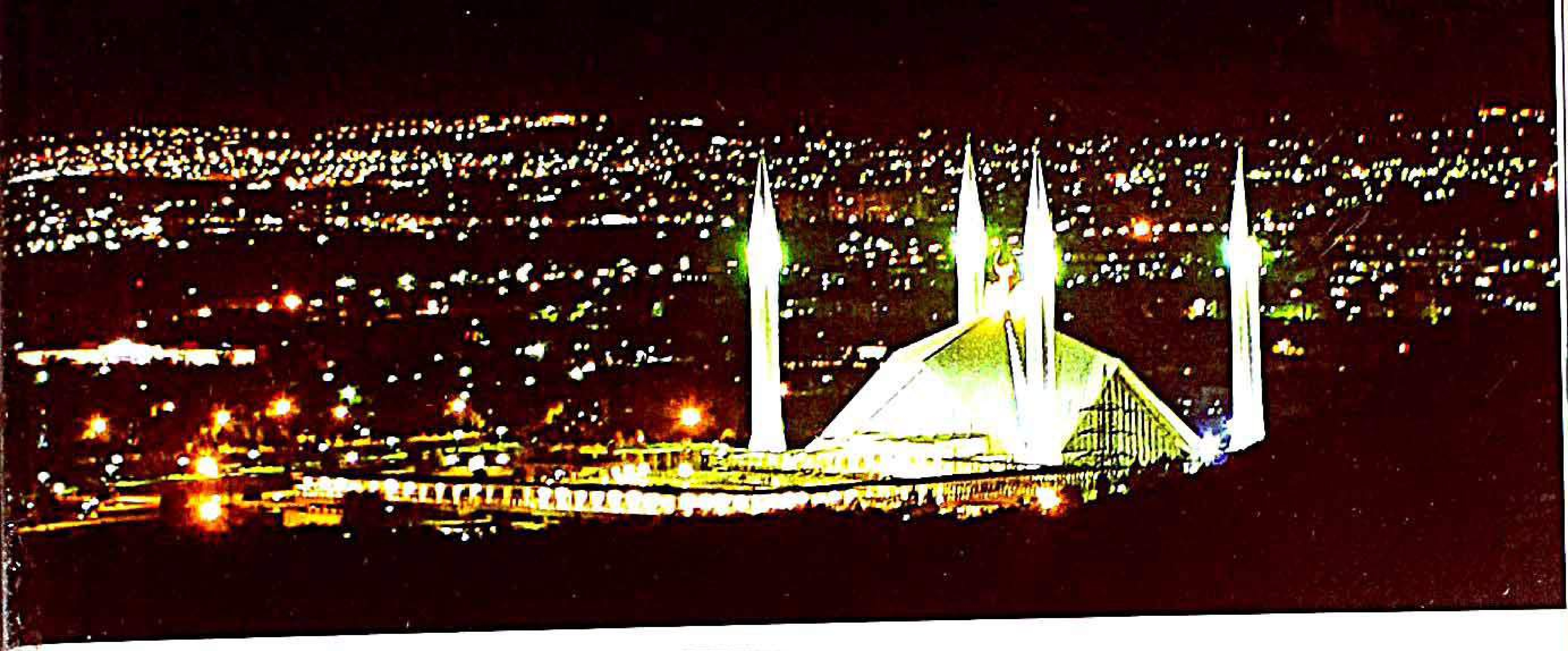
شاہ فیصل مسجد پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں فیصل ایونیو کے آخر میں واقع ہے۔ راولپنڈی شہر سے اسلام آباد میں داخل ہوتے وقت دور ہی سے اس مسجد کے خوبصورت مینار نظر آنے لگتے ہیں۔ شاہ فیصل مسجد نہ صرف پاکستان بلکہ پورے جنوبی ایشیا میں سب سے بڑی اور دنیا میں مسجد الحرام اور مسجد نبوی ﷺ کے بعد تیسری بڑی مسجد ہے۔ شاہ فیصل مسجد کو پاکستان کی قومی مسجد کا درجہ حاصل ہے۔ یہ مسجد 189705 مربع میٹر کے وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں تین لاکھ نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کے صحن میں ایک لاکھ اور ملحقہ احاطوں میں مزید دو لاکھ نمازیوں کی گنجائش ہے۔ مسجد کے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں، ہر مینار کی بلندی 285 فٹ ہے۔ دور سے یہ مسجد ڈیزائن میں ایک خیمے (ٹینٹ) کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ یہی اس مسجد کا حسن اور انفرادیت ہے۔

اس مسجد کا نام سعودی عرب کے سابق بادشاہ شاہ فیصل کے نام پر رکھا گیا ہے۔ 1961ء میں جب پاکستان کا دارالحکومت کراچی سے اسلام آباد منتقل کیا گیا تو اس نئے دارالحکومت میں ایک شایانِ شان مسجد کی تعمیر کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی گئی۔ 1966ء میں موجودہ جگہ پر مسجد کی تعمیر کا منصوبہ بن چکا تھا، جب شاہ فیصل پاکستان کے سرکاری

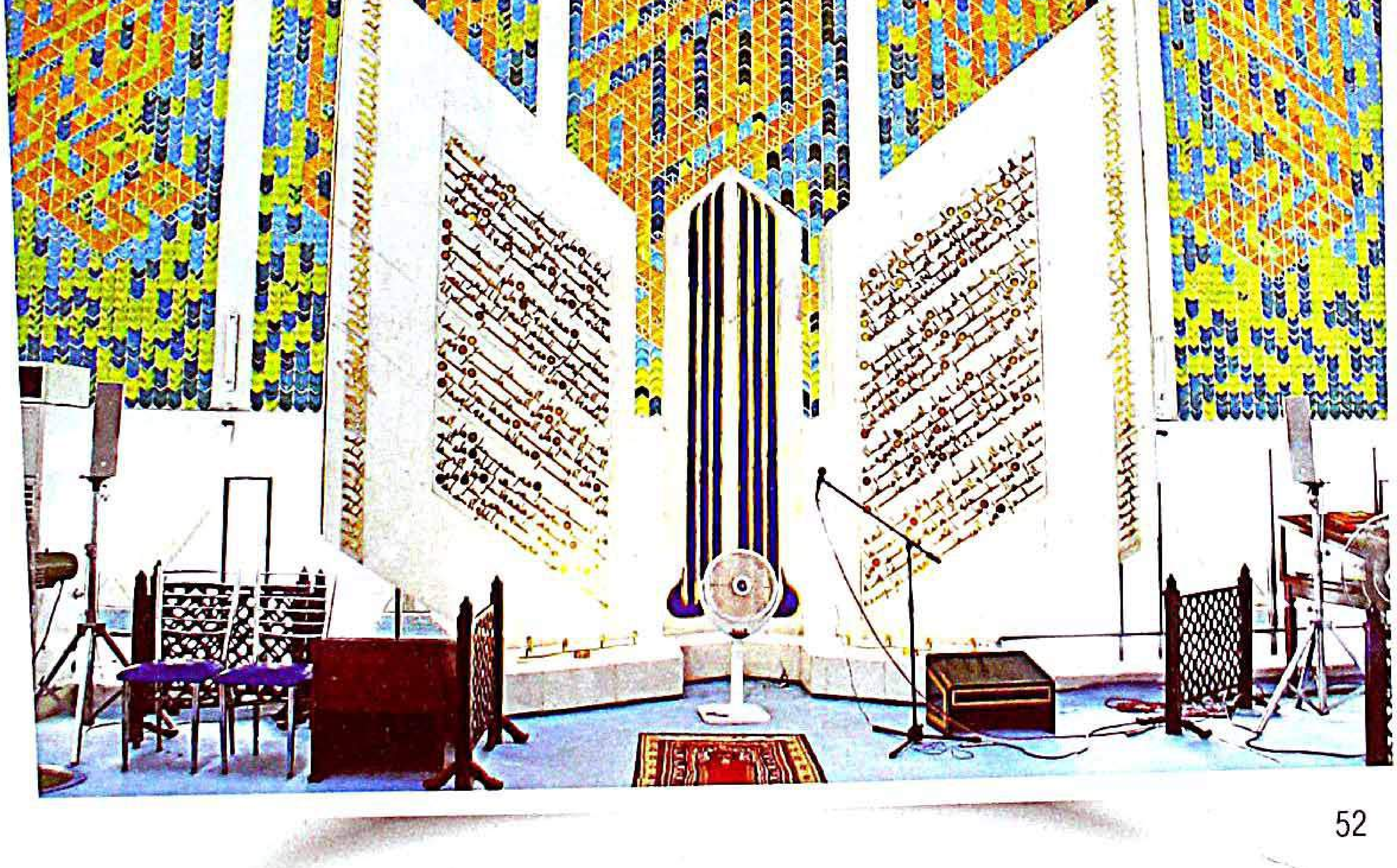


دورے پر تشریف لائے تو انھوں نے اس مسجد کی تعمیر میں ہر طرح کا مالی تعاون پیش کرنے کا عندیہ ظاہر کیا۔ 1969ء میں مسجد کے لیے سترہ ملکوں سے 43 ڈیزائن بھیجے گئے۔ چار دن کے مسلسل غور وخوض کے بعد ترکی کے ماہرِ تعمیرات (آرکی ٹیکٹ) ''وحدت ڈیلوکے'' کے پیش کردہ ڈیزائن پر کمیٹی کے سب ارکان نے متفقہ طور پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ مسجد کا سنگِ بنیاد شاہ فیصل کی شہادت کے بعد 1976ء میں شاہ خالد نے رکھا اور نیشنل کنسٹرکشن کمپنی نے تعمیر کا آغاز کر دیا۔ مسجد کی تکمیل تک شاہ فیصل مسجد کی فنڈنگ سعودی حکومت کے تعاون سے جاری رہی جو کہ 130 ملین سعودی ریال (120 ملین ڈالر) تھی۔ مسجد 1986ء میں مکمل ہوگئی۔ روایتی گنبدوں اور محرابوں کے بغیر اس مسجد کے ڈیزائن کے متعلق بڑے بڑے سوالات اٹھائے گئے لیکن عقب میں مارگلہ کی سرسبز وشاداب پہاڑیوں کے جلو میں کھڑے پُرشکوہ میناروں کے سامنے سارے اعتراضات دم توڑ گئے۔

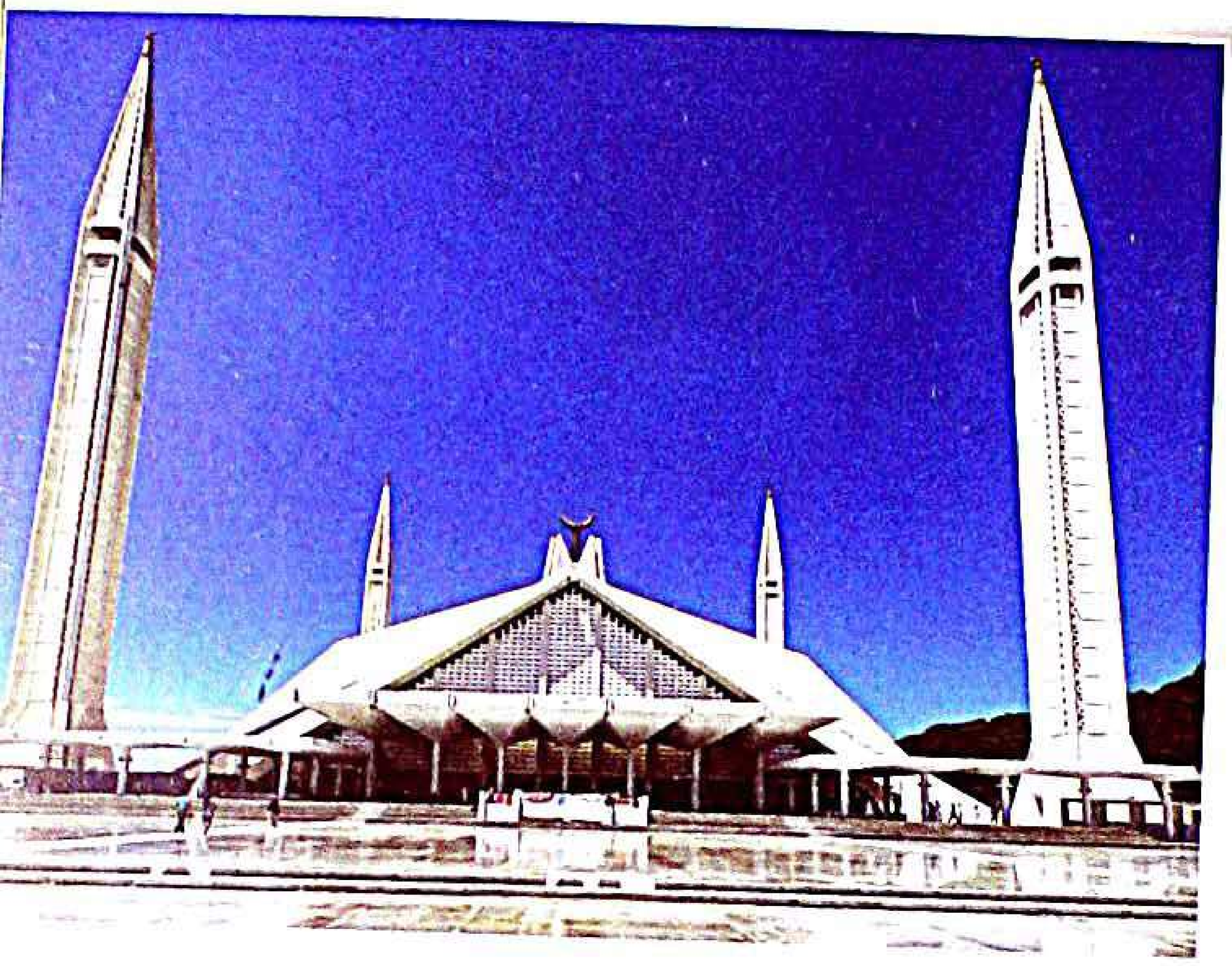




مسجد کے مرکزی ہال کے اوپر ستارہ و ہلال ہیلی کاپٹر کی مدد سے نصب کیا گیا۔ ہر مینار کے اوپر جانے کے لیے برقی لفٹیں لگی ہوئی ہیں جو کہ سیاحوں کو 190 فٹ کی بلندی تک رصدگاہ میں لے جاتی ہیں۔ ہر مینار کے اوپر سونے کے کام سے آراستہ ستارہ و ہلال نصب کیے گئے ہیں۔ مسجد کے صحن میں اٹلی سے درآمد شدہ سنگ خارا (گرینائٹ) لگایا گیا ہے۔ مرکزی ہال کے درمیان چھت سے نہایت خوبصورت فانوس لگا ہوا ہے جس کا وزن 7.5 ٹن ہے۔ فانوس کا قطر 32 فٹ ہے۔ اس میں لگے ہوئے 1000 بلب جب روشن ہوتے ہیں تو ہال کے اندر رات میں دن کا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ ہال کے اندر ہر چیز جگمگ جگمگ کرتی نظر آتی ہے۔

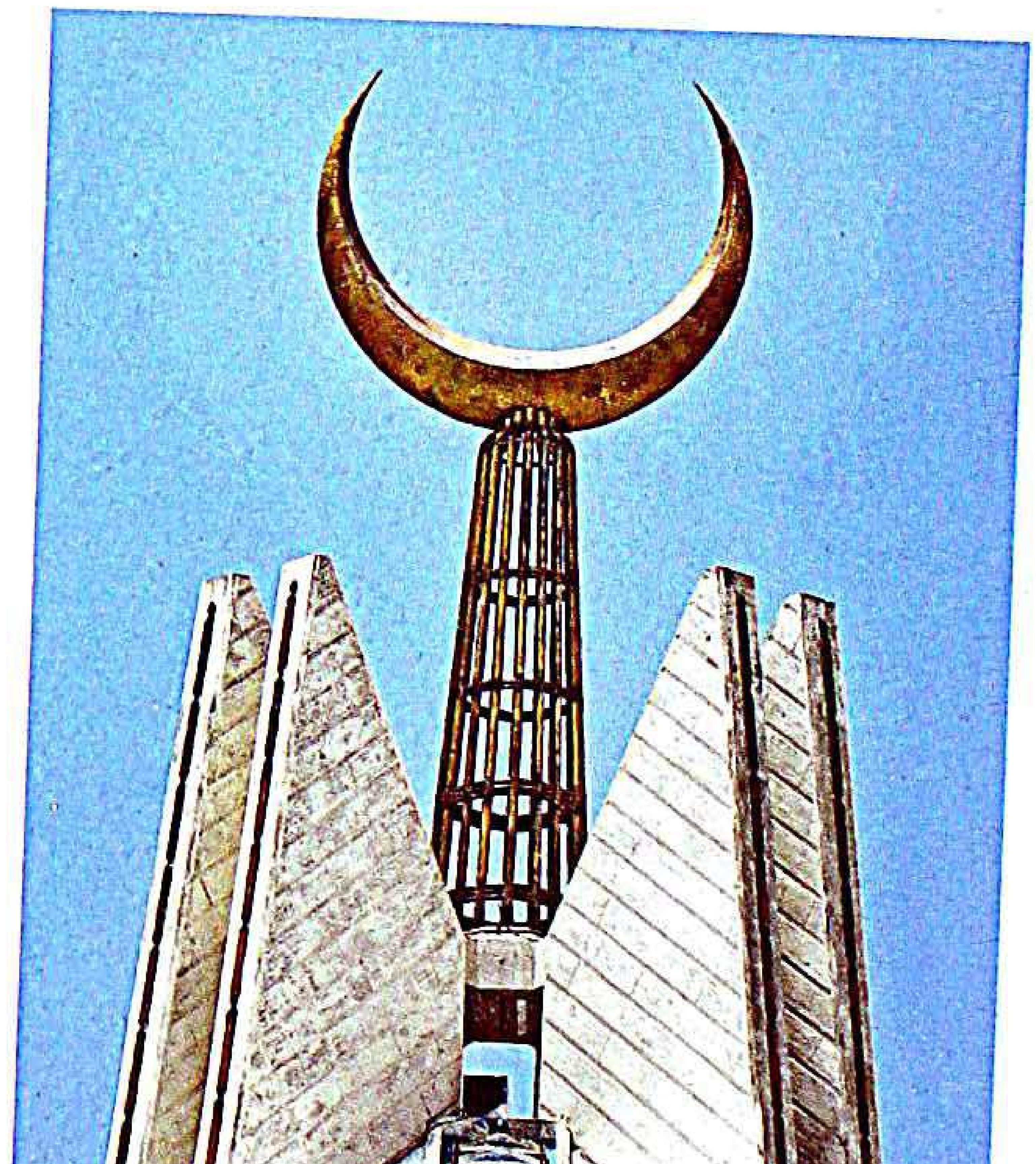






اس مسجد کا کل رقبہ 44 ایکڑ ہے۔ اس مسجد کے ڈیزائنر اور آرکی ٹیکٹ ''وحدت ڈیلوکے'' کو اتنی خوبصورت ڈیزائننگ کرنے پر آغا خاں ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ پاکستان کے مسلمانوں کے لیے یہ مسجد شاہ فیصل کا بہترین تحفہ اوران کی اسلام دوستی اور پاک سعودی بھائی چارے کا واضح ثبوت ہے۔





لاہور

لاہور دریائے راوی کے بائیں کنارے واقع ایک تاریخی شہر ہے۔ یہ پاکستان کا دوسرا بڑا شہر ہے جس کی آبادی سوا کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ لاہور ہندو دیومالا کے رام چندر کے بیٹے ''لوہ'' نے بسایا تھا۔ چوتھی صدی ہجری کی ایک عربی تالیف حدود العالم میں اس کا ذکر یوں آیا ہے: ''لہور شہر کے متعدد اضلاع ہیں اور اس کا حاکم امیرِ ملتان کا نائب ہے۔ اس میں بازار اور بت خانے ہیں۔ اس میں چلغوزہ، بادام اور ناریل کے درخت بکثرت ہیں۔ یہاں کے لوگ سب بت پرست ہیں اور مسلمان ایک بھی نہیں۔'' غزنوی دور کا مصنف گردیزی (440ھ/1048ء) لاہور اور ولایت لاہور کا ذکر کرتا ہے۔ کشف المحجوب میں اس کا نام ''لہانور'' ہے اور معجم البلدان میں ''لوہور'' اور ''لہاور'' کے نام آئے ہیں۔ غزنوی دور کے شاعر مسعود سعد سلیمان (515ھ/1121ء) نے اپنے کلام میں اسے لوہور، لہاوور، لہاور، لوہاور، لاوھور اور لاہوور اختلافِ تلفظ اور ضرورت شعری کے تحت لکھا ہے۔

اورنگزیب نے 1073ھ/1662ء میں لاہور کو راوی کی طغیانی سے بچانے کے لیے دریا کے بائیں کنارے اینٹ اور چونے کا مضبوط بند بنوایا۔ 999ء تک لاہور پر پچ خاندان کے چندرت نے حکومت کی، پھر ہندوپال خاندان کے جے پال، انند پال اور ترلوچن پال حکمران رہے حتی کہ 405ھ/1014ء میں محمود غزنوی نے لاہور کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ محمود غزنوی نے اپنے غلام ایاز کو لاہور کا گورنر بنایا جس کی قبر رنگ محل میں موجود ہے۔ 421ھ/1030ء میں الیاروق لاہور کا غزنوی حاکم تھا۔ اس کے جانشین احمد نیا لتگین نے بغاوت کی تو مسعود غزنوی کے سالار تلک نے نیا لتگین کو شکست دی اور اس کا سر کاٹ کر سلطان کو بلخ بھیج دیا۔ اب سلطان مسعود کا بیٹا مجدود حاکمِ لاہور بنا۔ خسرو شاہ غزنوی 60-1152ء نے علاء الدین غوری سے شکست کھا کر لاہور کو اپنا دار الحکومت بنا لیا۔ 1186ء میں شہاب الدین غوری نے لاہور فتح کر کے



مقبرہ جہانگیر



شالامار باغ

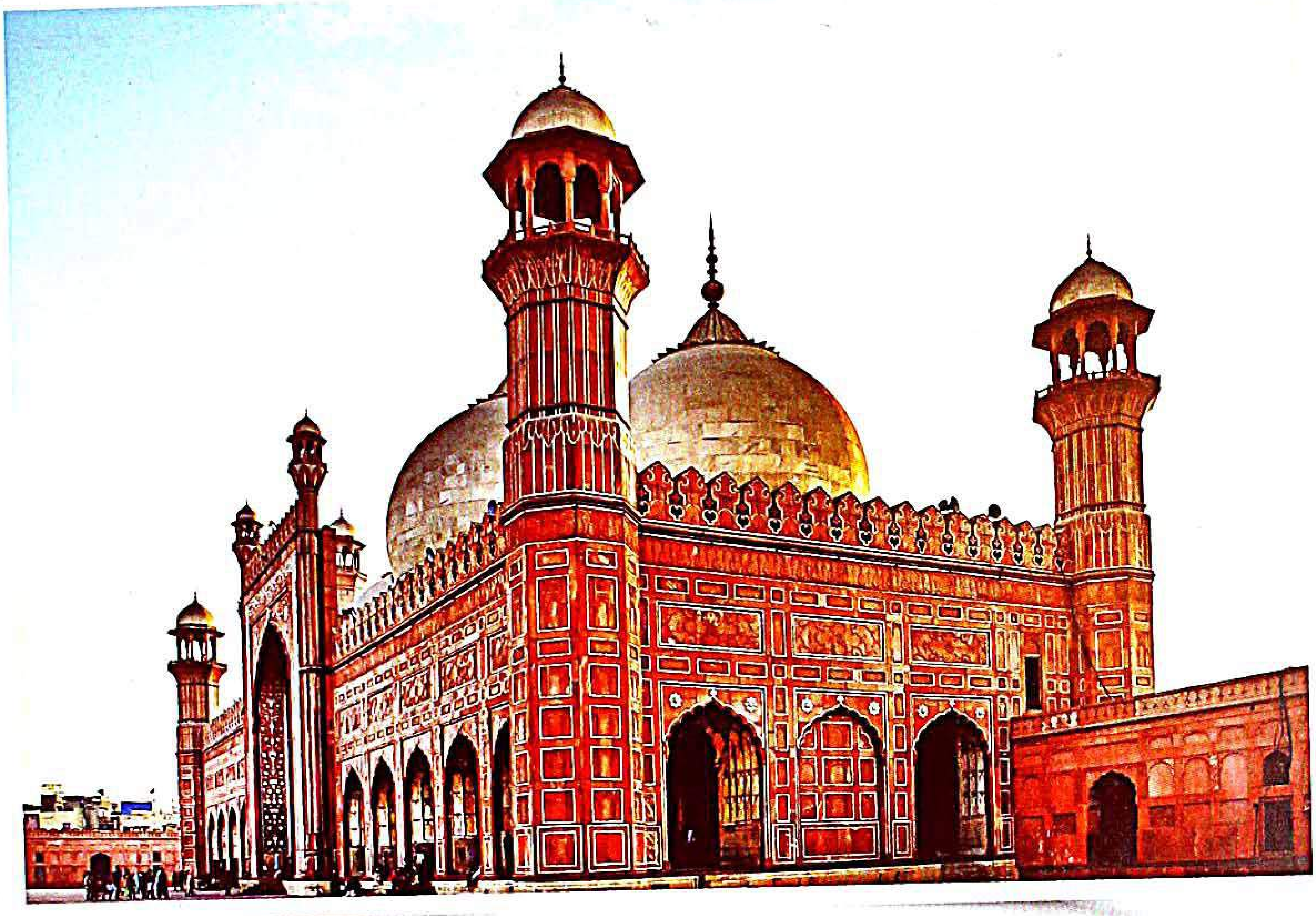
اسے غزنوی سلطنت میں ضم کرلیا۔ 1210ء میں ہندوستان کے پہلے بادشاہ قطب الدین ایبک نے لاہور میں چوگان کھیلتے ہوئے وفات پائی۔ 801ھ/1398ء میں امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا تو شیخا گکھڑ سے تاوان لے کر لاہور کو چھوڑ دیا اور دہلی سے واپسی پر لاہور خضر خاں کے حوالے کر گیا۔ 930ھ/1524ء میں بابر نے لاہور فتح کیا۔

1531ء میں بادشاہ ہمایوں کے بھائی مرزا کامران نے کابل سے آ کر لاہور پر قبضہ کرلیا۔ 1540ء میں ہمایوں کی شکست پر لاہور شیر شاہ سوری کی عملداری میں شامل ہوا۔ 1545-47ء میں ہیبت خان نیازی بغاوت کر کے لاہور کا بادشاہ بن بیٹھا حتی کہ اسلام شاہ سوری نے لاہور واپس لے لیا۔ 962ھ/1555ء میں ہمایوں نے ایران سے واپس آ کر لاہور فتح کیا اور یہاں شاہ ابوالمعالی کو گورنر بنا دیا۔ اکبر بادشاہ 1584ء سے 1594ء تک لاہور میں مقیم رہا۔ اس نے قلعہ لاہور کی پختہ فصیل بنوائی۔ 1627ء میں بادشاہ نورالدین جہانگیر لاہور میں دفن ہوا۔ شاہجہان نے مقبرہ جہانگیر اور شالامار باغ بنوائے۔ 1084ھ/1674ء میں اورنگزیب کے حکم پر فدائی خاں کوکہ نے پانچ لاکھ روپے سے بادشاہی مسجد (لاہور) تعمیر کروائی۔ تخت دہلی کی طرف سے آخری گورنر لاہور آدینہ بیگ (ارائیں) 1755ء میں مامور ہوا۔ اگلے سال احمد شاہ ابدالی نے لاہور پر قبضہ کر کے اپنے بیٹے تیمور شاہ کو یہاں حاکم بنا دیا۔ 1758ء میں آدینہ بیگ کی سازباز سے مرہٹے لاہور پر قابض ہو گئے۔ ابدالی نے مرہٹوں کو پانی پت کی تیسری جنگ (1761ء) میں شکست دے کر لاہور کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔



مسجد وزیر خان

1192ھ/1778ء میں تین سکھ سردار گوجر سنگھ، سوبھا سنگھ اور لہنا سنگھ لاہور پر قابض ہو گئے۔ سوبھا سنگھ نے چوبر باغ کے ایک حصے کو قلعے میں تبدیل کر کے اس کا نام نوانکوٹ رکھ دیا۔ گوجر سنگھ کو مشرقی حصہ ملا اور اندرون شہر لہنا سنگھ کے حصے میں آیا۔ 1799ء میں ابدالی کے پوتے زمان شاہ نے لاہور فتح کر کے رنجیت سنگھ کے نام کر دیا۔ 1849ء میں انگریزوں نے سکھ سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔



بادشاہی مسجد (لاہور)

پاکستان کے دوسرے بڑے شہر لاہور میں بادشاہی مسجد اس وقت دنیا کی پانچویں بڑی مسجد ہے جبکہ جنوبی ایشیا میں یہ دوسری بڑی مسجد ہے۔ اسے عالمگیری مسجد بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مسجد اورنگزیب عالمگیر کے حکم پر بنائی گئی تھی۔ اورنگزیب عالمگیر نے اپنے سوتیلے بھائی مظفر حسین کو 1671ء میں لاہور کا گورنر بنایا تو اسے بادشاہی مسجد تعمیر کرنے کی خصوصی ذمہ داری بھی سونپی۔ مئی 1671ء میں بادشاہی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا گیا اور اڑھائی سال کی ریکارڈ مدت سے چھ ماہ قبل اپریل 1673ء میں یہ مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ یہ مسجد سنگِ سرخ سے تعمیر کی گئی ہے۔

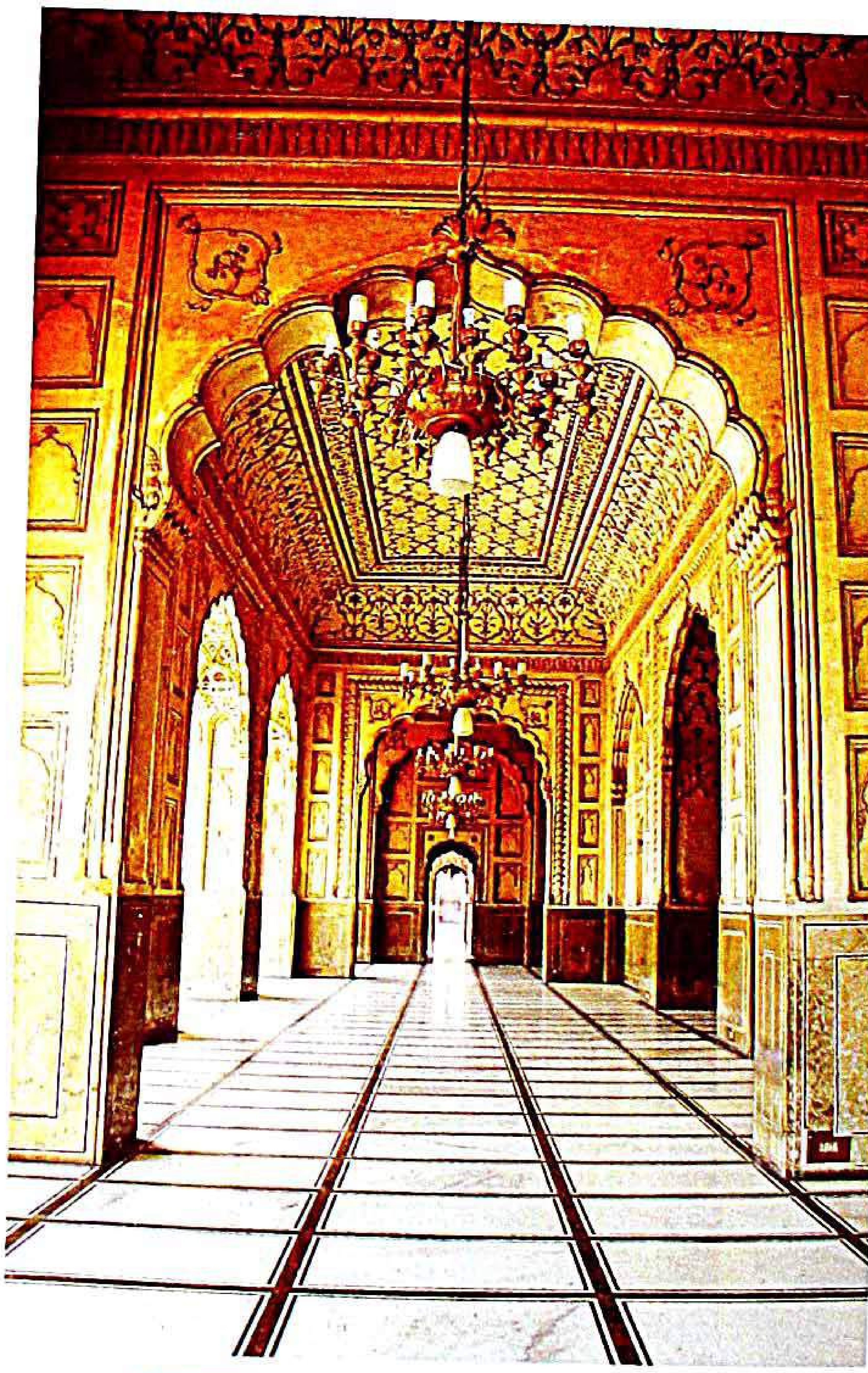
بادشاہی مسجد کا مجموعی رقبہ 278784 مربع فٹ ہے جبکہ صحن مربع شکل کا ہے جس کا ہر ضلع 528 فٹ چار انچ طویل ہے۔ اس مسجد کے تین سفید رنگ کے گنبد ہیں۔ درمیان والا گنبد دوسرے گنبدوں سے بڑا ہے۔ مسجد کے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں۔ ہر ایک کی بلندی 176 فٹ چار انچ ہے۔ ہر مینار میں 204 زینے، چار گیلریاں بنی ہوئی ہیں۔ درمیانی بڑا گنبد 49 فٹ بلند اور اس کا قطر 70.5 فٹ ہے جبکہ اطراف کے دونوں گنبدوں کا قطر 54 فٹ اور بلندی 32 فٹ ہے۔

مسجد کے صحن کا درمیانی تالاب 50 فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہے اور اس کی گہرائی تین فٹ ہے۔ مسجد کا بیرونی مرکزی دروازہ 66.5 فٹ چوڑا اور اس کی بلندی 65 فٹ ہے۔ زمین سے بیرونی دروازے تک پہنچنے کے لیے 22 سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں۔

مسجد کے سامنے حضوری باغ واقع ہے جس کے درمیان خوبصورت بارہ دری بنی ہوئی ہے اور اس بارہ دری اور مسجد کے بالکل سامنے لاہور کا عظیم الشان شاہی قلعہ ہے۔ مسجد کے مرکزی دروازے کے ساتھ بائیں جانب پاکستان کے قومی شاعر علامہ محمد اقبال ؒ کا مرقد ہے جبکہ دائیں جانب متحدہ پنجاب کے وزیراعظم سردار سکندر حیات کی قبر ہے اور شمال میں سڑک کے اس پار یادگار پاکستان کا مینار سر تانے کھڑا ہے۔

اس مسجد کا ڈیزائن دہلی کی جامع مسجد سے مماثلت رکھتا ہے اور اس میں اسلامی، ہندوستانی، ایرانی اور وسطی ایشیا کے فنِ تعمیر کی جھلک نمایاں ہے۔ مرکزی دروازے کے اوپر گیلری میں ایک عجائب گھر ہے جس میں دیگر نوادرات کے علاوہ قرآنِ پاک کے چند نادر نسخے بھی محفوظ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تبرکات امیر تیمور کے زمانے میں یہاں پہنچے تھے۔









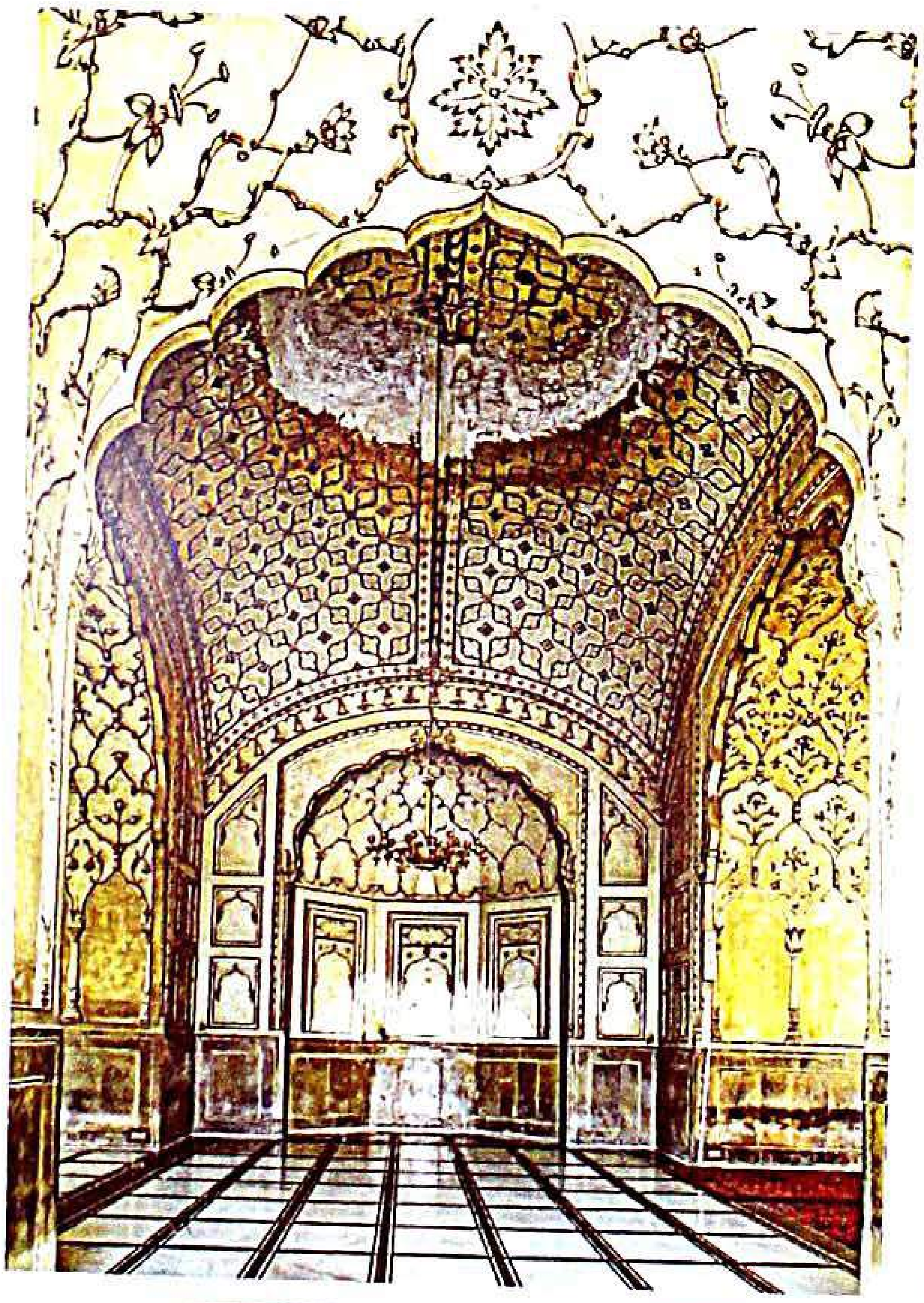
بادشاہی مسجد میں 110,000 نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ دس ہزار نمازی مسجد کے مسقّف حصہ میں اور ایک لاکھ مسجد کے صحن میں سما سکتے ہیں۔ اس مسجد کا صحن دنیا میں سب سے بڑا صحن ہے۔

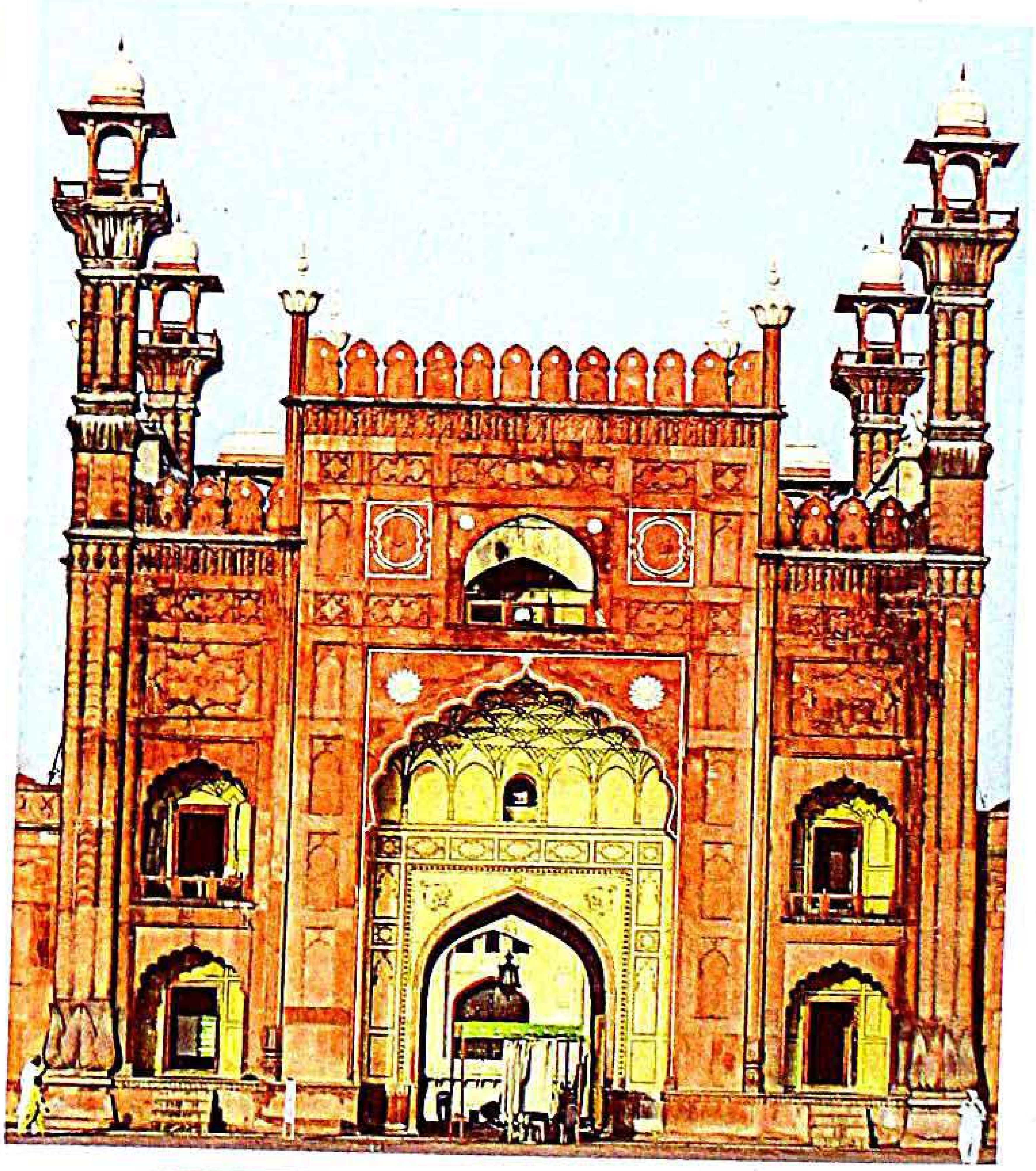
1974ء میں لاہور میں جب دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی تو 22 فروری 1974ء کو 39 مسلمان سربراہوں نے نمازِ جمعہ بادشاہی مسجد میں ادا کی تھی۔ یہ نہ صرف مسجد بلکہ لاہور شہر کے لیے اعزاز کی بات تھی۔ بادشاہی مسجد میں اس وقت کے خطیب مولانا عبدالقادر آزاد نے اس نمازِ جمعہ کی امامت کروائی تھی۔

پہلی صف میں شاہ فیصل، صدر عیدی امین (یوگنڈا)، معمر قذافی، صدر عبدالرحمٰن الاریانی (یمن)، صدر مختار الدادا (موریتانیا)، وزیراعظم داؤد جوارا (گیمبیا)، شاہ حسین (اُردن)، شاہ حسن (مراکش)، شیخ زاید (متحدہ عرب امارات)، صدر انور سادات (مصر)، صدر جعفر النمیری (سوڈان)، حوری بومدین (الجزائر)، یاسر عرفات (فلسطین)، صدر احمد حسن البکر (عراق)، صدر سعید برے (صومالیہ)، صدر مامون عبدالقیوم (مالدیپ)، سردار محمد داؤد (افغانستان) اور دیگر سربراہان اور وزراء جلوہ افروز تھے۔ اتحادِ عالمِ اسلامی کا یہ منظر بڑا دلکش اور مسرت آگیں تھا۔

حقیقت میں بادشاہی مسجد لاہور شہر کے ماتھے کا جھومر ہے۔









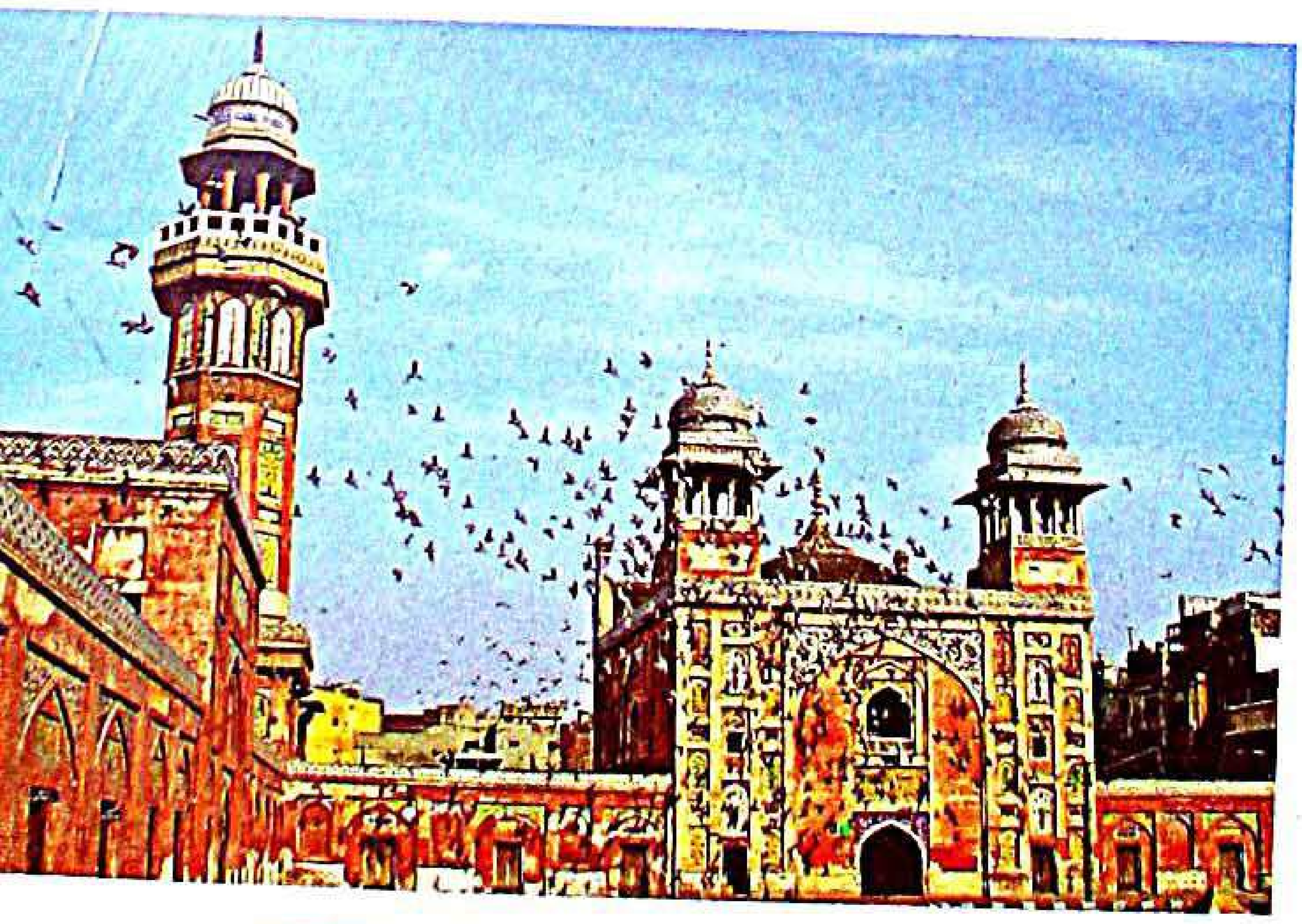
مسجد وزیر خاں

لاہور کی مسجد وزیر خاں اپنے نقش ونگار اور ٹائلوں کے خوبصورت کام کی وجہ سے دنیا بھر کی مساجد میں ایک خاص شہرت رکھتی ہے۔ اسی خوبصورتی کی وجہ سے اس مسجد کو لاہور شہر کے رخسار پر تل کے نشان سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر کا آغاز مغل فرمانروا شاہ جہاں کے دورِ حکومت میں 1634ء میں ہوا اور یہ سات سال بعد 1641ء میں مکمل ہوئی۔ اسے شیخ علم الدین انصاری نے تعمیر کروایا جو چنیوٹ کا رہنے والا تھا۔ علم الدین انصاری شاہ جہاں کے دربار میں ایک نہایت قابل طبیب تھا جسے بادشاہ نے بعد میں اس کی ذہانت، قابلیت اور بہترین ناظم کی خوبیوں کا مالک سمجھ کر لاہور شہر کا گورنر بنا دیا۔ علم الدین انصاری کو عرفِ عام میں وزیر خاں بھی کہا جاتا تھا۔ یہ تاریخی اور خوبصورت مسجد اسی وزیر خاں کے دورِ گورنری میں اس کی نگرانی میں تعمیر ہوئی۔ یہ لاہور کے مشہور دہلی دروازے سے داخل ہونے کے بعد تقریباً تین چار سو گز کے فاصلے پر واقع ہے۔

یہ مسجد چھوٹی اینٹوں سے، جن میں کنکر اور چونا ڈالا گیا تھا، تعمیر کی گئی ہے۔ یہ 280 فٹ لمبی اور 159 فٹ چوڑی۔ مسجد کے تین گنبد اور چاروں کونوں پر چار مینار ہیں۔ ہر مینار کی بلندی 107 فٹ ہے اور اس کے اندر اوپر جانے کے لیے

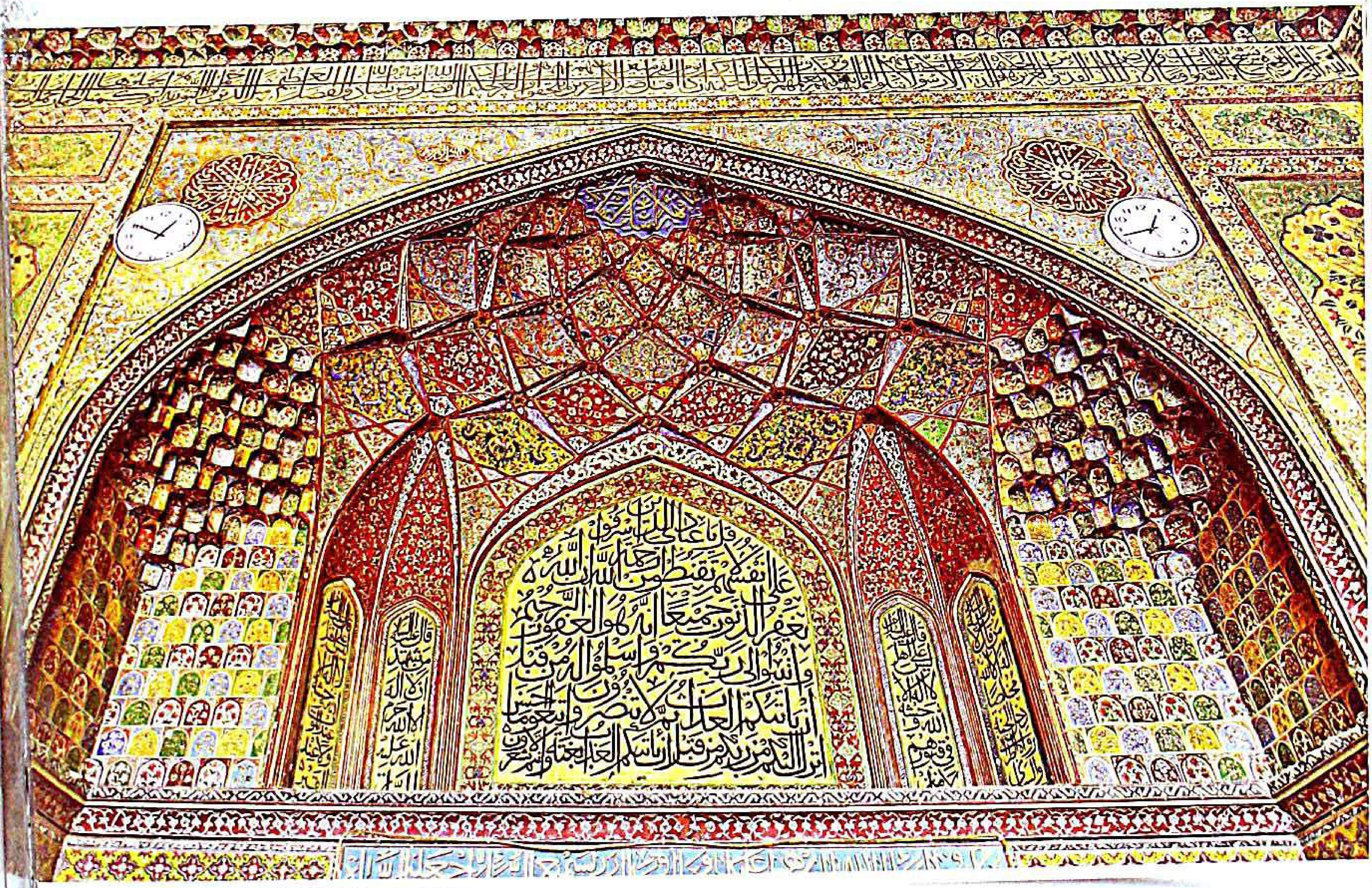






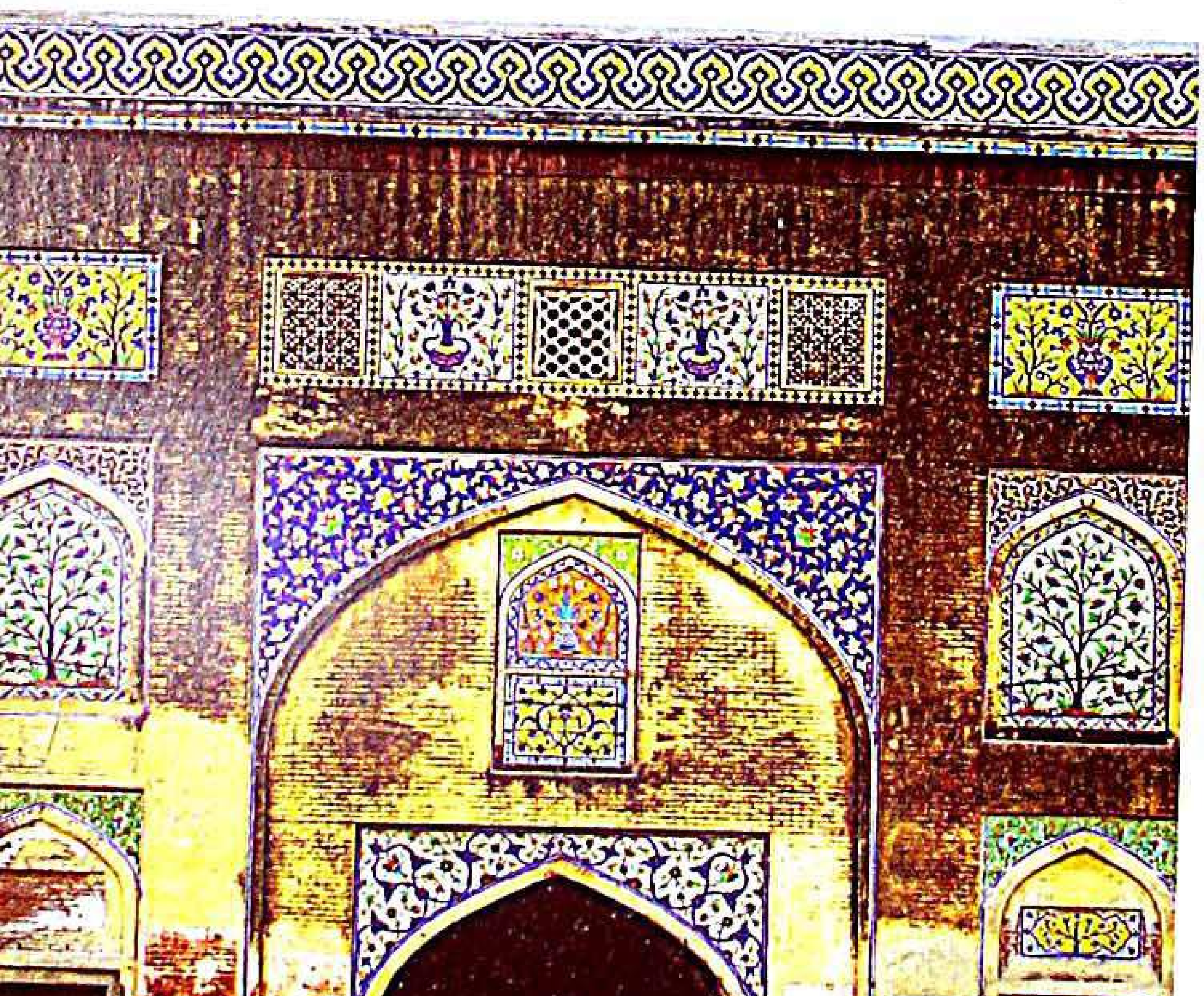












69 سیڑھیاں ہیں۔ مسجد کے مرکزی گنبد کا قطر 23 فٹ اور بلندی 31 فٹ چار انچ ہے جبکہ باقی دونوں گنبدوں کا قطر 19 فٹ تین انچ اور بلندی 21 فٹ ہے۔ مسجد کا صحن دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ 173 فٹ لمبا اور 131 فٹ چوڑا ہے جبکہ نچلے والا حصہ 35 فٹ 9 انچ لمبا اور 35 فٹ تین انچ چوڑا ہے۔ درمیان میں وضو کے لیے ایک حوض بنایا گیا ہے۔ مسجد کے اندر دیواروں پر اس قدر خوبصورتی اور مہارت سے گلکاری اور نقاشی کی گئی ہے کہ ماہر فن کاروں کے فن کو داد دینی پڑتی ہے۔ خوبصورت قرآنی آیات کی تحریر دیکھ کر آدمی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ مسجد کے بیرونی داخلی دروازے کی پیشانی پر موٹے حروف میں افضل الذکر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ مسجد کا صحن دائیں اور بائیں طرف کے 32 حجروں میں گھرا ہوا ہے۔



جامع مسجد سکینۃ الصغریٰ

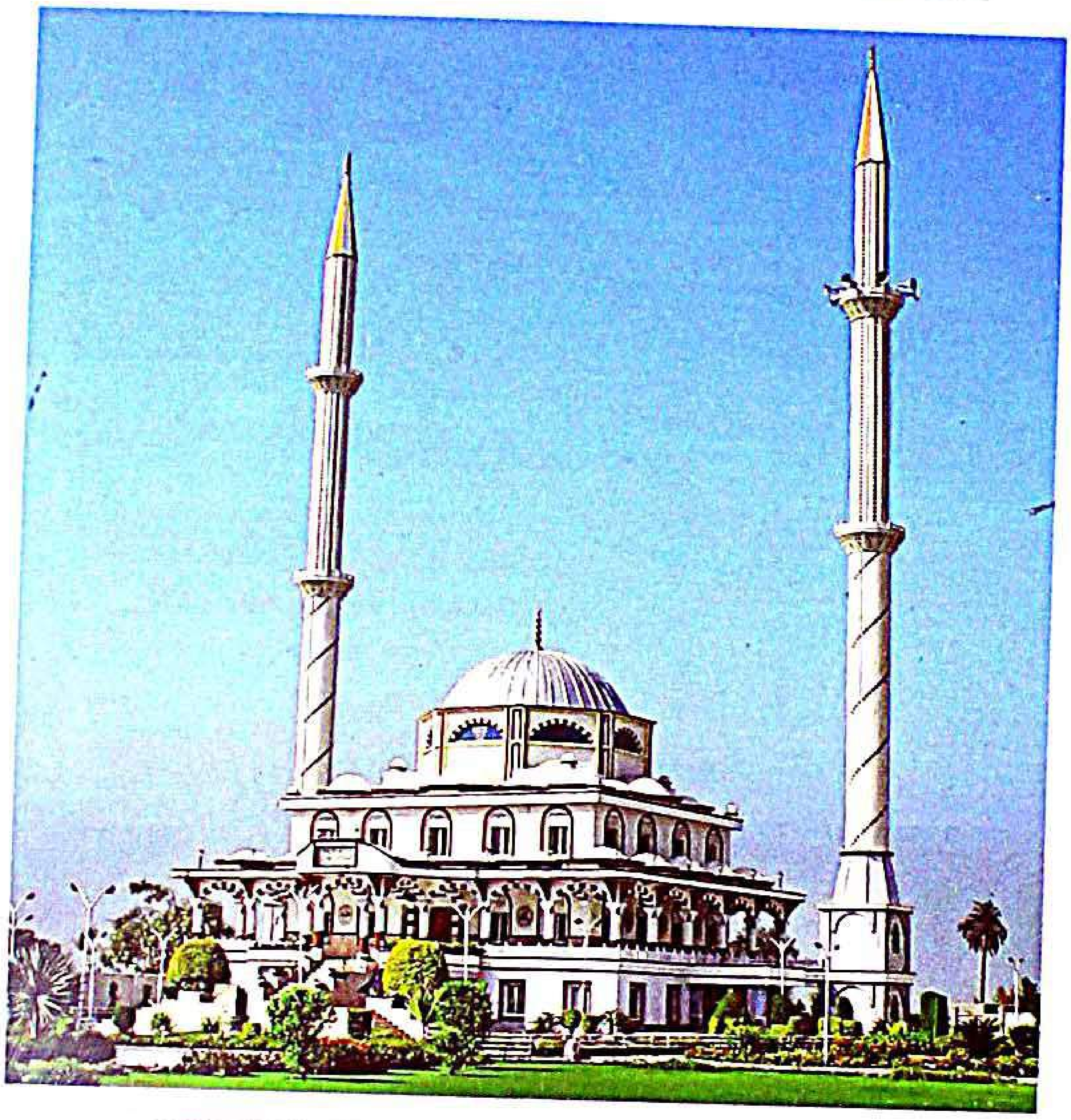
کوٹلہ رحم علی ضلع مظفر گڑھ (پاکستان)

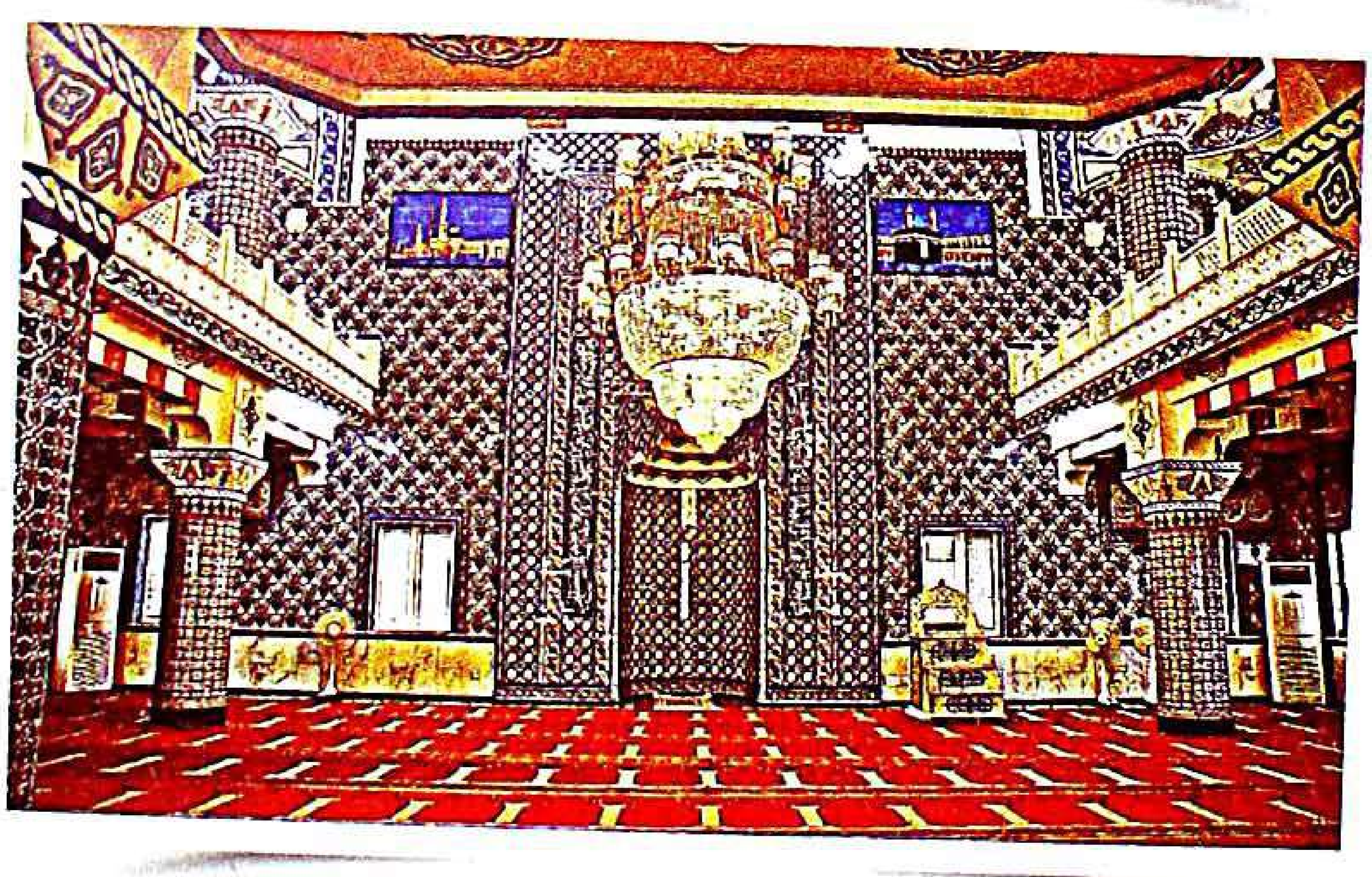
کبھی رحمت تڑپتی ہے کہ کوئی آسرا مانگے
کبھی بے آسرا ہو کر دعائیں لوٹ آتی ہیں

نہ جانے کب سے رحمت کی گھٹائیں کوٹلہ رحم علی شاہ (ضلع مظفر گڑھ) کی بستی پر برسنے کے لیے بیتاب تھیں۔ ایک دن ڈاکٹر سیّد اسماعیل احمد حسین بخاری نے اپنی والدہ ماجدہ، پھوپھی صاحبہ اور بھائی سید شکیل احمد حسین بخاری کے ہمراہ اس مسجد کا سنگِ بنیاد رکھ ہی دیا جو ایک خواہش کے روپ میں سالہا سال سے ان کے دلوں میں مچل رہی تھی۔ وہ مبارک دن 31 جنوری 2006ء تھا انھوں نے اس بننے والی مسجد کا نام اپنی والدہ محترمہ اور پھوپھی صاحبہ کے نام پر مسجد سکینۃ الصُغریٰ رکھا۔ مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے کے بعد سینکڑوں ہاتھ جناب باری تعالیٰ کے دربار میں اٹھ گئے کہ ''اے اللہ ہم تو یہاں تک آپہنچے ہیں، آگے اس پودے کو ثمر بار تو کرنا'' یہ اسی دعا کا اثر ہے کہ آج ایک خوبصورت اللہ کا گھر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔
سنگِ بنیاد رکھنے کے بعد یہ مسجد 20 ماہ کے قلیل عرصہ میں 27 دسمبر 2008ء کو الحمدللہ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ مسجد باون (52)

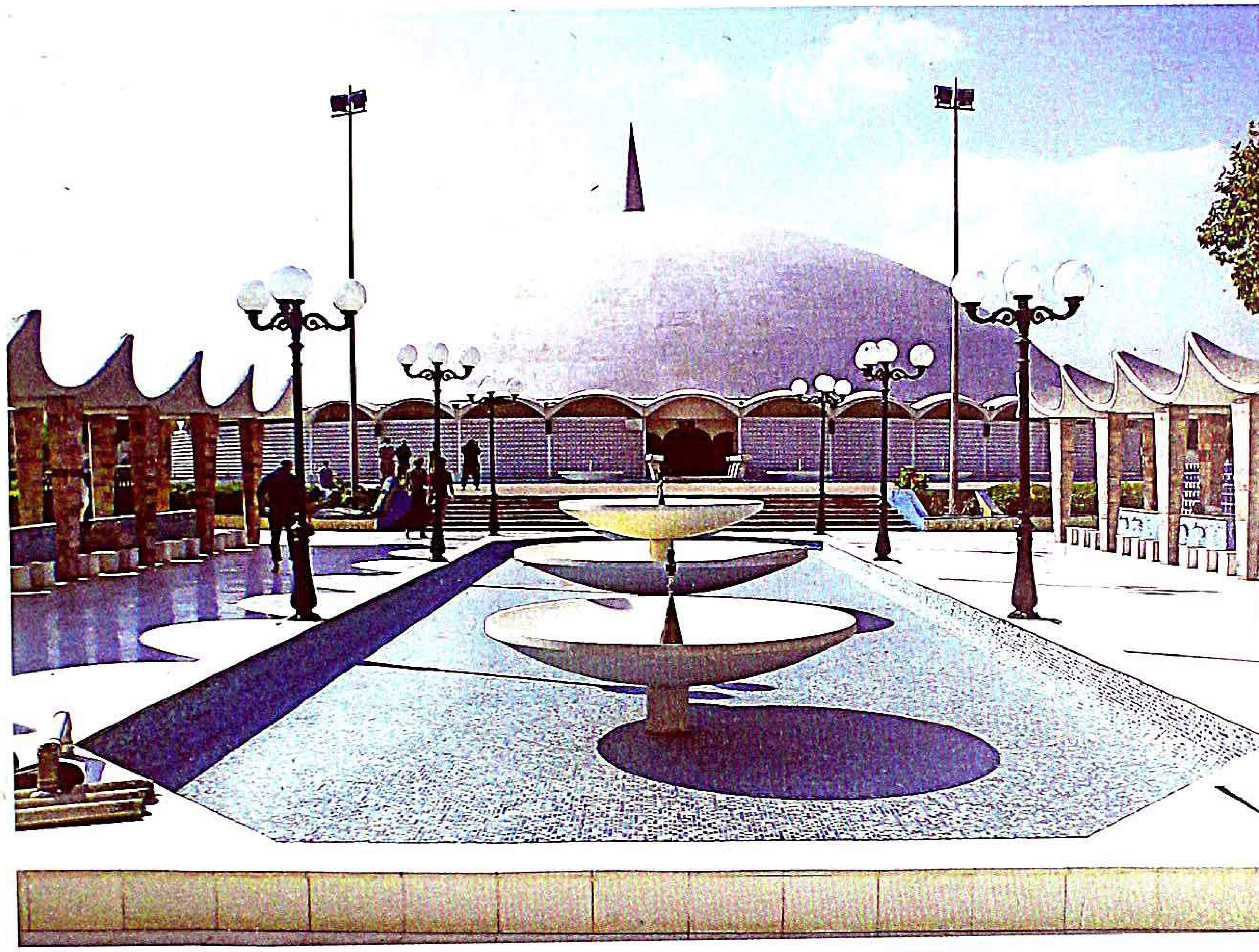
کنال کے وسیع رقبہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا ڈیزائن ترکی سے بطور خاص تیار کروایا گیا۔ مسجد کی بنیادوں میں کنکریٹ کے ساتھ 40 ٹن سریا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ یہ مسجد چار منزلہ ہے اور چوتھی منزل کے اوپر خوبصورت گنبد ہے۔ اس کے علاوہ 32 چھوٹے گنبد بھی بنائے گئے ہیں۔ مسجد کے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے دو مینار ہیں اور ان کی بلندی 180 فٹ ہے۔ مسجد کی تعمیر میں عثمانی اور ایشیائی طرزِ تعمیر کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ راقم نے اسی طرز کے بلند مینار ترکی کے شہر استنبول اور بوسنیا میں بھی دیکھے ہیں جن پہ عثمانی طرزِ تعمیر کی گہری چھاپ ہے۔ مسجد سکینۂ الصُغریٰ میں 4000 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ یہ مسجد زلزلہ سے محفوظ بنائی گئی ہے۔ مسجد کا فانوس ترکی سے منگوایا گیا ہے۔







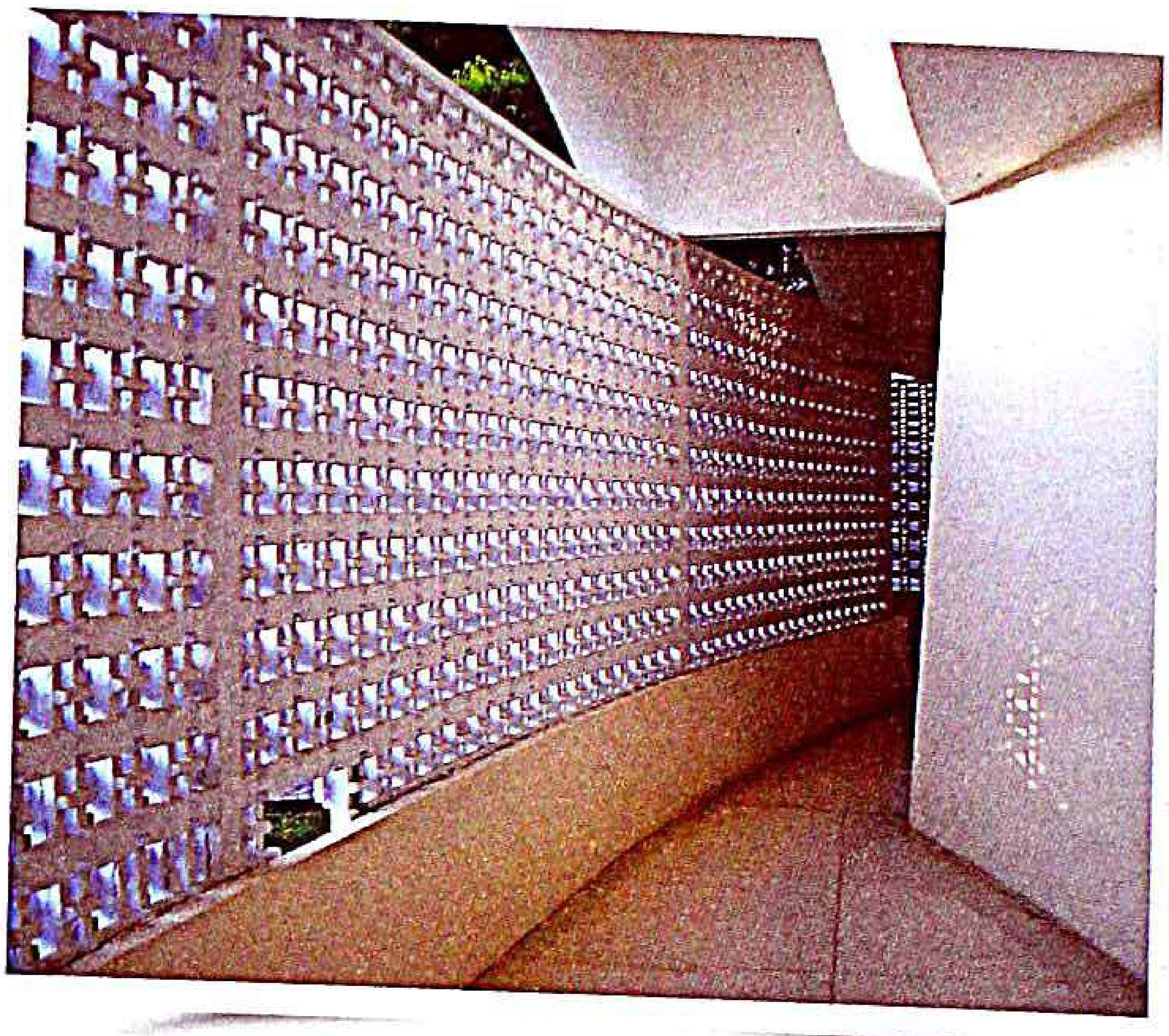
نمازیوں کی تعداد دیکھ کر ایسے لگتا ہے کہ یہاں ہر روز، ہر جمعہ روزِ عید ہوتا ہے اور جب عید آتی ہے تو ہر نمازی کی زبان پر ماشاء اللہ، سبحان اللہ اور اللہ اکبر کے مبارک اور بابرکت الفاظ گل افشانی کر رہے ہوتے ہیں۔

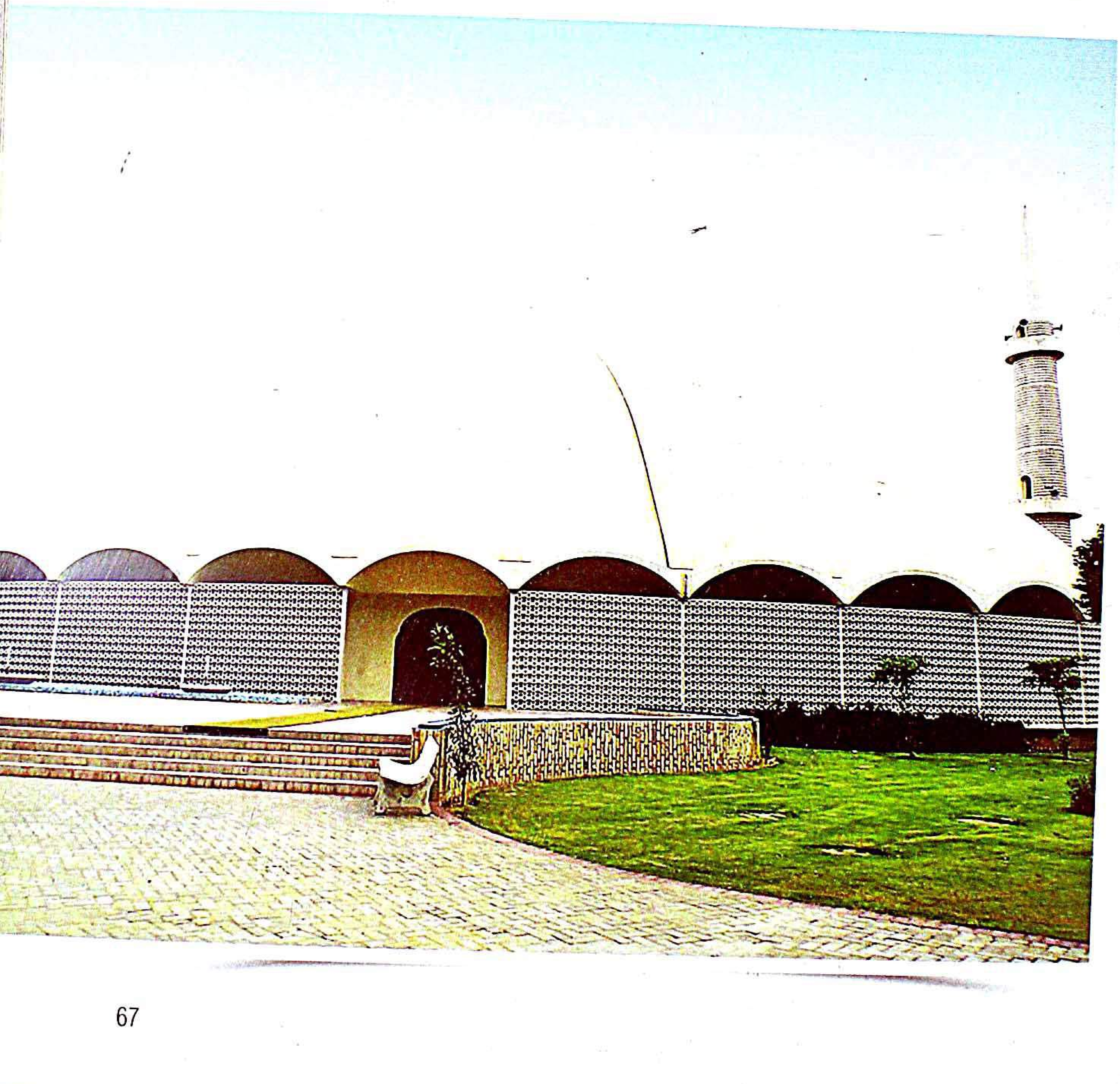


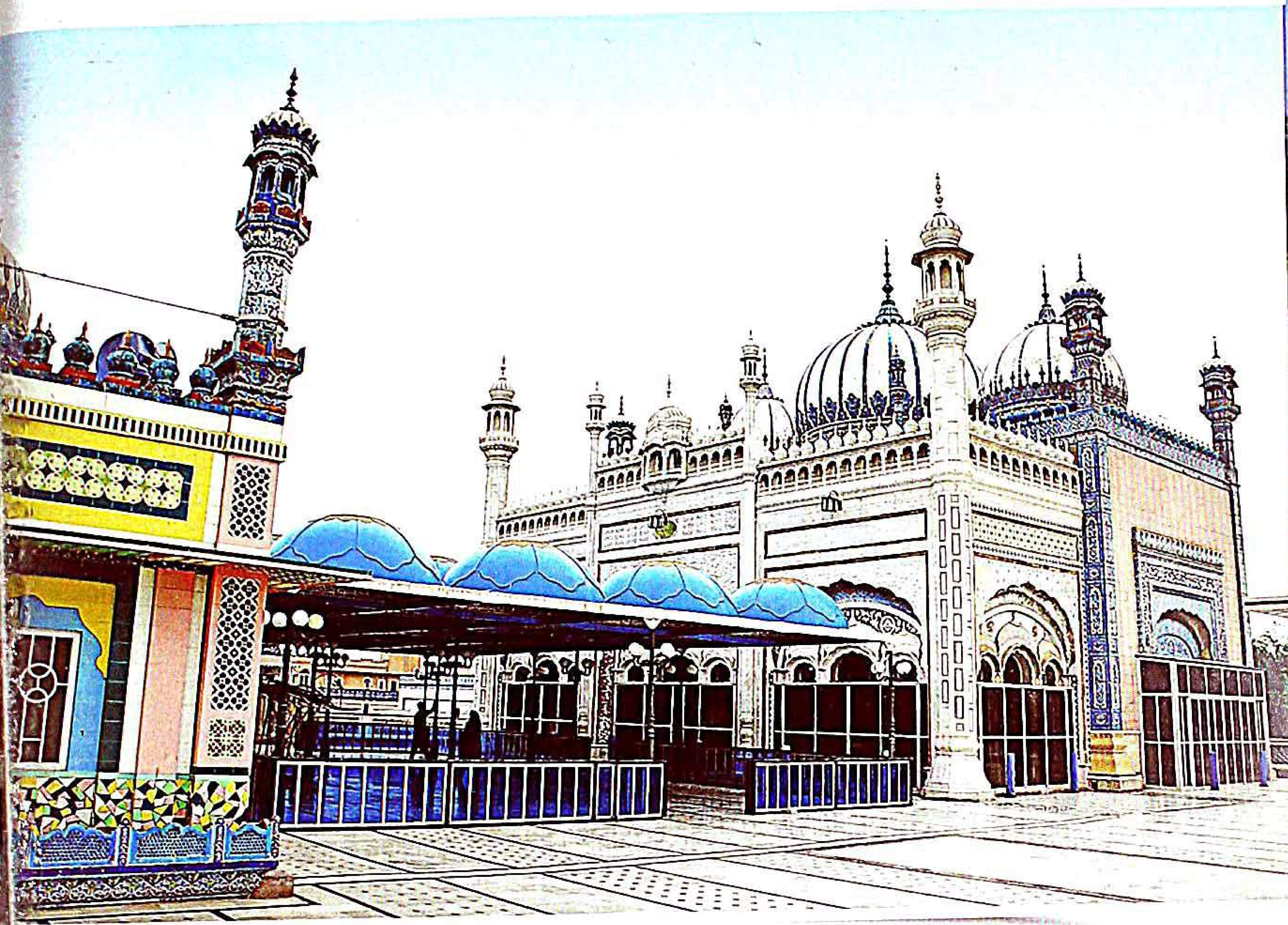
مسجد طوبیٰ، کراچی (پاکستان)

جامع مسجد طوبیٰ کراچی شہر کے پوش علاقے ڈیفنس میں واقع ہے۔ اسے گول مسجد بھی کہتے ہیں۔ یہ مسجد 1969ء میں تعمیر کی گئی اور اپنے منفرد واحد گنبد کی وجہ سے مشہور ہے۔ مسجد کا ڈیزائن پاکستان کے ماہر آرکی ٹیکٹ ڈاکٹر بابر حمید چوہان نے تیار کیا۔ جب مسجد مکمل ہوئی تو اس وقت یہ دنیا میں 19 ویں بڑی مسجد تھی۔ اس کے واحد گنبد کا قطر 236 فٹ ہے اور اس کے نیچے ہال میں 5000 نمازی ایک ہی وقت میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس مسجد کے واحد مینار کی بلندی 230 فٹ ہے۔ اس مسجد کے اندر گنبد کے نیچے لاؤڈ سپیکر کا استعمال ضروری نہیں بلکہ خطیب یا امام کی آواز ہر کہیں برابر سنی جا سکتی ہے۔ اس گنبد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے نیچے کوئی ستون نہیں۔ یہ مسجد ساری کی ساری سنگِ مرمر سے بنائی گئی ہے۔ مسجد کا داخلی راستہ انتہائی خوبصورت فواروں کی وجہ سے ایک روح پرور منظر پیش کرتا ہے۔









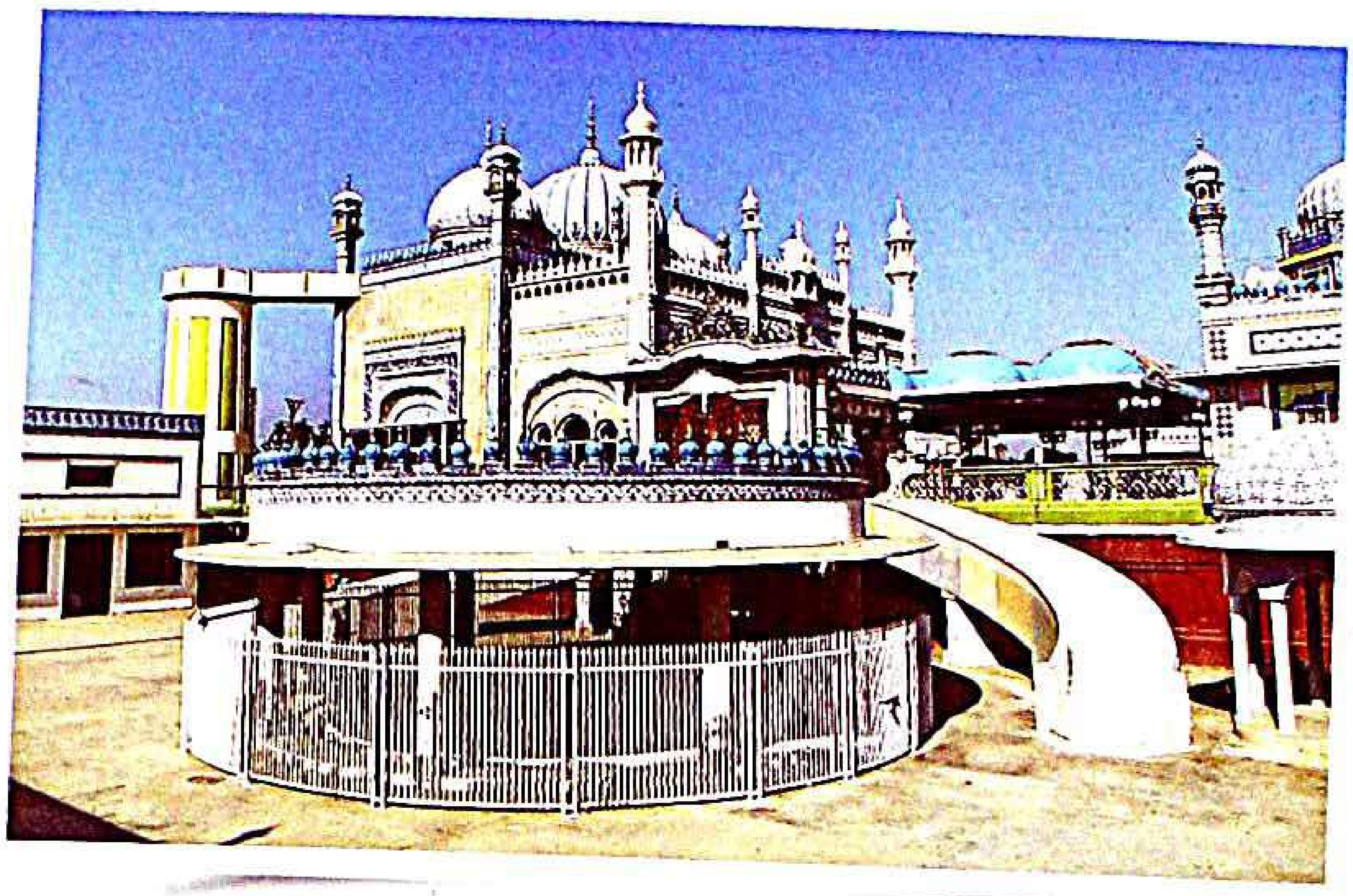
جامع مسجد بھونگ

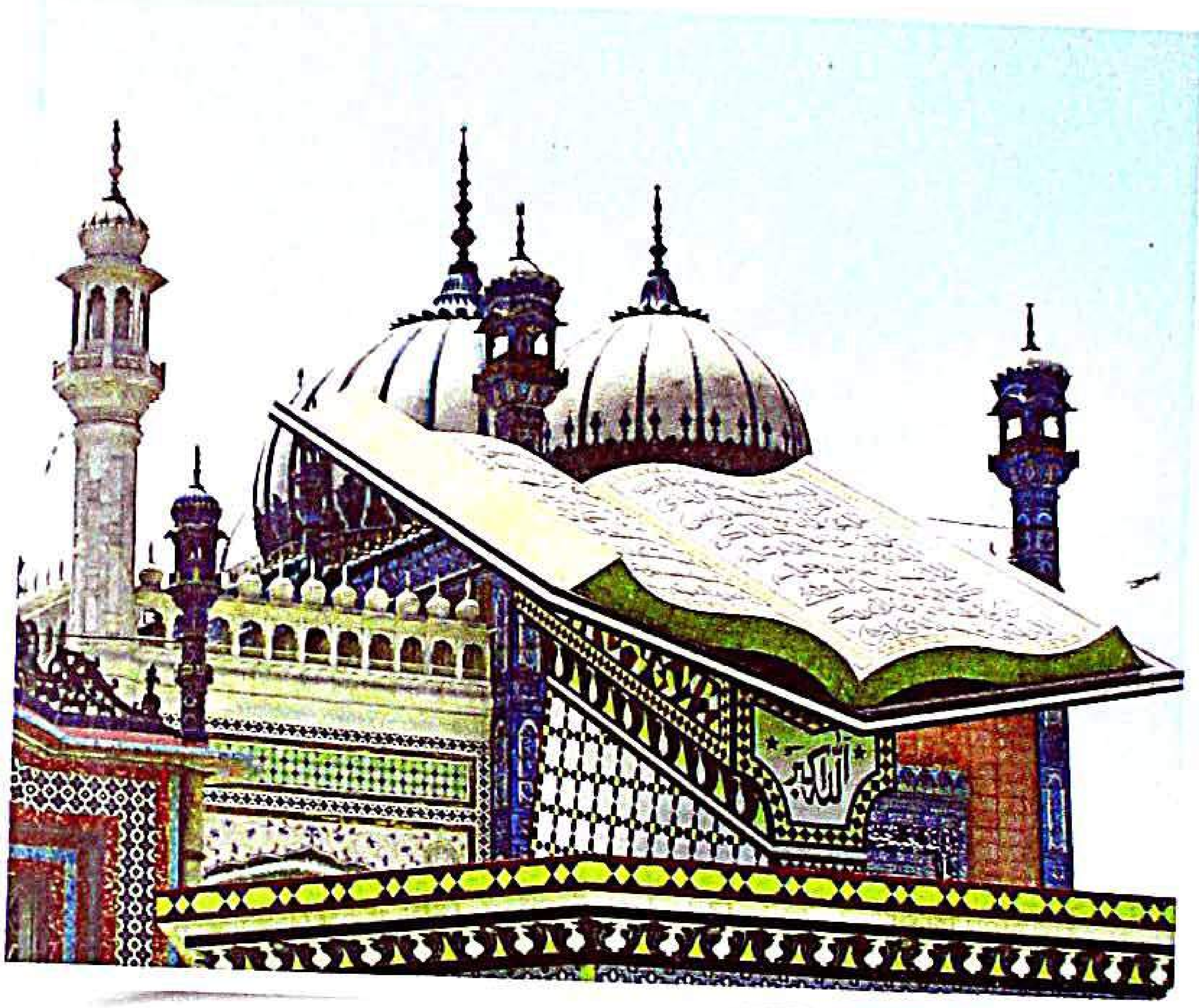
(ضلع رحیم یار خاں) پاکستان

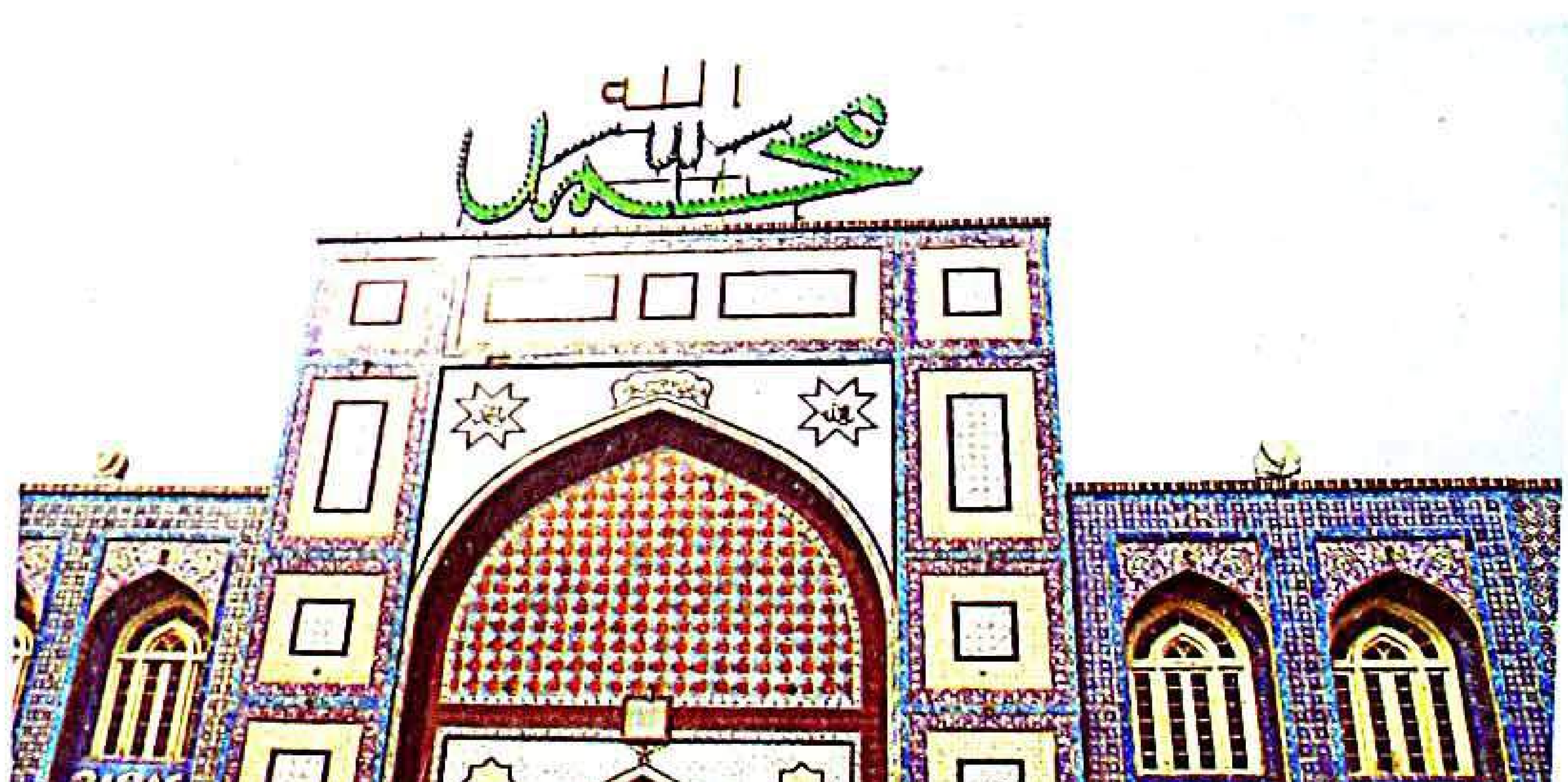
یہ جامع مسجد ضلع رحیم یار خاں (پاکستان) کی تحصیل صادق آباد کے ایک چھوٹے سے قصبہ بھونگ میں واقع ہے۔

بھونگ صادق آباد سے بیس کلومیٹر کے فاصلے پر کشمور روڈ پر واقع ہے، یہ مسجد نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا میں اپنے منفرد ڈیزائن اور اچھوتے فنِ تعمیر کی وجہ سے خاص شہرت رکھتی ہے۔ یہ مسجد کیا ہے، ایک نگینہ ہے۔

بھونگ کے ایک جاگیردار رئیس غازی محمد نے اس مسجد کی تعمیر 1932ء میں شروع کی اور پورے پچاس سال کے بعد 1982ء میں یہ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ مسجد کی تعمیر کے آغاز کے وقت برصغیر کے ماہر فن کاروں کو دعوت دی گئی۔ نامور معمار راجستھان سے، ٹائلوں کے ماہر ملتان سے، لکڑی کے کام کے ماہر چنیوٹ سے اور خطاطی اور خوش نویسی کے ماہر کراچی سے بلائے گئے۔ تعمیری میٹریل







میں سنگِ مرمر، ساگوان کی لکڑی، ہاتھی دانت، سنگِ سلیمان، رنگین شیشہ، آئینے اور رنگین ٹائلیں استعمال کی گئیں۔ مسجد کی دیواروں پر نہایت خوبصورتی سے قرآنی آیات تحریر کی گئی ہیں۔ حال ہی میں مسجد کے برآمدے کے باہر سفید سنگِ مرمر میں خوبصورت قرآنِ پاک تراشا گیا ہے جو کہ مسجد کے حسن میں ایک قابلِ تحسین اضافہ ہے۔ بھونگ کے اس نگینے (مسجد) کو تراشنے کے لیے تقریباً ایک ہزار ماہر کاریگروں، انجینئروں اور لاتعداد مزدوروں نے حصہ لیا۔

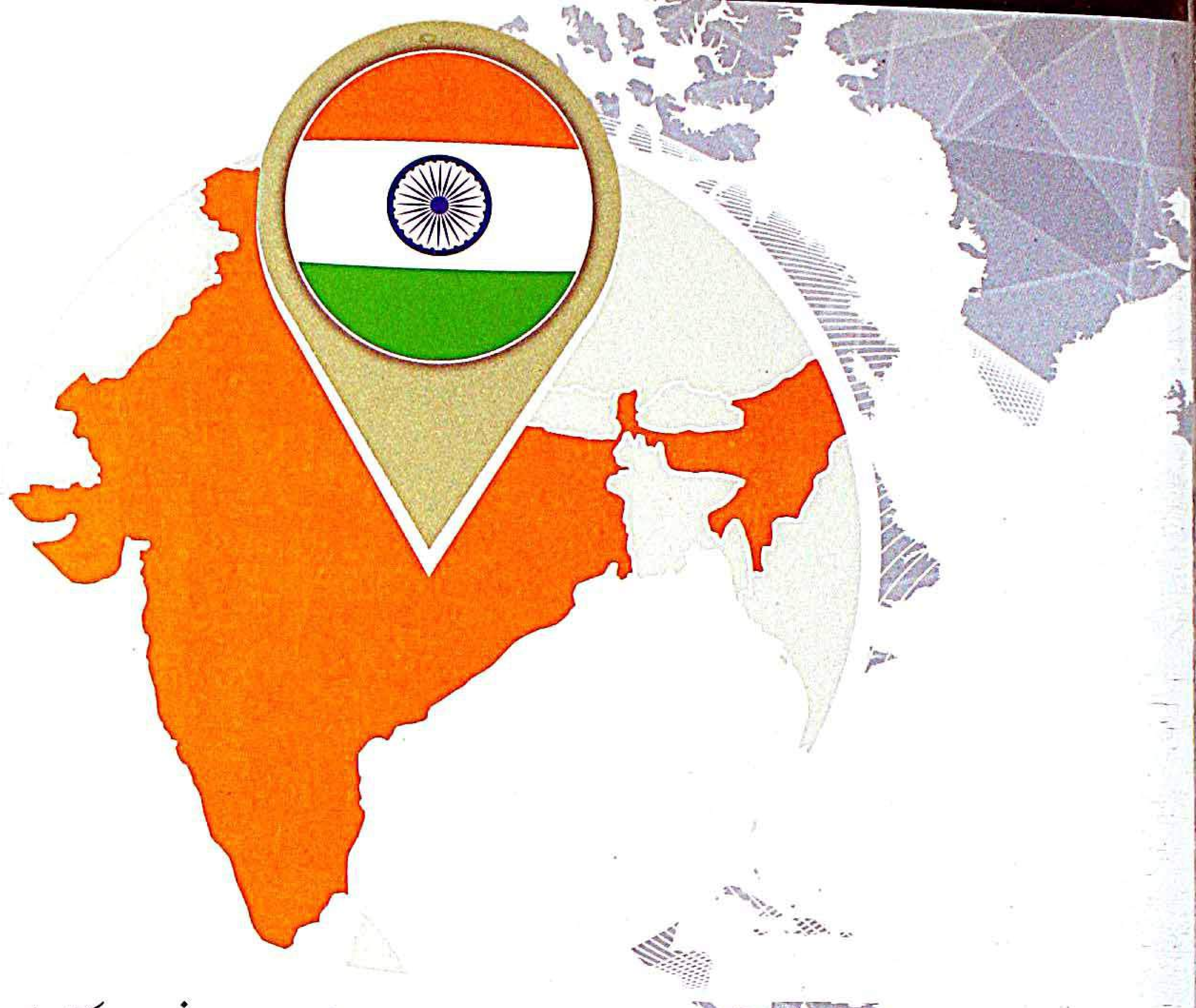
حکومت پاکستان نے رئیس غازی محمد کی گرانقدر خدمات کے اعتراف میں انھیں 23 مارچ 2004ء کو ایک پُروقار سرکاری تقریب میں ستارۂ امتیاز سے نوازا۔ اس کے علاوہ سردار رئیس کو پرنس کریم آغا خاں ایوارڈ بھی 1986ء میں دیا گیا ہے۔ 12 مئی 2004ء کو پاکستان کے محکمہ ڈاک نے ایک یادگاری ٹکٹ بھی جاری کیا جس پر اس خوبصورت مسجد کی تصویر ہے۔ یہ مسجد اپنی خوبصورتی کی وجہ سے دنیا کی دس چوٹی کی خوبصورت مساجد میں شمار ہوتی ہے۔

بھارت

جنوبی ایشیا کا ملک بھارت برصغیر (Subcontinent) یا ہندوستان کے بڑے حصے پر مشتمل ہے۔ اس کے شمال میں چین، بھوٹان اور نیپال، مشرق میں بنگلہ دیش اور میانمار (برما)، مغرب میں پاکستان اور بحیرۂ عرب اور جنوب میں خلیج بنگال، سری لنکا اور بحرِ ہند واقع ہیں۔ اس کا رقبہ تقریباً 30 لاکھ مربع کلومیٹر اور آبادی ایک ارب (1000 ملین) سے زیادہ ہے۔ دارالحکومت نئی دہلی ہے۔ دیگر مشہور شہر ممبئی (بمبئی)، کولکتہ (کلکتہ)، چنائی (مدراس)، احمد آباد، حیدر آباد، لکھنؤ، علی گڑھ، بنگلور، وراناسی (بنارس)، آگرہ، الٰہ آباد، پونا، جالندھر، کانپور، ناگپور، بھوپال اور جے پور ہیں۔ جزائر لکادیپ (بحیرۂ عرب) اور جزائر انڈیمان ونکوبار (خلیج بنگال) بھی بھارت کی ملکیت ہیں۔ بھارت اور چین کے درمیان کوہستان ہمالیہ حائل ہے جبکہ آبنائے پاک بھارت کو سری لنکا سے جدا کرتی ہے۔

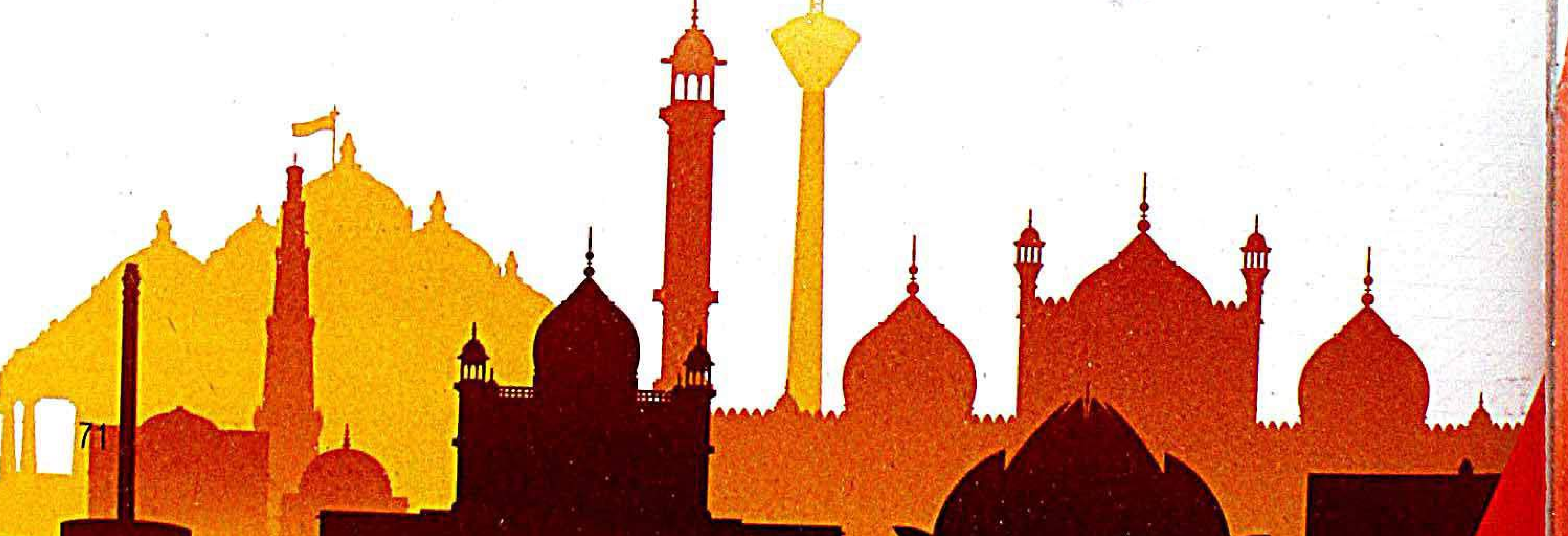
بھارت بلکہ پورا ہندوستان (India) قدیم زمانے میں رجواڑوں (ریاستوں) میں بٹا ہوا تھا۔ 1192ء میں سلطان شہاب الدین غوری نے شمالی ہند فتح کیا اور اس کے نائب قطب الدین ایبک نے دہلی میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ مسلمانوں کے خاندانِ غلامان، خلجی خاندان، تغلق خاندان، سادات خاندان، لودھی خاندان اور مغلیہ خاندان یکے بعد دیگرے یہاں برسرِ اقتدار رہے۔ 1757ء سے 1857ء تک انگریز پورے ہندوستان پر قابض ہوگئے۔ اگست 1947ء میں برطانوی اقتدار کے خاتمے پر ہندوستان کی تقسیم سے آزاد پاکستان اور بھارت (India) وجود میں آئے۔ ہندوستان میں سلاطین اور مغل بادشاہوں کی بنائی ہوئی عمارات قابلِ دید ہیں۔

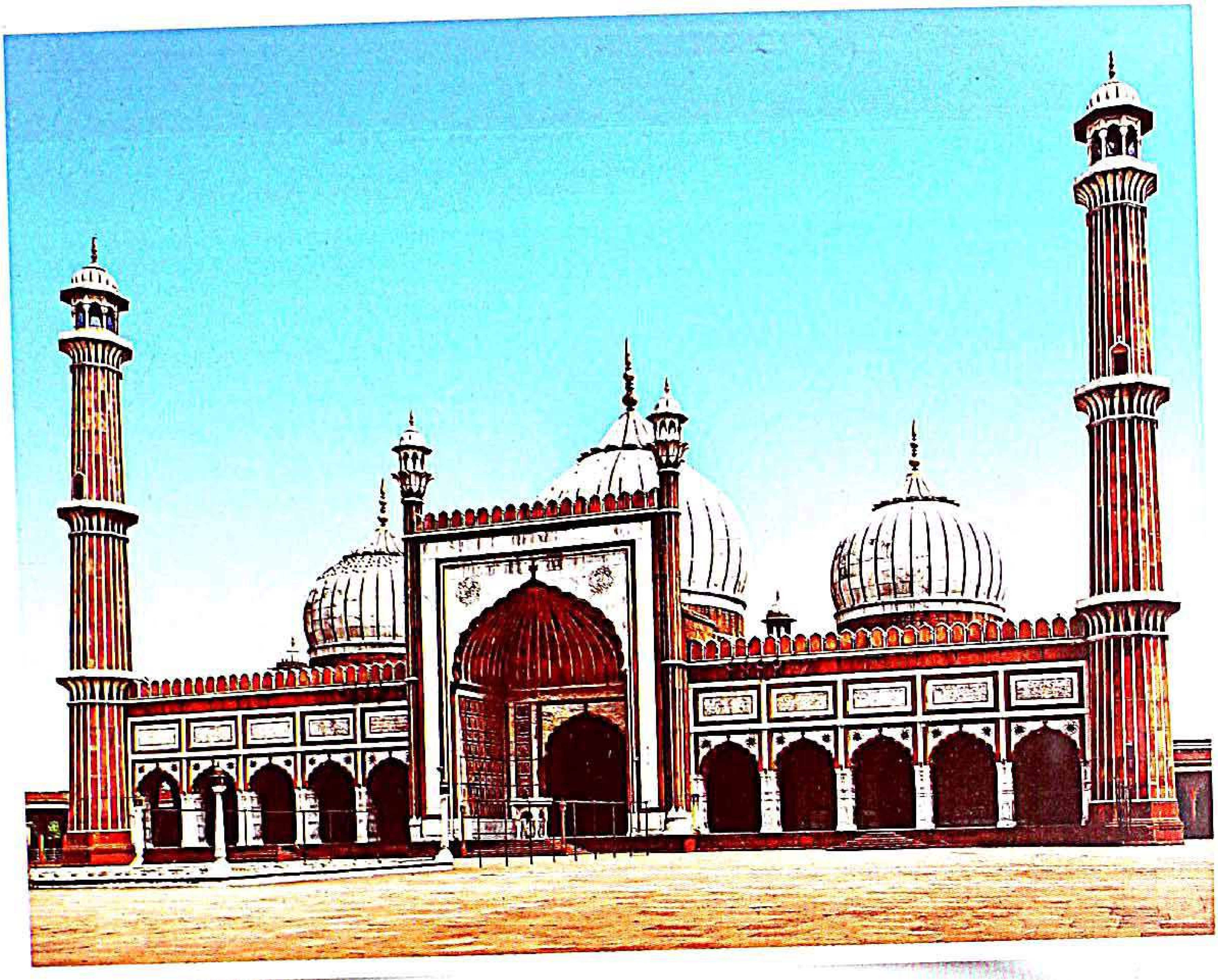
بھارت کے شمال میں دریائے گنگا، جمنا، برہم پتر، ستلج اور بیاس بہتے ہیں جبکہ جنوب کے دریا مہاندی، گوداوری، کاویری، نرمدا (نربدا) اور تاپتی ہیں۔ بھارت کے وسط میں کوہ بندھیاچل ہے اور اس کے جنوب میں سطح مرتفع دکن ہے۔ دکن میں اٹھارویں صدی میں میسور اور حیدر آباد کی مسلم ریاستیں قائم ہوئیں۔ بھارت کی زرعی پیداوار میں چاول، گندم،



مکئی، دالیں، آلو، تمباکو، کپاس، گنا، ناریل، پٹ سن، کیلا، چائے اور ٹماٹر شامل ہیں۔ معدنی پیداوار کوئلہ، لوہا، باکسائٹ، مینگانیز، تانبا، کرومیم، سونا، فاسفیٹ، ایلومینیم اور معدنی تیل پر مشتمل ہے۔

بھارت میں تقریباً 80 فیصد ہندو، 15 فیصد مسلمان اور باقی سکھ، عیسائی اور بدھ وغیرہ ہیں۔ جموں وکشمیر مسلم اکثریتی ریاست ہے جس پر اکتوبر 1947ء سے بھارت نے فوجی قبضہ کر رکھا ہے۔ بھارتی مقبوضہ کشمیر اور پاکستانی آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان کے درمیان جنگ بندی لائن یکم جنوری 1949ء کو قائم ہوئی تھی جو شملہ معاہدہ (1972ء) کے تحت کنٹرول لائن میں بدل دی گئی۔ قضیۂ کشمیر پر 1948ء، 1965ء اور 1999ء میں پاک بھارت جنگیں ہو چکی ہیں۔ جامع مسجد دہلی کے علاوہ مسجد قوت الاسلام (قطب مینار)، موتی مسجد آگرہ اور جامع مسجد حیدر آباد تاریخی مساجد ہیں۔ آگرہ کا تاج محل مشہور زمانہ ہے۔ بابری مسجد (ایودھیا) دسمبر 1992ء میں ہندوؤں نے شہید کر دی۔



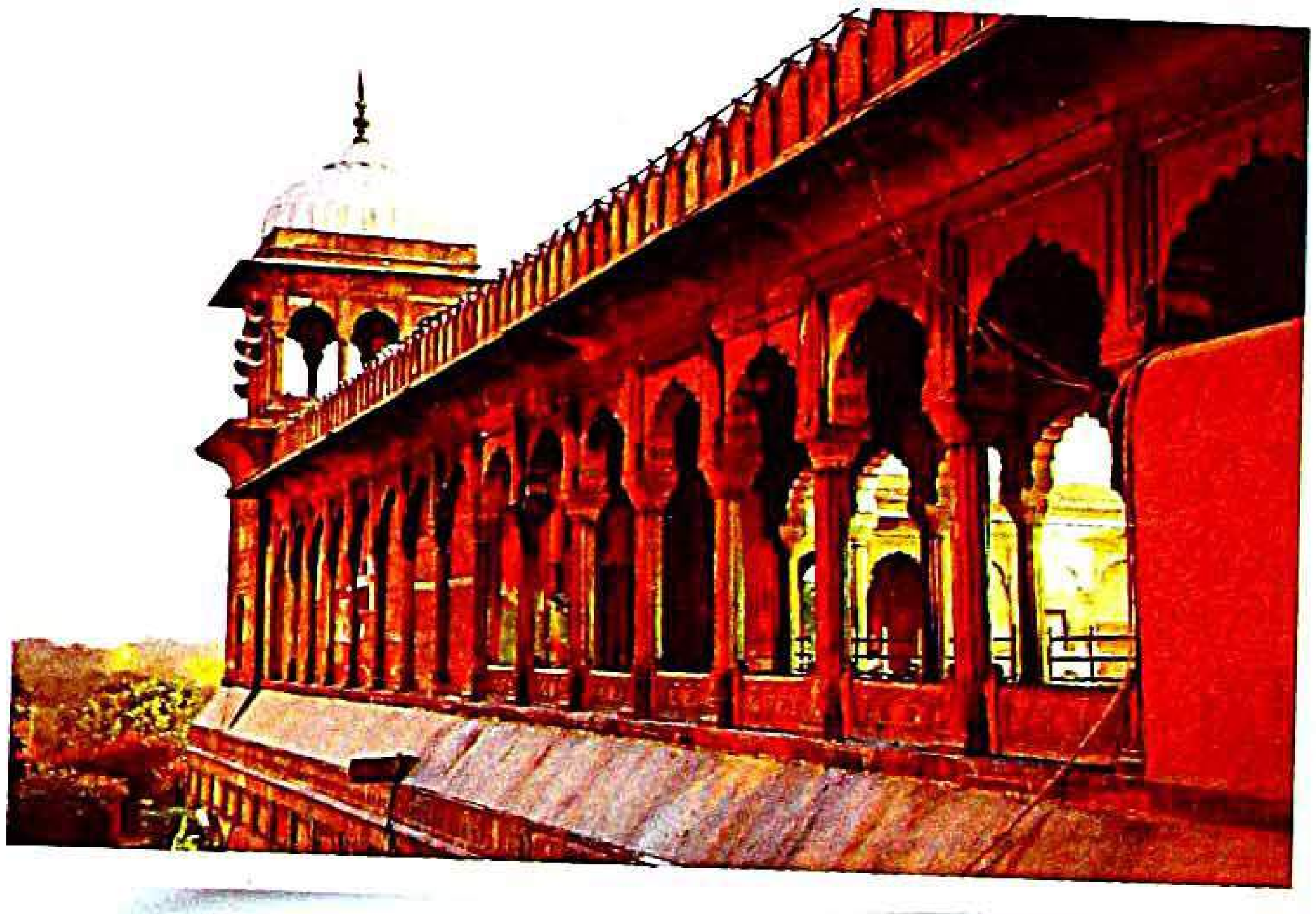


جامع مسجد دہلی (بھارت)

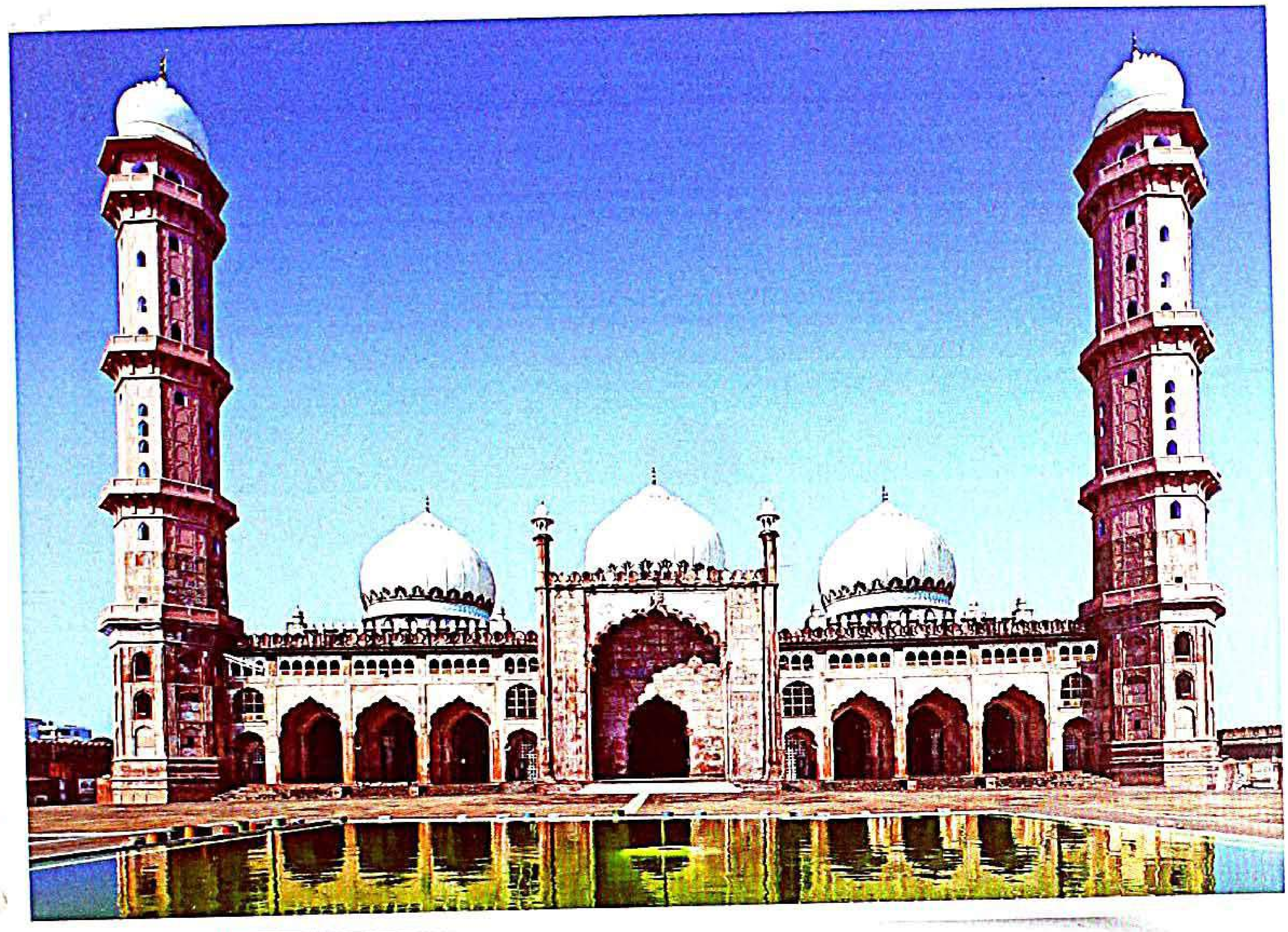
یہ مسجد بھارت کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اسے مغل شہنشاہ شاہجہان نے بنوایا تھا۔ یہ مسجد پرانی دہلی کے مرکزی بازار میں واقع ہے۔ 19 اکتوبر 1650ء بمطابق 10 شوال 1060 ہجری کو جمعے کے دن اس مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا گیا اور چھ سال کے عرصے میں 1656ء میں یہ مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ مسجد 262 فٹ لمبی اور 90 فٹ چوڑی ہے۔ اس کا نقشہ لاہور کی بادشاہی مسجد، جو بعد میں اورنگزیب عالمگیر کے دور میں تعمیر ہوئی، سے خاصی مماثلت رکھتا ہے۔ یہ مسجد بھی سنگِ سرخ سے تعمیر کی گئی ہے۔ اس کے بھی تین گنبد ہیں جبکہ درمیان والا گنبد بڑا ہے۔ اس مسجد کے دو مینار ہیں جن کی بلندی 130 فٹ ہے۔ اوپر جانے کے لیے 130 سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں اور راستے میں تین گیلریاں بھی بنی ہوئی ہیں۔ اوپر والی گیلری سے شہر کا نظارہ بڑا دلفریب لگتا ہے۔ مسجد کے مسقّف حصے میں داخل ہونے کے لیے 11 محرابی دروازے ہیں۔



درمیان والا دروازہ بڑا ہے جبکہ پانچ دروازے دائیں طرف اور پانچ ہی بائیں طرف ہیں۔ اس میں 25 ہزار نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں، پانچ ہزار مسقّف حصے میں اور بیس ہزار صحن میں۔ اس مسجد کی تعمیر پر چھ سال کا عرصہ لگا اور 6000 مزدوروں اور کاریگروں نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اس زمانے میں اس کی تعمیر پر دس لاکھ روپیہ صرف ہوا۔







تاجُ المساجد بھوپال (بھارت)

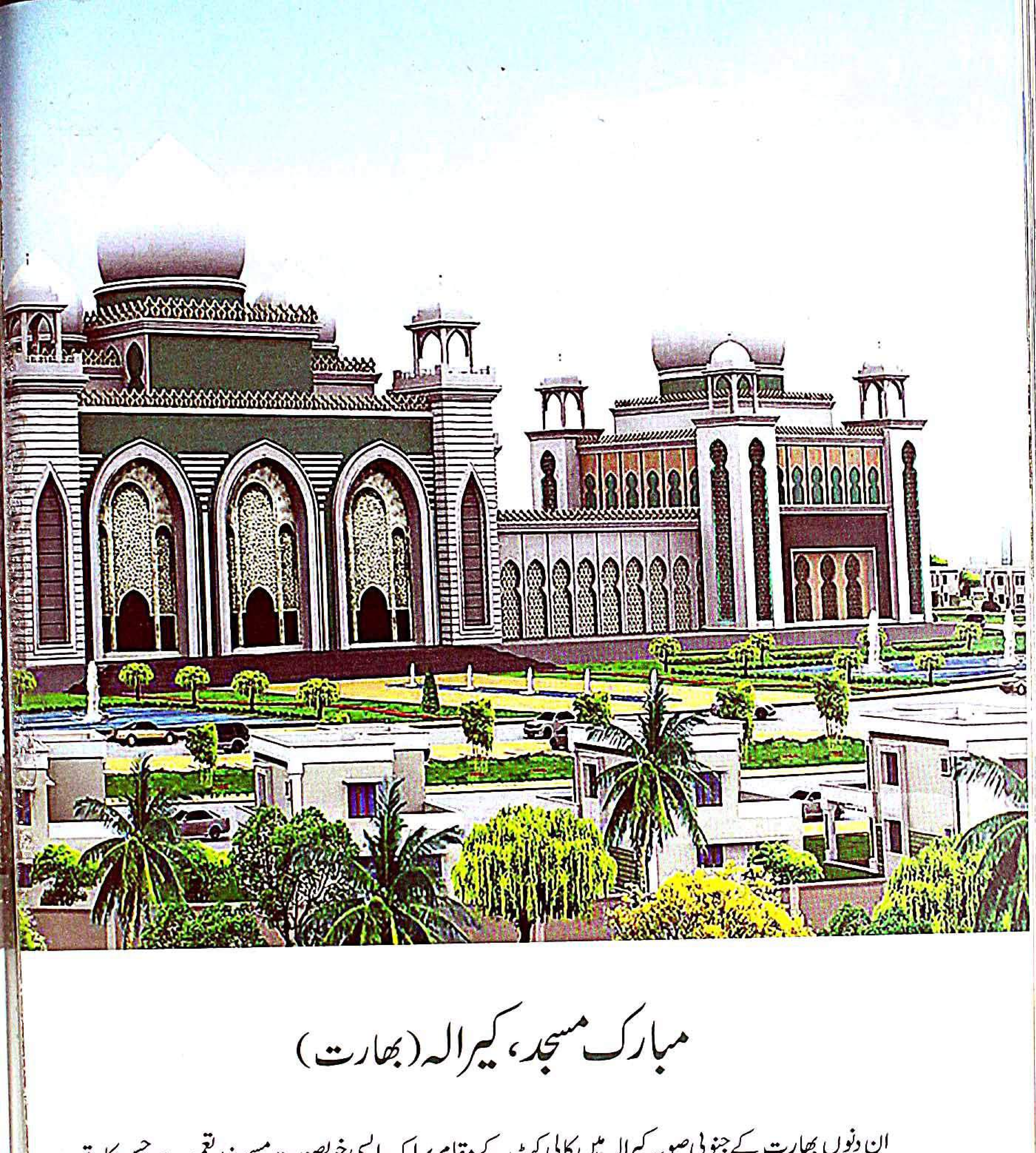
یہ مسجد انیسویں صدی کی ایک خوبصورت تخلیق ہے جو بھارت کے صوبہ مدھیہ پردیش کے دارالحکومت بھوپال میں واقع ہے۔ یہ بھارت کی چند بڑی مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ تاج المساجد ملکہ شاہجہاں بیگم جو کہ 1844ء سے 1860ء تک اور پھر 1868ء سے 1901ء تک بھوپال کی حکمران رہی، کا ایک خواب تھی۔ گو یہ مسجد شاہجہان بیگم نے شروع تو کروا دی تھی لیکن یہ اس کی زندگی میں مکمل نہ ہوسکی۔ اس نامکمل مسجد کی تعمیر دوبارہ 1971ء میں شروع ہوسکی جس میں بھوپال کے علامہ محمد عمران خاں ندوی الازہری کی کاوشوں کا دخل ہے، آخرکار 1985ء میں یہ مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ یہ مسجد سرخ رنگ کے پتھر سے بنائی گئی ہے۔ جس کے دو ہشت پہلو 18 منزلہ مینار ہیں۔ مسجد کا گنبد ماربل (سنگِ مرمر) سے بنایا گیا ہے۔ مسجد کے تین گنبد ہیں گنبد اور فرش بادشاہی مسجد دہلی اور بادشاہی مسجد لاہور کے طرز پر تیار کیے گئے ہیں۔ مسجد کے صحن کے درمیان بادشاہی مسجد لاہور کی طرز پر پانی کا تالاب بنایا گیا ہے جہاں وضو کیا جاسکتا ہے۔

یہ مسجد بھی دنیا کی چوٹی کی بیس خوبصورت مساجد میں شامل ہے۔









مبارک مسجد، کیرالہ (بھارت)

ان دنوں بھارت کے جنوبی صوبہ کیرالہ میں کالی کٹ کے مقام پر ایک ایسی خوبصورت مسجد زیر تعمیر ہے جس کا رقبہ اڑھائی لاکھ مربع فٹ ہے۔ اس کا سنگِ بنیاد 30 جنوری 2012ء کو رکھا گیا اور دسمبر 2013ء میں مکمل ہوئی۔ اس مسجد میں تیس (30) ہزار نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس طرح یہ مسجد جامع مسجد دہلی سے بڑی ہے۔ اس مسجد کا ڈیزائن اتنا خوبصورت ہے کہ اس کے خالق آرکیٹیکٹ ریاض محمد کے جذبہ ایمانی اور فن کی داد دینی پڑتی ہے۔

اس مسجد کے چاروں طرف مغلیہ طرز کا خوبصورت باغ ہے۔ دراصل یہ مسجد کالی کٹ کے مضافات میں تعمیر ہونے



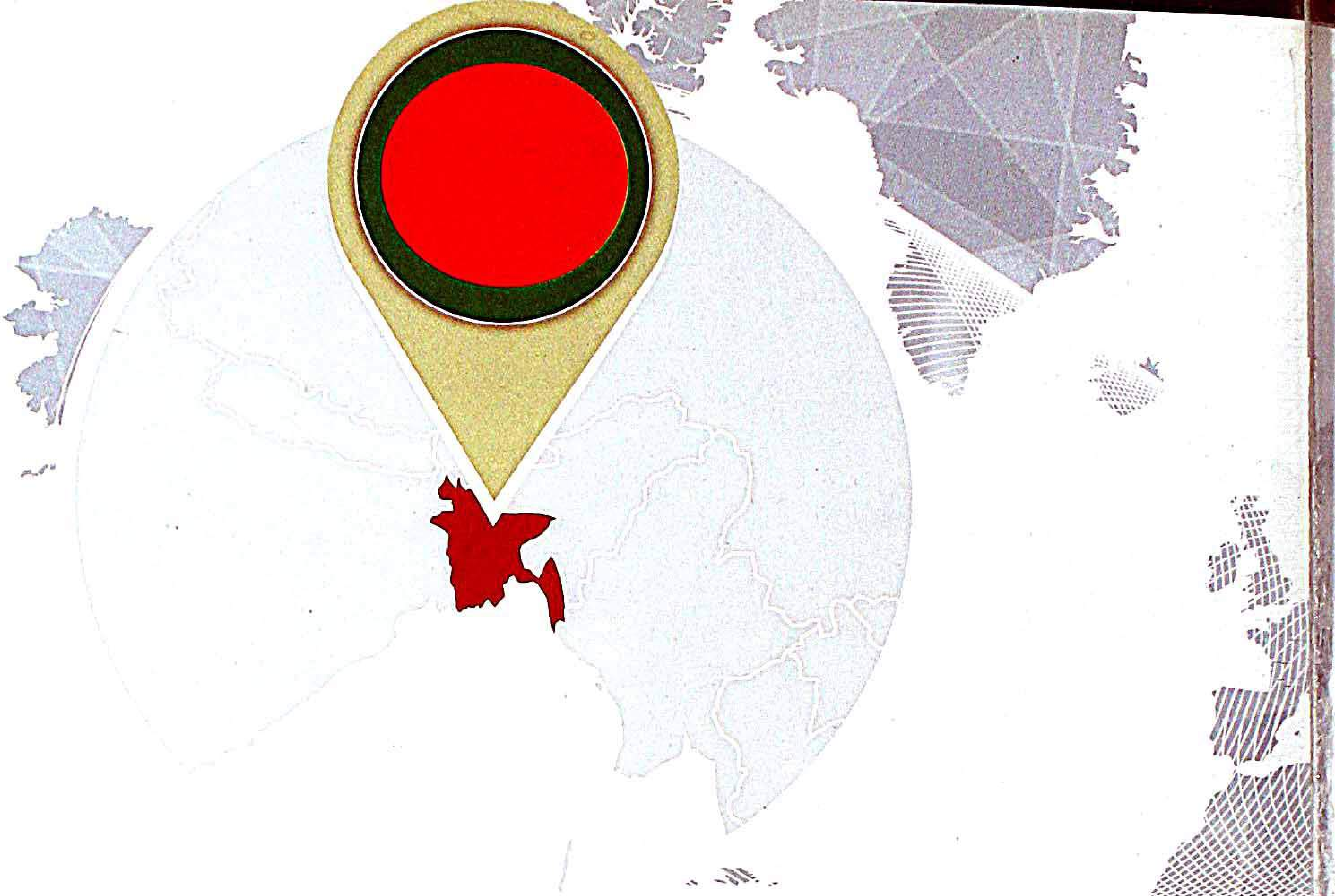
والے نئے ''نالج سٹی'' کی مرکزی مسجد ہے جس کے چاروں طرف آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پلازے شرعیہ سٹی، کمرشل سٹی، میڈیا سٹی، ایجوکیشن سٹی اور کنونشن سنٹر اس مسجد کو اپنے حصار میں لیے ہوئے ہیں۔ یہاں ریسرچ کے لیے ایک بڑی لائبریری قائم کی گئی ہے جس سے مسلم اور غیر مسلم برابر مستفید ہوسکیں گے۔

مبارک مسجد کی تعمیر پر چالیس کروڑ روپیہ خرچ آیا ہے۔ مقامی مخیّر اداروں اور مسلم گروپوں کے علاوہ متحدہ عرب امارات اور دوسری عرب ریاستوں میں ملازمت کرنے والوں نے دل کھول کر مالی تعاون کا یقین دلایا۔ مسجد کی انتظامیہ نے فنڈ اکٹھا کرنے کا اس طرح پروگرام ترتیب دیا کہ مطلوبہ 40 کروڑ روپیہ چار لاکھ لوگوں سے ایک ہزار فی کس کے حساب سے اکٹھا کیا گیا۔ اس مسجد سے ملحق ایک بڑا مدرسہ بنایا گیا ہے جس میں قرآن وحدیث، فقہ اور آرٹس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ شیخ ابوبکر جو انجمن کے سیکرٹری جنرل ہیں، اس مسجد کے امام ہیں۔

بنگلہ دیش

جنوبی ایشیا کے مشرق میں واقع اسلامی ملک بنگلہ دیش شمال، مشرق اور مغرب میں بھارت سے گھرا ہوا ہے۔ جنوب مشرق میں تھوڑی سی سرحد میانمار (سابقہ برما) سے ملتی ہے۔ جنوب میں خلیج بنگال واقع ہے۔ بنگلہ دیش کا رقبہ 1,43,998 مربع میل اور آبادی تقریباً 16 کروڑ ہے۔ یہ دراصل گنگا اور برہم پترا اور ان کے معاون دریاؤں اور شاخوں پر مشتمل ذرخیر میدان ہے۔ صرف جنوب مشرق میں چٹاگانگ کی پہاڑیاں ہیں اور شمال مشرق میں سلہٹ کی پہاڑی ڈھلانوں پر چائے کے باغات ہیں۔ جنوب مغرب میں سندربن نامی جنگل ہے۔ گنگا اور برہم پتر ملک کے وسط میں مل کر دریائے پدما بناتے ہیں جو خلیج بنگال میں جا گرتا ہے۔

ارضِ بنگال جہاں ہندو راجے حکمران تھے، محمد بن بختیار خلجی نے 1197ء میں فتح کر کے دہلی کی اسلامی سلطنت میں شامل کیا تھا۔ تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں بنگال میں ایک آزاد مسلم سلطنت قائم ہوئی جو 1540ء میں شیر شاہ سوری کے برسرِ اقتدار آنے پر سلطنت دہلی کا حصہ بن گئی۔ مغلیہ سلطنت کمزور پڑنے پر 1724ء میں بنگال پھر ایک آزاد ریاست بن گیا جس پر 1757ء کی جنگِ پلاسی کے نتیجے میں انگریز غالب آ گئے۔ 1906ء میں صوبہ بنگال کے صدر مقام ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا جس نے قائداعظم کی قیادت میں اگست 1947ء میں برصغیر میں ایک مسلم مملکت ''پاکستان'' حاصل کر لی اور مشرقی بنگال اس کا ایک صوبہ ٹھہرا جسے اکتوبر 1955ء میں مشرقی پاکستان کا نام دیا گیا۔ جنرل ایوب خاں کے طویل فوجی اقتدار (69-1958ء) میں بنگالیوں کے احساس محرومی اور شکایات نے علیحدگی کی تحریک کی شکل اختیار کر لی اور بالآخر جنرل یحیٰی خاں کے مارشل لاء (71-1969ء) میں اپنوں اور غیروں کی سازشوں سے پاک بھارت جنگ دسمبر 1971ء کے اختتام پر بنگلہ دیش کے نام



سے ایک الگ ملک وجود میں آ گیا۔ 15 اگست 1975ء کو عوامی لیگ کے سربراہ بابائے بنگلہ دیش صدر شیخ مجیب الرحمٰن کو فوجی افسروں نے قتل کر کے مارشل لاء لگا دیا۔ 30 مئی 1981ء کو فوجی سربراہ جنرل ضیاء الرحمٰن کے قتل پر نائب صدر عبدالستار چودھری صدرِ مملکت بن گئے جنھیں مارچ 1982ء میں جنرل حسین محمد ارشاد نے مارشل لاء لگا کر برطرف کر دیا۔ جنرل ارشاد نے 1988ء میں بنگلہ دیش کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا۔ 1990ء کے ہنگاموں میں جنرل ارشاد مستعفی ہو گئے اور اگلے سال کے عام انتخابات میں نیشنلسٹ پارٹی کی سربراہ بیگم خالدہ ضیاء الرحمٰن بطور وزیراعظم برسرِ اقتدار آئیں۔ 1996ء کے انتخابات میں بیگم حسینہ واجد (شیخ مجیب کی صاحبزادی)، 2001ء میں خالدہ ضیاء اور دسمبر 2007ء میں پھر حسینہ واجد برسرِ اقتدار آئیں۔

بنگلہ دیش میں 89.5 فیصد مسلمان اور 9.6 فیصد ہندو ہیں۔ بنگالی سرکاری زبان ہے۔ ڈھاکہ دارالحکومت کی آبادی ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہے۔ دیگر بڑے شہر چٹاگانگ (چاٹگام 50 لاکھ) اور کھلنا (17 لاکھ) ہیں۔ زرعی پیداوار میں چاول، پٹ سن، چائے، گندم، گنا، آلو، تمباکو، دالیں اور گرم مسالے اور عمارتی لکڑی شامل ہے۔ جبکہ معدنی پیداوار قدرتی گیس اور کوئلہ ہے۔ فی کس آمدنی 1700 ڈالر ہے۔ شرح خواندگی 56 فیصد ہے۔ بنگالی تعلیمی و سرکاری زبان ہے۔



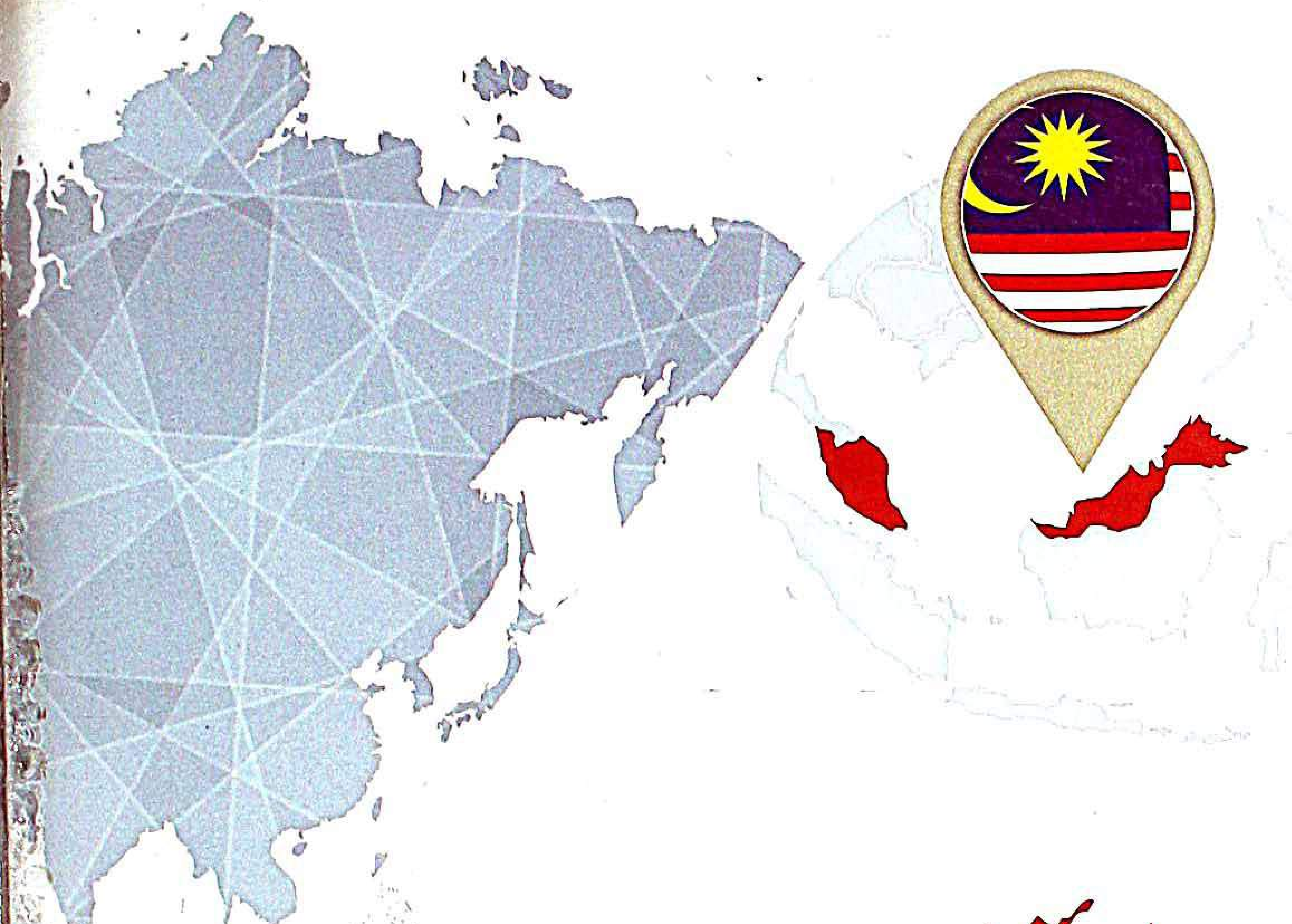
مسجد بیت المکرّم، ڈھاکہ (بنگلہ دیش)

یہ مسجد بنگلہ دیش کی قومی مسجد ہے، بیت المکرّم بنگلہ دیش کے دارالحکومت ڈھاکہ میں واقع ہے۔ اس مسجد کا افتتاح 1960ء میں ہوا اور اس وقت اس میں تیس ہزار نمازیوں کی گنجائش تھی۔ اس لحاظ سے یہ دنیا کی دس بڑی مساجد میں شمار کی جاتی ہے لیکن روز بروز مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر یہ مسجد چھوٹی پڑ رہی ہے۔ حکومت کا پروگرام ہے کہ اس مسجد کو توسیع دے کر مزید دس ہزار نمازیوں کی گنجائش پیدا کر لی جائے۔ توسیعی منصوبے کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے بعد اس میں نمازیوں کی گنجائش چالیس ہزار ہو جائے گی۔

مسجد بیت المکرّم کے ڈیزائن میں یہ انفرادیت ہے کہ وہ کسی حد تک خانہ کعبہ سے مماثلت رکھتا ہے دوسرے اس مسجد کا عام روایتی مساجد کی طرح نہ تو کوئی گنبد ہے، نہ کہیں محرابیں نظر آتی ہیں۔ اس کے باوجود یہ مسجد اپنے منفرد ڈیزائن اور خوبصورتی کی وجہ سے نہ صرف بنگلہ دیش بلکہ دنیائے اسلام میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔







ملائیشیا

ملائیشیا جنوب مشرقی ایشیا میں جزیرہ نما ملایا کے بڑے حصے اور جزیرہ بورنیو میں واقع صباح (شمالی بورنیو) اور سراوک پر مشتمل ہے۔ جزیرہ نما ملایا کے شمال میں مسلم اکثریت کا علاقہ (پٹانی) تھائی لینڈ کے قبضے میں ہے جبکہ جنوب میں جزیرہ سنگاپور دو سال (65-1963ء) ملائیشیا میں شامل رہا، پھر اس نے الگ ہو کر آزاد ملک کی حیثیت اختیار کر لی۔ بورنیو میں صباح اور سراوک کی سرحدیں، انڈونیشیا اور برونائی سے ملتی ہیں۔ جزیرہ نما ملایا، صباح اور سراوک کے درمیان بحیرۂ چین جنوبی واقع ہے جبکہ ملایا کے مغرب میں آبنائے ملاکا اسے جزیرہ سماٹرا (انڈونیشیا) سے جدا کرتی ہے۔

ملائیشیا کا رقبہ 329737 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی تقریباً 3 کروڑ کے قریب ہے۔ ملائیشیا قلعی (Tin) کی پیداوار میں دنیا میں سرِفہرست ہے۔ زرعی پیداوار میں ربڑ، ناریل، کالی مرچ، چاول، گنا، چائے اور کافی شامل ہیں۔

نسلی اعتبار سے ملائیشیا میں 25 فیصد ملائی، 27 فیصد چینی، 12 فیصد انڈونیشی، 7 فیصد انڈین (بھارتی و پاکستانی) ہیں۔ 92 فیصد آبادی ملائیشی شہری ہے جبکہ دیگر 8 فیصد غیر شہری ہیں۔ ملائیشیا دنیا میں ربڑ، قلعی (Tin) اور پام آئل برآمد کرنے کا سب سے بڑا ملک ہے۔ یہاں تیل اور گیس کے ذخائر بھی ہیں۔

ملایا یا مغربی ملائیشیا درج ذیل 11 ریاستوں پر مشتمل ہے: کیلنتان، کیداہ، جوہور، پیرلس، پینانگ، سیلانگور اور ٹرینگانو، پاہانگ، پیراک، نگری سمبیلان، ملاکا، کوالالمپور اور پترا جایا وفاقی علاقے ہیں۔ مشرقی ملائیشیا میں صباح

اور سراوک شامل ہیں۔ مغربی ملائیشیا کی گیارہ ریاستوں میں سے اول الذکر سات ریاستوں کے موروثی حکمران سلطان کہلاتے ہیں، پیرلس کے حکمران کا ٹائٹل راجہ ہے اور نگری سمبیلان کا حکمران یمتوان بیسار کہلاتا ہے۔ انھی نو حکمرانوں میں سے ہر پانچ سال بعد وفاق ملائیشیا کا سربراہ (بادشاہ) منتخب ہوتا ہے۔ ملائیشیا کے بیشتر مسلمان شافعی مسلک کے پیروکار ہیں۔

ملائیشیا کا دارالحکومت کوالالمپور ہے جس کی آبادی 19 لاکھ ہے، گزشتہ صدیوں میں ملائیشیا پرتگالیوں، ولندیزیوں اور انگریزوں کے زیرِ تسلط رہا۔ ملایا کی ریاستوں نے 31 اگست 1957ء کو برطانیہ سے آزادی حاصل کی۔ 1963ء میں صباح اور سراوک کو آزادی ملنے پر وفاق ملائیشیا وجود میں آیا۔ اس وقت سلطان عبدالحلیم ملائیشیا کے King (بادشاہ) ہیں۔ ملائیشیا کے سابق وزیرِاعظم (1981ء تا 2003ء) کے دور میں ملائیشیا نے بے مثال صنعتی ترقی کی اور آج ملائیشیا عالمِ اسلام میں سب سے ترقی یافتہ ملک ہے جہاں فی کس آمدنی تقریباً 18 ہزار ڈالر ہے۔ کوالالمپور کے علاوہ کوٹا بھارو، جوہور بحرو، جارج ٹاؤن، کیلانگ، کوالاٹرینگانو، کوانٹان، کوٹا کنابابو (صباح) اور کوچنگ (سراوک) مشہور شہر ہیں۔


ملائیشیا میں اسلام ساتویں صدی ہجری/ تیرھویں صدی عیسوی میں مسلم تاجروں کے ذریعے وارد ہوا۔ 802ھ/1400ء میں ملاکا کے راجہ تیماسک کے اسلام قبول کرنے سے اس کی تمام رعایا مسلمان ہوگئی۔ راجہ نے اسلامی نام سکندر شاہ اختیار کیا۔ 863ھ/1458ء تک پورے جزیرہ نما ملایا میں اسلام پھیل گیا۔ نویں صدی ہجری میں سلطان برونی کے اسلام قبول کرنے سے جزیرہ بورنیو میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اس وقت ملائیشیا کی 65 فیصد آبادی مسلمان ہے جبکہ باقی مسیحی (9 فیصد)، بدھ (19 فیصد) اور ہندو (6 فیصد) وغیرہ ہیں۔ ریاست کیلنتان، ٹرینگانو، کیداہ اور پیرلس میں مسلم آبادی 90 فیصد ہے۔ ان چاروں ریاستوں میں 500 سے زیادہ دینی مدارس ہیں۔ یہ مدارس کتاتیب کہلاتے ہیں۔ ان میں پانچ چھ ہزار سے زیادہ لڑکے اور لڑکیاں قرآن کی تعلیم پاتے ہیں۔

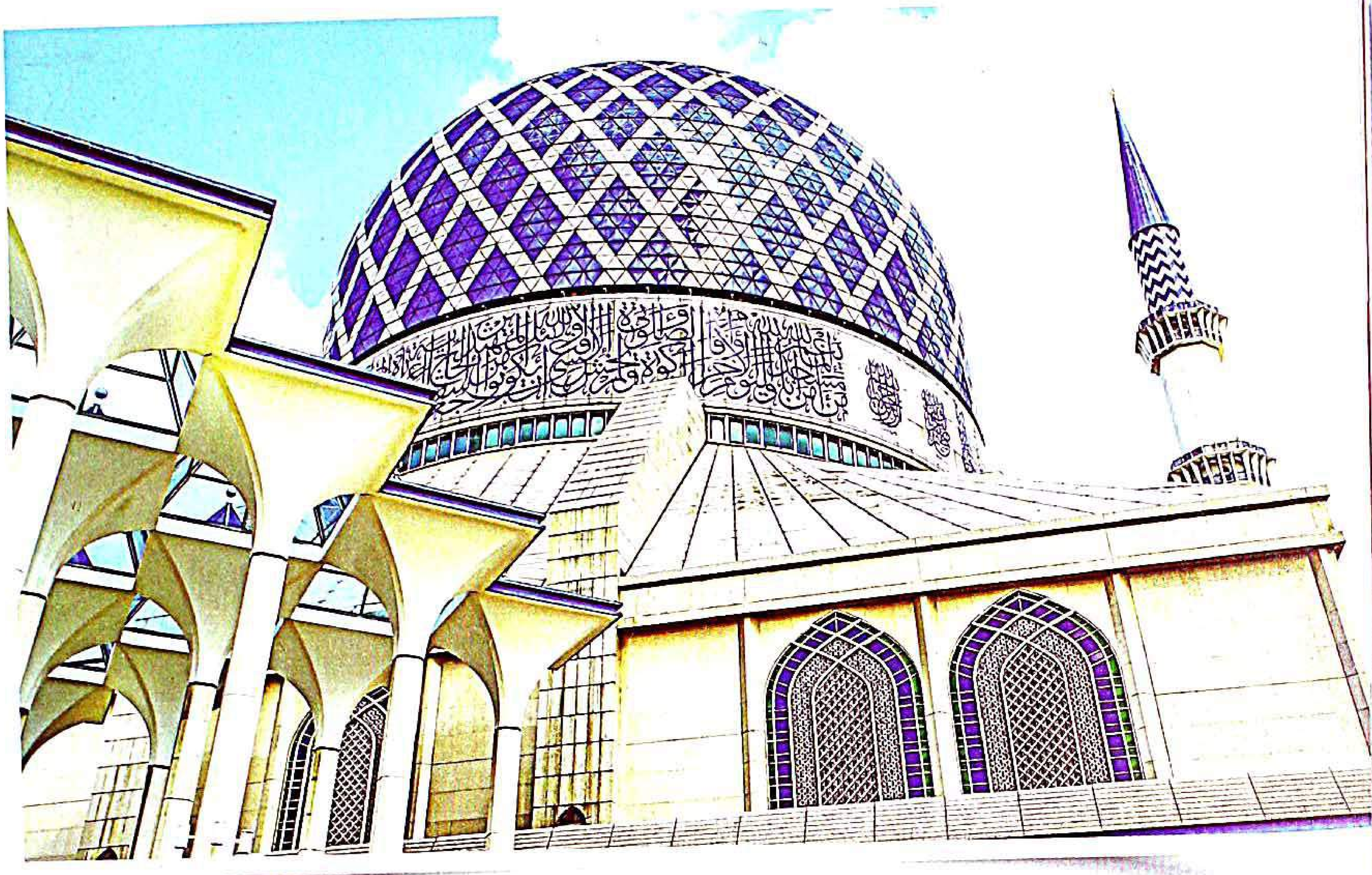
سلطان صلاح الدین عبدالعزیز مسجد، شاہ عالم (ملائیشیا)

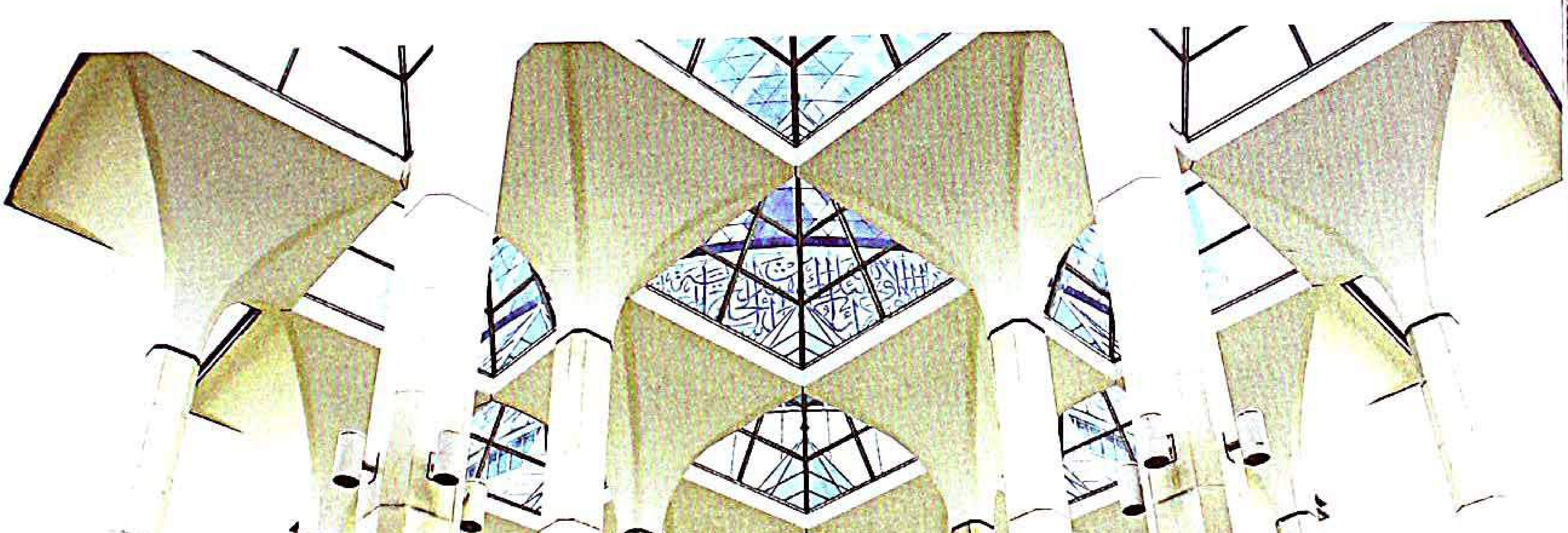
سلطان صلاح الدین عبدالعزیز مسجد ملائیشیا کے صوبے سیلانگور (Selangor) کے دارالحکومت شاہ عالم میں تعمیر کی گئی ہے۔ یہ مسجد ملک کی سب سے بڑی اور جنوب مشرقی ایشیا میں دوسری بڑی مسجد ہے۔ اس کا منفرد پہلو اس کا بہت بڑا نیلے اور سفید رنگ کی دھاریوں والا گنبد ہے۔ مسجد کے چار مینار ہیں جو کہ چاروں کونوں پر کھڑے ہیں۔ یہ مسجد اتنی بڑی ہے کہ اس میں چوبیس ہزار نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔

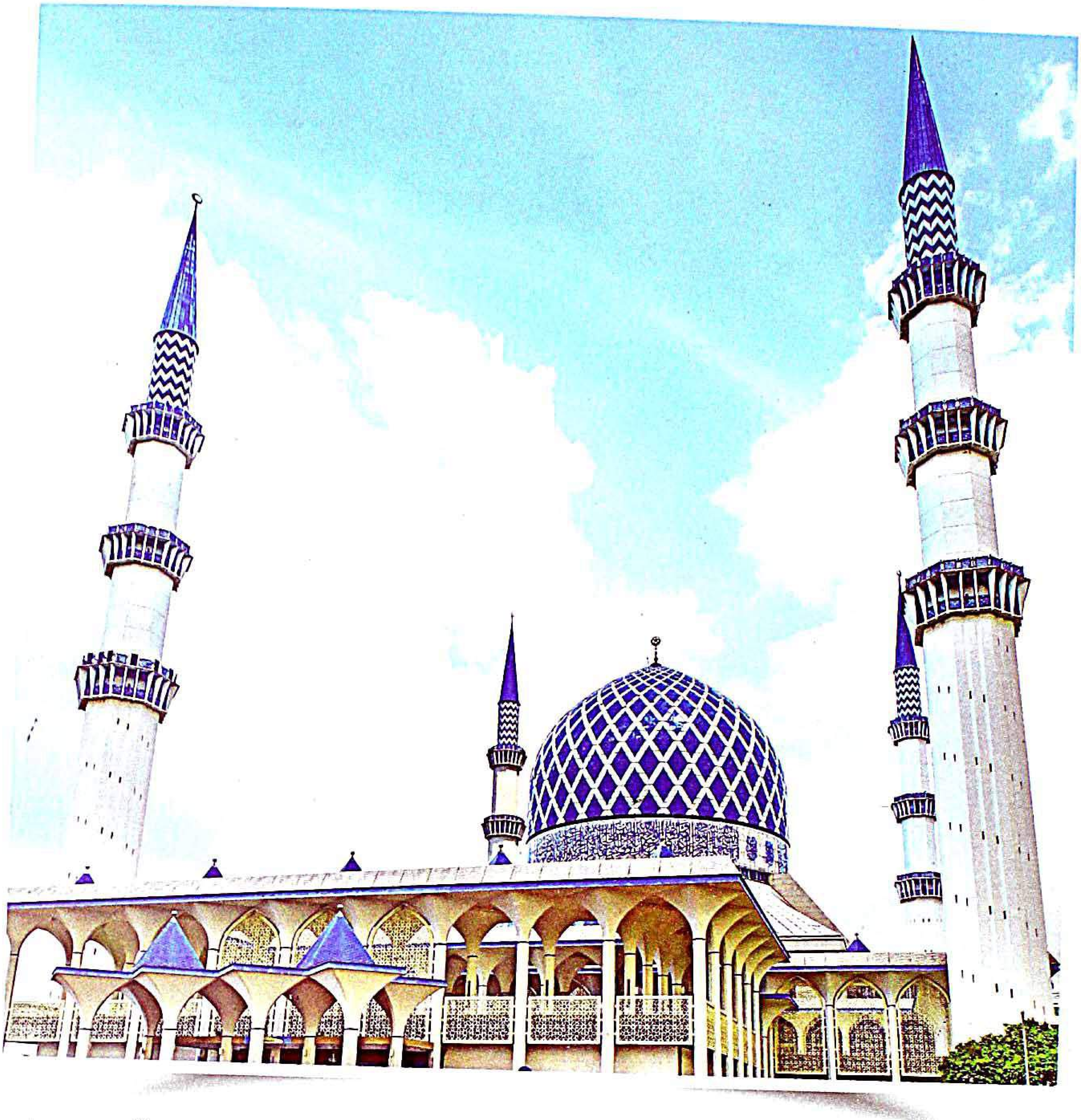


سلطان صلاح الدین عبدالعزیز نے جب 1974ء میں شاہ عالم شہر کو سیلانگور کا دارالحکومت بنانے کا اعلان کیا تو ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرنے کا عزم بھی کیا۔ اس مسجد کی تعمیر 1982ء میں شروع ہوئی اور تکمیل کے بعد 11 مارچ 1988ء کو اس کا افتتاح عمل میں آیا۔ یہ مسجد اپنے نیلے رنگ کے گنبد کی وجہ سے بلیو ماسک (نیلی مسجد) بھی کہلاتی ہے۔ اس مسجد کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ دنیا کے عبادت خانوں میں اس مسجد کا گنبد سب سے بڑا ہے جس کا قطر 168 فٹ ہے اور مسجد کے فرش سے اس کی بلندی 350 فٹ ہے۔ مسجد کے چار مینار ہیں اور ہر مینار کی بلندی 460 فٹ ہے۔ یہ مسجد پہلے اپنے بلند میناروں کی وجہ سے گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں شامل کی گئی تھی۔ یہاں تک کہ اگست 1993ء میں شاہ حسن ثانی کی مسجد کے مینار 689 فٹ کی بلندی پر پہنچ گئے تاہم مسجدِ سلطان صلاح الدین عبدالعزیز ابھی بھی اپنی انفرادیت برقرار رکھے ہوئے ہے کہ اس مسجد کا واحد مینار نہیں بلکہ ''چار مینار'' 460 فٹ بلند ہیں۔








شاہ سلطان عبدالعزیز کی مسجد کا ڈیزائن علاقائی اور جدید فنِ تعمیر کا حسین امتزاج لیے ہوئے ہے۔ یہ اتنی بڑی اور بلند مسجد ہے کہ کوالالمپور سے بھی نظر آتی ہے جو مشرق کی طرف 25 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ مسجد کے اندرونی ہال اور گنبد کے اندر خوبصورتی سے قرآنی آیات تحریر کی گئی ہیں۔ ان کی خطاطی کا حسن مصر کے مشہور خوش نویس شیخ عبدالمنعم محمد علی کے ہاتھوں اور ذہن کا کمال ہے۔ مسجد کی کھڑکیوں میں Stained شیشہ لگایا گیا ہے تاکہ دن کی روشنی مسجد کے اندر آتی رہے۔ مسجد کا مرکزی ہال دو منزلوں کے اوپر بنایا گیا ہے جو مکمل طور پر ائر کنڈیشنڈ اور خوبصورت قالینوں سے آراستہ ہے۔ مسجد کے اوپر والی گیلری خواتین کے لیے مخصوص ہے۔ پہلی منزل میں انتظامیہ کے دفاتر، استقبالیہ، کانفرنس روم، لائبریری اور کلاس رومز ہیں۔ واقعی یہ مسجد ڈیزائن کی انفرادیت اور خوبصورتی میں اونچا مقام رکھتی ہے۔





عبُودیہ مسجد

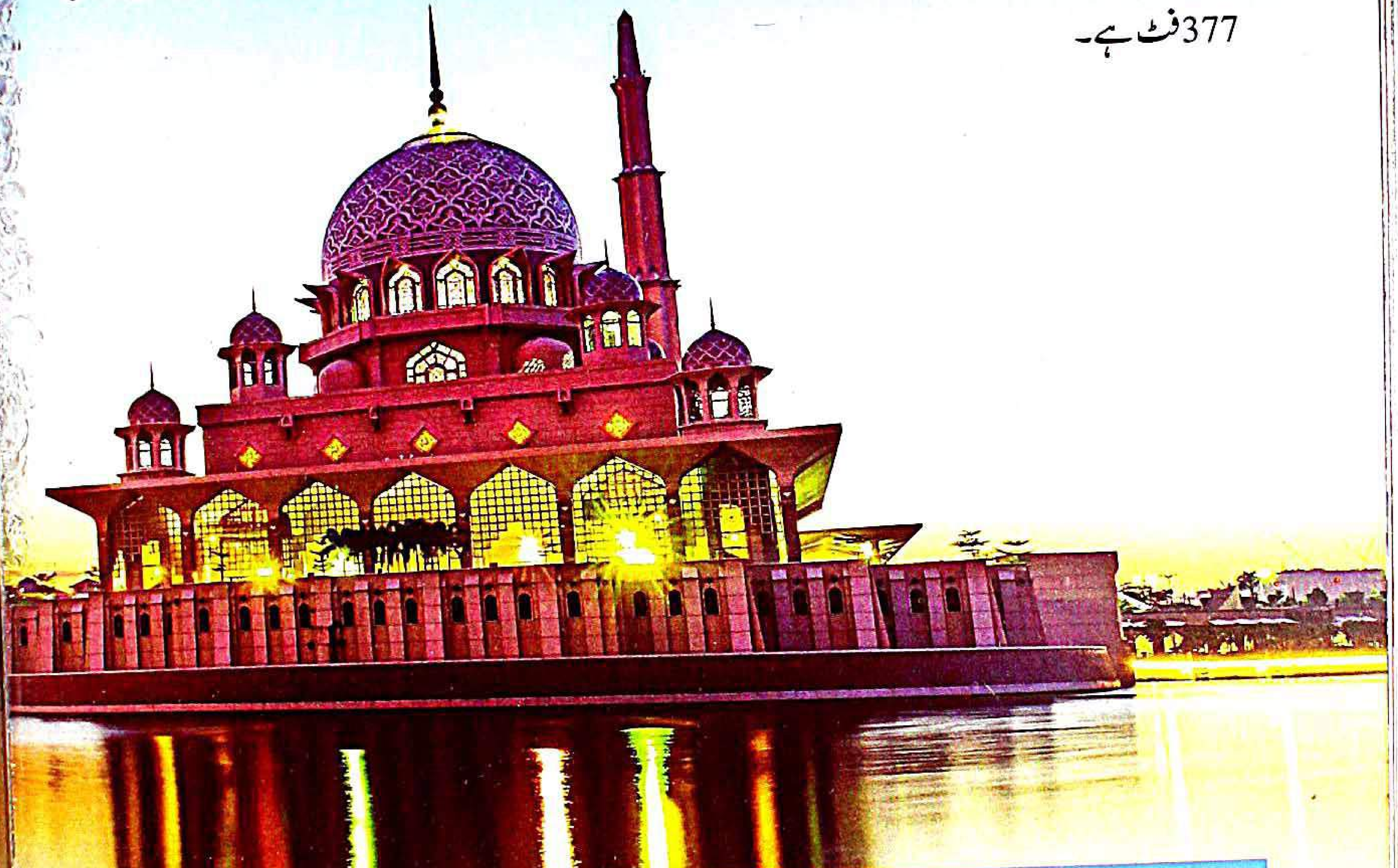
پیراک (ملائیشیا)

عبُودیہ مسجد، پیراک (Perak) صوبے کے حکمران خاندان کی بنائی ہوئی ہے۔ کوالا کنگ سار میں واقع یہ مسجد اپنے خوبصورت سنہری گنبدوں اور مینار کی وجہ سے بہت شہرت رکھتی ہے۔ دنیا کی بیس چوٹی کی خوبصورت مساجد میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کا ڈیزائن آرتھر بینسن ہبیک (Arthur Bension Hubback) نے تیار کیا تھا۔ یہ ایک حکومتی آرکی ٹیکٹ تھا جس نے آئی پوہ (I Poh) اور ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور کے ریلوے سٹیشن کے نقشے بھی تیار کیے تھے۔ عبودیہ مسجد کے ڈیزائن میں سنہری گنبد نمایاں ہیں۔

یہ مسجد پیراک کے سلطان ادریس کے دورِ حکومت میں 1917ء میں تعمیر کی گئی۔ سلطان نے اپنی بیماری کے دوران عہد کیا تھا کہ اگر وہ صحت یاب ہوگا تو ایک خوبصورت مسجد تعمیر کروائے گا، لہٰذا یہ مسجد اس کے وعدے کا ایفاء ہے۔ مسجد کی تعمیر کے دوران ایک حادثہ پیش آیا۔ سلطان اور راجہ چولان کے دو ہاتھی لڑ رہے تھے۔ لڑتے لڑتے وہ مسجد کے زیرِ تعمیر حصہ پر چڑھ دوڑے اور انھوں نے اٹلی سے منگوائی گئی قیمتی خوبصورت ٹائلوں کو تہس نہس کر دیا۔ بعد میں اٹلی سے نئی ٹائلیں منگوائی گئیں۔ مسجد 1917ء کے آخر میں مکمل ہوگئی اور اس وقت اس پر دو لاکھ رنگٹ (ملائیشین کرنسی) لاگت آئی۔ سلطان ادریس کے جانشین سلطان عبدالجلیل کرامت اللہ شاہ نے اس کا افتتاح کیا۔ یہ عظیم شاہکار پیراک کے مسلمانوں کے لیے شاہ ادریس کا ایک گراں قدر تحفہ ہے۔

پتراجایا مسجد کوالالمپور (ملائیشیا)

پتراجایا مسجد ملائیشیا کی نہ صرف سب سے بڑی بلکہ دنیا کی ایک خوبصورت ترین مسجد ہے۔ یہ ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور کے مضافات میں واقع ہے۔ اس اسلامی شاہکار کی تعمیر 1997ء میں شروع ہوئی اور یہ دو سال بعد 1998ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ یہ مسجد ملائیشیا کے وزیراعظم کے دفتر کے بالکل ساتھ ہے۔ مسجد مصنوعی جھیل پتراجایا کے کنارے تعمیر کی گئی ہے۔ اس کے آٹھ چھوٹے گنبد اور ایک بڑا گنبد ہے۔ مرکزی گنبد کا قطر 165 فٹ اور اس کے واحد مینار کی بلندی 377 فٹ ہے۔



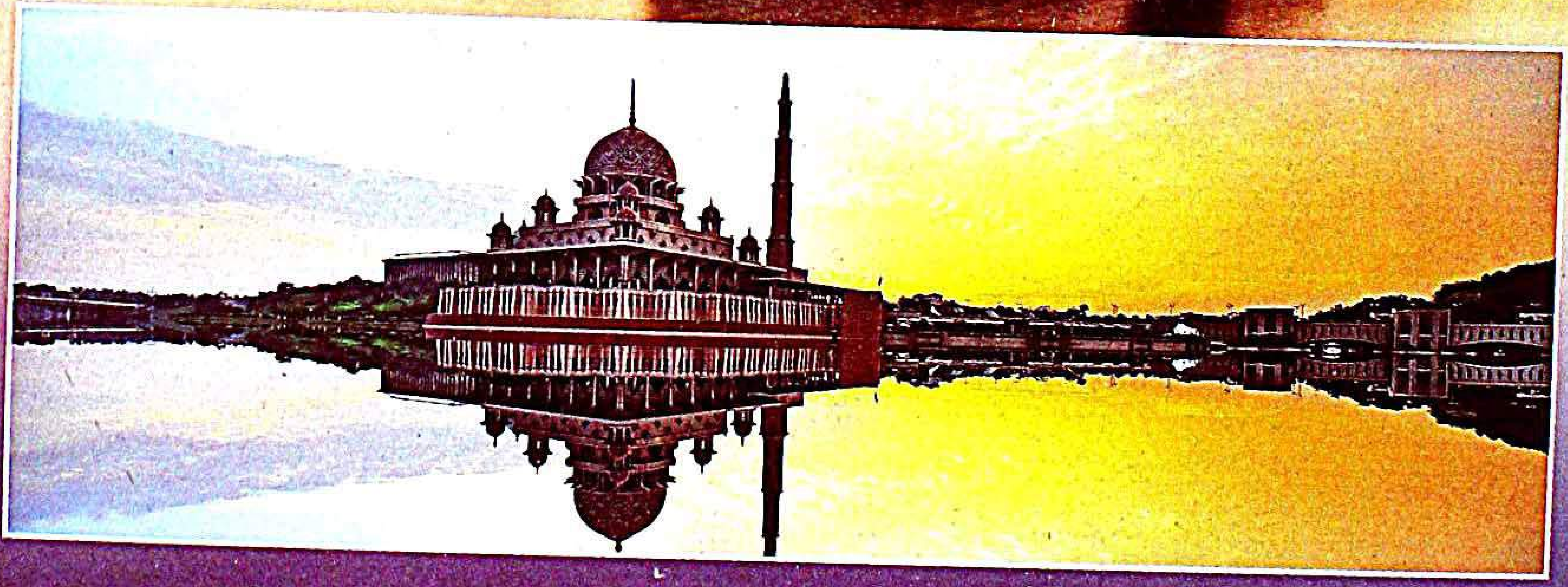
یہ مسجد جدید اسلامی فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کے ڈیزائن میں ایرانی، ملائیشیائی اور عرب فنِ تعمیر کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ اس کی تعمیر پر 25 کروڑ ملائیشین ڈالر (8 کروڑ امریکی ڈالر) لاگت آئی۔ اس کی تعمیر میں گلابی رنگ کا سنگ خارا استعمال کیا گیا ہے جس سے مسجد کی خوبصورتی اور شان میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس میں پندرہ ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔ مسجد کا صحن اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس میں بوقتِ ضرورت اور عیدین کی نمازوں کے موقع پر مزید پانچ ہزار نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس مسجد کا شمار دنیا کی دس چوٹی کی خوبصورت مساجد میں کیا جاتا ہے۔





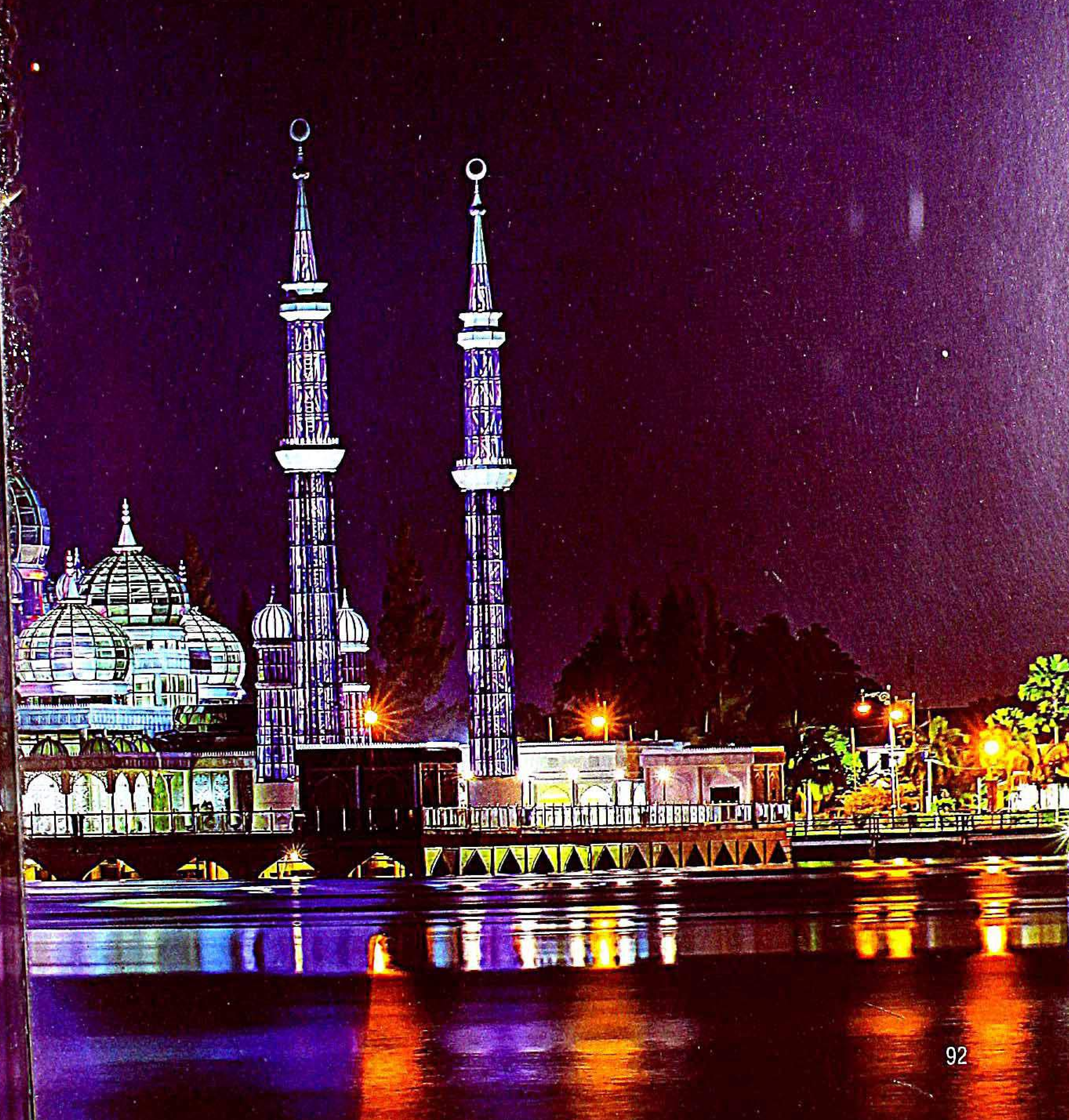






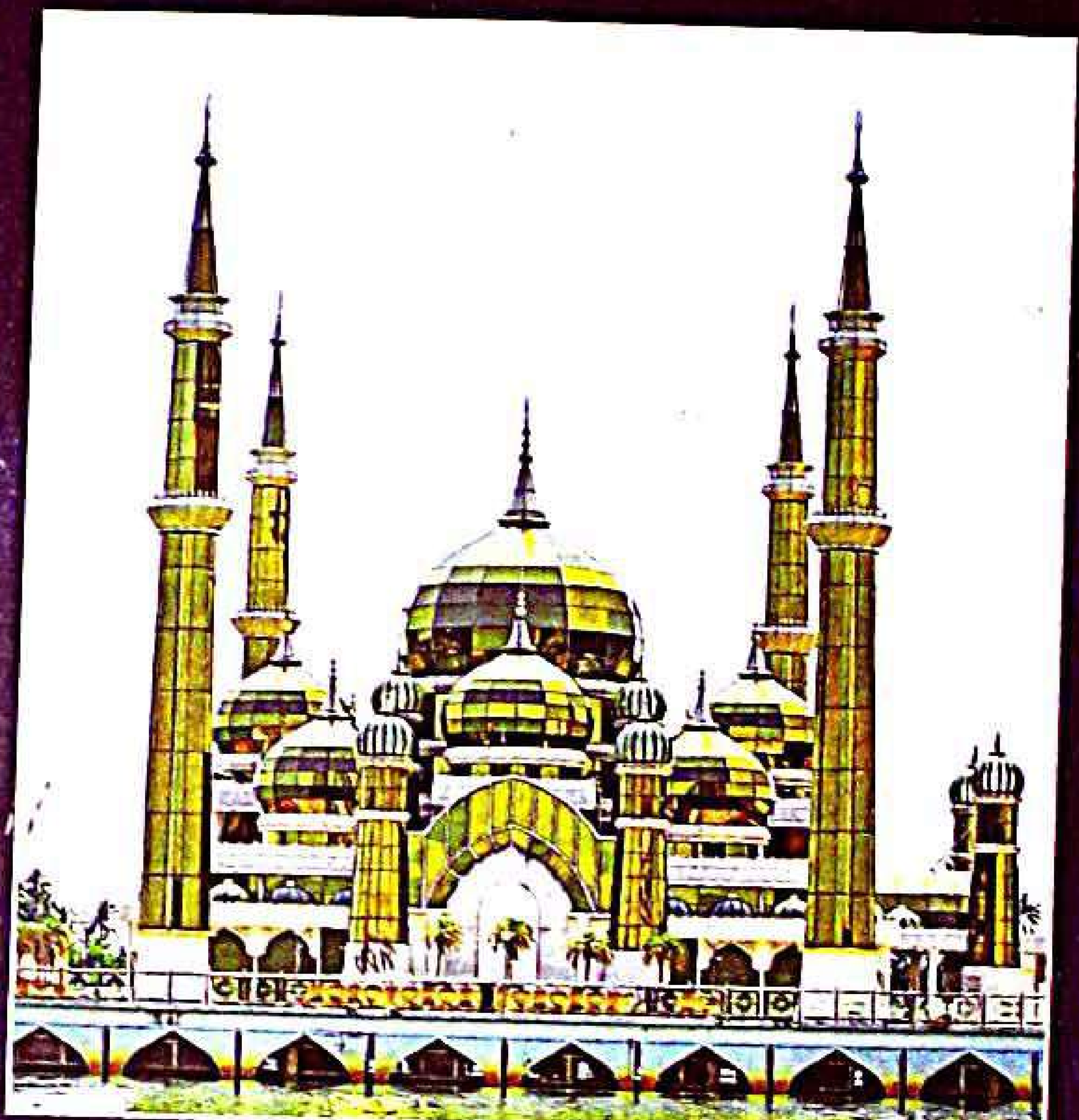
کرسٹل مسجد (ملائیشیا)

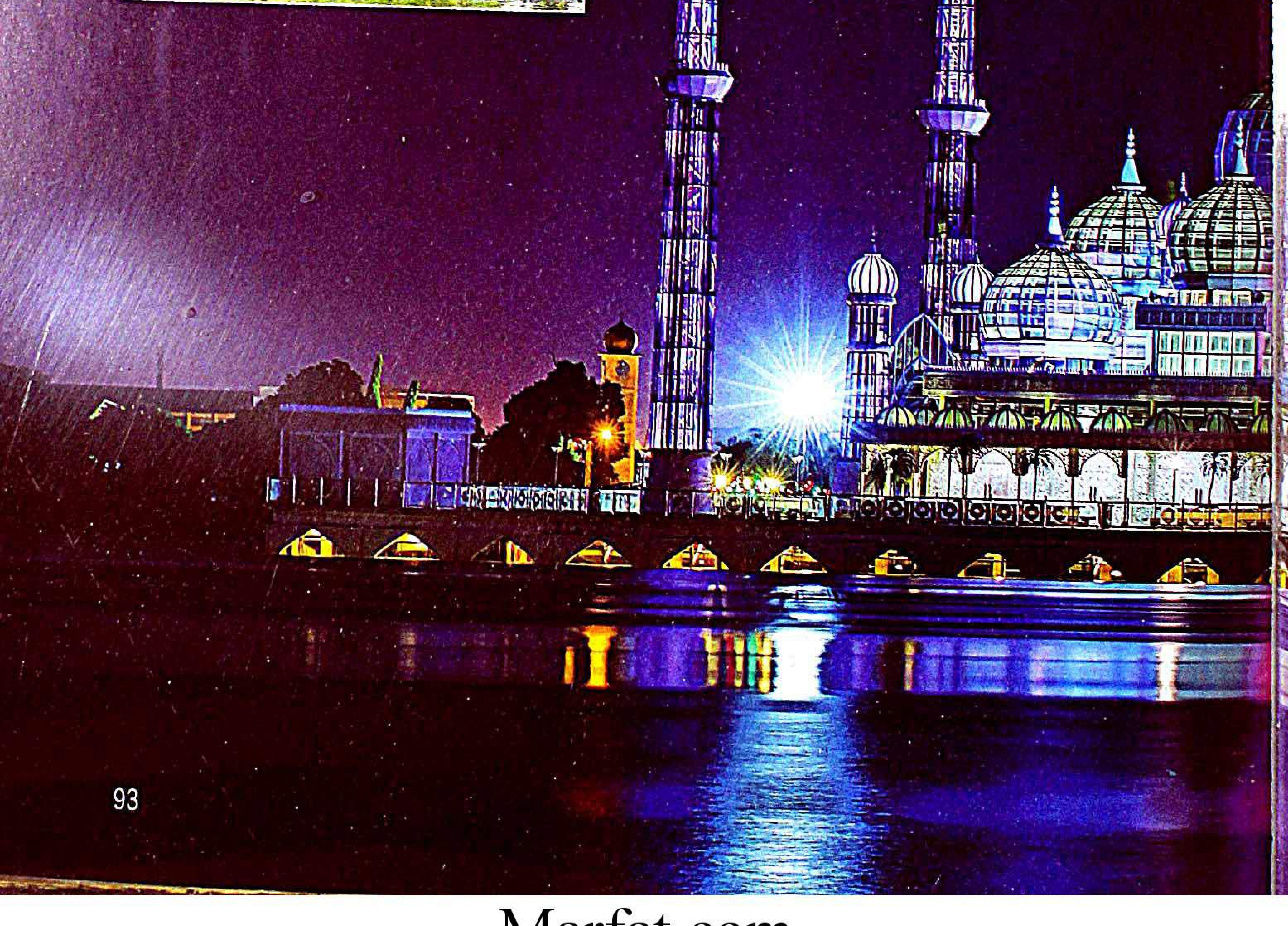
کرسٹل مسجد جزیرہ نما ملائیشیا کے شمال مشرقی صوبے ترینگانو (Terengganu) کے ایک جزیرے وان مان (Wan Man) میں واقع ہے۔ یہ مسجد اسلامی ورثہ پارک میں تعمیر کی گئی ہے اور وہاں کے مقامی مسلمانوں کے ذوق وشوق کی عکاس ہے۔ مسجد کی تعمیر 2006ء میں شروع ہوئی اور 2008ء میں مکمل ہوئی اور سلطان زین العابدین نے 8 فروری



2008ءکوایک پُروقارتقریب میں اس کا افتتاح کیا۔ یہ مسجد اسلامی دنیا کا ایک ایسا شاہکار ہے جو فولاد، شیشے اور کرسٹل سے تعمیر کیا گیا ہے۔ مسجد میں 1500 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔

کرسٹل مسجد کے چار مینار ہیں۔ اس کا رقبہ 22800 مربع فٹ ہے۔ دن اور رات کے وقت اس مسجد کے اوپر پڑنے والی روشنیوں سے آنکھیں چُندھیانے لگتی ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مسجد پانی میں تیر رہی ہے۔ ترینگانو کوالالمپور سے شمال مشرق میں 300 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔







تنکو زین العابدین مسجد، پتراجایا (ملائیشیا)

تنکو زین العابدین مسجد ملائیشیا کی ریاست ترنگانو کے شہر پتراجایا میں تعمیر کی گئی ہے۔ یہ پتراجایا مسجد کے بعد شہر میں دوسری اہم مسجد ہے۔ یہ شہر کے مرکزی حصے میں قصرِ انصاف کے بالمقابل تعمیر کی گئی ہے۔ یہ مسجد ان ملازمین کے لیے بنائی گئی ہے جو قرب و جوار کے دفاتر میں کام کرتے ہیں۔

تعمیراتی کام اپریل 2004ء میں شروع ہوا۔ یہ شاندار مسجد اگست 2009ء میں مکمل ہوگئی۔ اس مسجد کا سرکاری طور پر افتتاح ترنگانو کے سلطان تنکو میزان زین العابدین نے 11 جون 2010ء کو کیا۔ اس میں 25000 نمازی ایک ہی وقت میں نماز ادا کر سکتے ہیں اور بوقت ضرورت اس کے ملحقہ پارک میں 3000 سے زائد افراد نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس مسجد کا رقبہ پتراجایا مسجد سے دوگنا ہے جو اس سے 202 کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔

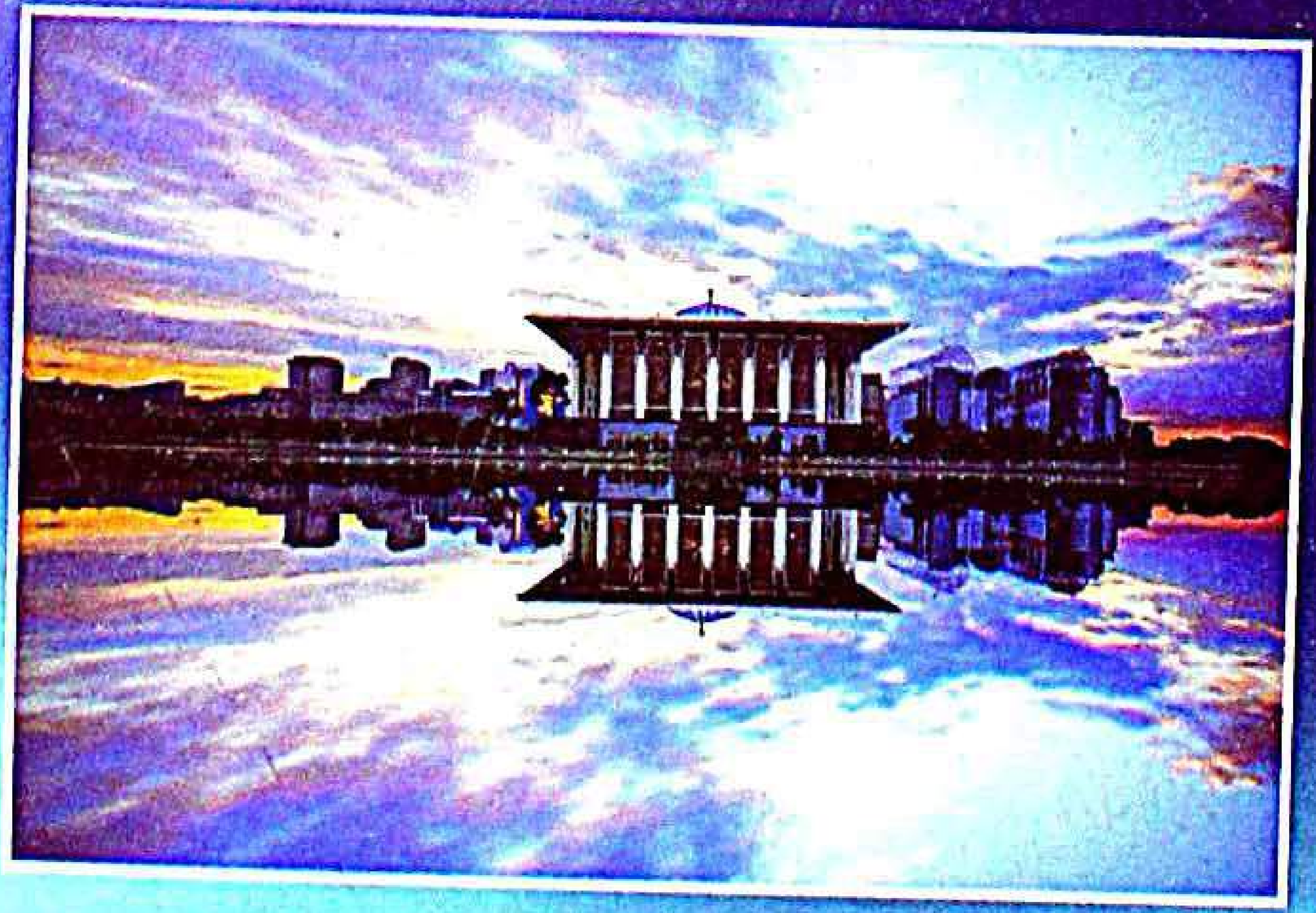
اس مسجد کے کولنگ سسٹم میں قریبی جھیل کے پانی کو استعمال کر کے ٹھنڈی ہوائیں پیدا کی جاتی ہیں اور پھر بجلی کے پنکھوں یا

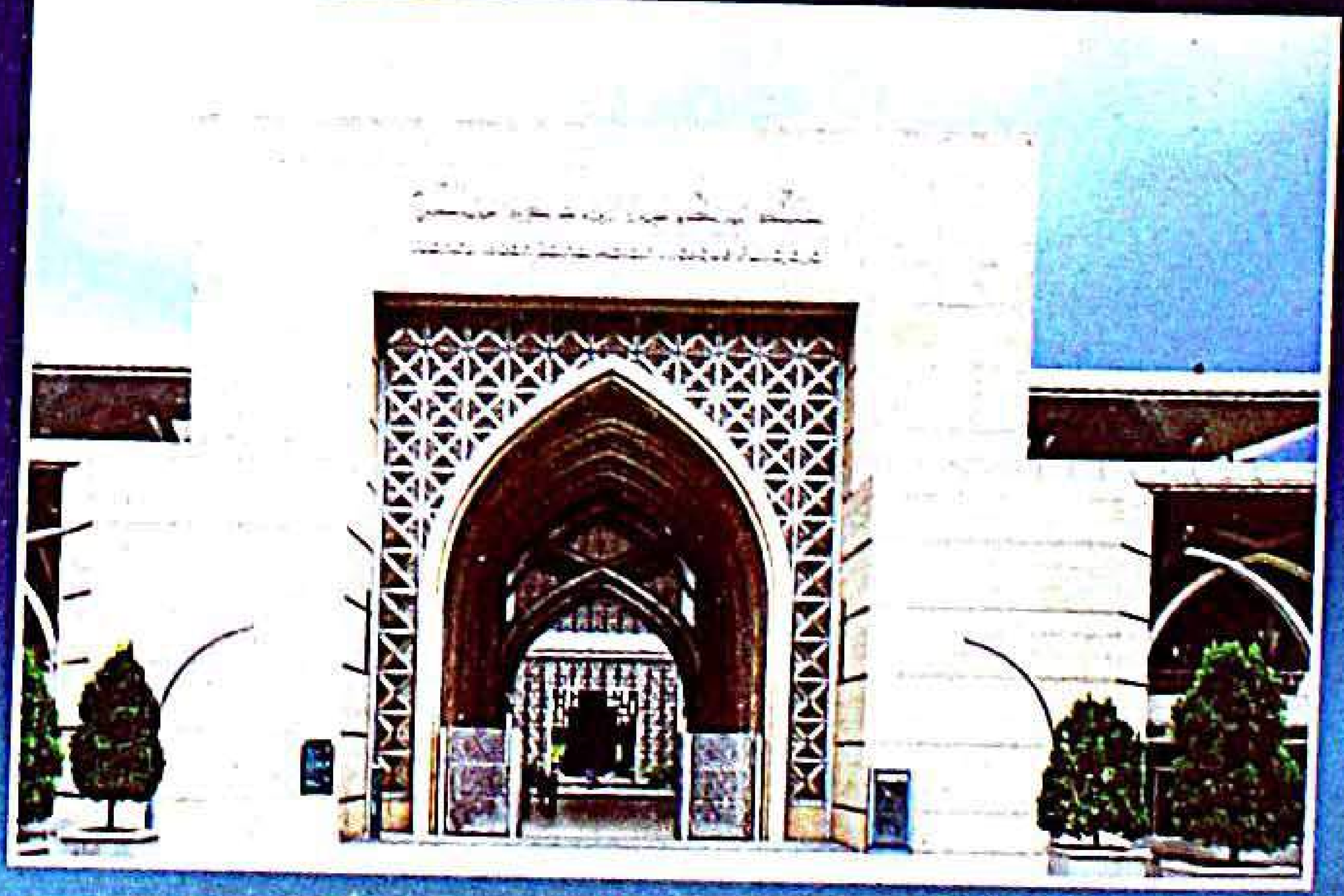
ائیر کنڈیشننگ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مسجد کا راستہ ایک خوبصورت سکائی وے پل سے بنایا گیا ہے جو قریبی جھیل کے اوپر بنا ہوا ہے۔ سکائی وے کے راستے میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنٰی خوبصورت خطاطی میں تحریر ہیں۔ مسجد کے مرکزی ہال کے داخلی دروازے میں سورۂ اسریٰ کی اسی (80) آیات رقم ہیں۔ محراب والی دیوار جو کہ 43 فٹ اونچی ہے، جرمنی سے درآمدہ شیشے سے بنائی گئی ہے۔ اس شیشے کی دیوار پر محراب کے دائیں جانب سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات اور بائیں جانب سورۂ ابراہیم کی آیات تحریر ہیں۔ مسجد کی چھت کے کنارے بالکونی کی صورت میں لاہور کے واپڈا ہاؤس کی طرح چاروں طرف 40 فٹ تک بڑھائے گئے ہیں تاکہ جو نمازی باہر ان کے نیچے نماز پڑھنا چاہیں، دھوپ یا بارش سے محفوظ رہ سکیں۔ اس مسجد کی تعمیر پر 208 ملین رنگٹ (55 ملین ڈالر) خرچ ہوئے۔









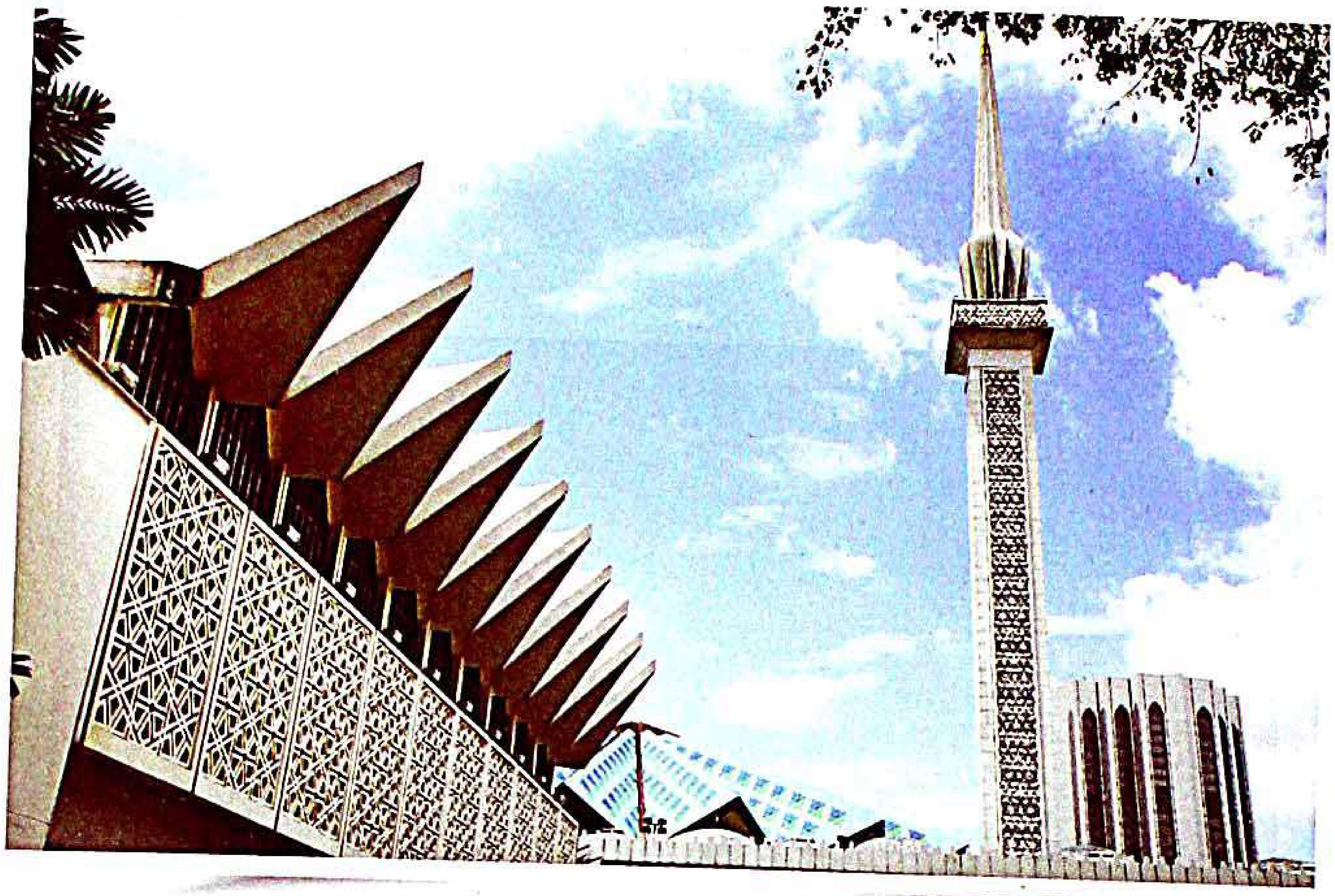




مسجدِ نگارا، کوالالمپور (ملائیشیا)

کوالالمپور ریلوے سٹیشن کے قریب ہی واقع مسجدِ نگارا کو قومی مسجد کا درجہ حاصل ہے۔ اس کا واحد مینار 245 فٹ بلند دور ہی سے اسلام کے متوالوں اور سیّاحوں کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ مسجد کے 48 گنبد ہیں۔ مرکزی گنبد پر اٹھارہ پہلو والا ستارہ بنایا گیا ہے۔ اس کی بنیاد 1965ء میں رکھی گئی اور یہ مسجد پانچ سال کی مدت میں تعمیر ہوئی۔ اس کا سنگِ بنیاد رکھتے وقت ملک میں تمام مذاہب کے نمائندے موجود تھے۔

مسجدِ نگارا 13 ایکڑ کے وسیع رقبے پر بنائی گئی ہے۔ اس کو ملائیشیا میں وہی مقام اور مرتبہ حاصل ہے جو ہمارے اسلام







آباد میں شاہ فیصل مسجد کو حاصل ہے۔ اس میں 15000 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ یہ مسجد جو اسلامی اور مقامی فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے، ایک کروڑ ڈالر کی لاگت سے تعمیر کی گئی تھی۔ مسجد کا 245 فٹ بلند مینار ایک بہت بڑے حوض کے بیچ میں بنایا گیا ہے جس کے اردگرد پارک میں خوبصورت فوارے مسجد کے حسن کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ مسجد کے موجودہ امام حاجی اسماعیل بن حاجی محمد بارھویں امام ہیں جو فروری 2007ء سے یہاں امامت کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ خواتین کے لیے داخلے کا علیحدہ دروازہ بنایا گیا ہے۔ یہ مسجد مشرقِ بعید کی خوبصورت ترین مسجد شمار کی جاتی ہے۔ سیّاحوں کے لیے مسجد کے آداب ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے مناسب لباس میں ہونا ضروری ہے اور خواتین کے لیے سر کو ڈھانپنا یا سکارف رکھنا ضروری ہے۔ راقم کو اس مسجد کو دیکھنے کا کئی بار موقع مل چکا ہے۔





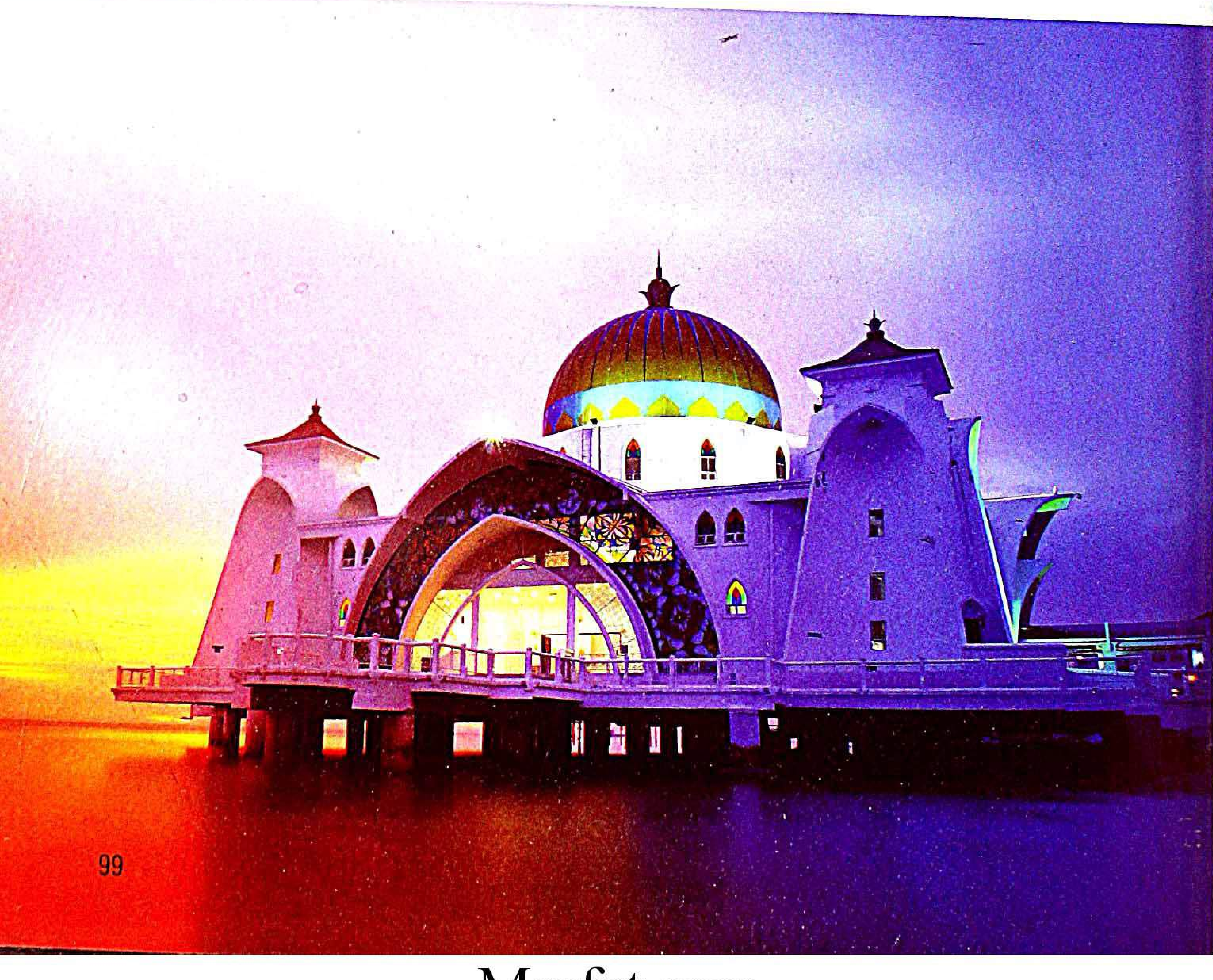
مسجد البخاری، کیداہ (ملائیشیا)

البخاری مسجد ملائیشیا کے صوبہ کیداہ (Kedah) کے دارالحکومت شہر آلورستار (ALor Setar) میں سوق البخاری کے ساتھ بنی ہوئی ہے، یہ خوبصورت مسجد ایک ادارے البخاری فاؤنڈیشن نے تعمیر کروائی۔ اس مسجد سے ملحقہ ٹریڈ سنٹر، میڈیکل سٹور، کمیونٹی سنٹر، یتیم خانہ اور ایک کمپلیکس بھی ہے۔ اس عظیم مسجد کی تعمیر کے پیچھے ایک اللہ کے بندے سید مختار البخاری کا ہاتھ ہے جو نہ صرف اس علاقے بلکہ پورے ملائیشیا میں اپنی سخاوت کی وجہ سے بہت شہرت رکھتے ہیں۔ اپنی منکسر المزاجی کی وجہ سے البخاری خودنمائی کو پسند نہیں کرتے۔ وہ ہر طرح کی شہرت، خودنمائی، کیمرہ اور انٹرویو سے دور بھاگتے ہیں۔ البخاری کے آباء واجداد کسی وقت یمن سے ہجرت کر کے ملائیشیا میں آبسے اور مال مویشیوں کی تجارت کو روزگار کا ذریعہ بنایا۔ البخاری آلورستار میں 1951ء میں پیدا ہوئے۔ انیس سال کی عمر میں اپنے والد کے کاروبار سے منسلک ہوگئے۔ البخاری مسجد کی تعمیر البخاری کے جذبہ ایمانی اور دینِ اسلام سے محبت کی مظہر ہے۔ ایک وقت تھا کہ شروع میں البخاری کی فیملی اتنی غریب تھی کہ ان کے گھر میں بستر، میز اور کرسی تک موجود نہ تھی۔ امریکہ کے مشہور میگزین فوربس نے البخاری کو ملائیشیا میں چھٹا امیر ترین شخص قرار دیا ہے۔

آبنائے ملاکا

805 کلومیٹر لمبی یہ آبنائے (Strait) جزیرہ نما ملایا اور انڈونیشی جزیرہ ساٹرا کے درمیان واقع ہے اور بحر ہند کو بحیرہ چین جنوبی اور بحرالکاہل سے ملاتی ہے۔ اس آبنائے کے شمال میں ملائیشیا کی بندرگاہ ملاکا اور جنوب میں سنگاپور واقع ہے۔ اس کی گہرائی 25 تا 82 میٹر اور کم از کم چوڑائی 2.8 کلومیٹر ہے۔

ملاکا ملائیشیا کی ایک ریاست بھی ہے جو جزیرہ نما ملایا کے شمال مغربی ساحل پر واقع ہے۔ اس کا دارالحکومت بھی ملاکا ہے جس کی آبادی ایک لاکھ کے قریب ہے۔ یہ شہر 1400ء میں آباد ہوا اور ریاست ملاکا کا صدر مقام بنا تھا۔ 1511ء میں پرتگالیوں نے جنوب مشرقی ایشیا کی اس اہم بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ 1641ء میں ولندیزیوں نے پرتگالیوں کو یہاں سے نکال باہر کیا اور 1795ء میں اس پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔ 24-1818ء کے عرصے میں معاہدۂ وی آنا کے مطابق ایک بار پھر ولندیزی ملاکا پر قابض رہے حتی کہ یہ مستقل طور پر انگریزوں کے تسلط میں آ گیا۔





مسجد سٹرائٹس

(آبنائے) ملاکا (ملائیشیا)



اس مسجد کو مسجدِ صلاۃ بھی کہتے ہیں لیکن یہ تیرنے والی مسجد کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ کیونکہ یہ مسجد آبنائے ملاکا میں ملائیشیا کے ساحل کے پاس ایک مصنوعی جزیرے پر بنائی گئی ہے۔ اگر جزیرے کے گرد پانی بلند ہو جائے تو یہ مسجد پانی میں تیرنے کا منظر پیش کرتی ہے۔ اس مسجد کا ڈیزائن انتہائی خوبصورت اور منفرد ہے۔ یہ ریاست ملاکا کی سٹیٹ مسجد کہلاتی ہے۔ اس کا افتتاح ملائیشیا کے حکمران تنکو سیّد سراج الدین نے 24 نومبر 2006ء کو کیا۔ مسجدِ صلاۃ کی تعمیر پر دس ملین ملائیشین رنگٹ (3.3 ملین ڈالر) خرچ آئے۔ س مسجد کا انتظام ملاکا کی اسلامک کونسل چلا رہی ہے۔





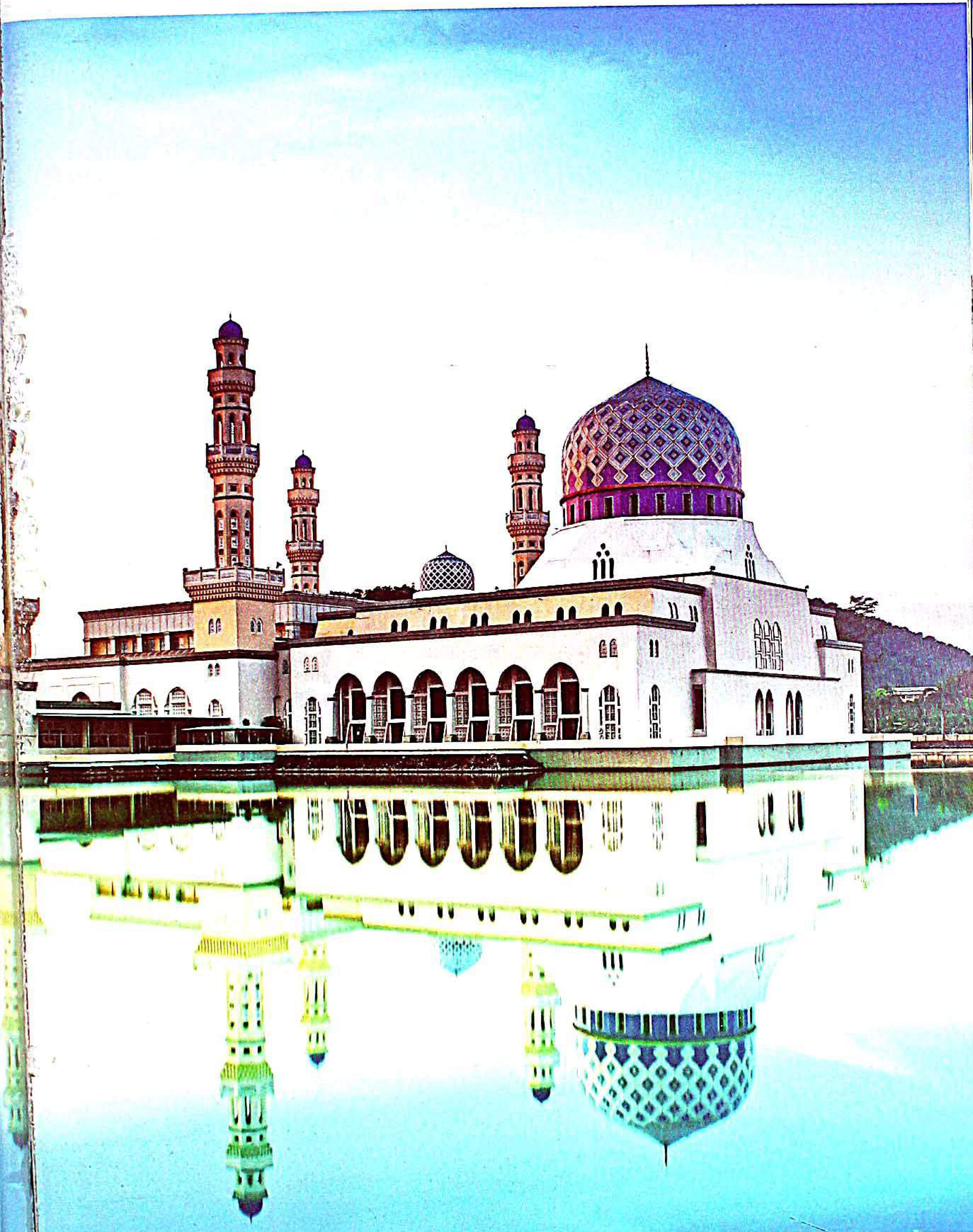


زاہر مسجد، کیداہ (ملائیشیا)

یہ مسجد ملائیشیا کی ریاست کیداہ (Kedah) کے دارالخلافہ آلورستار (Alor Star) کے مرکزی حصے میں واقع ہے۔ یہ سلطان تاج الدین مکرم شاہ کی ذاتی کوششوں سے 1912ء میں تعمیر ہوئی۔ اس کے پانچ خوبصورت گنبد ہیں جو اسلام کے پانچوں بنیادی ارکان کی عکاسی کرتے ہیں۔ مسجد کا سرکاری طور پر افتتاح 15 اکتوبر 1915ء کو کیا گیا۔ سلطان عبدالمجید شاہ نے نماز جمعہ کی خود امامت کروائی۔

زاہر مسجد کا رقبہ 124412 مربع فٹ ہے۔ اس کا مرکزی ہال 62462 مربع فٹ ہے۔ مرکزی ہال کے چاروں طرف آٹھ فٹ چوڑا برآمدہ بنایا گیا ہے۔ بڑا گنبد اس کے شمال مشرقی حصہ میں ہے۔ یہ ملائیشیا کی ایک بڑی مسجد ہے اور سالانہ قراءت کے مقابلے اسی میں منعقد ہوتے ہیں۔ یہ مسجد اتنی خوبصورت ہے کہ دنیا کی چوٹی کی دس خوبصورت مساجد کی فہرست میں اس کو شامل کیا گیا ہے۔





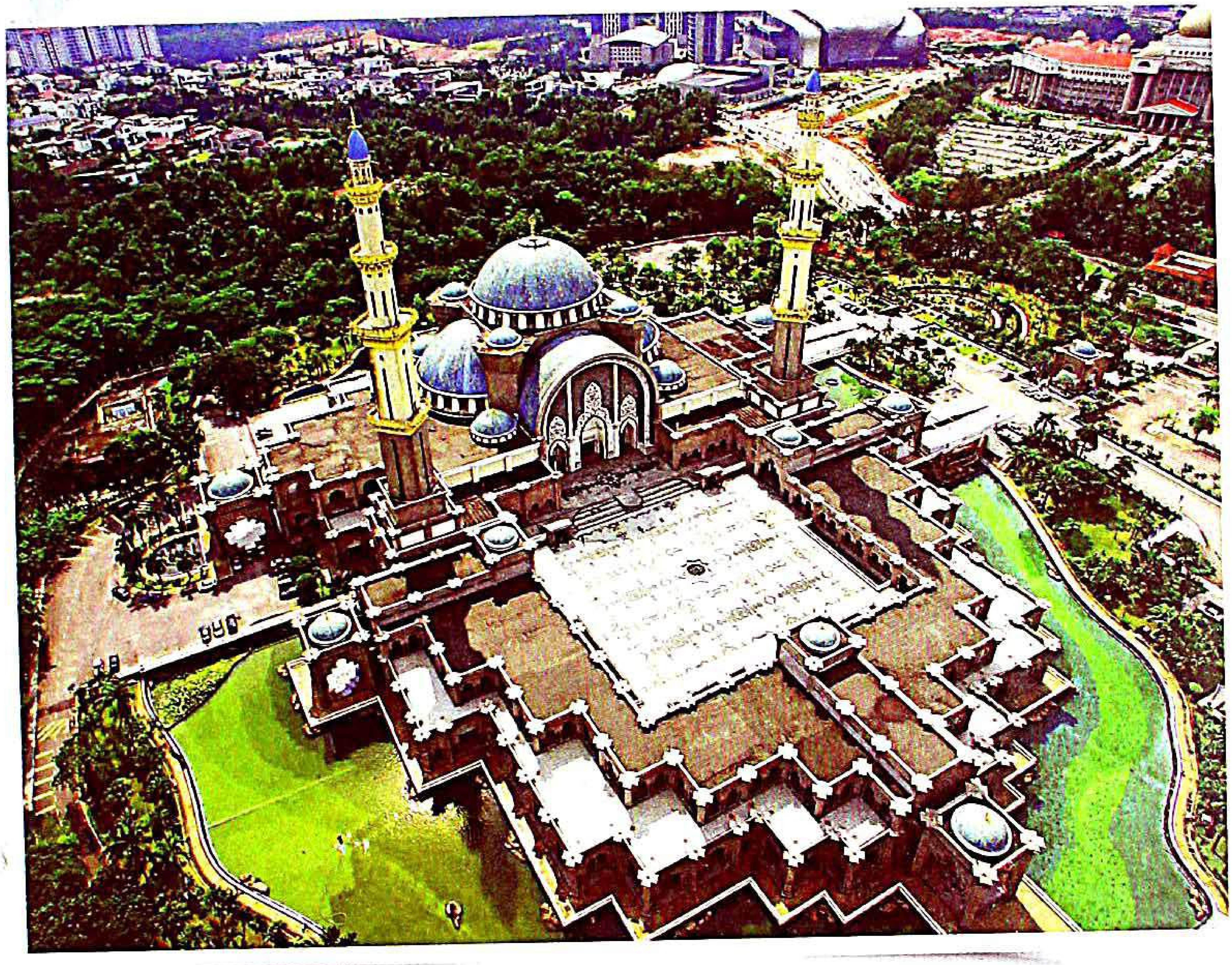
مسجد کوٹا کنا بالو سٹی (ملائیشیا)

ذرا فاصلے سے اس مسجد کو دیکھیں تو ایسے لگتا ہے جیسے یہ پانی کی سطح پر تیر رہی ہے۔ یہ ایک مصنوعی جھیل کے کنارے پر بنائی گئی ہے۔ مسجد 2000ء میں تعمیر ہوئی اور اس میں 12000 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس مسجد کا گنبد مسجد نبوی ﷺ کے ڈیزائن سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہ مسجد عوام کے لیے اسی سال کھول دی گئی جب کوٹا کنا بالو گاؤں کو شہر کا درجہ دیا گیا۔ ملائیشیا کے صوبہ صباح کے شمالی ساحل (بحیرۂ جنوبی چین) پر واقع یہ مسجد مرکزِ شہر سے چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس کے چار مینار ہیں۔ اپنے منفرد ڈیزائن کی وجہ سے یہ مسجد دنیا کی بیس چوٹی کی مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ اس مسجد کے ساتھ دینی تعلیم کے لیے سکول اور لائبریری بھی بنائی گئی ہے۔

جب رات کو تاریکی چھا جائے اور جھیل کے سیاہ رنگ پانی میں مسجد کی روشنیاں جگمگانے لگیں تو منظر بڑا دیدنی ہوتا ہے۔



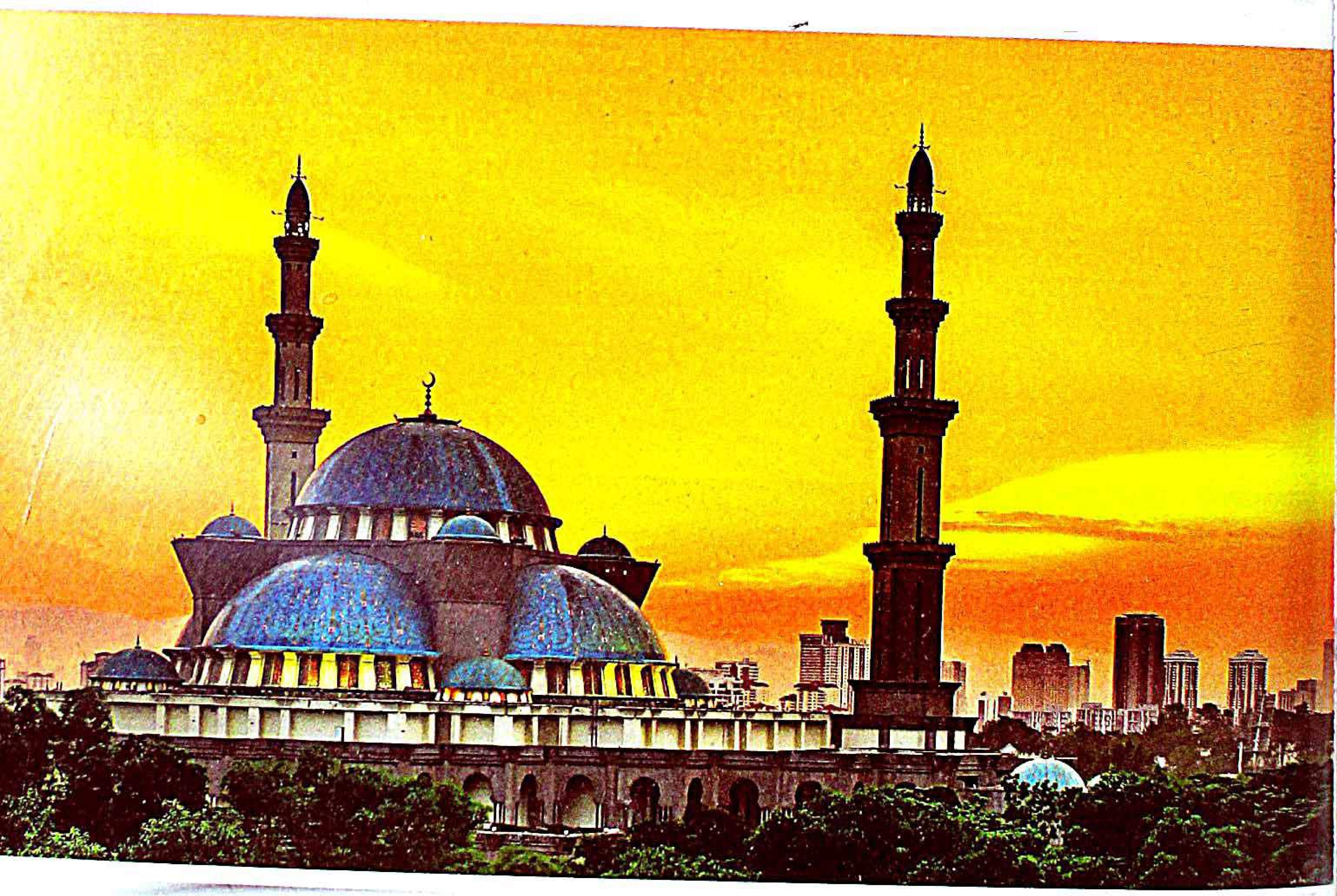




وفاقی مسجد، کوالالمپور (ملائیشیا)

کوالالمپور شہر کی وفاقی مسجد ایک خوبصورت اور بڑی مسجد ہے۔ یہ حکومت کے وفاقی دفاتر کے قریب شارع دوتا (Jalan Duta) پر واقع ہے۔ اسے ولایہ (Wilayah) یا سرکاری مسجد بھی کہتے ہیں۔ اس مسجد کا کل رقبہ 13.4 ہیکٹر ہے جس میں سے 5 ہیکٹر پر مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ اس کی تعمیر میں ملائیشیا کے سابق وزیراعظم مہاتیر محمد نے خصوصی دلچسپی لی۔ ملائیشیا کے پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ نے اسے تعمیر کیا اور اس پر 255 ملین رنگٹ لاگت آئی۔ اس کے فرش کا رقبہ 505920 مربع فٹ ہے اور اس میں 17000 نمازی ایک ہی وقت میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کا صدر دروازہ 92 فٹ بلند ہے جو سنگِ مرمر سے تیار کیا گیا ہے۔ یہ کوالالمپور شہر کی 44 ویں مسجد ہے جو حکومت نے تعمیر کروائی۔ اس کا ڈیزائن عثمانی اور ملائی فنِ تعمیر کا حسین امتزاج ہے۔ اس کی چھت میں 22 شیشے کے گنبد بنائے گئے ہیں تا کہ دن کی روشنی براہِ راست اندر آسکے۔ مسجد کا سنگِ بنیاد 15 مارچ 1996ء کو رکھا گیا اور ساڑھے چار سال کی تعمیر کے بعد یہ 30 اگست 2000ء کو مکمل ہوگئی۔ اس کا سرکاری طور پر افتتاح 25 اکتوبر 2000ء کو کیا گیا۔ ایسی خوبصورت مسجد کوالالمپور شہر کے مسلمانوں کے لیے حکومت کا ایک شاندار تحفہ ہے۔





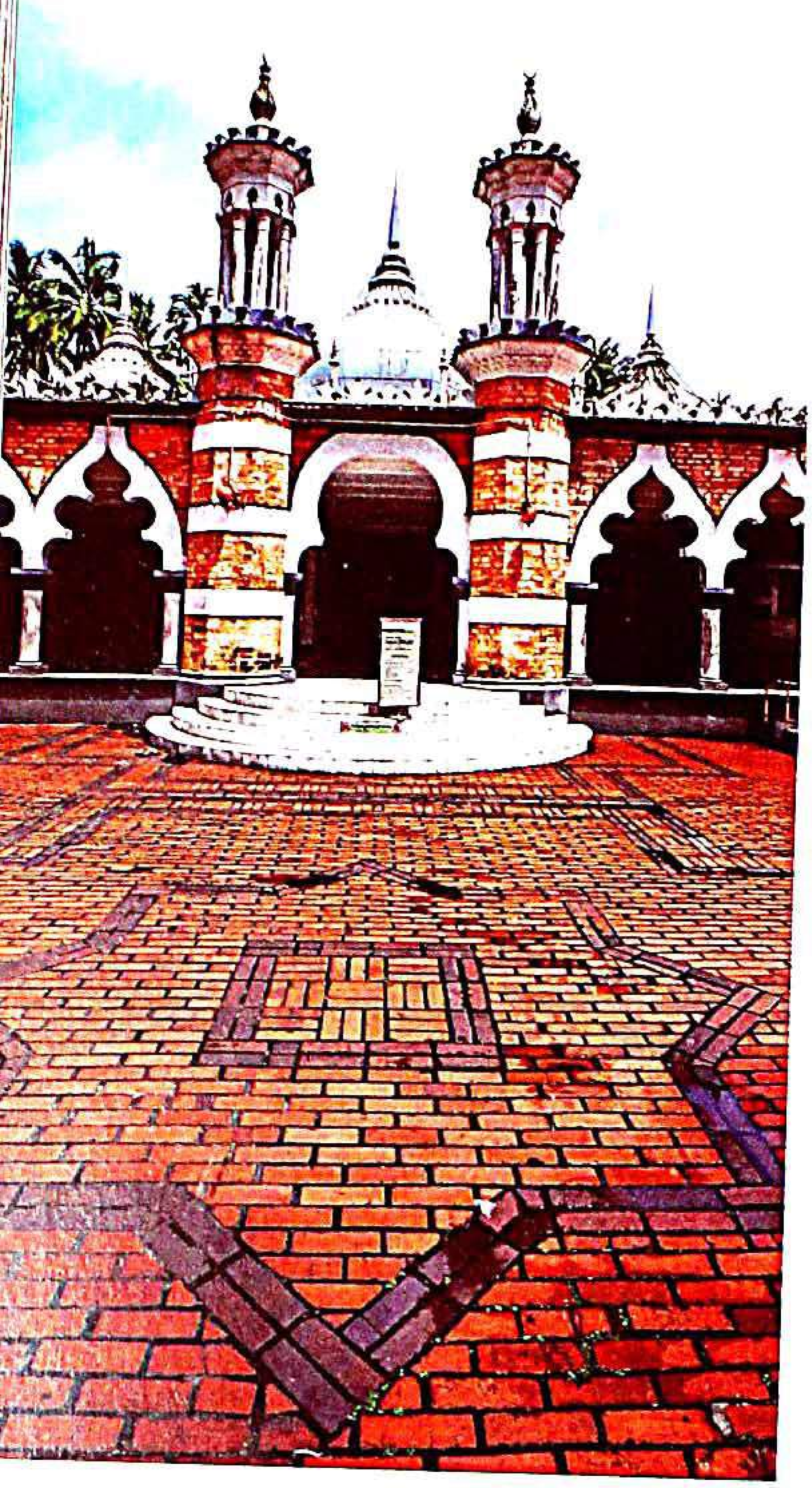


جامع مسجد کوالالمپور (ملائیشیا)

جامع مسجد کوالالمپور شہر میں سب سے پرانی خوبصورت مسجد ہے۔ یہ شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے والے دو دریاؤں کلانگ اور گومبک کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ مسجد دو سال میں مکمل ہوئی تھی اور اس کا افتتاح 23 دسمبر 1909ء کو سلطان سیلنگور کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس طرح یہ مسجد سو سال سے بھی زیادہ پرانی ہے۔ یہ شہر کے ایسے مقام پر واقع ہے جہاں پر ہر طرف سے با آسانی پہنچا جا سکتا ہے۔ ریلوے سٹیشن، چائنہ ٹاؤن، مردیکا سکوائر (آزادی چوک) اور سٹریٹ مارکیٹ اس کے قریب قریب واقع ہیں۔ اس مسجد کے دو مینار اور تین گنبد ہیں۔ بڑا مرکزی گنبد 70 فٹ بلند ہے جبکہ دونوں مینار 88 فٹ اونچے ہیں۔ میناروں میں دو دو بالکونیاں بنی ہوئی ہیں اور ان کے سرے پر چھتری نما گنبد ہیں۔



اس مسجد کا ڈیزائن آرتھر بینی سن ہوبیک نے تیار کیا تھا جو ہندوستان



کے مغلیہ فنِ تعمیر سے بہت متأثر تھا۔ وہ ہندوستان میں پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ (PWD) میں بھی کام کر چکا تھا، لہٰذا اس مسجد کے ڈیزائن میں مغلیہ فنِ تعمیر کی جھلک نمایاں ہے۔ پیاز کی طرح سفید اور سرخ دھاریاں مسجد کے حسن میں اضافے کا باعث ہیں۔ 1965ء تک اس مسجد کو قومی مسجد کا درجہ حاصل تھا، یہاں تک کہ 1965ء میں نگار مسجد تعمیر ہوئی اور قومی مسجد کا درجہ اسے دے دیا گیا۔

جامع مسجد کوالالمپور کے اردگرد پام کے خوبصورت درختوں نے اس کے حسن میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس مسجد کی توسیع اس لیے نہ کی جا سکی کہ دریاؤں کے دونوں کنارے اس کی توسیع میں رکاوٹ کا باعث تھے۔ یوں تو یہ مسجد اب اردگرد کی فلک بوس عمارتوں میں گھری ہوئی ہے، اس کے باوجود مسجد کے حسن میں کسی قسم کی کوئی کمی دیکھنے میں نہیں آتی۔ اس کے قریب ہی ریلوے سٹیشن کی عمارت ہے جو دور سے دیکھنے میں ایک مسجد ہی معلوم ہوتی ہے۔ راقم کو اس مسجد میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔





انڈونیشیا

ماضی میں ایشیا اور آسٹریلیا کے درمیان واقع انڈونیشیا سنگاپور، فلپائن اور ملائیشیا کو مجموعی طور پر شرق الہند (East Indies) کہا جاتا تھا۔ اکتوبر 1949ء میں آزادی ملنے پر ڈچ ایسٹ انڈیز کا سرکاری نام انڈونیشیا قرار پایا۔ سولہویں صدی عیسوی سے لے کر انڈونیشیا پر پرتگالی، برطانوی اور ولندیزی (ڈچ) سامراجی قابض رہے۔ انڈونیشیا تقریباً ساڑھے تیرہ ہزار جزیروں پر مشتمل ہے۔ ان میں بڑے بڑے جزیرے سماٹرا، جاوا، بورنیو (کالی منتان)، سلاویسی (سیلبیز)، جزائر مولکا، بالی، ایریان جایا (مغربی نیوگنی) اور مغربی تیمور ہیں۔ جزیرہ بورنیو شرق الہند کا سب سے بڑا جزیرہ ہے جسے ماضی میں ولندیزیوں اور برطانویوں نے باہم تقسیم کر رکھا تھا۔ اس کا ولندیزی حصہ اب انڈونیشیا میں کالی منتان کے نام سے شامل ہے جبکہ برطانوی بورنیو میں صباح (شمالی بورنیو)، سراوک اور برونی یا برونائی شامل تھے۔ صباح اور سراوک 1963ء میں آزادی کے بعد وفاق ملائیشیا کا حصہ بن گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران انڈونیشیا پر جاپان کا فوجی قبضہ رہا۔ یکم اکتوبر 1949ء میں انڈونیشیا نے ڈچ (ولندیزی) سامراج سے آزادی حاصل کی۔ انڈونیشیا کے اکثر باشندے شافعی مسلک کے مسلمان ہیں۔



جزائر مولکا (موجودہ ''ملوکو'') ماضی میں گرم مسالوں کے جزیرے (سپائس آئی لینڈز) کہلاتے تھے کیونکہ یہاں گرم مسالے (لونگ، جائفل، کالی مرچ) بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ جزیرہ تیمور (Timor) کا مشرقی حصہ 1769ء سے پرتگال کے قبضے میں رہا۔ 1975ء میں اسے آزادی ملی مگر اگلے سال اس کو انڈونیشیا نے ضم کرلیا۔ 1999ء میں اقوام متحدہ کے تحت ریفرینڈم کے نتیجے میں مشرقی تیمور (Timor Test) نے کامل آزادی حاصل کرلی۔ یہاں کیتھولک عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ جزیرہ بالی میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ دنیا کے دوسرے بڑے جزیرے نیوگنی کا مغربی نصف اریان جایا کہلاتا ہے جبکہ مشرقی نصف پاپوانیوگنی کا آزاد ملک ہے۔ انڈونیشی جزیرہ بالی میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔

انڈونیشیا کا رقبہ 19 لاکھ 5 ہزار مربع میل ہے اور آبادی 24 کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ یوں بلحاظ آبادی یہ سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کا دارالحکومت جکارتہ (جاوا) ہے، سکّہ روپیہ ہے۔ دیگر مشہور شہر میدان (سماٹرا)، بنڈونگ، سورابایا، سیماوانگ، بنجرماسن (کالی منتان) اور ڈنپاسر (بالی) ہیں۔ بھاسا انڈونیشیا (سابق ''ملائی'') کی سرکاری زبان ہے۔ ملکی پیداوار میں گنا، چاول، گرم مسالے، ناریل، عمارتی لکڑی اور قلعی (Tin) قابل ذکر ہیں۔ 2004ء میں سونامی سمندری طوفان سے آچے (سماٹرا) میں ایک لاکھ افراد ہلاک ہوگئے تھے۔



مسجدِ استقلال جکارتا (انڈونیشیا)

1949ء میں ہالینڈ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد انڈونیشیا کے عظیم راہنما صدر عبدالرحیم سوئیکارنو سے عوام نے مطالبہ کیا کہ دارالحکومت جکارتا میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی جائے۔ صدر سوئیکارنو نے اپنی کابینہ کے مذہبی امور کے وزیر واحد ہاشم کے مشورے پر پرانے ڈچ قلعے کی جگہ ایک خوبصورت اور شاندار مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یہ جگہ شہر کے مرکزی حصے میں پرانے محل اور کیتھڈرل چرچ کے قریب تھی۔ اس مسجد کا ڈیزائن سماٹرا کے رہنے والے ایک ماہر آرکیٹیکٹ فریڈرک سلایان نے تیار کیا تھا۔ فریڈرک مسلمان تو نہیں تھا اور نہ اس کو پہلے سے مساجد کی ڈیزائننگ کا کوئی وسیع تجربہ تھا لیکن اس کے ڈیزائن نے مقابلہ میں آئے ہوئے ڈیزائنوں میں پہلا انعام حاصل کیا۔ ڈیزائن پر نکتہ چینی تو کی گئی لیکن اس کا ڈیزائن کثرت رائے سے منتخب کر لیا گیا۔ 24 اگست 1961ء کو مسجد کا سنگِ بنیاد صدر سوئیکارنو نے رکھا۔ 1961ء سے 1978ء تک مسجد کی تعمیر اور اس کی تزئین و آرائش کا کام جاری رہا۔ سترہ سال بعد صدر سوہارتو نے 22 فروری 1978ء کو اس مسجد کا افتتاح کیا اور مسجد کا نام، جو آزادی کے نام پر تعمیر کی گئی تھی، ''مسجدِ استقلال'' رکھا۔

جکارتا کی استقلال مسجد بلحاظ آبادی سب سے بڑے اسلامی ملک انڈونیشیا کی سب سے بڑی مسجد ہے اور یہ جنوب مشرقی ایشیا کی سب سے بڑی مسجد بھی ہے۔ یہ چرچ والی روڈ سے دوسری جانب واقع ہے۔ مسجد استقلال کا کل رقبہ 19 ایکڑ ہے اور اس کے پانچ فلور ہیں جو اسلام کے بنیادی پانچ ستونوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ مسجد کے اوپر درمیان میں بہت بڑا گنبد ہے جس کا قطر 140 فٹ ہے۔ یہ گنبد بارہ ستونوں پر بنایا گیا ہے جو اسلامی سال کے بارہ مہینوں کی نشاندہی کرتے

ہیں۔مسجد کی دیواروں پر مشرقی جاوا سے لایا گیا ماربل لگایا گیا ہے۔محراب کے اوپر دائیں اور بائیں جانب لفظ ''اللہ'' اور ''محمد ﷺ'' نہایت خوبصورت انداز میں تحریر کیے گئے ہیں اور محراب کے درمیان پیشانی پر سورۂ طٰہٰ کی چودہ آیات تحریر کی گئی ہیں۔

جنوبی کونے میں مسجد کا واحد مینار 66.66 میٹر بلند ہے۔ مینار کے اوپر 30 میٹر اونچا فولاد سے تیار کردہ چمکدار کلس نصب ہے جو قرآنِ پاک کے تیس پاروں کی نشاندہی کرتا ہے۔اس طرح مسجد کے مینار کی کل بلندی 96.66 میٹر، یعنی 317 فٹ ہے۔یہ مسجد اتنی بڑی ہے کہ اس میں 120,000 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔مسجد کے مرکزی ہال میں 16000 نمازیوں جبکہ ہال کے اردگرد کی پانچ منزلوں میں مزید 60 ہزار نمازیوں کی گنجائش موجود ہے۔ہال کے فرش کا رقبہ 54000 مربع فٹ ہے جس پر سعودی عرب سے تحفے میں آئے ہوئے سرخ قالین بچھائے گئے ہیں۔مرکزی گنبد کے اندرونی حصے پر قرآنی آیات نہایت خوشخطی سے تحریر کی گئی ہیں۔مسجد کے صحن کا کل رقبہ 35 ہزار مربع گز ہے جس میں 40,000 نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔مسجد کے چاروں طرف کئی وضو خانے بنے ہوئے ہیں جہاں ایک ہی وقت میں 600 نمازی وضو کر سکتے ہیں۔

ماہِ رمضان میں اس مسجد میں روزانہ تین ہزار روزہ داروں کو روزہ افطار کروایا جاتا ہے اور آخری عشرے میں 1000 معتکف حضرات کے لیے سحری کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔اس مسجد میں داخل ہونے کے سات دروازے ہیں جن کے نام اللہ تعالیٰ کے خوبصورت ناموں پر رکھے گئے ہیں۔مسجد کے صحن میں ایک بہت بڑا فوارہ بھی ہے جس کا پانی 150 فٹ کی بلندی تک جاتا ہے۔یہ فوارہ ہر جمعہ اور عیدین کے دن چلایا جاتا ہے۔

اس مسجد کو دیکھنے کے لیے امریکہ کے صدر بارک اوباما 2010ء میں اور صدر بل کلنٹن 1994ء میں یہاں آ چکے ہیں۔ ایران کے صدر محمود احمدی نژاد اور برطانیہ کے پرنس چارلس بھی اس کو دیکھنے کے لیے آئے تھے۔اس مسجد کے چیف امام حاجی علی مصطفیٰ یعقوب ہیں جو اسلامی تعلیم میں تخصیص کے علاوہ ایم اے پی ایچ ڈی بھی ہیں۔ان کے علاوہ ایک ڈپٹی امام اور سات دوسرے امام بھی مسجد میں مقرر کیے گئے ہیں۔مسجد سے ملحق دفتر کے علاوہ مدرسہ، لیکچرز ہال اور لائبریری روم بھی بنائے گئے ہیں۔







مرکزی مسجد بیت الرحمٰن، بندہ آچے (انڈونیشیا)

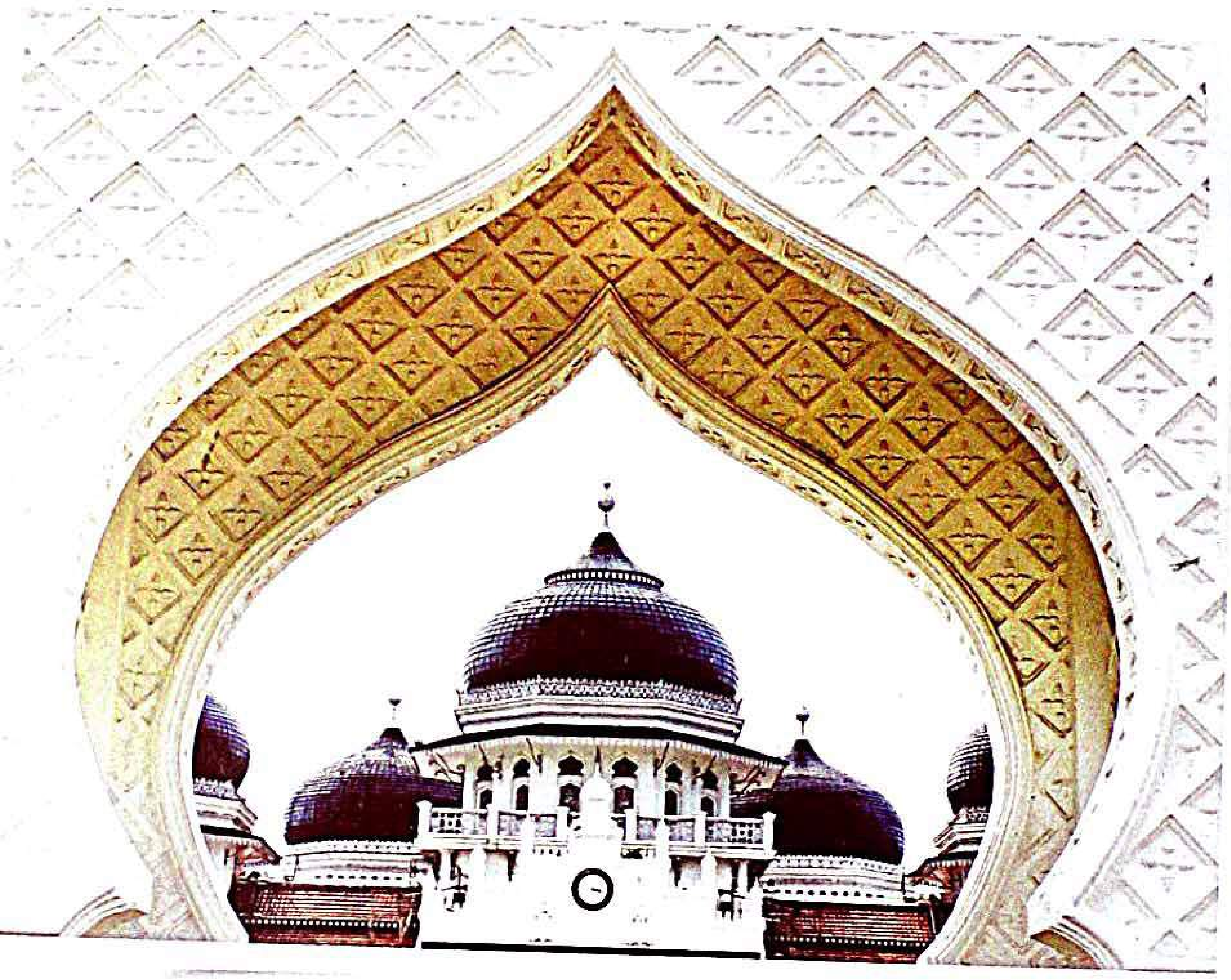
جب اللہ کا قہر نازل ہوتو ایسے موقع پر اللہ کا گھر جائے امان بن جاتا ہے۔ کچھ ایسا ہی واقعہ 2004ء میں پیش آیا جب بحر ہند میں سونامی کی لہروں نے ہر طرف تباہی مچا دی تھی۔ انڈونیشیا کے جزیرہ ساٹرا اور آس پاس کے علاقوں پر جب سمندری طوفان قہر بن کر ٹوٹا تو ہزاروں لوگ مسجد میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ آس پاس کی تباہی کے باوجود بندہ آچے شہر کی مسجد جو سمندر سے زیادہ دور نہیں تھی، محفوظ رہی۔

بندہ آچے کا شہر ساٹرا کے انتہائی شمال میں صوبہ آچے میں لبِ ساحل واقع ہے۔ ملائیشیا اس مقام سے جانبِ مشرق پڑتا ہے۔ بندہ آچے سمندری لہروں کی براہِ راست زد میں تھا لیکن خدا کا کرنا کیا ہوا انھی لہروں نے اِدھر اُدھر تباہی کی تاریخ رقم کی لیکن مسجد بیت الرحمٰن بالکل محفوظ رہی اور اس میں پناہ لینے والے بالکل محفوظ رہے۔

بندہ آچے کی یہ مسجد پہلے پہل 1612ء میں سلطان سکندر کے عہد میں تعمیر ہوئی۔ جب ہالینڈ کی فوجوں نے 1873ء



سونامی کی زد میں آنیوالی مسجد بیت الرحمٰن کے گرد تباہی کے آثار





میں بندہ آچے شہر پر حملہ کیا تو اس مسجد کو جلا کر شہید کر دیا گیا۔ بعد میں جب مسلمانوں کے دلوں میں اس مسجد کی عزت وتوقیر کے شعلے بلند ہونے لگے تو ڈچ جرنیل نے اس مسجد کو دوبارہ تعمیر کروانے کا وعدہ کیا۔ ڈچ (ولندیزیوں) نے 1879ء میں اس مسجد کی تعمیر شروع کروائی۔ دو سال بعد 1881ء میں مسجد تیار ہوگئی۔ ڈچ سامراجیوں نے اس مسجد میں دو گنبدوں کا اضافہ کر کے مسجد کی شہادت والے واقعے میں مسلمانوں کے بہے ہوئے آنسوؤں کو پونچھنے کی کوشش کی۔ بعد میں دو اور گنبد انڈونیشیا کی حکومت نے 1957ء میں بنوائے۔ اب اس مسجد کے سات گنبد ہیں اور یہ اتنی بڑی ہے کہ اس میں 30,000 نمازیوں کی گنجائش ہے۔ مسجد کا درمیانی گنبد فرش سے 115 فٹ بلند ہے۔

اس مسجد کا ڈیزائن ایک اطالوی نے بنایا تھا۔ آج یہ مسجد نہ صرف انڈونیشیا بلکہ خوبصورتی میں دنیا میں چوٹی کی بیس مساجد کی فہرست میں شامل ہے۔





جامع مسجد ریاؤ سلطان (انڈونیشیا)

مسجد ریاؤ سلطان انڈونیشیا کے ایک جزیرے بنتان (Bintan) یا نیگری سگنٹا نگ لاڈا میں واقع ہے۔ یہ جزیرہ اپنی خوبصورتی اور شاندار ماضی کی وجہ سے خاص شہرت رکھتا ہے، اس جزیرے میں تعمیر شدہ مسجد ریاؤ سلطان اپنے منفرد اور خوبصورت ڈیزائن کے لیے پورے علاقے میں مشہور ہے۔ اس کو گندھکی رنگ والی مسجد کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ یہ مسجد 1818ء میں تعمیر ہوئی اور آج دو صدیاں گزرنے کے بعد بھی قابلِ دید ہے۔ اس کے 17 گنبد اور ایک مینار ہے۔ مسجد کے احاطے کی لمبائی 178.5 فٹ اور چوڑائی 106 فٹ ہے جس میں 96x64 فٹ کے رقبے میں مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ باقی کھلا صحن ہے جہاں بوقتِ ضرورت نماز کے لیے صفیں بچھائی جاتی ہیں۔

مسجد کی عمارت چار ستونوں پر کھڑی کی گئی ہے۔ تعمیر میں سرخ اینٹیں، زرد رنگ کا چونا اور گچ استعمال کیا گیا ہے۔ مسجد کی چنائی میں سیمنٹ کے ساتھ انڈوں کی سفیدی بھی شامل کی گئی ہے۔ یہ مسجد علاقے میں اسلامی بھائی چارے کی فضا کو مضبوط کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ مسجد کی لائبریری میں ہاتھ سے تحریر کردہ دو سو سالہ پرانا قرآنی نسخہ بھی محفوظ ہے۔

بنتان کا جزیرہ، جس پر یہ مسجد واقع ہے، سمندر کے راستے سنگاپور سے صرف 45 منٹ کے فاصلے پر ہے۔ انڈونیشیا کی حکومت سیاحت کے نقطۂ نظر سے اس کو ترقی دے رہی ہے۔

جامع مسجد بنڈونگ (انڈونیشیا)

بنڈونگ کی جامع مسجد اپنی اولین تعمیر سے اب تک سات دفعہ تزئین و آرائش کے مراحل سے گزر چکی ہے۔ 1812ء میں اس مسجد کو بانس اور ساگوان کی لکڑی سے بنایا گیا اس کی چھت پر ساگوان اور پام کے پتے بچھائے گئے۔ 1825ء میں یہ مسجد آگ سے جل گئی اور پھر اس کے بعد اسے لکڑی اور پتھر سے تعمیر کیا گیا۔ اکثر مساجد کی طرح اس مسجد کی چھت بھی اوپر سے مخروطی بنائی گئی تھی۔ 1955ء میں انڈونیشیا کے عظیم لیڈر اور صدر عبدالرحیم سوئیکارنو نے دھات کا بنا ہوا گنبد بنوایا لیکن وہ صرف پندرہ سال تک مسجد کے اوپر قائم رہ سکا۔ 1970ء میں مسجد کی چھت دوبارہ مخروطی طرز کی بنا دی گئی۔ مسجد کی موجودہ چھت کا ڈیزائن 2002ء سے 2004ء کے دوران میں نئی تزئین و آرائش کا نتیجہ ہے۔ مسجد کے دو مینار 295 فٹ بلند ہیں۔ ان کی بلندی سے سیاحوں کو شہر کا نظارہ کروایا جاتا ہے۔ یہ 19 منزلہ مینار عوام اور سیاحوں کے لیے 2003ء میں کھولے گئے تھے۔

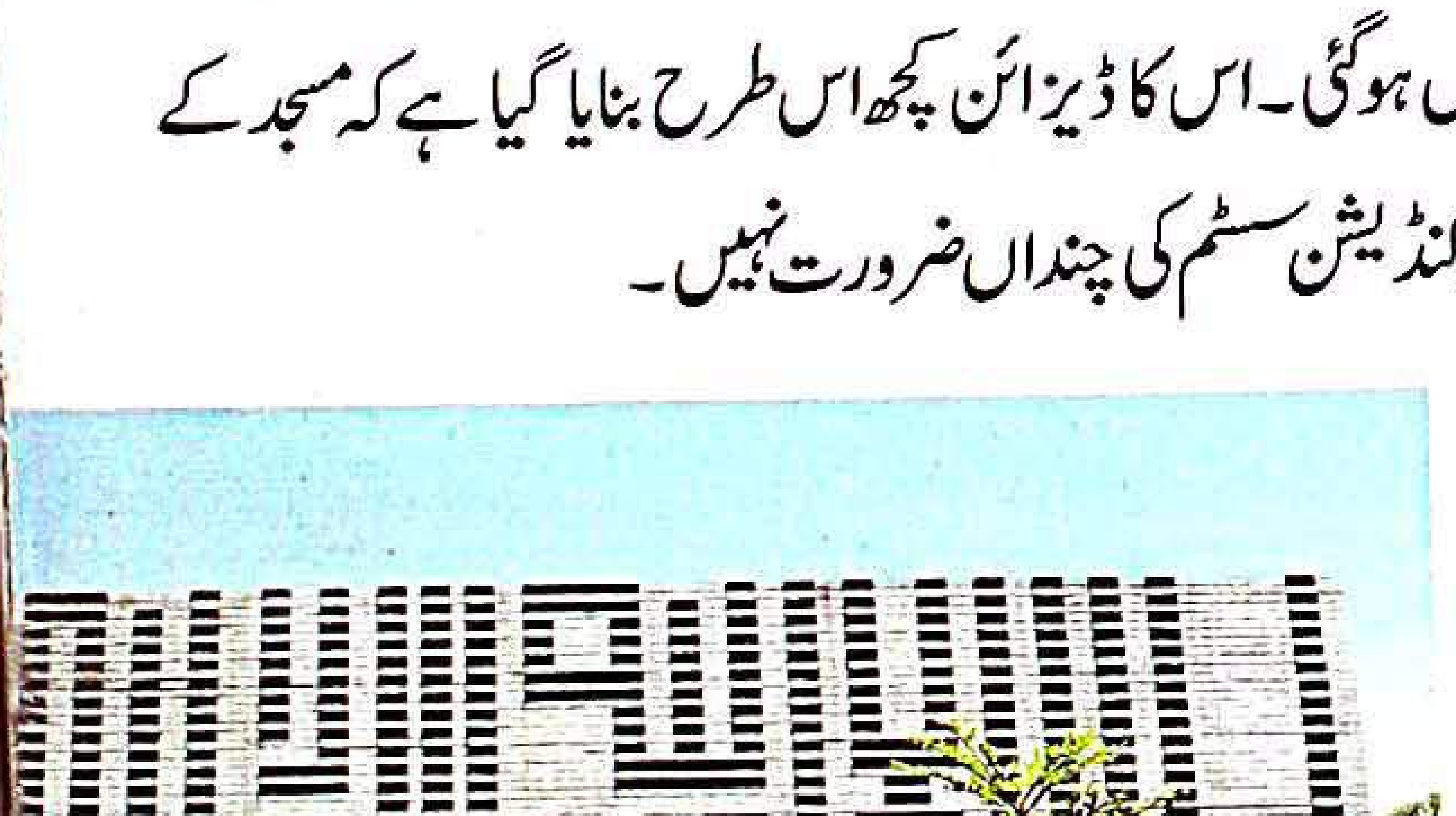




الارشاد مسجد (کلمہ والی) بنڈونگ (انڈونیشیا)

الارشاد (الارسیاد) مسجد انڈونیشیا کے دوسرے بڑے شہر بنڈونگ کے قریب ایک جزیرے میں بنائی گئی ہے۔ یہ مسجد مکعب شکل کی ہے اور اس میں روایتی طور کا کوئی گنبد یا مینار نہیں ہے جو چیز اسے دنیا کی دیگر مسجدوں سے ممتاز کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کی عمارت کی چنائی میں تینوں اطراف میں کلمہ طیبہ بنا ہوا ہے جو صاف پڑھا جا سکتا ہے۔ آرکی ٹیکٹ نے اس کا ڈیزائن خانہ کعبہ کی عمارت سے متاثر ہو کر تیار کیا ہے۔

اس مسجد کا کل رقبہ 86114 مربع فٹ ہے اور اس میں 1500 نمازی ایک ہی وقت میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کی تعمیر 2009ء میں شروع ہوئی اور اگست 2010ء میں یہ مکمل ہوگئی۔ اس کا ڈیزائن کچھ اس طرح بنایا گیا ہے کہ مسجد کے اندر موسم کی ضرورت کے مطابق ہوا آتی رہتی ہے اور کسی ائیر کنڈیشن سسٹم کی چنداں ضرورت نہیں۔



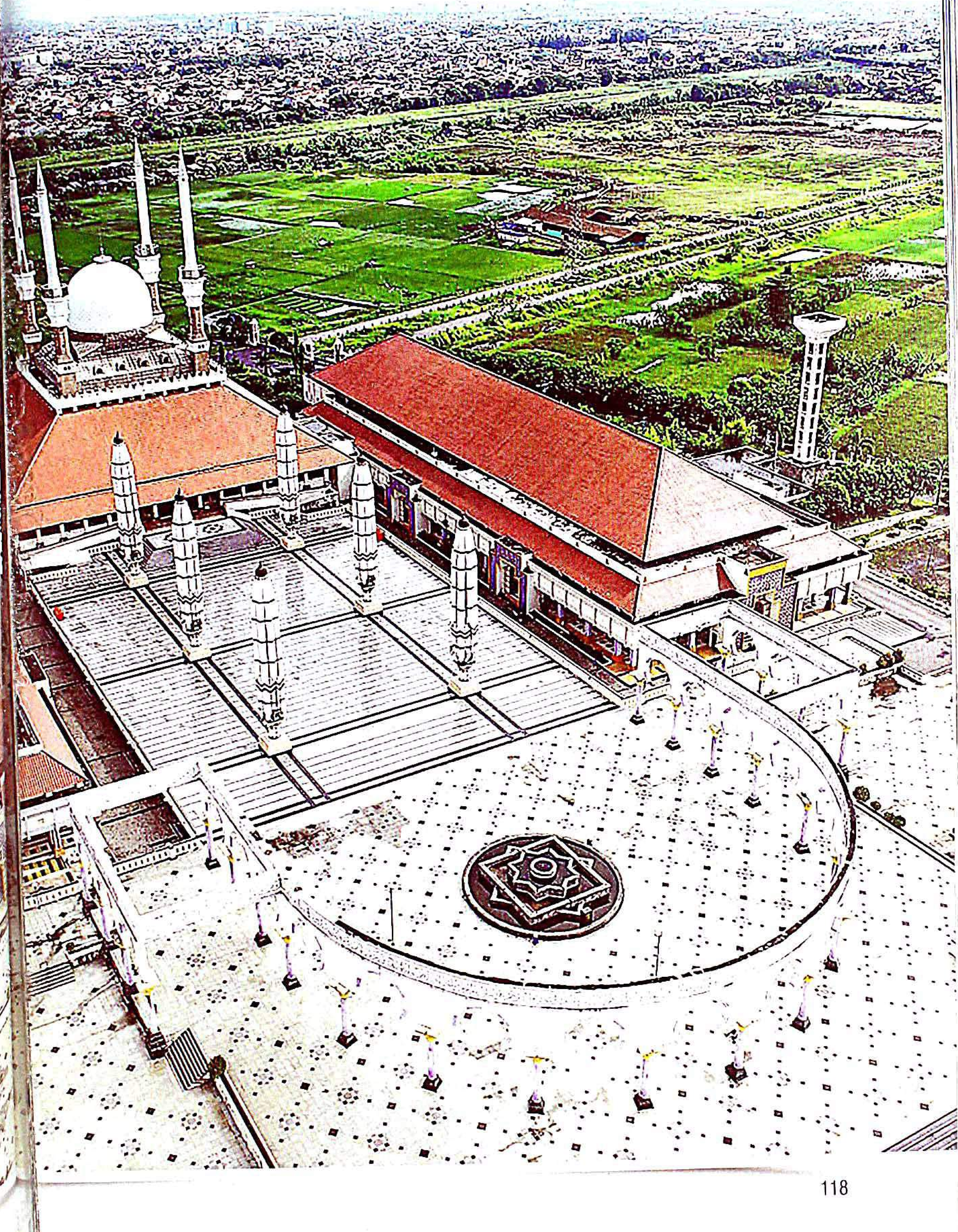


جاوا (جزیرہ)

یہ ملائی مجمع الجزائر کا ایک بڑا جزیرہ ہے جو انڈونیشیا کا حصہ ہے۔ اس کی آبادی 13 کروڑ 80 لاکھ ہے۔ جزیرے کا رقبہ 48900 مربع میل ہے اور اس کا شمار دنیا کے گنجان ترین علاقوں میں ہوتا ہے۔ ولندیزیوں (ڈچ) نے سترھویں صدی میں جاوا پر قبضہ کر لیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں 1942ء سے 1945ء تک اس پر جاپانی قابض رہے۔

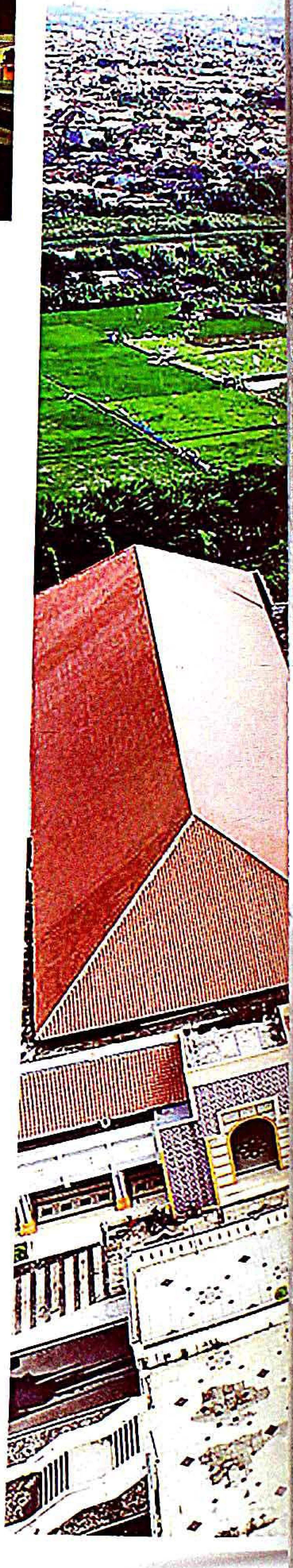
جاوا کے شمال میں بحیرۂ جاوا، جنوب میں بحر ہند، مغرب میں آبنائے سنڈا جو اسے جزیرہ سماٹرا سے جدا کرتی ہے اور مشرق میں جزیرہ بالی واقع ہے۔ بحیرۂ جاوا کے شمال میں جزیرہ کالیمنتان (سابق بورنیو) واقع ہے۔ جاوا کے شمال مغربی ساحل پر انڈونیشیا کا دارالحکومت جکارتہ ہے۔ جاوا کے دیگر بڑے شہر سورابایا، مالانگ، یوگ یکارتا، سیمارانگ، سیری بون، بنڈونگ، بوگور اور سورابایا ہیں۔ جزیرہ جاوا پر کئی آتش فشاں پہاڑ واقع ہیں۔ ڈچ استعماری دور میں جکارتہ کا نام بٹاویا تھا۔ بنڈونگ میں 1955ء میں غیر جانبدار (ناوابستہ) ممالک کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ سیمارانگ شہر وسطی جاوا کے شمالی ساحل پر واقع ہے۔ اس کی آبادی مضافات سمیت 81 لاکھ کے لگ بھگ ہے۔







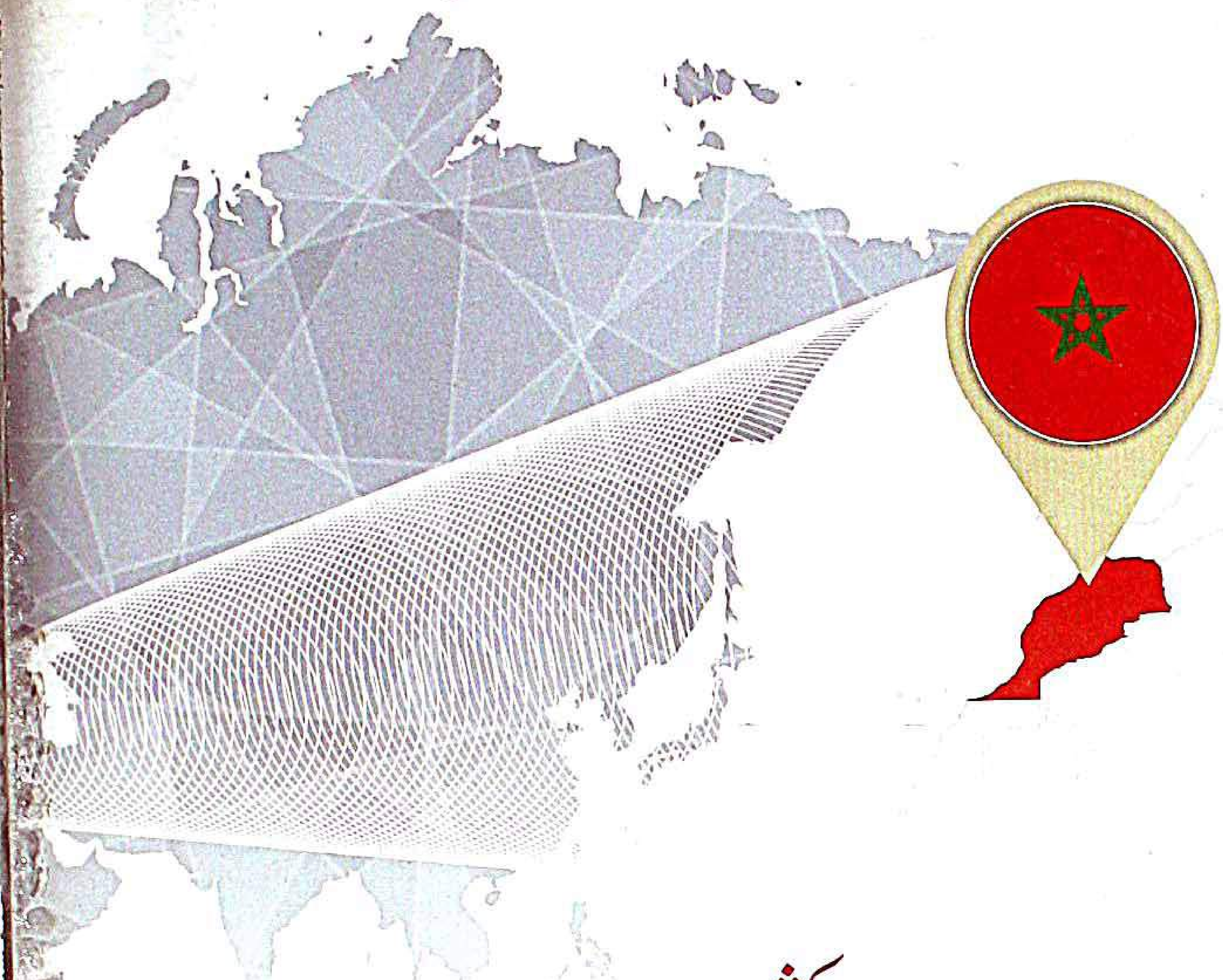




جامع مسجد ٹینگا (جاوا) انڈونیشیا

یہ وسطی جاوا کے شہر سیمارنگ (Semarang) کی مرکزی مسجد ہے۔ یہ مسجد جاوائی، عربی اور یونانی طرزِ تعمیر کو ملا کر بنائی گئی ہے۔ اس کی تعمیر کا کام ستمبر 2002ء میں شروع ہوا۔ نومبر 2006ء میں مسجد مکمل ہوگئی۔ اس کا رقبہ 25 ایکڑ ہے۔ ساری مسجد منفرد ڈیزائن کی تین یُو (U) شکل کی عمارتوں پر مشتمل ہے، جبکہ گنبد مسجد کے درمیان والے حصے میں ہے۔ مسجد کے چار مینار ہیں۔ دائیں، بائیں اور درمیان والی عمارتیں لائبریری اور آڈیٹوریم پر مشتمل ہیں۔ 82550 مربع فٹ کے رقبے میں 15000 سے زائد نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کے داخلی دروازے پر اللہ تعالیٰ کے 99 صفاتی نام تحریر کیے گئے ہیں۔ دالان میں 25 ستون کھڑے کیے گئے ہیں جو 25 انبیاء علیہم السلام کے ناموں سے موسوم ہیں جن کا ذکر قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ مسجد کے صحن میں مسجدِ نبوی کی طرز کی چھ چھتریاں لگائی گئی ہیں جو بوقتِ ضرورت خود بخود کھلتی اور بند ہو جاتی ہیں۔





مراکش

مراکش کا سرکاری نام المملکۃ المغربیۃ ہے اور عام طور پر اسے المغرب کہا جاتا ہے جبکہ اُردو میں اس کا قدیم نام مراکش (Morocco) ہی مستعمل ہے۔ یہ عالم عرب کا انتہائی مغربی ملک ہے۔ مراکش کے شمال میں بحیرۂ روم اور آبنائے جبل الطارق (جبرالٹر)، مشرق میں الجزائر، مغرب میں بحرِ اوقیانوس (Atlantic Ocean) اور جنوب میں موریتانیہ واقع ہیں۔ آبنائے جبرالٹر کے پار سپین یا اندلس ہے۔ یہ آبنائے بحیرۂ روم کو بحرِ اوقیانوس سے ملاتی ہے۔ 1975-79ء سے جنوب مغرب میں واقع مغربی صحرا کا علاقہ بھی مراکش میں شامل ہے۔

ماضی میں عرب مؤرخین اور جغرافیہ دان مراکش کو المغرب الاقصیٰ کہتے تھے۔ مراکش میں اطلس (Atlas) کے پہاڑی سلسلے شمال مشرق سے جنوب مشرق کی طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ یونانی جغرافیہ دانوں نے یونانیوں کے دیوتا اٹلس کے نام پر ان کا نام اٹلس یا اطلس رکھا تھا۔ ان پہاڑوں سے الملویہ، سیبو، ابورقرق، السوس اور درعہ نامی دریا بہتے ہیں۔ جنوبی مراکش صحرائے اعظم سے جاملتا ہے۔

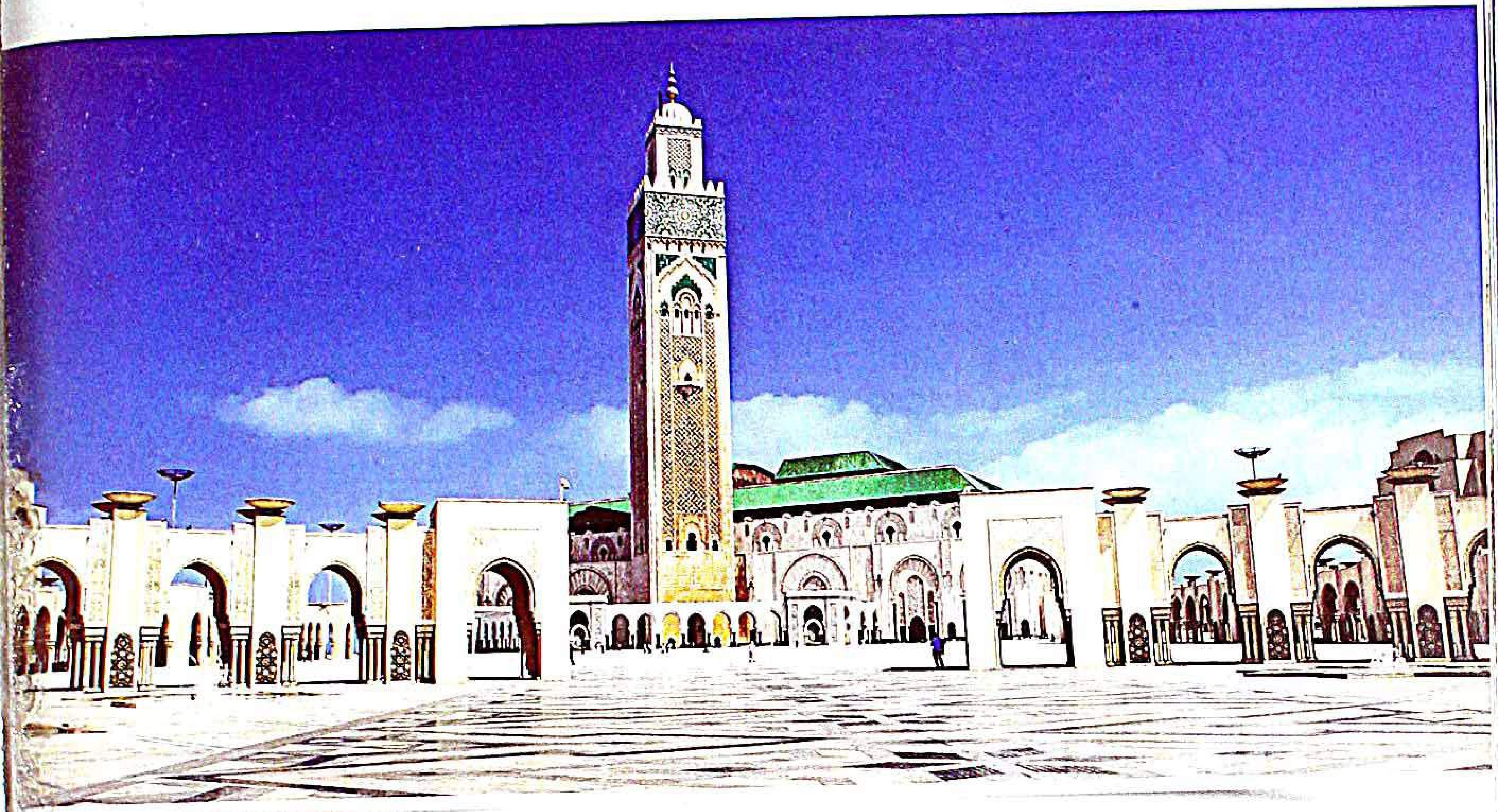
مراکش 682ء عہدِ یزید بن معاویہ میں سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا اور تھوڑے عرصے میں بربر قبائل نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ طارق بن زیاد بھی بربر ہی تھا جس نے سپین کو فتح کر کے اندلس بنا دیا۔ 788ء میں سید ادریس بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن امام حسن رضی اللہ عنہ نے مراکش میں آزاد ریاست قائم کی جو دو سو سال قائم رہی۔ گیارھویں صدی عیسوی



میں یہاں مرابطین برسرِ اقتدار آئے جن کے جانشین موحدین بنے۔ پھر مرینی، وطاسی، سعدی اور حسنی علوی خاندان حکمران رہے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں سپین اور فرانس نے مراکش باہم تقسیم کر لیا۔ 1956ء میں مراکش کو آزادی ملی۔ ان دنوں شاہ محمد سادس برسرِ اقتدار ہیں۔

مراکش کے تاریخی شہر رباط، فاس اور طنجہ ہیں۔ فاس(Fez) ادریس ثانی نے 808ء میں آباد کیا تھا۔ یہاں دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی جامع القرویّین واقع ہے۔ مرابطی سلطان یوسف بن تاشفین نے 1062ء میں مراکش شہر آباد کر کے اسے دارالحکومت بنایا تھا۔ طنجہ آبنائے جبرالٹر کے مغربی سرے پر واقع ہے۔ مشہور مسلمان سیّاح ابن بطوطہ یہیں پیدا ہوا تھا۔ رباط موحد سلطان عبدالمومن نے 545ھ/ 1150ء میں بسایا تھا۔ یہ دریائے ابورقرق کے دہانے پر آباد ہے۔ 1912ء سے یہ مراکش کا دارالحکومت ہے۔ مراکش کا سب سے بڑا شہر الدار البیضاء (Casa Blanca) رباط کے جنوب میں ساحل اوقیانوس پر آباد ہے۔ اس کی آبادی 54 لاکھ ہے۔ مصنف تقی الدین الفاسی، محدث عبدالقادر الفاسی اور علامہ علال الفاسی کا تعلق فاس سے تھا۔ دکتور تقی الدین الہلالی (متوفی 1408ھ/1987ء) The Noble Quran کے مترجم مراکش کے شہر سجلماسہ کے قریب الغداہ میں پیدا ہوئے تھے۔

مراکش کی 99.1 فیصد آبادی مسلمان ہے، مراکش کی سرکاری زبان عربی ہے، علاوہ ازیں فرانسیسی اور ہسپانوی بھی رائج ہیں۔ یہاں آئینی بادشاہت قائم ہے، برآمدات میں فاسفیٹ، مچھلی اور تر شاوہ پھل شامل ہیں۔ مراکش کا رقبہ 7 لاکھ دس ہزار مربع کلومیٹر اور آبادی سوا تین کروڑ ہے۔ رباط کی آبادی 12 لاکھ اور فاس کی 11 لاکھ ہے۔



شاہ حسن ثانی مسجد، دارالبیضاء (مراکش)

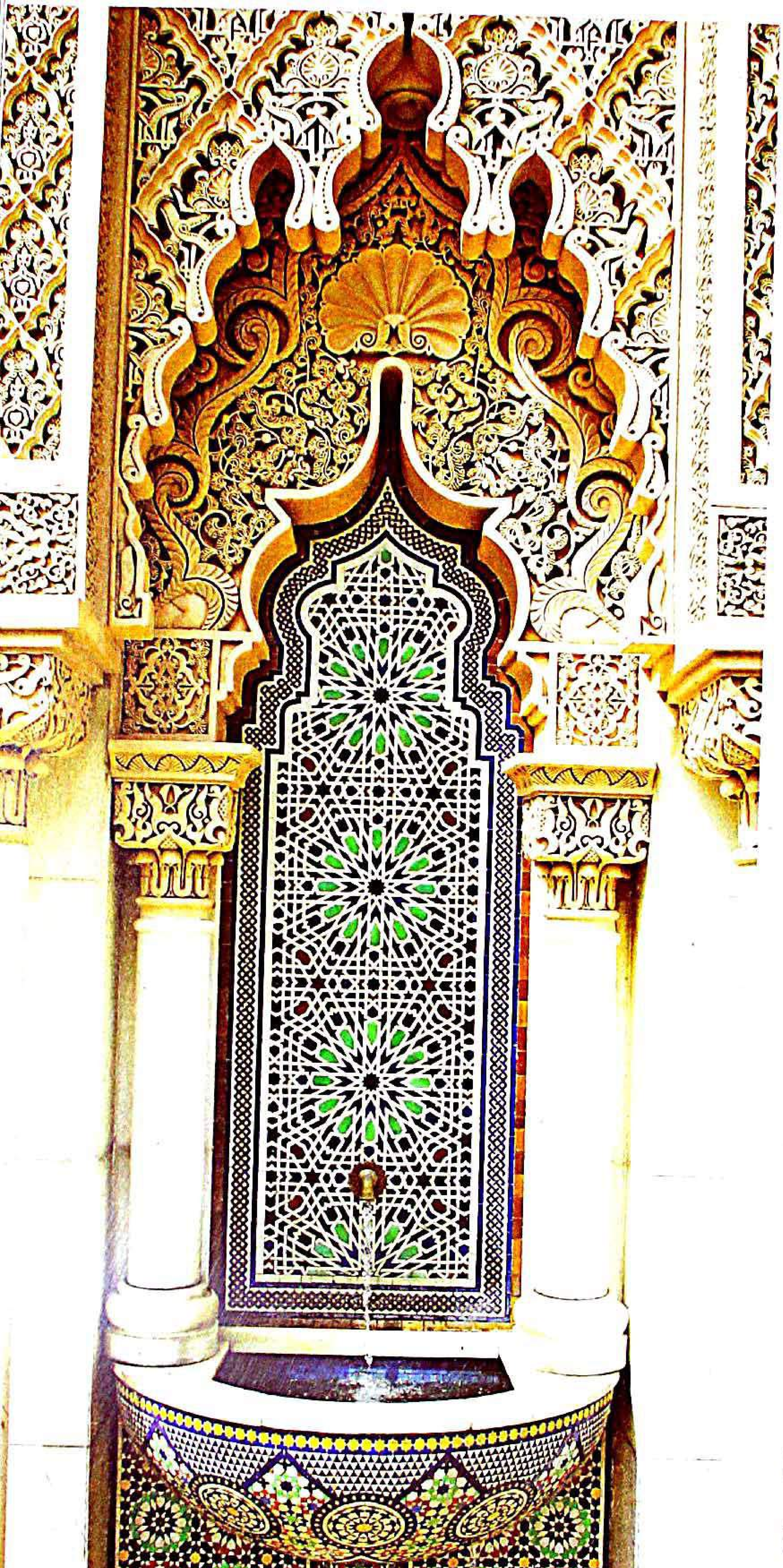
مراکش (المغرب) کا مشہور شہر دارالبیضاء (کیسابلانکا) بحرِاوقیانوس کے ساحل پر واقع ہے۔ 9 جولائی 1980ء کو مراکش کے حکمران شاہ حسن ثانی نے اپنی 51ویں سالگرہ کے موقع پر عوام کے سامنے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ اہلِ دارالبیضاء کو ایسا شاندار تحفہ دینا چاہتے ہیں جو رہتی دنیا تک ایک قابلِ تعریف یادگار ثابت ہو۔ شاہ نے اپنے اس عزم کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''میں پانی کی سطح پر ایک اللہ کا گھر (مسجد) تعمیر کروانا چاہتا ہوں کیونکہ اللہ کا تخت بھی اس کائنات کی تخلیق سے قبل پانی ہی پر قائم تھا۔''

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

''اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔'' (ھود 11:7)

دوسرے دن مسجد کی تیاری کے لیے شاہ نے کام شروع کروا دیا۔ ایک فرانسیسی ماہرِ تعمیرات مائیکل پنسیو نے مسجد کا ڈیزائن تیار کیا۔ شاہ نے اس مسجد کا سنگِ بنیاد 12 جولائی 1986ء کو رکھا۔ اس مسجد کے لیے قطعۂ زمین کا انتخاب بحرِ اوقیانوس (Atlantic Ocean) کے کنارے اس جگہ کیا گیا جہاں سمندر کی شوریدہ لہریں ساحل سے ٹکرا کر واپس چلی



جاتی تھیں۔ مسجد کا سنگِ بنیاد رکھتے وقت یہ سوچا گیا کہ شاہ حسن کی ساٹھویں سالگرہ (جولائی 1989ء) تک مسجد تیار کرلی جائے گی لیکن اس کی تکمیل بوجوہ 30 اگست 1993ء کو ہوئی۔

مسجد کی تعمیر پر 800 ملین ڈالر کی خطیر رقم صرف ہوئی۔ جب یہ مکمل ہوئی تو اہلِ مراکش کو یہ فخر تھا کہ ایک لافانی یادگار ان کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس کی تعمیر میں استعمال ہونے والا پتھر مراکش ہی کا لگایا گیا، البتہ ستونوں میں استعمال ہونے والا سفید گرینائٹ (سنگ خارا) اٹلی سے درآمد کیا گیا۔ شاندار فانوس وینس سے منگوایا گیا۔ چھ ہزار سے زیادہ ماہر کاریگروں نے اس مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ جب جولائی 1990ء میں شاہ کی اکسٹھویں سالگرہ گزرگئی اور مسجد مکمل نہ ہوسکی تو دن رات تعمیر کا کام جاری رکھا گیا۔ 1400 کاریگر دن کے وقت اور 1100 کاریگر رات کو کام کرتے تھے۔ تقریباً 80 کروڑ ڈالر کی لاگت سے تیار ہونے والی اس مسجد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کثیر لاگت میں عوام نے بھی حصہ لیا اور مزدوروں نے بلامعاوضہ کام سرانجام دیا۔ عوام نے فراخ دلی سے عطیات دیے۔

اگر فضاء سے مسجد حسن ثانی کا نظارہ کیا جائے





تو ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے مسجد بحرِ اوقیانوس کی لہروں پر تیر رہی ہے اور حقیقت میں یہی شاہ حسن ثانی کا مقصد تھا جو اس نے ایک خطیر رقم خرچ کر کے حاصل کیا۔

مسجد کا 689 فٹ بلند مینار دنیا کی مذہبی عمارتوں کے میناروں میں سب سے اونچا مینار ہے۔ اس کی ساٹھ منزلیں ہیں۔ رات کے وقت مینار کی چوٹی سے لیزر شعاع نکلتی ہے جس کا رُخ بالکل قبلہ کی جانب ہوتا ہے اور یہ شعاع تیس کلومیٹر تک چلی جاتی ہے۔ اس سے دار البیضاء کے باسی اپنے قبلے کی سمت کا تعین بخوبی کر لیتے ہیں۔ مسجد کو اس طرح تعمیر کیا گیا ہے کہ دس ریکٹر سکیل کا زلزلہ بھی مسجد کی عمارت اور مینار کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ مسجد کے ڈیزائن میں سپین کے قصر الحمرا اور مسجد قرطبہ کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔ مسجد کا مرکزی ہال نہایت وسیع اور

سرخ رنگ کے ترکی قالینوں سے مزین ہے۔ مسجد کے نیچے تہہ خانے میں ترکی حمام، وضوخانے اور صحن میں 41 فوارے نصب کیے گئے ہیں۔

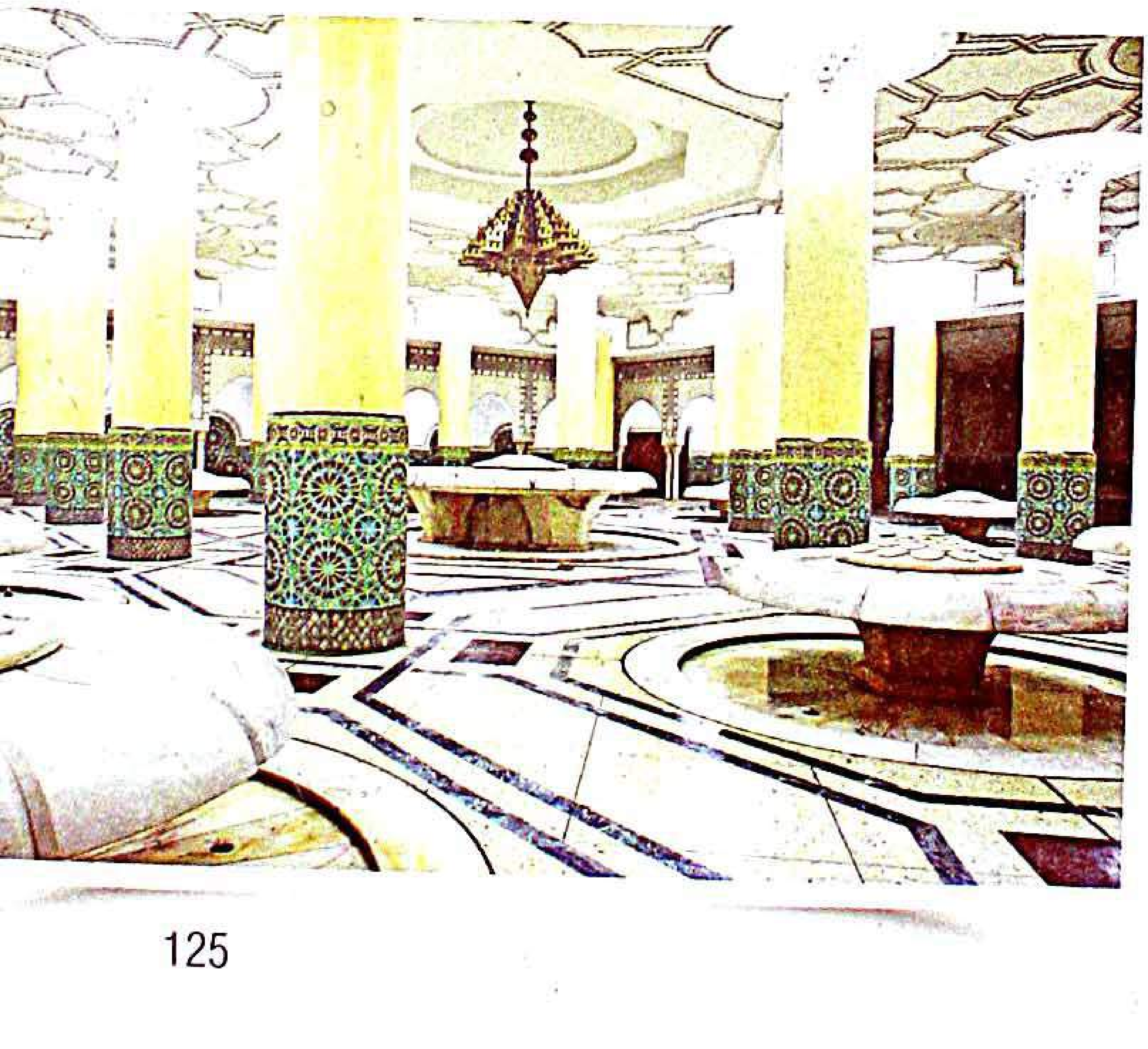
یہ مسجد نہ صرف مراکش بلکہ برِّ اعظم افریقہ کی سب سے بڑی اور دنیا میں چوتھی بڑی مسجد ہے۔ 25000 نمازی مسجد کے مرکزی ہال میں اور 80 ہزار باہر کھلے پارکوں میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مرکزی ہال کی شیشے والی دیواروں سے سمندر کا نظارہ دلفریب منظر پیش کرتا ہے۔ ہال کے دروازے خودکار اور ستون 43 فٹ بلند ہیں۔ ہال کی چھت کو بوقتِ ضرورت ایک خودکار نظام کے ذریعے سے صرف پانچ منٹ میں کھولا اور سمیٹا جاسکتا ہے۔ چھت کا وزن 1100 ٹن ہے اور بلندی 200 فٹ ہے اس کا رقبہ 3700 مربع فٹ ہے۔ مسجد کا مینار چار کونوں والا ہے، اس کے چاروں طرف سنگِ مرمر (ماربل) لگا ہوا ہے۔ دراصل یہ آسمان سے باتیں کرتا ہوا 210 میٹر (689 فٹ) اونچا مینار ہی دور سے مسجد کی خوبصورتی کا مظہر ہے، اس کی تعمیر میں میٹریل اتنی بلندی تک پہنچانے کے لیے سپیشل کرینیں تیار کی گئی تھیں۔



مسجد کے مرکزی ہال کے اندر 56 فانونس لگائے گئے ہیں۔ مسجد کا فرش سردیوں میں گرم رہتا ہے۔ یہ برقی دروازوں اور سلائیڈنگ چھت سے مزین ہے جو ضرورت کے مطابق کھولی اور بند کی جاسکتی ہے۔

كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (هود 11:7)

کی روشنی میں مسجد کے ہال کے اندر آدھا فرش شیشے کا لگایا گیا ہے تاکہ لوگ نیچے سمندر کی لہریں دیکھ سکیں۔ مذکورہ آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تخت پانی پر قائم تھا، چنانچہ اس مسجد کی تعمیر کے وقت بھی شاہ حسن ثانی کے ذہن میں اسی آیت کا مفہوم پیش نظر تھا جس کو اس نے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ شیشے کے فرش سے باآسانی سمندر میں دور تک گئی ہوئی اس چٹان کو دیکھا جاسکتا ہے جس پر اس مسجد کا ڈھانچہ کھڑا ہے۔

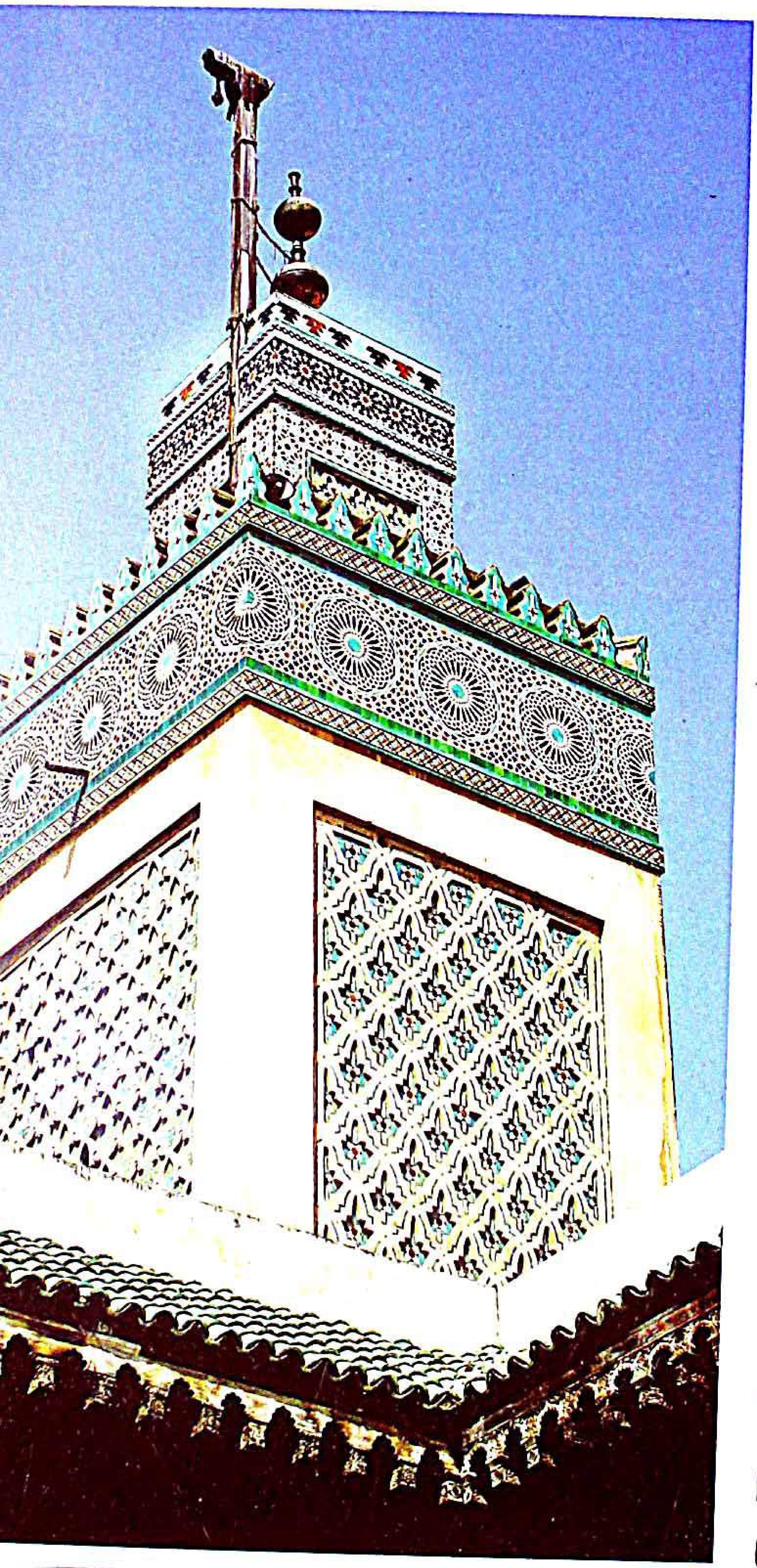


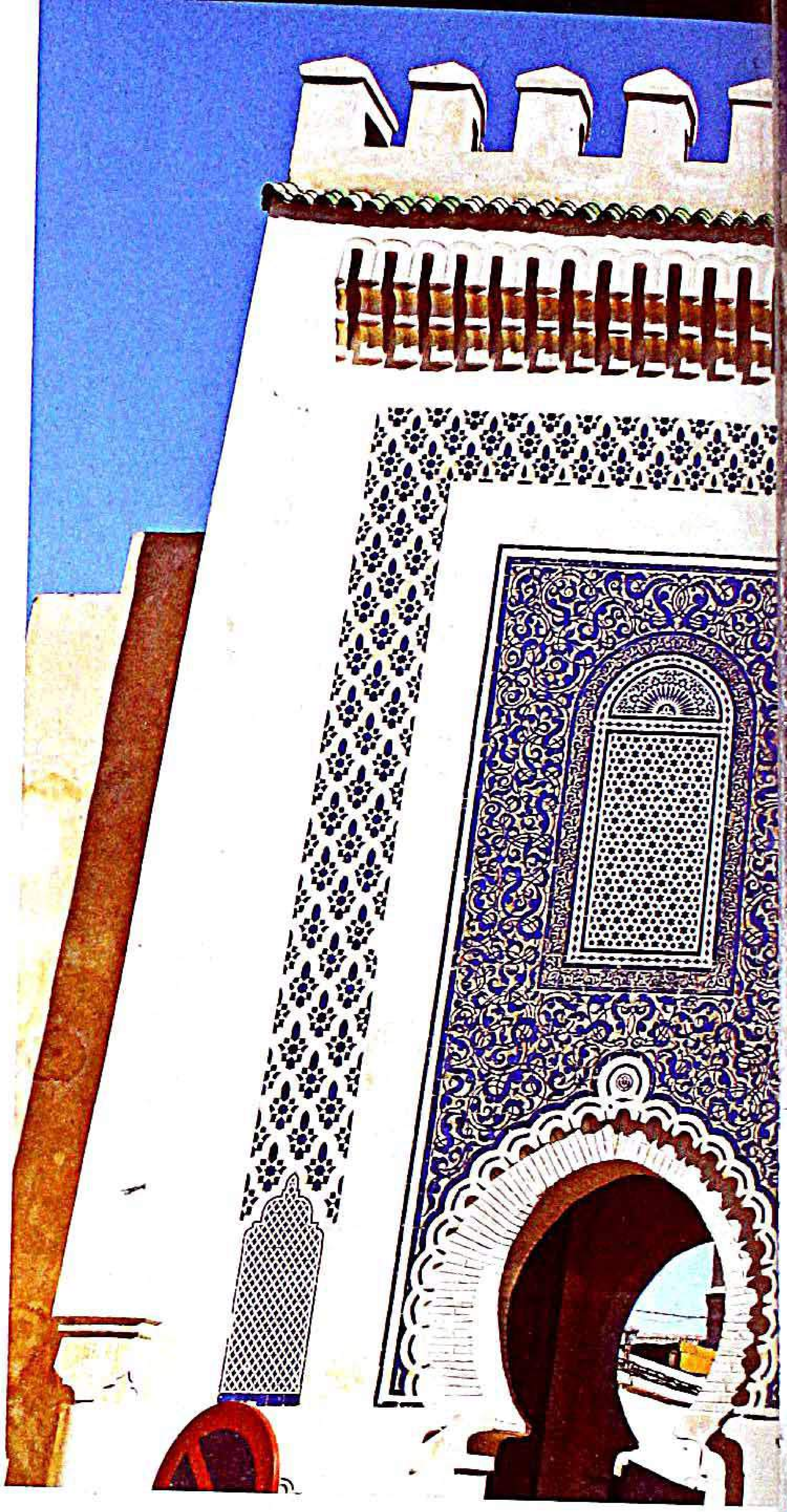


جامع القرویّین (مراکش)

مراکش کے تاریخی شہر فاس میں واقع جامع القرویّین (قیروان والوں کی مسجد) ادریسیوں کے عہد کی تعمیر ہے۔ یہ فاس کی سب سے اہم مسجد ہے۔ اسی کی تعمیر (248ھ/861ء) میں مہاجرینِ قیروان میں سے ایک امیر خاتون فاطمہ الفہری نے شروع کروائی تھی جو محمد الفہری نامی تاجر کی صاحبزادی تھی۔ پھر امیر احمد بن ابوبکر نے اسے بہت وسیع کیا اور اس میں ایک مینار تعمیر کرایا۔ آخر میں امیر یوسف بن تاشفین (465ھ-500ھ) تک کے عہد میں اس میں کئی بڑی بڑی تبدیلیاں کی گئیں۔ ''قرطاس'' کا مصنف لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں یہ مسجد شہر کے ایک پورے محلے پر مشتمل تھی۔ اس میں 270

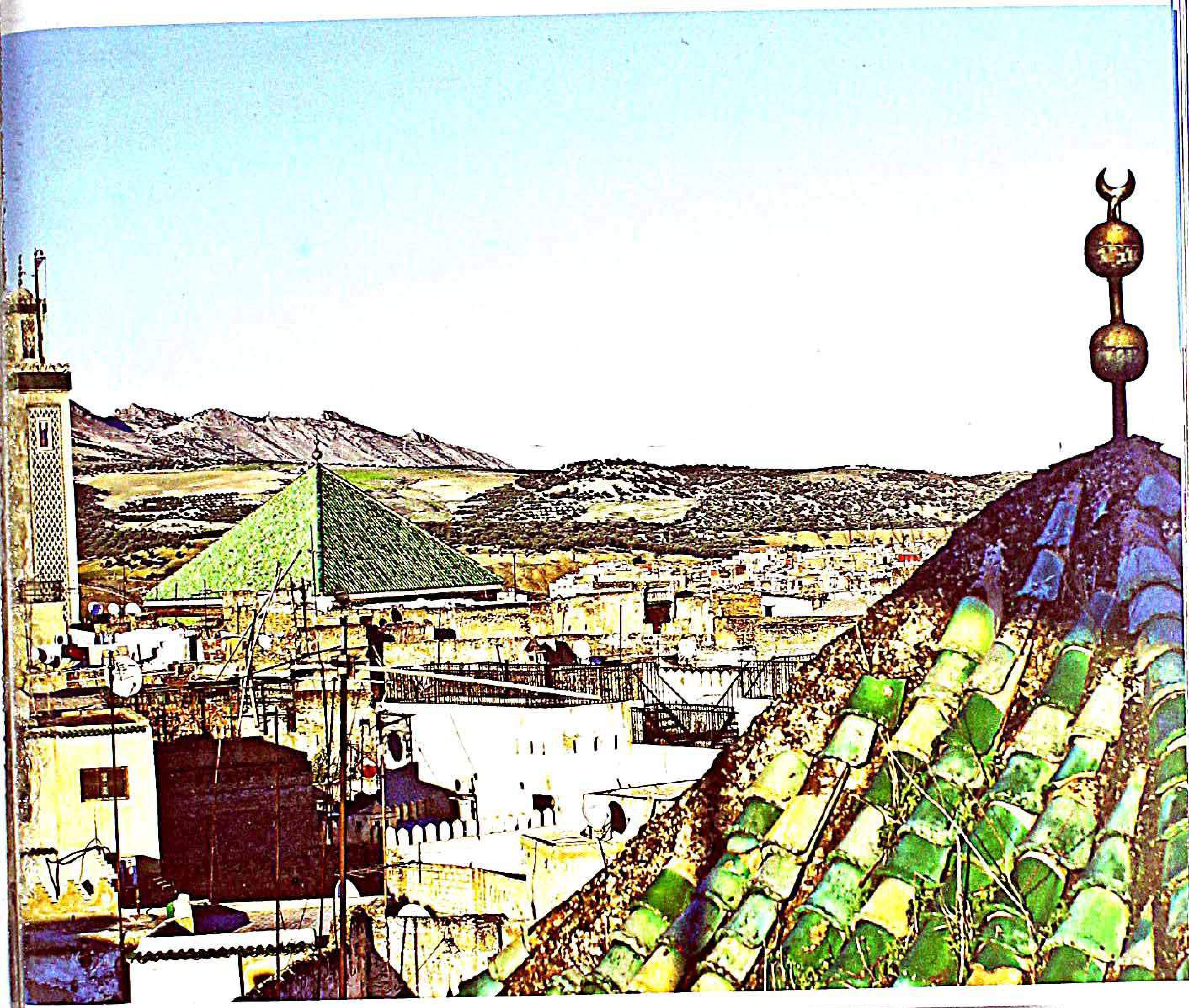






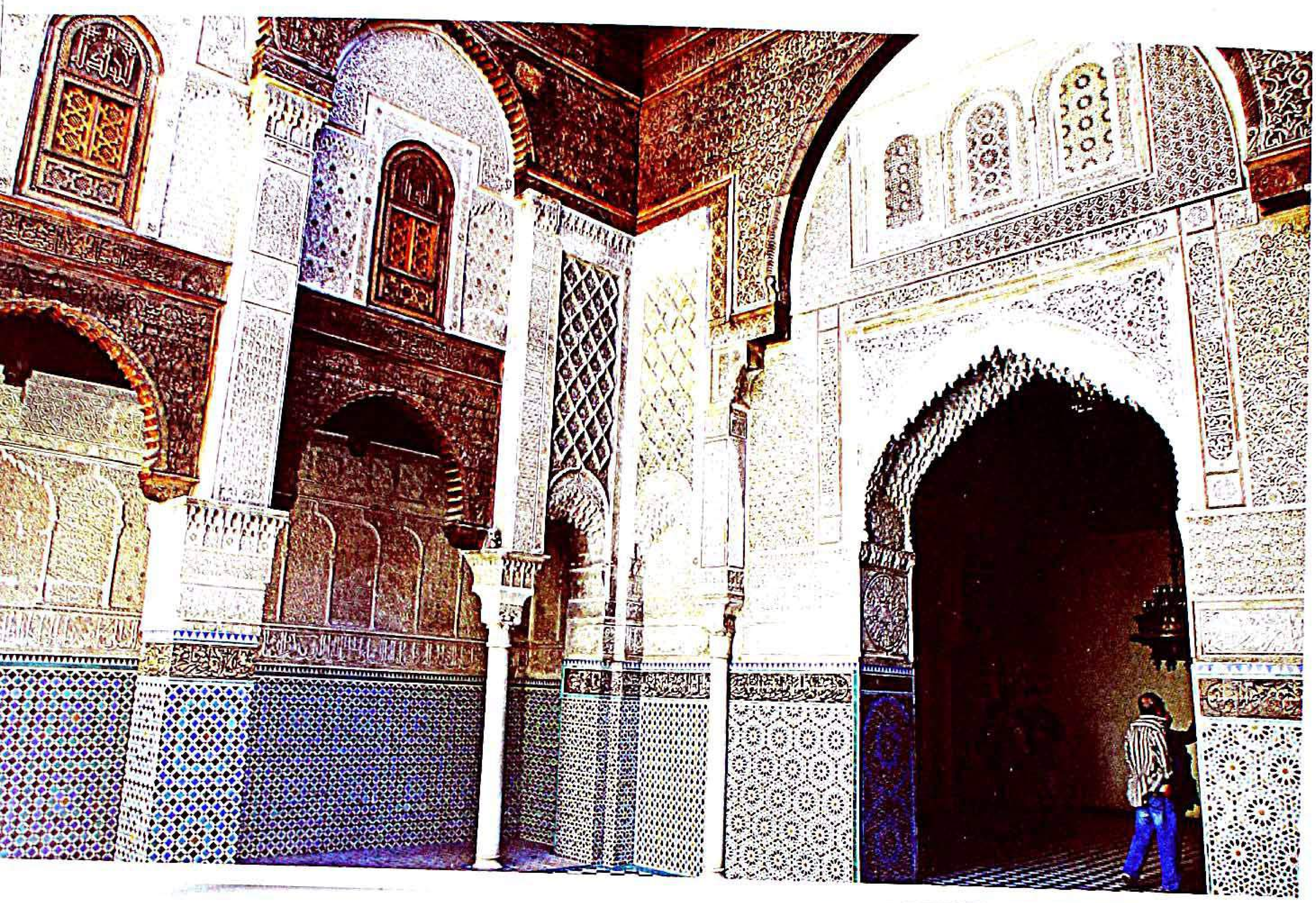
ستون تھے جن سے سولہ صدر ایوان بنتے تھے۔ جامع القرویّین کو ماضی میں المغرب (مراکش) کی سب سے بڑی مسجد کا درجہ حاصل رہا ہے۔ سرکاری مسجد بھی یہی تھی جہاں لوگ فرامین سلطانی سننے کے لیے جمع ہوتے تھے۔

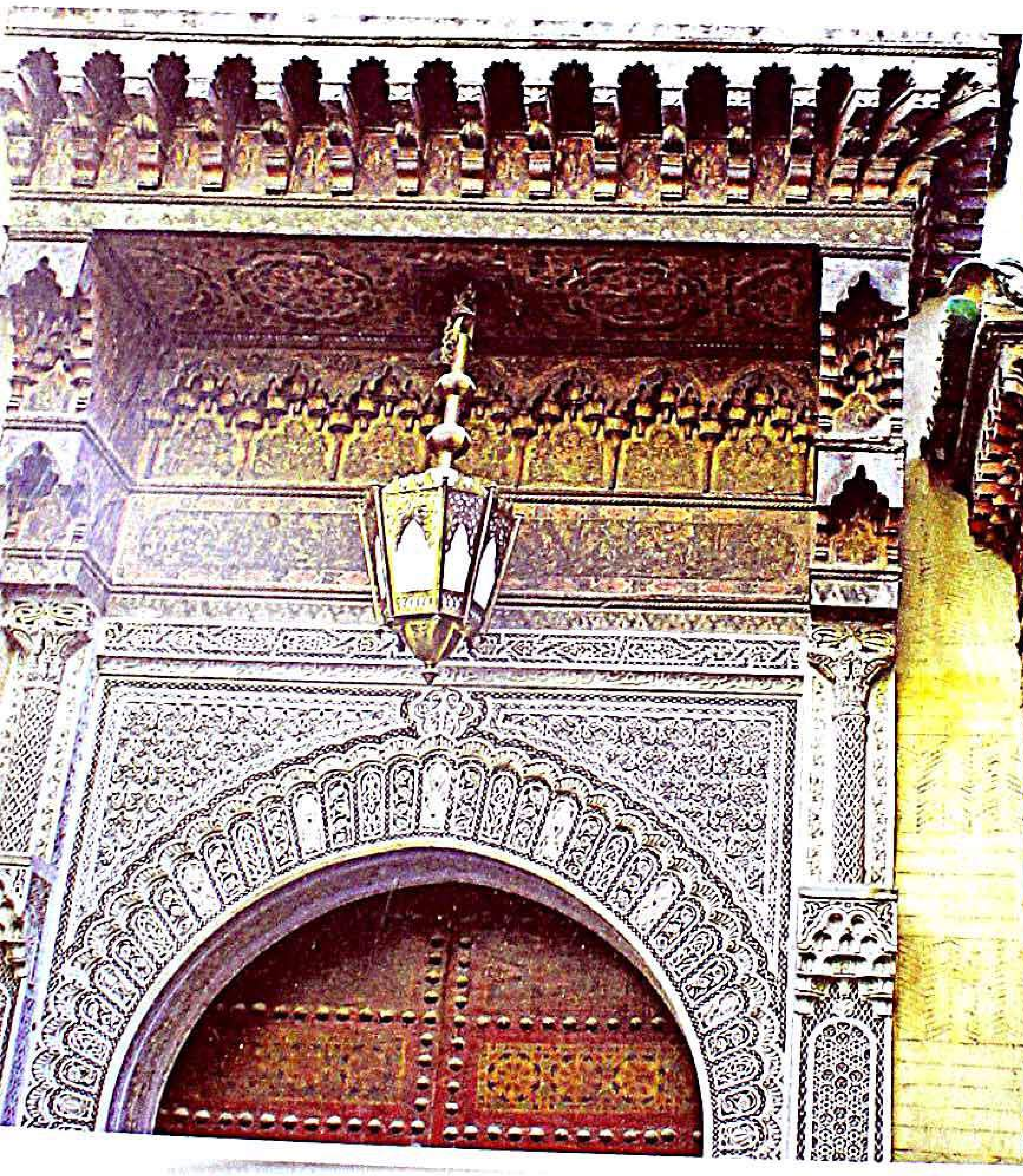
جامعۃ القرویّین ابتدا میں ایک مسجد ہی تھی، پھر اس میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا جس میں قرآن و حدیث اور دیگر علوم پڑھائے جانے لگے اور اب اسے جامعۃ القرویّین کہا جاتا

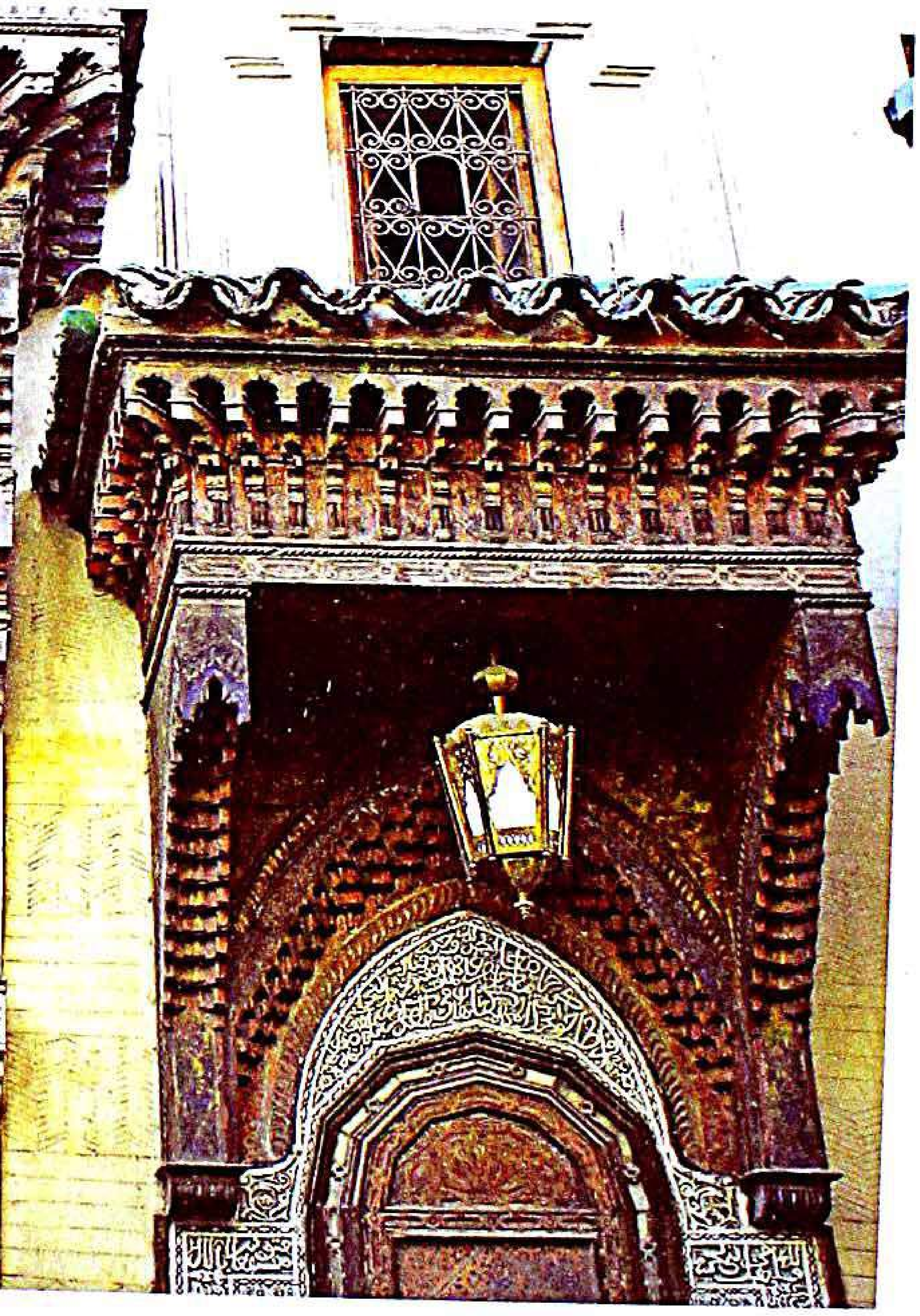


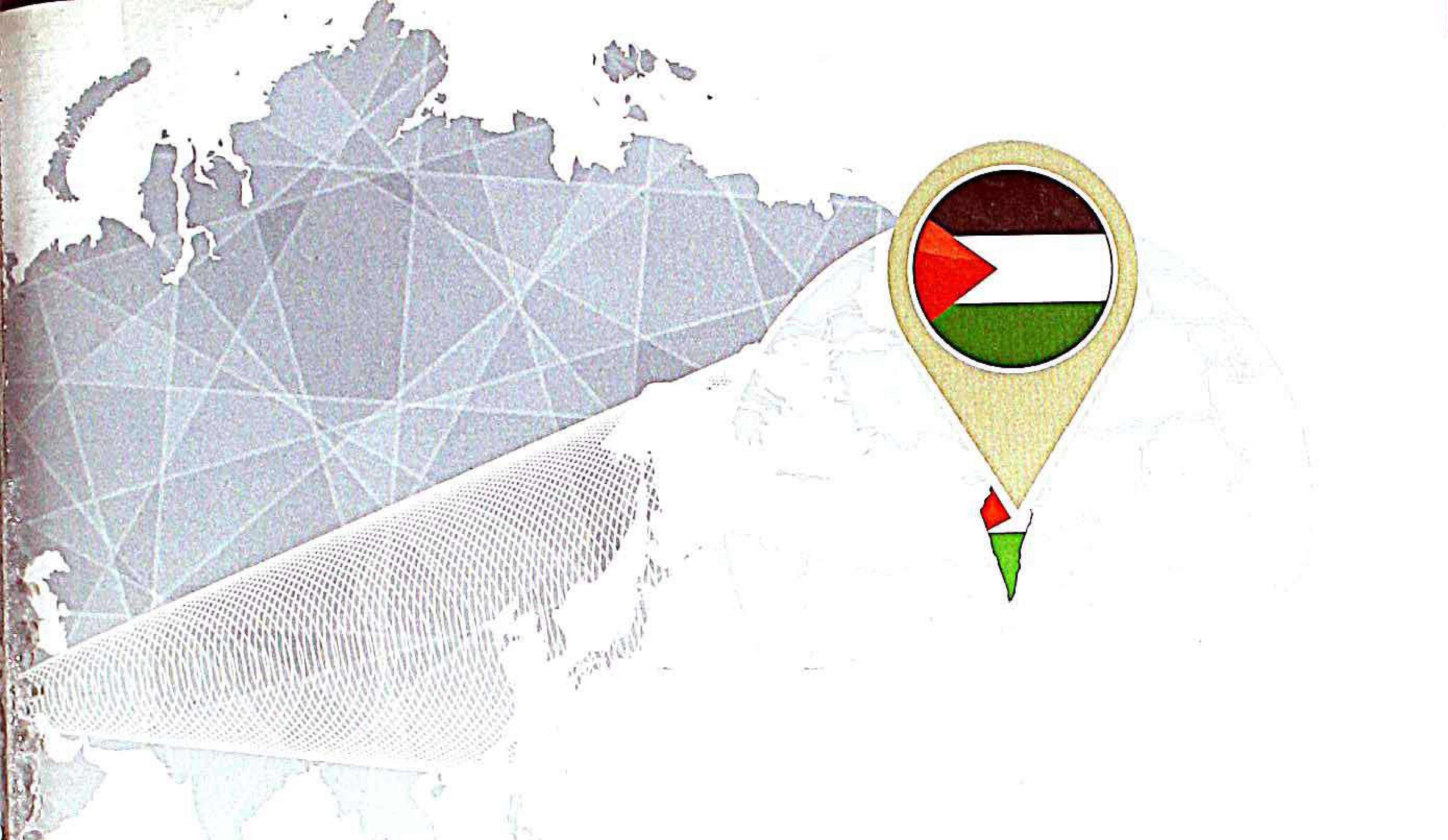
ہے۔1349ء میں مرینی سلطان ابوعنان فارس نے اس میں ایک لائبریری قائم کی جس کے دسیوں ہزار مخطوطات میں ہرن کی کھال پر تحریر شدہ موطا امام مالک، ابن خلدون کی تاریخ العبر، سیرت ابن اسحاق اور سلطان احمد المنصور کا نسخہ قرآن (1602ء) قابل ذکر ہیں۔ جامعۃ القرویین کو دنیا کے قدیم ترین تعلیمی ادارے کی حیثیت سے یونیسکو اور گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ نے تسلیم کیا ہے اور بعض کے نزدیک یہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے۔

جامع القرویّین مراکش کی قدیم ترین مسجد ہے۔ اس میں تیس کے قریب دروازے ہیں جو چاروں طرف شہر کی سڑکوں کی طرف کھلتے ہیں۔ ابن رشد، لیوافریقانوس سیّاح، موسیٰ ابن میمون، الادریسی جغرافیہ دان، ابن العربی، ابن خلدون، ابن الخطیب، البطروجی اور الوزّان جیسے علماء وفضلاء جامعۃ القرویّین میں پڑھتے یا پڑھاتے رہے۔









فلسطین

فلسطین بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ اسے ارضِ مقدس بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ کثیر انبیائے کرام علیہم السلام کا مولد یا مسکن رہا ہے۔ فلسطین کے شمال میں لبنان، شمال مشرق میں شام، مشرق میں اُردن اور بحیرۂ مردار (البحرالمیّت)، جنوب میں خلیج عقبہ اور مغرب میں بحیرۂ روم اور مصر (صحرائے سیناء) واقع ہیں۔ دریائے اُردن لبنان کے پہاڑوں سے نکل کر جھیل طبریہ (بحیرۂ گلیلی) میں گرتا ہے، اس کے جنوب میں دریائے یرموک شام کی پہاڑیوں کی طرف سے آملتا ہے۔ آگے دریائے اُردن فلسطین اور مملکت اُردن کی سرحد بناتا ہوا بحیرۂ مردار (Dead Sea) میں آ گرتا ہے۔ بحیرۂ مردار کی سطح عالمی سمندر سے 406 میٹر نیچے ہے۔ اس طرح یہ دنیا کا پست ترین مقام ہے۔

فلسطین اور اُردن ماضی میں وسیع تر شام کا حصہ شمار ہوتے تھے۔ فلسطین کے تنگ ساحلی میدان کو چھوڑ کر زیادہ تر سطح مرتفع ہے۔ جنوب میں صحرائے نقب (Negev) ہے جو بئر سبع (بیر شیوا) سے خلیج عقبہ تک پھیلا ہوا ہے۔ شمال میں جبال الجلیل (گلیلی ہلز) اور وسط میں جبال الخلیل واقع ہیں۔ ان کے درمیان بیت المقدس (یروشلم)، بیت لحم اور الخلیل (حبرون) کے تاریخی شہر آباد ہیں۔ بحیرۂ مردار کے شمال میں سات ہزار سال قدیم شہر اریحا (جیریکو) واقع ہے۔ مشرق میں دریائے اُردن کا نشیب غوز الاردن کہلاتا ہے۔ ساحلِ بحیرۂ روم پر عکا (Acre)، حیفا، قیساریہ، یافا، عسقلان اور غزہ کے



تاریخی شہر ہیں۔ یافا سے متصل تل ابیب کا جدید شہر ہے اور دونوں کو مجموعی طور پر تل ابیب یافو کہا جاتا ہے۔ غزہ میں نبی کریم ﷺ کے پردادا ہاشم فوت ہوئے تھے، اس لیے اسے غزۂ ہاشم بھی کہتے ہیں۔ دیگر شہر طبریہ، الناصرہ، جنین، نابلس، طولکرم، رملہ، رام اللہ، بیسان، لُد (Lod) اور بیتِ جبرین ہیں۔

بیت المقدس اسلام، عیسائیت اور یہودیت تینوں کے نزدیک مقدس شہر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہاں اللہ کا گھر (بیت ہمقدّش) تعمیر کیا تھا، پھر اسے حضرت داود اور سلیمان علیہما السلام نے تعمیر کیا تو وہ ہیکل سلیمانی کہلایا۔ ہیکل سلیمانی کو 586ق م میں بابلیوں نے اور 70 میں رومیوں نے تباہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ معراج کو جاتے ہوئے یہاں تشریف لائے۔ اس جگہ مسجدِ اقصیٰ ہے جو مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بیت لحم میں پیدا ہوئے تھے۔ ان سے قبر مقدس کا گرجا (یروشلم) منسوب ہے۔ الخلیل (Hebron) میں مسجد ابراہیمی واقع ہے۔ اسی شہر میں مغارہ مکفیلہ میں سیدنا ابراہیم، اسحٰق، یعقوب علیہم السلام اور سیدہ سارہ علیہا السلام کی قبریں ہیں۔

فلسطین کا رقبہ 2700 مربع کلومیٹر ہے۔ خلافت صدیقی میں یہاں اجنادین اور بیسان کی جنگیں لڑی گئیں اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیت المقدس پُرامن طور پر فتح ہو گیا۔ فلسطین کے بیشتر مسیحی مسلمان ہو گئے جبکہ یہودیوں کو رومیوں نے 135ء میں فلسطین سے جلاوطن کر دیا تھا۔ عہدِ فاروقی سے پہلی جنگ عظیم تک یہ سرزمین مسلمانوں کے پاس رہی۔ دسمبر 1917ء میں بیت المقدس پر برطانوی قابض ہوئے اور ان کی سرپرستی میں مئی 1948ء میں یہاں صہیونی یہودیوں کی ریاست اسرائیل کا قیام عمل میں آیا۔ جون 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں یہودی پورے فلسطین پر قابض ہو گئے۔

مسجدِ اقصیٰ (یروشلم) اسرائیل

روئے زمین پر کچھ مقامات ایسے ہیں جن کی وجہ سے اس دھرتی کو اپنے اوپر ناز ہے، ان میں پہلے نمبر پر خانہ کعبہ ہے جو کہ مسلمانوں کا قبلہ ہے جس کی تعمیر ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنے ہاتھوں سے کی۔ دوسرے نمبر پر مدینہ شریف میں مسجدِ نبوی مدفنِ رسول ﷺ ہے اور تیسرے نمبر پر بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول ہے۔ یہ تینوں مقدس مقامات جن کے درمیان سینکڑوں میلوں کا فاصلہ حائل ہے، ان میں ایک چیز مشترک ہے، وہ یہ کہ ان تینوں جگہوں کو حضور ﷺ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے۔ ان میں سے دو مقامات مسجد الحرام اور مسجدِ اقصیٰ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ایک ہی آیت مبارکہ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی ---﴾ سورۂ بنی اسرائیل میں اکٹھا کیا ہے۔ یہاں مسجدِ اقصیٰ کو ''برکت والی مسجد'' قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ﴿بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ﴾ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے معراج کو جاتے ہوئے مسجدِ اقصیٰ میں تمام انبیاء کی نماز میں امامت فرمائی اور یہ شرف صرف مسجدِ اقصیٰ کو حاصل ہے۔

بیت المقدس کی سرزمین، جہاں مسجدِ اقصیٰ موجود ہے، ایسی دھرتی ہے جو سینکڑوں انبیاء کے بچپن کا گہوارہ رہی۔ یہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں تاجِ نبوت سے سرفراز فرمایا اور یہیں انھوں نے اہلِ دنیا کو وہ معجزات دکھائے کہ عقل ہے محوِ تماشائے



لب بام ابھی! اسی جگہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور بڑھاپے میں بھی بیٹے کی دعا مانگی اور یہیں ان کی دعا نہ صرف قبول ہوئی بلکہ ان کے بیٹے کا نام خود آسمانوں پر تجویز کیا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے بیٹے کو انبیاء کی فہرست میں شامل ہونے کی خوشخبری دی۔ یہیں حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ نے بے موسم پھلوں کی نعمت اور بغیر باپ کے بیٹے سے نوازا۔ اسی جگہ حضرت داود علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر شروع کی جس کی تکمیل ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنّوں سے کروائی۔ اسی جگہ سے خاتم المرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو تشریف لے گئے اور یہی وہ مقدس دھرتی ہے جس کی کوکھ میں سینکڑوں انبیاء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آسودۂ خاک ہیں۔ المختصر بیت المقدس وہ پاکیزہ جگہ ہے جہاں اللہ کی رحمتوں کا نزول تخلیقِ کائنات سے شروع ہو کر خاتمہ کائنات تک جاری رہے گا۔ وہ اس لیے کہ اس سرزمین نے بے شمار پیغمبروں کے قدموں کو چوما ہے۔

مسجدِ اقصیٰ اس دنیا کی دوسری قدیم اور تیسری مقدس ترین مسجد ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے 40 سال بعد مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ اس مسجد کا کل رقبہ 144000 مربع میٹر ہے جو کہ 35 ایکڑ کے برابر ہے۔ اس مسجد میں چار لاکھ نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجدِ اقصیٰ کے 11 دروازے ہیں جن میں اس وقت سات دروازے کھلے ہیں اور چار بند ہیں۔ ایک دروازہ سونے سے بنایا گیا ہے اس مسجد کے چار مینار ہیں جو 121 فٹ بلند ہیں۔ مسجد کا مرکزی ہال 272 فٹ لمبا اور 184 فٹ چوڑا ہے جس میں 5000 نمازی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ہال میں 45



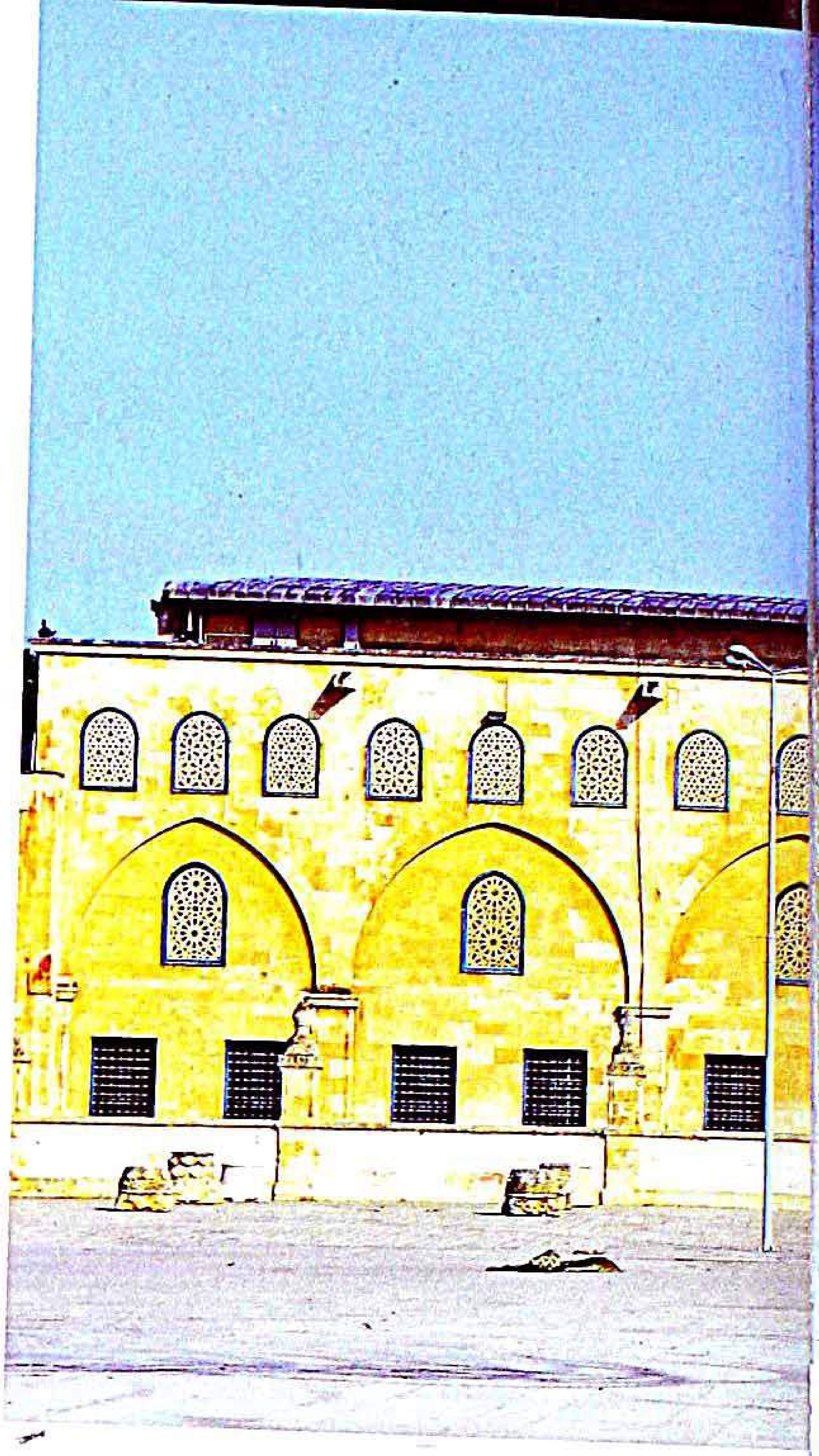


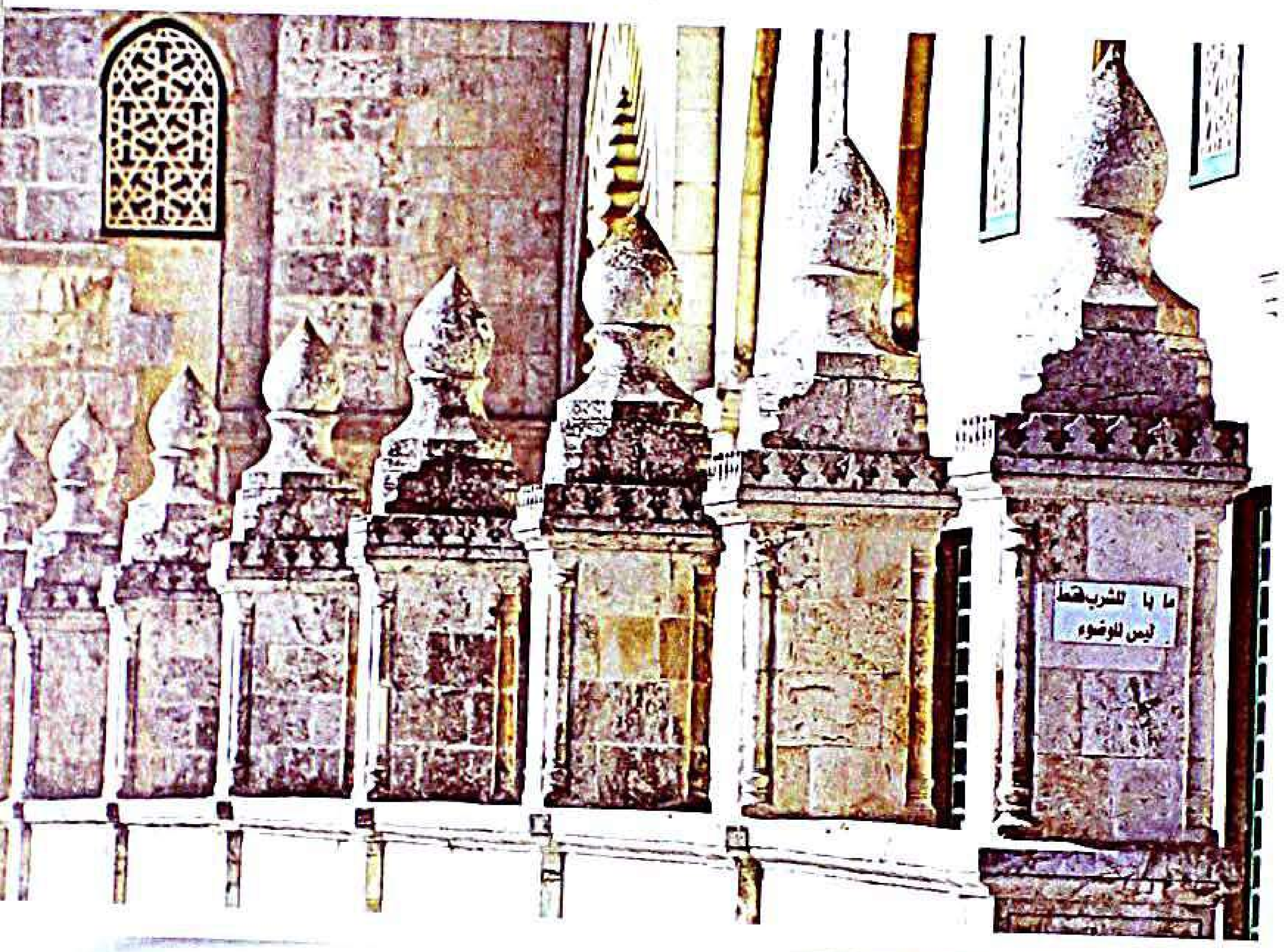
ستون ہیں جو اٹلی سے منگوائے گئے سنگِ مرمر سے تیار کیے گئے ہیں۔ 121 شیشے کی کھڑکیاں ہیں۔ مسجدِ اقصیٰ بیت المقدس (یروشلم) کے پرانے شہر میں واقع ہے۔

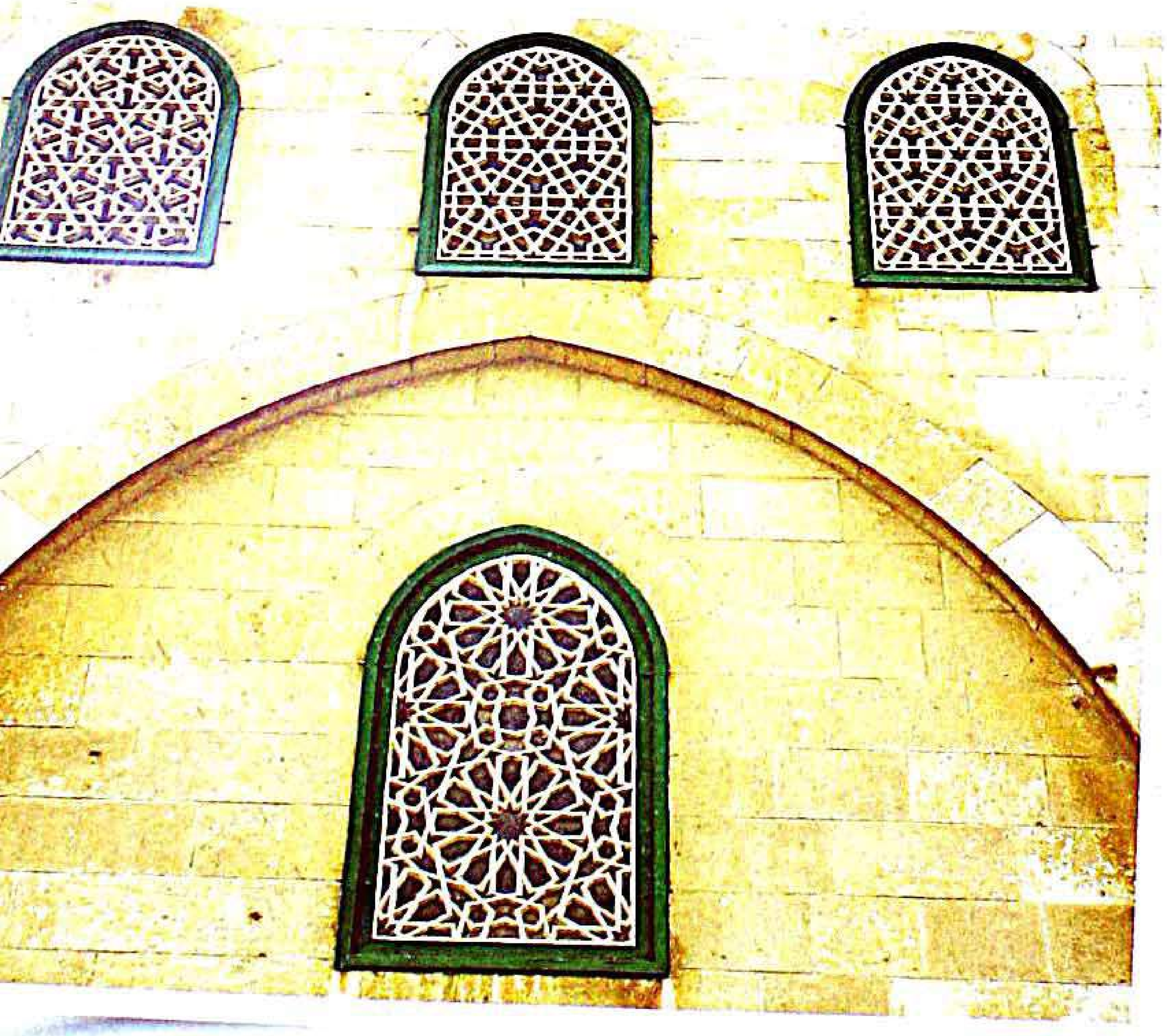
مسجدِ اقصیٰ وہی جگہ ہے جہاں سے آنحضور ﷺ کا مبارک سفرِ معراج شروع ہوا۔ اللہ کے حکم کی تعمیل میں حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کو مکہ سے بیت المقدس لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے تمام انبیاء کی نماز میں امامت فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ سفید براق پر سوار ہو کر سات آسمانوں سے بھی اوپر تشریف لے گئے۔

مسجدِ اقصیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی، لیکن بعد میں اموی خلیفہ عبدالملک نے اس میں توسیع شروع کروائی جسے 705ء میں اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک نے مکمل کروایا۔ 746ء میں ایک زلزلے نے اس مسجد کو نقصان پہنچایا اور عباسی خلیفہ المنصور نے 754ء میں اور بعد میں آنے والے خلیفہ المہدی نے 780ء میں اس مسجد کی نئے سرے سے تعمیر کروائی۔ 1033ء میں ایک اور زلزلے نے اس مسجد کو زبردست نقصان پہنچایا اور دو سال بعد فاطمی خلیفہ علی الظاہر نے مسجدِ اقصیٰ کی نئے سرے سے تعمیر کروائی اور اسی حالت میں یہ مسجد آج ہمیں نظر آ رہی ہے۔ بعد میں اسلامی حکمرانوں کے دور میں اس کی توسیع کا کام جاری رہا۔






ليس للوضوء





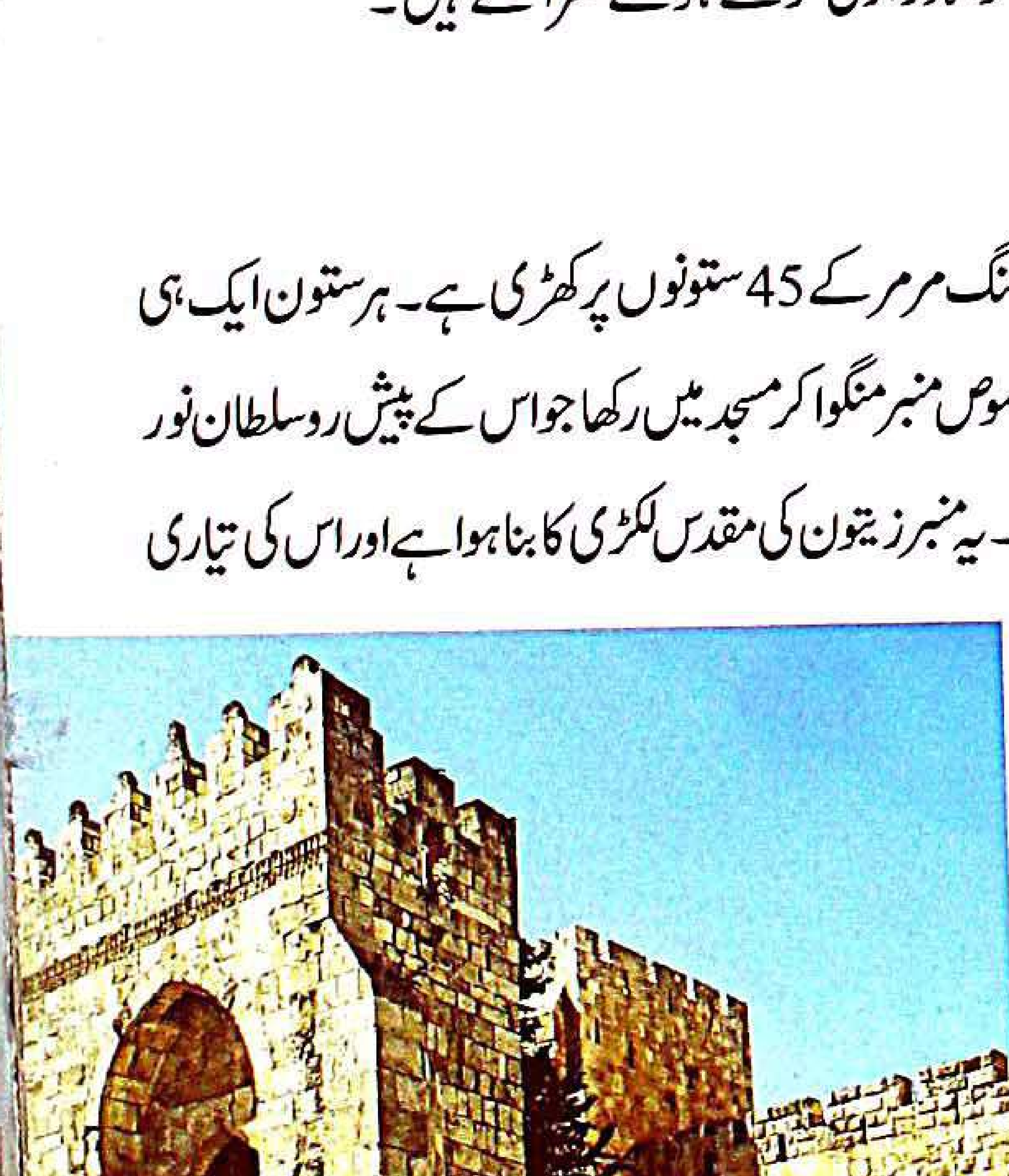
جب 492ھ/1099ء میں صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا تو انھوں نے مسجدِ اقصیٰ کو چرچ میں بدل دیا۔ گُرد سلطان صلاح الدین ایوبی نے 583ھ/1187ء میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے مسجد کو بحال کروایا۔ پھر ایوبیوں، مملوکوں اور عثمانیوں کے ادوار میں اس مسجد میں تبدیلی اور توسیع جاری رہی۔ آج بیت المقدس کا پرانا شہر اسرائیلیوں کے قبضے میں ہے لیکن مسجد کا انتظام فلسطینیوں کے پاس ہے۔ اس وقت مفتی محمد احمد حسین مسجدِ اقصیٰ کے چیف امام ہیں اور وہی یروشلم کے مفتیٔ اعظم ہیں، انھیں یہ عہدہ 2006ء میں فلسطین کے صدر محمود عباس نے تفویض کیا تھا۔

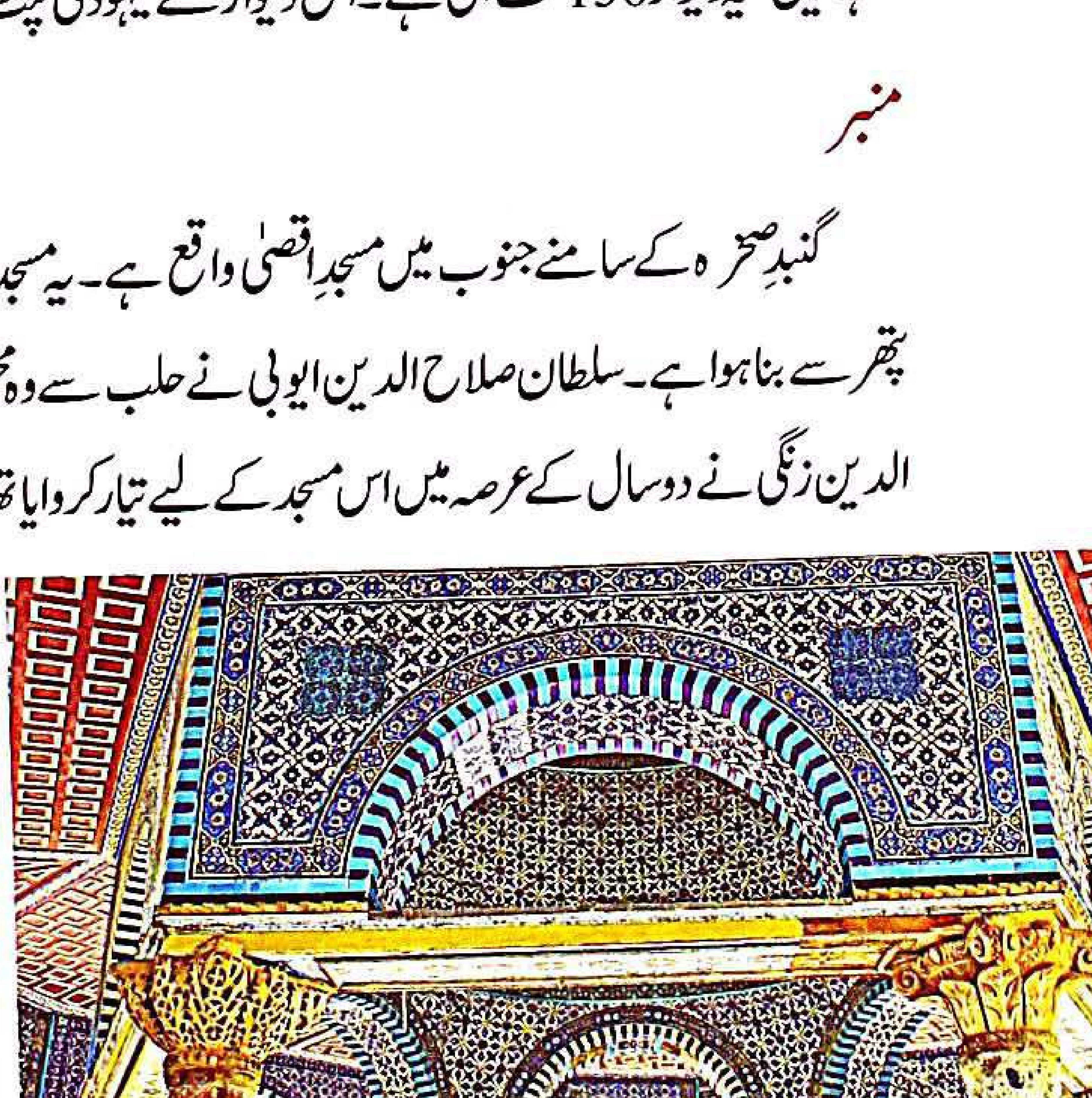
گنبدِ صخرہ

گنبدِ صخرہ بالکل اس جگہ پر ہے جہاں آنحضور ﷺ نے تمام انبیائے کرام کی نماز کی امامت کروائی اور اس کے قریب ہی آپ ﷺ نے اپنا براق باندھا تھا۔ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے جب مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر نئے سرے سے شروع کی تو مقدس صخرہ (چٹان) کے اوپر 691/92ء بمطابق 72/73ھ میں موجودہ سنہری گنبد تعمیر کروایا۔ یہ جگہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے لیکر عہدِ اسلام تک تاریخی روایات کی حامل رہی ہے۔ یہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے اور نبی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک عظیم الشان ہیکل تعمیر کروایا جو بعد میں 586 ق م میں بابل کے بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں تاراج ہوا۔ اس کے دروازے کے ساتھ آنحضور ﷺ نے اپنے براق کو باندھا تھا۔ مسجدِ اقصیٰ وقبۃ الصخرہ کے احاطے کی ایک دیوار یہودیوں کے نزدیک مقدس ہے۔ یہودی اپنی بربادی کو یاد کرتے ہوئے اسے دیوارِ گریہ (Wailling Wall) کہتے ہیں، یہ دیوار 156 فٹ لمبی ہے۔ اس دیوار سے یہودی لپٹ کر آہ وزاری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

منبر

گنبدِ صخرہ کے سامنے جنوب میں مسجدِ اقصیٰ واقع ہے۔ یہ مسجد سنگ مرمر کے 45 ستونوں پر کھڑی ہے۔ ہر ستون ایک ہی پتھر سے بنا ہوا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حلب سے وہ مخصوص منبر منگوا کر مسجد میں رکھا جو اس کے پیش رو سلطان نور الدین زنگی نے دو سال کے عرصہ میں اس مسجد کے لیے تیار کروایا تھا۔ یہ منبر زیتون کی مقدس لکڑی کا بنا ہوا ہے اور اس کی تیاری











میں کہیں بھی سریش (Glue) یا لوہے کی میخ استعمال نہیں کی گئی۔ یہ منبر آج بھی موجود ہے اور بالکل دیکھنے میں نیا نظر آتا ہے۔

گنبد صخرہ پر اُردن کے شاہ حسین نے 1994ء میں 80 کلو خالص 24 قراط سونے سے پالش کروائی۔ گنبد پر اس کی چمک اور سنہری آب و تاب پورے یروشلم میں ہر جگہ سے دیکھی جاسکتی ہے۔ خاص طور پر جب سورج طلوع ہو رہا ہو تو گنبد پر سے نظریں ہٹانا مشکل ہو جاتا ہے۔

مولانا محمد علی جوہر

مسجدِ اقصیٰ کے باب الحدید سے آگے باب المطہرہ کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کے ایک عظیم لیڈر محمد علی جوہر کا مزار ہے۔ 1930ء کے آخری ایام کی بات ہے، مولانا محمد علی جوہر اپنے بھائی شوکت علی کے ہمراہ لندن آئے ہوئے تھے، ذیابیطس کی وجہ سے 4 جنوری 1931ء کو آپ کی لندن میں وفات ہوگئی۔ انھوں نے گول میز کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''میں ایک غلام ملک میں واپس نہیں جاسکتا۔ میں ایک غیر لیکن آزاد ملک میں مرنے کو ترجیح دوں گا۔'' ان کی عالمِ اسلام کی خدمات کے پیش نظر انھیں بیت المقدس لاکر دفن کیا گیا۔ اسی جگہ مولانا محمد علی جوہر کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ بیت المقدس میں سینکڑوں انبیائے کرام اور اصحابِ رسول ﷺ بھی مدفون ہیں۔

ترکی

ترکی اناطولیہ (ایشیائے کوچک) اور یورپی ترکی (مشرقی تھریس) پر مشتمل ہے۔ ایشیائی ترکی کے شمال میں بحیرۂ اسود، جنوب میں عراق، شام اور بحیرۂ روم، مشرق میں آرمینیا اور ایران اور شمال مشرق میں جارجیا واقع ہے۔ آبنائے باسفورس، بحیرۂ مرمرا اور درہ دانیال ایشیائی ترکی کو یورپی ترکی سے جدا کرتے ہیں جبکہ یورپی ترکی کے مغرب میں یونان اور شمال مغرب میں بلغاریہ واقع ہیں۔ بحیرۂ مرمرا اور آبنائے باسفورس کے سنگم پر تاریخی شہر استنبول (قسطنطنیہ) واقع ہے۔

ترکی کا رقبہ 779452 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی تقریباً 8 کروڑ ہے۔ موجودہ دارالحکومت انقرہ ہے جس کی آبادی تقریباً 30 لاکھ ہے جبکہ اس سے پہلے 1453ء سے 1923ء تک قسطنطنیہ عثمانی دارالسلطنت ردارالخلافہ رہا تھا۔ انقرہ پہلے انگورہ کہلاتا تھا۔ 1930ء میں انگورہ کے بجائے اس کا عربی نام انقرہ اختیار کرلیا گیا اور قسطنطنیہ بھی سرکاری طور پر استنبول کہلانے لگا جس کی آبادی اب 80 لاکھ سے زائد ہے اور یہ ملک کا سب سے بڑا شہر ہے۔ ازمیر (سمرنا)، ادرنہ (ایڈریانوپل)، دیاربکر، ملطیہ، قیصری، ارزروم، قونیہ، طرابزون، عدانا، بُرصہ، العزیز (Elazig)، افیون، اِسکی شہر، مرسین، انطاکیہ اور اسکندرون مشہور شہر ہیں۔ بحیرۂ اسود کے ساحل پر ''اُردو'' نامی شہر بھی ہے۔ ترکی سے دریائے فرات اور دریائے دجلہ نکل کر شام اور عراق میں بہتے ہیں۔ ترکی کے دیگر دریا سقاریہ، قزل ایرماق اور سیحان وجیحان ہیں۔ مشرقی ترکی میں جھیل وان بہت بڑی ہے۔ ترکی کا بیشتر علاقہ سطح مرتفع یا کوہستانی ہے۔ آرمینیا کی سرحد کے پاس کوہ ارارات 5168 میٹر بلند ہے جسے قرآن میں کوہ جودی کہا گیا ہے، یہیں طوفانِ نوح کے بعد کشتیِ نوح اتری تھی۔ ترکی میں اسے اغری داغ کہا جاتا ہے (داغ بمعنی پہاڑ)۔

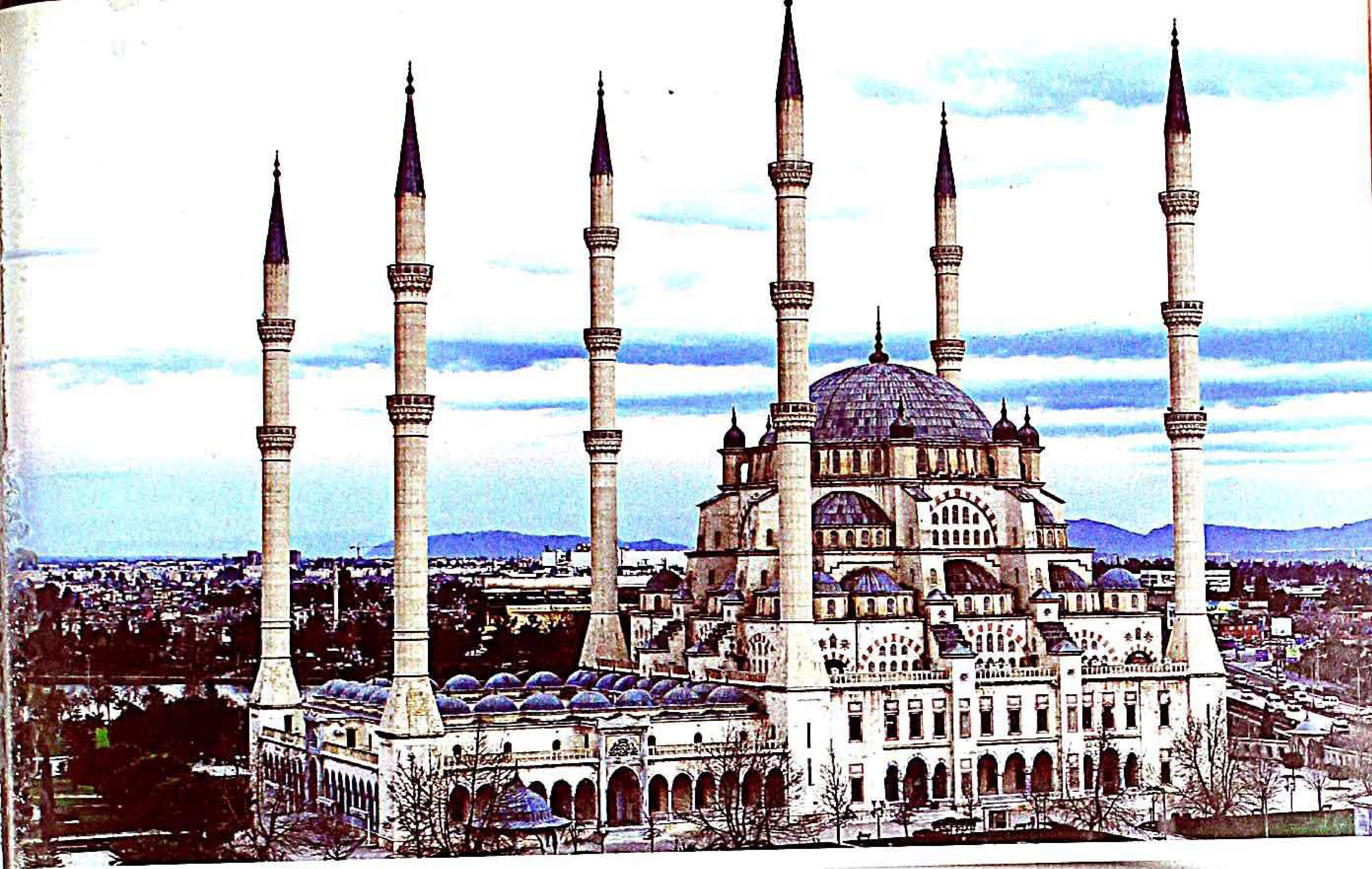
ترکی کی زرعی پیداوار میں تمباکو، گندم، مکئی، جو، چاول، چقندر، کپاس، چائے قابلِ ذکر ہیں۔ معدنیات میں کوئلہ، لوہا، کرومیم، تانبا اور گندھک شامل ہیں۔ طب کی ایک اہم دوا ''مصطگی رومی'' ترکی کے جزیرے ساقز (Chios) سے حاصل



ہوتی ہے۔ صنعتوں میں فولاد سازی، کیمیکلز، پارچہ بافی، قالین اور اغذیہ شامل ہیں۔

ایشیائے کوچک مدتوں ایران و یونان اور پھر ایران و روم کی جنگوں کا مرکز رہا۔ عہد فاروقی میں اسلام جنوبی ترکی میں وارد ہوا جب اسلامی عساکر نے نصیبین، حرّان، الرہا (موجودہ اورفا)، سمیساط، میافارقین، ماردین اور خلاط فتح کر لیے۔ نصیبین وہ تاریخی شہر ہے جہاں سے جن مکہ کی وادی نخلہ میں آئے تھے اور نبی ﷺ سے قرآن سن کر مسلمان ہو گئے تھے۔ 1071ء میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے جنگ ملازکرد میں قیصر روم دیوجانوس رومانوس کو شکست دے کر گرفتار کر لیا تھا اور اناطولیہ کا بیشتر حصہ اسلامی عملداری میں آ گیا۔ 699ھ/1300ء میں یہاں عثمانی سلطنت قائم ہوئی جو 923ھ/1517ء میں خلافت میں بدل گئی۔ 2 مارچ 1924ء کو مصطفیٰ کمال کے ہاتھوں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا چونکہ مسلمانوں نے قسطنطنیہ کی بازنطینی رومی سلطنت (قرآن کے الفاظ میں الروم) سے اناطولیہ کا علاقہ چھینا تھا، اس لیے سلجوقی دور میں اس علاقے کو الروم ہی کہا جاتا تھا۔ اسی لیے قونیہ جا بسنے والے مولانا جلال الدین کو مولانا روم کہا جاتا ہے۔





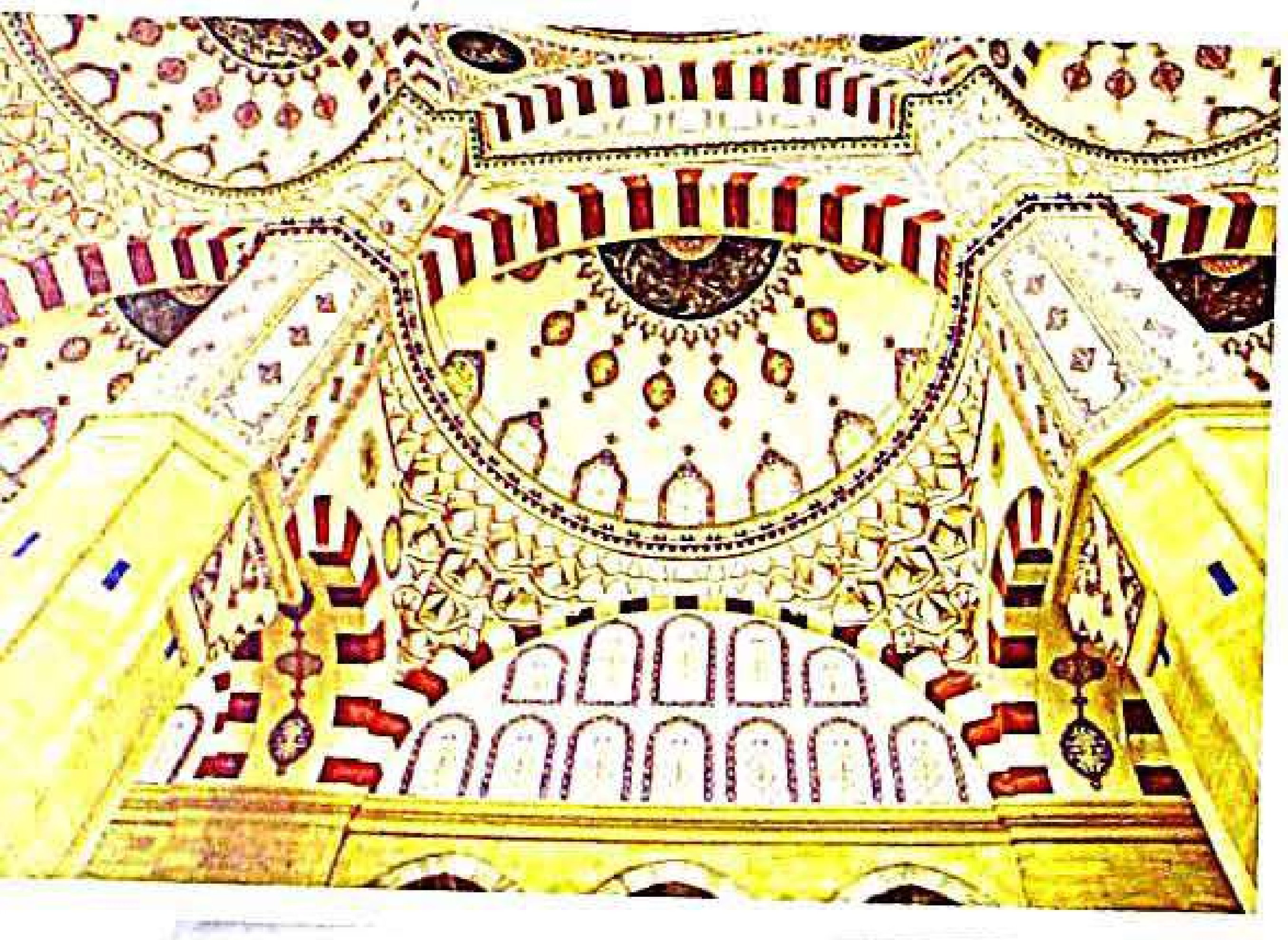
سبانسی مرکزی مسجد، ادانا (ترکی)

ادانا یا عدانا (عربی میں اذنہ) میں سبانسی مرکزی مسجد ترکی میں سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس مسجد کا بیرونی ڈیزائن استنبول کی سلطان احمد مسجد (نیلی مسجد) سے مشابہ ہے۔ 566,200 مربع فٹ پر تعمیر ہونے والی یہ مسجد 1998ء میں نمازیوں کے لیے کھول دی گئی۔ اس کا مسقّف حصہ 71044 مربع فٹ ہے۔ یہ مسجد ترکش ریلیجس فاؤنڈیشن اور سبانسی فاؤنڈیشن کے باہمی اشتراک سے تعمیر کی گئی۔ مسجد کی نظامت ادانا شہر کے صوبائی دفتر کے مفتی کے پاس ہے۔ اس میں 28500 نمازیوں کی گنجائش موجود ہے۔

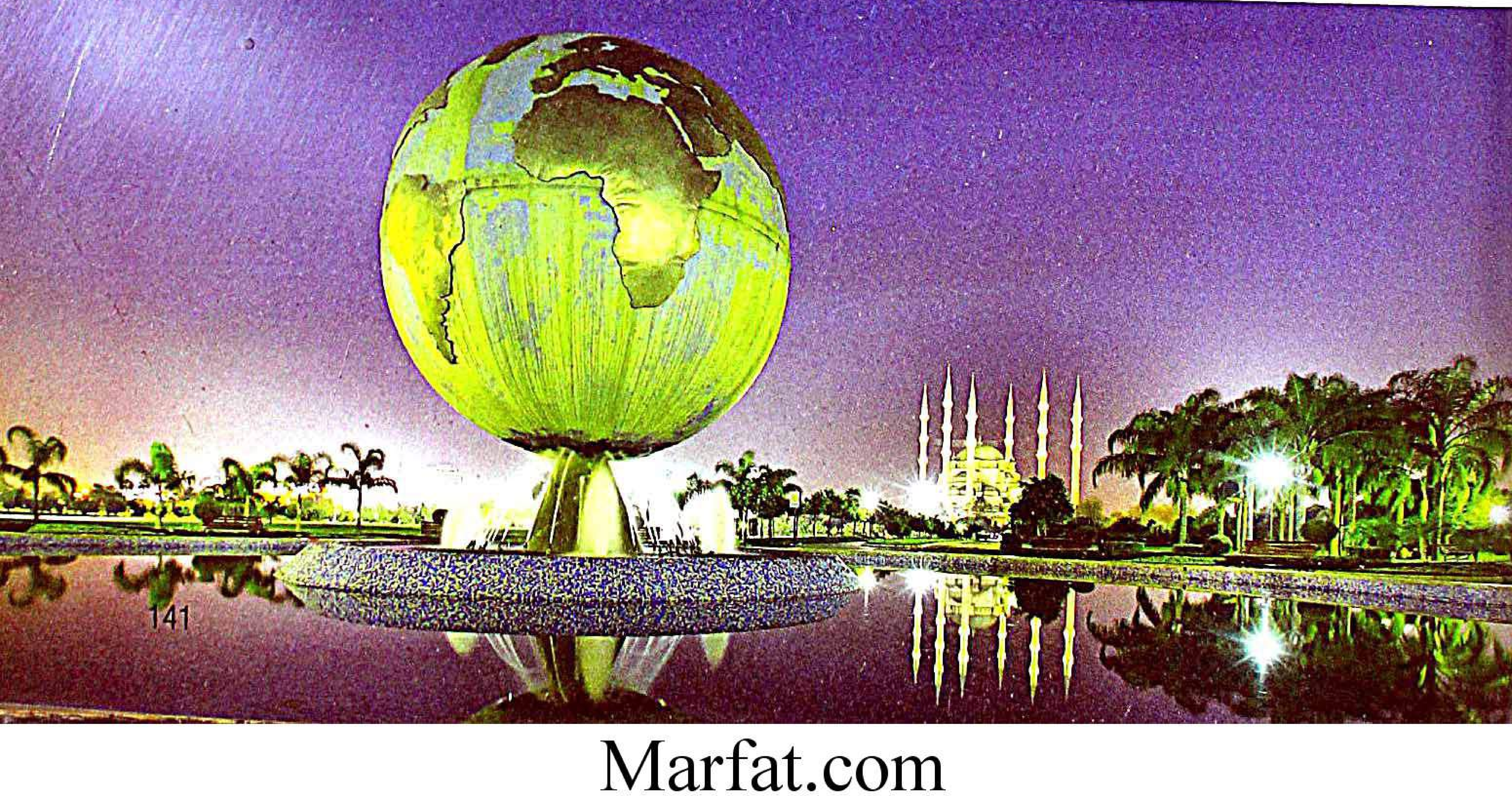
سبانسی مسجد شہر کے اس حصے میں واقع ہے جہاں بیرونی شہروں سے آنے والی ریلوے اور سڑکیں اکٹھی ہوتی ہیں۔ یاد رہے ادانا ترکی کے وسط جنوب میں دریائے سیحان کے کنارے آباد ہے اور مولانا روم کے شہر قونیہ سے 300 کلومیٹر اور ترکی کے دارالحکومت انقرہ سے 650 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس مسجد کے چھ فلک بوس مینار ہیں، چار مینار مسجد کے مرکزی حصے میں ہیں، ان کی بلندی 325 فٹ ہے جبکہ پچھلے والے دو مینار 246 فٹ بلند ہیں۔ یہ مسجد دریائے سیحان کے کنارے تعمیر کی گئی ہے۔ دریا کے دوسرے کنارے پہ کھڑے ہو کر دیکھیں تو پانی کی لہروں پر مسجد کا عکس بڑا دلفریب منظر پیش کرتا ہے۔ مسجد کے مرکزی ہال کے اوپر آٹھ ستونوں پر گنبد بنایا گیا ہے۔ گنبد کا قطر 105 فٹ اور فرش سے اس کی



بلندی 177 فٹ ہے۔ مسجد کے صحن میں خوبصورت فوارہ بھی مسجد کے حسن میں اضافے کا باعث ہے۔ مسجد میں خطاطی اور خوش نویسی کا کام حسین کتلو کے ہاتھوں کا کمال ہے۔ گلکاری اور نقاشی کا دیدہ زیب کام ایم۔ سمیع نے کیا ہے۔ مسجد کے محراب و منبر اور اندرونی و بیرونی دروازے سب سنگِ مرمر سے بنائے گئے ہیں۔ بحیثیت مجموعی مسجد کی تعمیر میں عثمانی طرزِ تعمیر نمایاں ہے۔ شیشہ کاری کا کام انجینئر عبدالقادر اور علی توران نے کیا ہے۔



مسجد کے اونچے مینار کنکریٹ سے بنائے گئے ہیں۔ ان کا رنگ ہاتھی کے دانتوں جیسا ہے۔ بلند میناروں کے اوپر ایسا ریڈیو سسٹم لگایا گیا ہے۔ جہاں سے اس مسجد کے خطیب کا وعظ مخصوص فریکوئنسی کے ذریعے نشر کیا جاتا ہے جو ساٹھ کلومیٹر کے دائرے کی 300 مساجد میں سنا جاسکتا ہے۔ مسجد سے ملحق ڈیجیٹل لائبریری بھی ہے جو ریسرچ کا کام کرنے والے سکالروں اور عوام کے لیے کھلی رہتی ہے۔ مسجد کے ساتھ ہی کلاس روم، اعتکاف کے کمرے، امام، خطیب اور مؤذن کے کمرے بھی بنائے گئے ہیں۔ خاص مذہبی تہواروں پر شہد کا شربت مہمانوں اور نمازیوں کو پیش کیا جاتا ہے۔

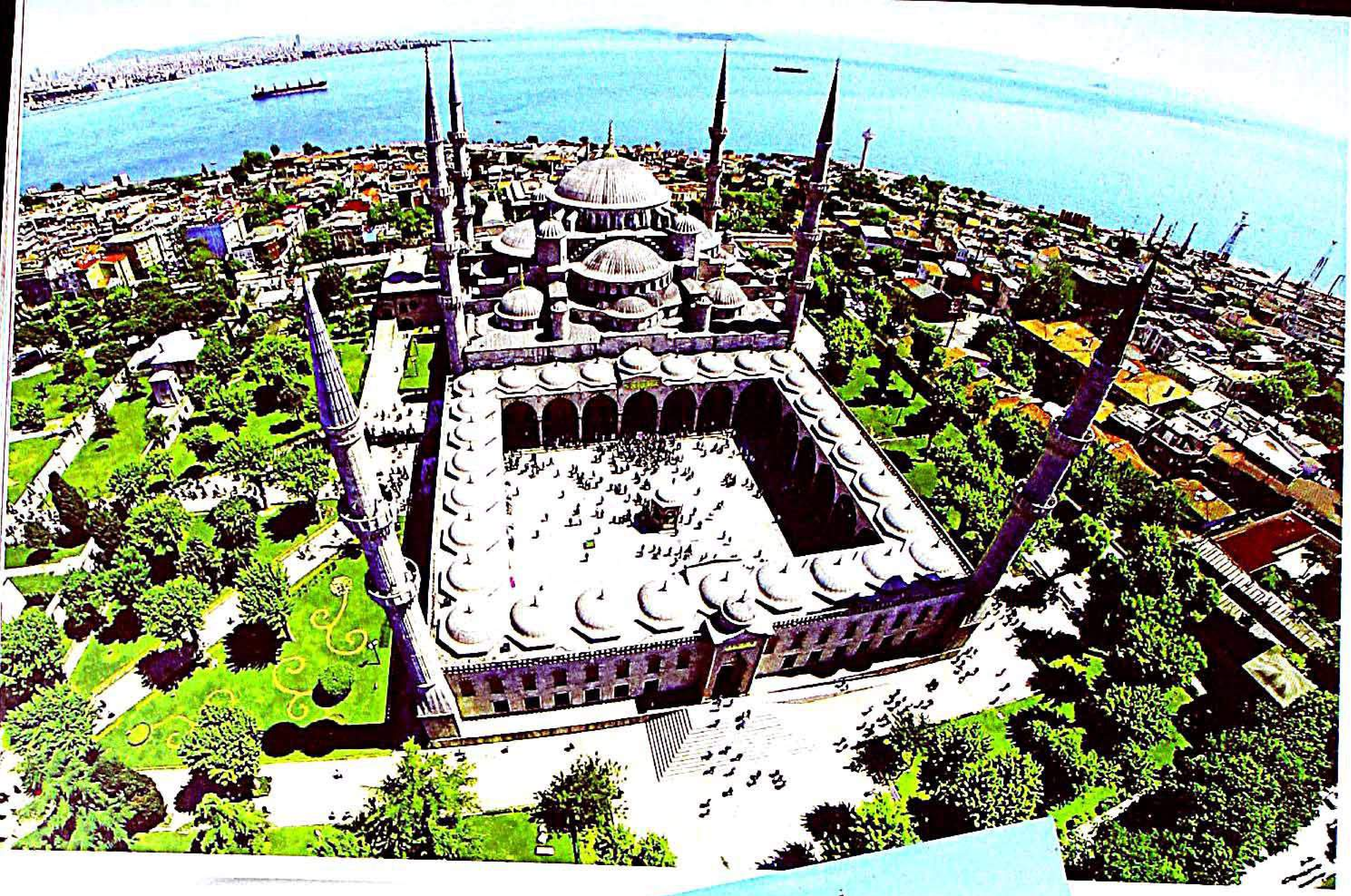


سلطان احمد مسجد، استنبول (ترکی)

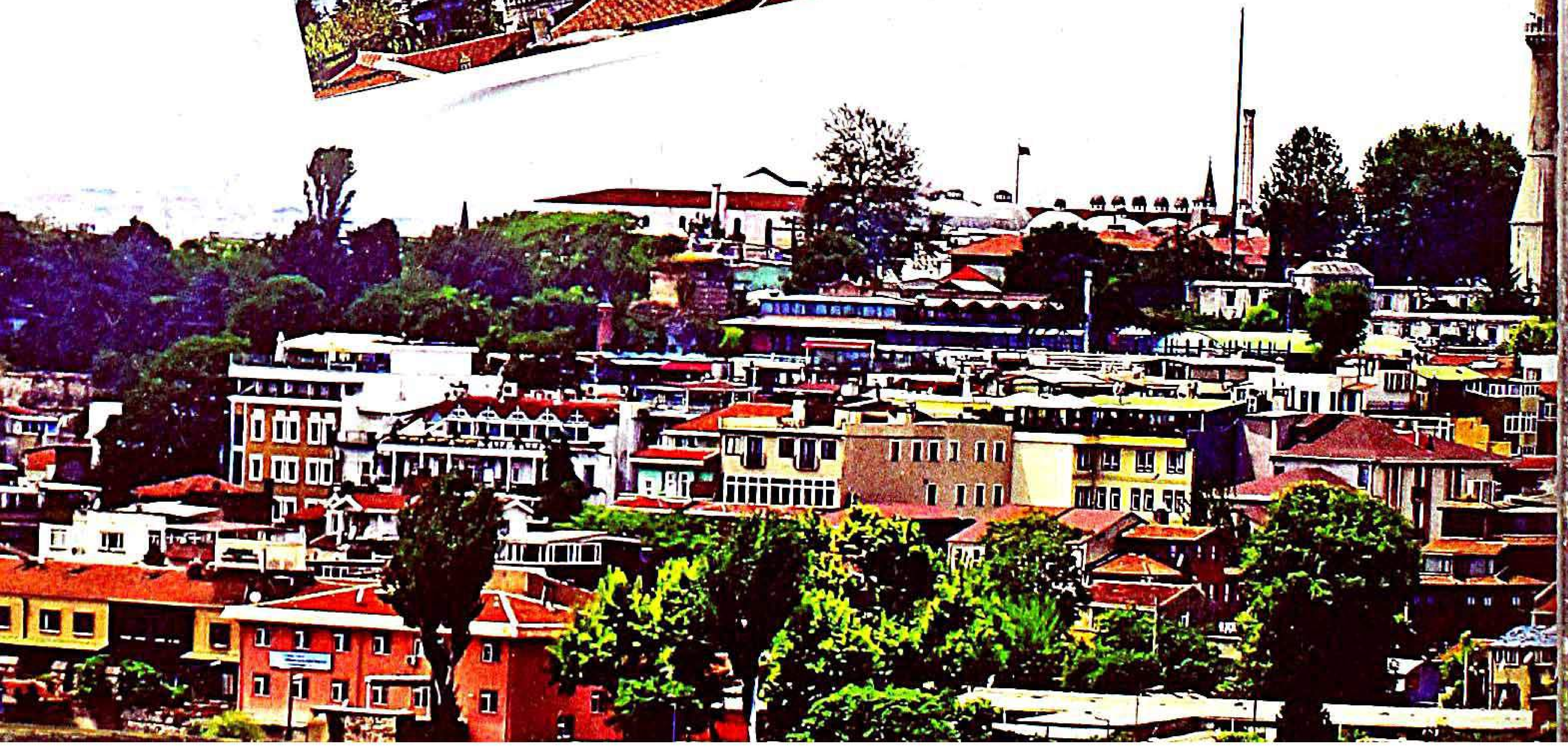
استنبول کی یہ مسجد تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ اس کا شمار ہر دور میں دنیا کی خوبصورت مساجد میں کیا گیا ہے۔ سلطنتِ عثمانیہ کے سلطان احمد (1012-26ھ/1603-17ء) کی خواہش کے مطابق اس کا نقشہ تیار کیا گیا۔ اسے عرفِ عام میں نیلی (Blue) مسجد کہا جاتا ہے، وہ اس لیے کہ اس کی دیواروں پر بیس ہزار نیلے رنگ کی ٹائلیں استعمال کی گئی ہیں۔ راقم نے اس مسجد کی زیارت کی ہے۔ 1609ء میں سلطان احمد نے شہر کے نامور علمائے کرام اور مشائخ کی موجودگی میں اس کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اس وقت سلطان کی عمر صرف 19 سال تھی۔ سات سال کی تعمیر کے بعد 1616ء میں یہ عظیم مسجد مکمل ہوئی۔

نیلی مسجد کے چھ مینار اور آٹھ گنبد ہیں۔ بڑے مرکزی گنبد کا قطر 77 فٹ ہے اور یہ 140 فٹ بلند ہے جبکہ چھ میناروں کی بلندی 195 فٹ ہے۔ اتنی بلند ہونے کی وجہ سے یہ مسجد اپنے گنبدوں کے ساتھ نمایاں نظر آتی ہے۔ 225 فٹ لمبی اور 210 فٹ چوڑی اس مسجد میں دس ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔ سابق پاپائے بینی ڈکٹ نے 30 نومبر 2006ء کو اس مسجد کی

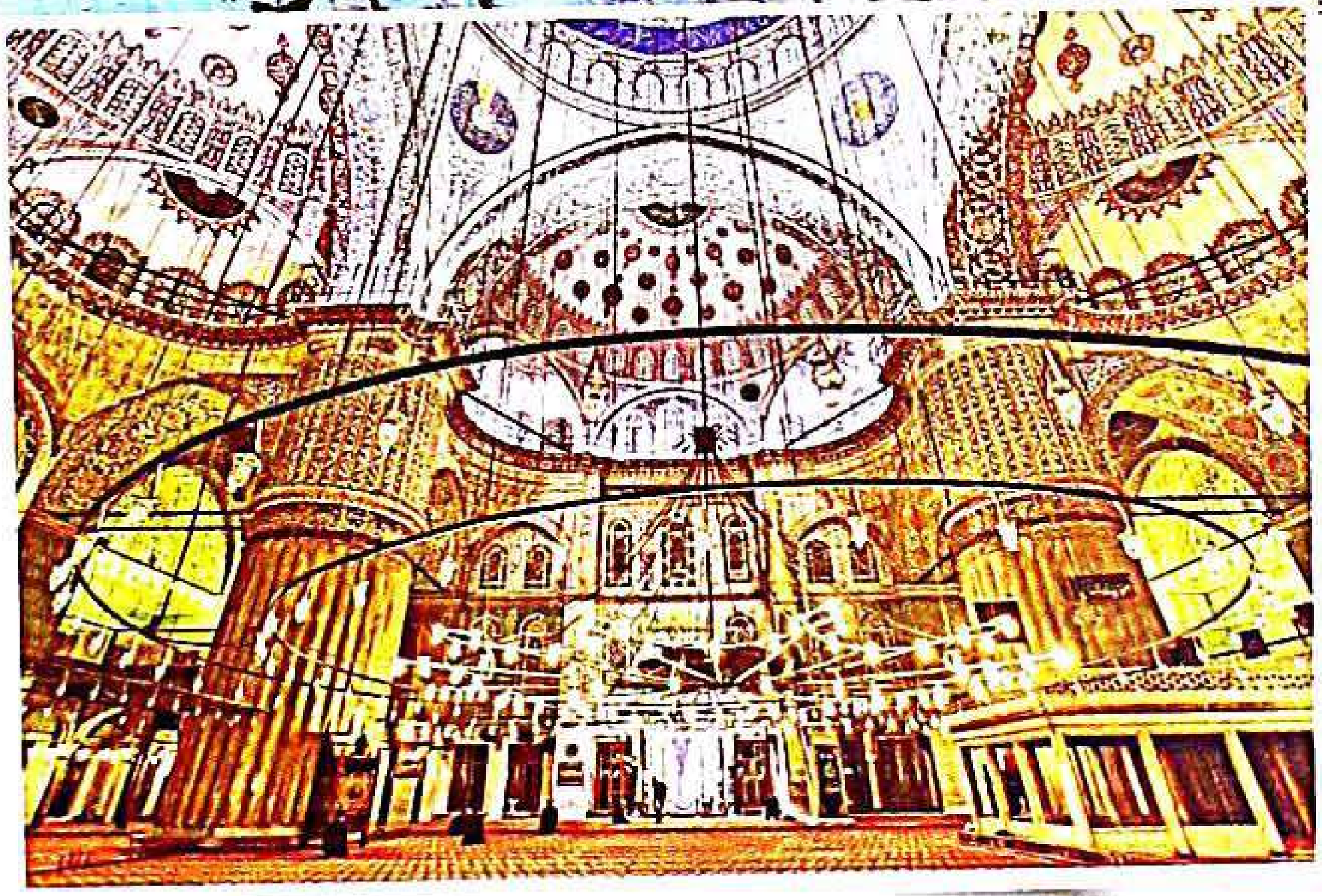












زیارت کی۔ پوپ اپنے جوتے اتار کر مسجد کے داخلی دروازے کے پاس احتراماً آنکھیں بند کر کے دومنٹ خاموشی سے کھڑا رہا جبکہ اس کے برابر مفتی امام مصطفیٰ ساتھ کھڑے تھے۔ امریکہ کے موجودہ صدر بارک حسین اوباما بھی اپنے دورۂ ترکی کے دوران 7 اپریل 2009ء کو اس خوبصورت مسجد کو دیکھنے کے لیے آئے۔

چار صدیاں گزرنے کے باوجود نیلی مسجد اب بھی دنیا کی خوبصورت مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ اسے دیکھنے کے لیے ہر سال لاکھوں سیاح آتے ہیں اور سلطان احمد کے لیے دعا کرتے ہیں جو اسی مسجد کی دیوار کے زیرِ سایہ مدفون ہیں۔



نئی مسجد (ینی جامع)، استنبول (ترکی)

یہ مسجد سلطنتِ عثمانیہ کی ایک اور خوبصورت یادگار ہے جو استنبول شہر میں آبنائے باسفورس کے کنارے شاخِ زریں (Golden Horn) پر غلطہ پل کے پاس واقع ہے۔ راقم کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہ مسجد اور پل، دونوں یادگاریں دیکھی ہوئی ہیں۔ اس مسجد کی تعمیر سلطان مراد سوم (95-1574ء) کی بیوی صفیہ سلطانہ کے حکم پر 1597ء میں شروع کی گئی۔ پہلا ماہرِ تعمیرات انجینئر داؤد آغا تھا جس نے اس مسجد کا ڈیزائن تیار کیا تھا۔ قدرتِ الٰہی سے داؤد آغا 1599ء میں وفات پا گیا اور دوسرے ماہر احمد کاؤس نے اس کی جگہ کام کا آغاز کیا۔ تعمیر کا کام حوادثِ زمانہ کی وجہ سے سست روی کا شکار رہا اور اس مسجد کی تعمیر نصف صدی سے زیادہ عرصہ جاری رہی۔ اس دوران میں تعمیر کردہ کچھ حصہ 1660ء میں آگ کی نذر ہو گیا تو شاہی ماہرِ تعمیرات مصطفیٰ آغا نے سلطان محمد چہارم (87-1648ء) کی والدہ کو مشورہ دیا کہ مسجد کی تعمیر کا کام ترجیحی بنیادوں پر مکمل کروایا جائے۔ آخر کار 1665ء میں یہ مسجد مکمل ہو گئی اور اس کا افتتاح 1666ء میں کر دیا گیا۔

اس مسجد کے 66 چھوٹے گنبد اور درمیان میں ایک بڑا مرکزی گنبد ہے۔ دو مینار 171 فٹ بلند ہیں۔ مسجد کا ڈیزائن سلطان احمد مسجد (نیلی مسجد) سے مشابہت رکھتا ہے۔ مسجد کا اندرونی ہال 135 فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہے۔ چاروں کونوں



پر چار ستون ہیں جن کے سہارے بڑا گنبد کھڑا ہے، گنبد کا قطر 58 فٹ ہے اور اس کی فرش سے بلندی 118 فٹ ہے۔ گنبد کے اندر چاروں کونوں میں چاروں خلفائے راشدین کے نام نہایت خوبصورت انداز میں تحریر کیے گئے ہیں۔ مسجد کا اندرونی صحن نیلی، سبز اور سفید ٹائلوں سے آراستہ ہے۔ محراب پر سنہری کاشی کاری کی گئی ہے اور منبر کے اوپر ہلکا سا مخروطی سائبان بنایا گیا ہے۔ عثمانی طرزِ تعمیر کی روایت برقرار رکھتے ہوئے اس مسجد سے ملحق ایک مکمل کمپلیکس بنایا گیا جس میں ایک مدرسہ، وضو خانے اور روایتی ترک حمام بنائے گئے ہیں۔ سلطان احمد سوم (1703-30ء) کے دور میں ایک شاندار لائبریری کا بھی اضافہ کر دیا گیا جس میں بڑی تعداد میں اسلامی اور تاریخی کتب رکھی گئی ہیں۔







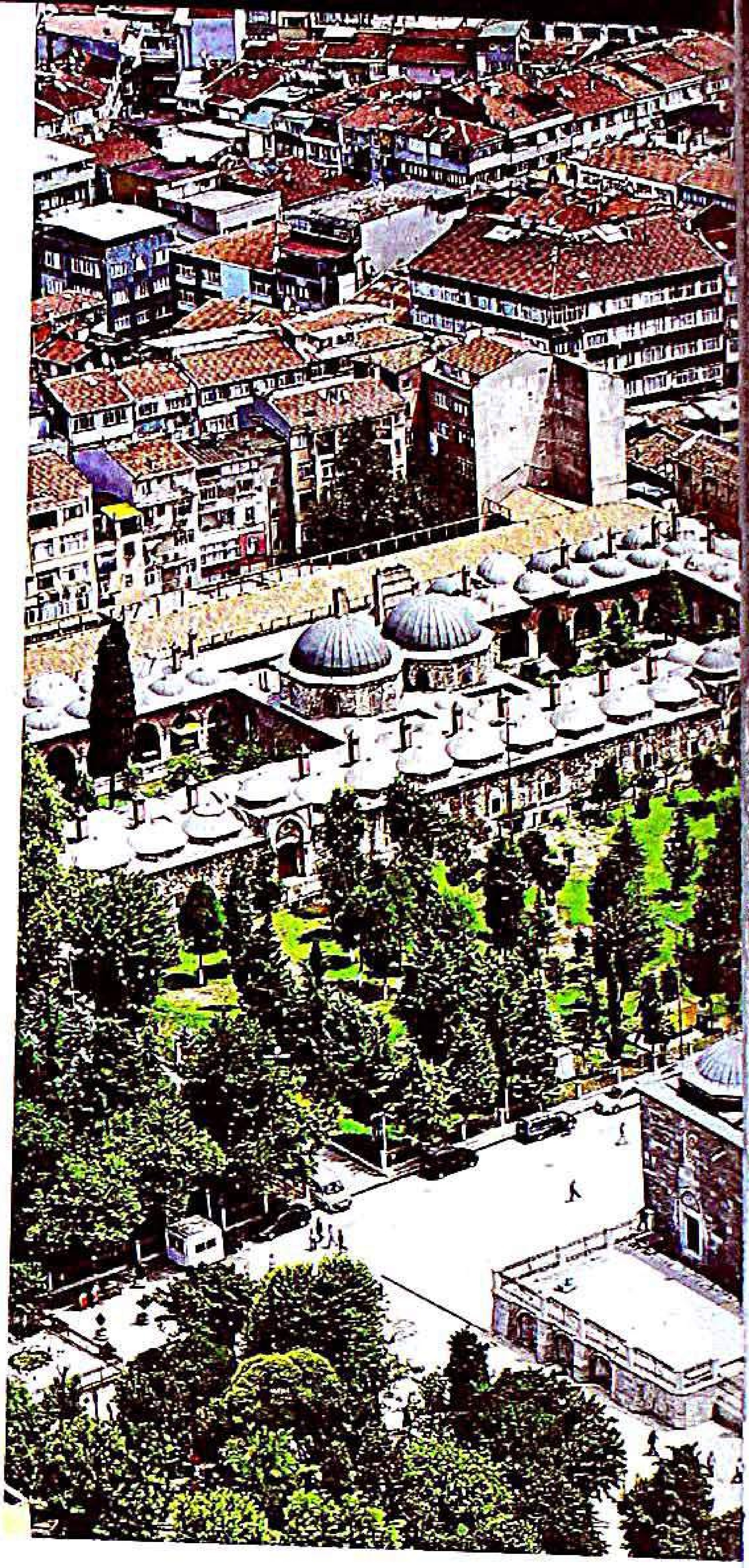


سلیمانیہ مسجد، استنبول (ترکی)

ترکی کے عثمانی دور میں بنائی گئی یہ ایک شاہی مسجد ہے جو استنبول شہر کی تیسری پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ استنبول شہر کی نہ صرف ایک خوبصورت بلکہ سب سے بڑی مسجد ہے۔ سلیمانیہ مسجد سلطان سلیمان اعظم (66-1520ء) کے حکم پر تعمیر کی گئی۔ اس مسجد کا سنگِ بنیاد 1550ء میں رکھا گیا اور یہ 1558ء میں مکمل ہوگئی۔ سلیمانیہ مسجد عثمانی فنِ تعمیر کا ایک بہترین شاہکار ہے۔

اس مسجد کا بڑا گنبد 174 فٹ بلند ہے جبکہ گنبد کا قطر 90 فٹ ہے۔ اس کی تعمیر کے وقت یہ گنبد پوری سلطنتِ عثمانیہ میں سب سے اونچا تھا۔ اس مسجد کے چار مینار ہیں اور ہر ایک کی بلندی 237 فٹ ہے۔ مسجد کا مرکزی ہال تقریباً مربع شکل کا ہے جو 194 فٹ لمبا اور 190 فٹ چوڑا ہے۔ مسجد کے محراب اور منبر سفید سنگِ مرمر (ماربل) سے بنائے گئے ہیں۔ اس مسجد کو شاہی دربار کے ماہرِ تعمیرات سنان نے ڈیزائن کیا تھا۔ اس کی قبر بھی مسجد کی بیرونی دیوار کے پاس ہے جبکہ سلطان سلیمان اور اس کی بیگم کے مزارات مسجد کے بائیں باغ میں موجود ہیں۔









برونائی

برونائی جزیرہ بورنیو کے شمالی ساحل پر واقع چھوٹا سا ملک ہے۔ یہ تین طرف سے ملائیشیا کی ریاستوں صباح اور سراوک میں گھرا ہوا ہے اور اس کے شمال میں بحیرۂ چین جنوبی موجزن ہے۔ برونائی کا رقبہ 5765 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 4 لاکھ کے قریب ہے۔ برونائی 5 درجے عرض بلد شمالی اور 115 درجے طول بلد مشرقی پر پڑتا ہے۔ ملک کا سرکاری نام برونائی دارالسلام ہے جبکہ دارالسلطنت بندر سری بیگوان دارالسلام ہے جس کی آبادی تقریباً پون لاکھ ہے۔ بندر سری بیگوان دریائے برونی کے دہانے سے آٹھ نو میل دور واقع بندرگاہ ہے۔ ملک میں ملائی اور انگریزی سرکاری زبانیں ہیں جبکہ چینی بھی بولی جاتی ہے۔

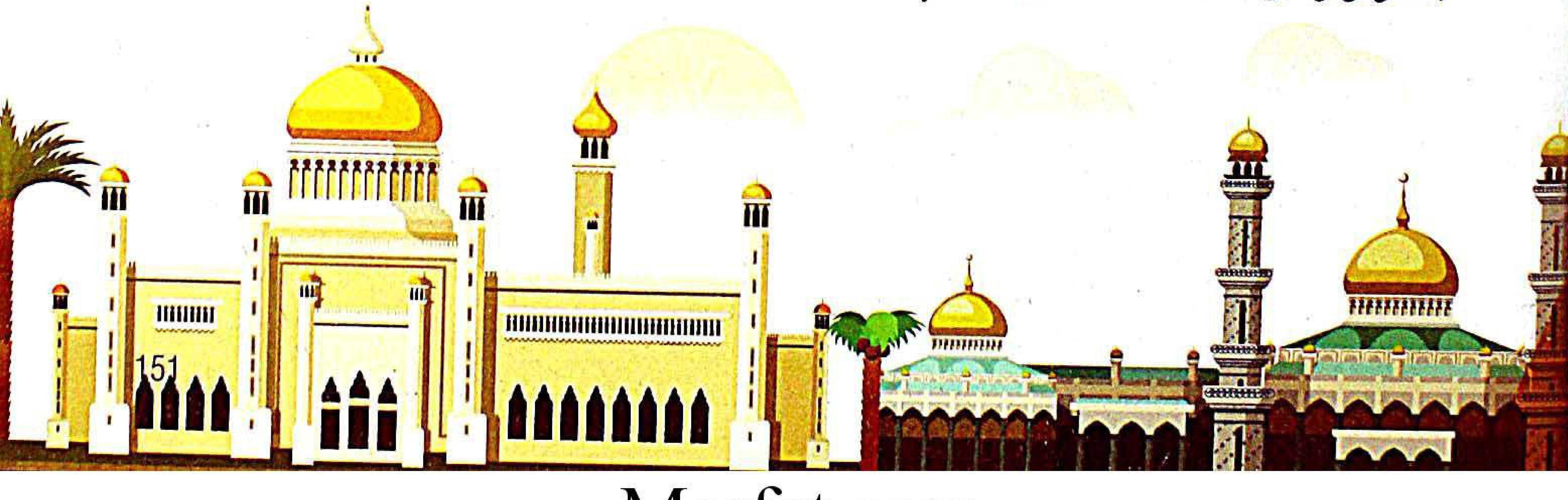
برونائی کی 80 فیصد آبادی مسلمان ہے جبکہ باقی عیسائی اور بدھ ہیں۔ مسلمان شافعی مسلک کے پیروکار ہیں۔ ملک کی زرعی پیداوار میں چاول اور کیلا قابل ذکر ہیں۔ معدنی پیداوار تیل و گیس ہے اور 90 فیصد ملکی آمدنی اسی کی برآمد سے حاصل ہوتی ہے۔ دارالحکومت کے علاوہ موارا اور سیریا اہم شہر ہیں۔


ساتویں صدی ہجری میں ملائیشیا میں مسلم تاجروں کی آمد ہوئی اور جزیرہ بورنیو میں اسلام پھیلنے لگا۔ 828ھ/1425ء میں برونی (برونائی) کا راجہ اوانگ الک بیتار سلطان ملاکا (ملایا) محمد شاہ سے ملاقات کے لیے گیا۔ اس ملاقات کے نتیجے میں اوانگ نے اسلام قبول کر لیا اور سلطان محمد کہلایا۔ اس کے عہد میں سلطان برکت نامی ایک عرب مبلغ برونی آیا اور اس کی تبلیغ سے برونی کے طول و عرض میں اسلام پھیل گیا۔ سلطان نے اپنی بھتیجی کی شادی سلطان برکت سے کر دی۔ سلطان برکت نے برونی میں ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کی۔ سولھویں صدی عیسوی کے اوائل میں سلطان برونی کی حکومت پورے بورنیو اور فلپائن کے بڑے حصے پر محیط تھی، پھر پرتگالیوں کی آمد سے اس میں انحطاط آ گیا۔ پرتگالیوں کے بعد یہاں ولندیزیوں اور انگریزوں کا عمل دخل رہا۔ (1306ھ/1888ء) میں سلطان برونی نے اپنی ریاست برطانوی حمایت (Protectorate) میں دے دی۔ 1971ء میں برونی کو داخلی خود مختاری ملی اور



1984ء میں اس نے برونائی کے نام سے آزادی حاصل کرلی۔

برونائی دولت مشترکہ اور اسلامی کانفرنس کا رکن ہے۔ اس وقت برونائی میں سلطان حسن البولکیا برسر اقتدار ہیں جو سلطان عمر علی سیف الدین کے جانشین فرزند ہیں۔ برونائی کا شمار تیل برآمد کرنے والے بڑے ملکوں میں ہوتا ہے۔ برونائی کی فی کس آمدنی 39355 امریکی ڈالر ہے جبکہ 1.25 برونائی ڈالر ایک امریکی ڈالر کے مساوی ہے۔





سلطان عمر علی سیف الدین مسجد (برونائی)

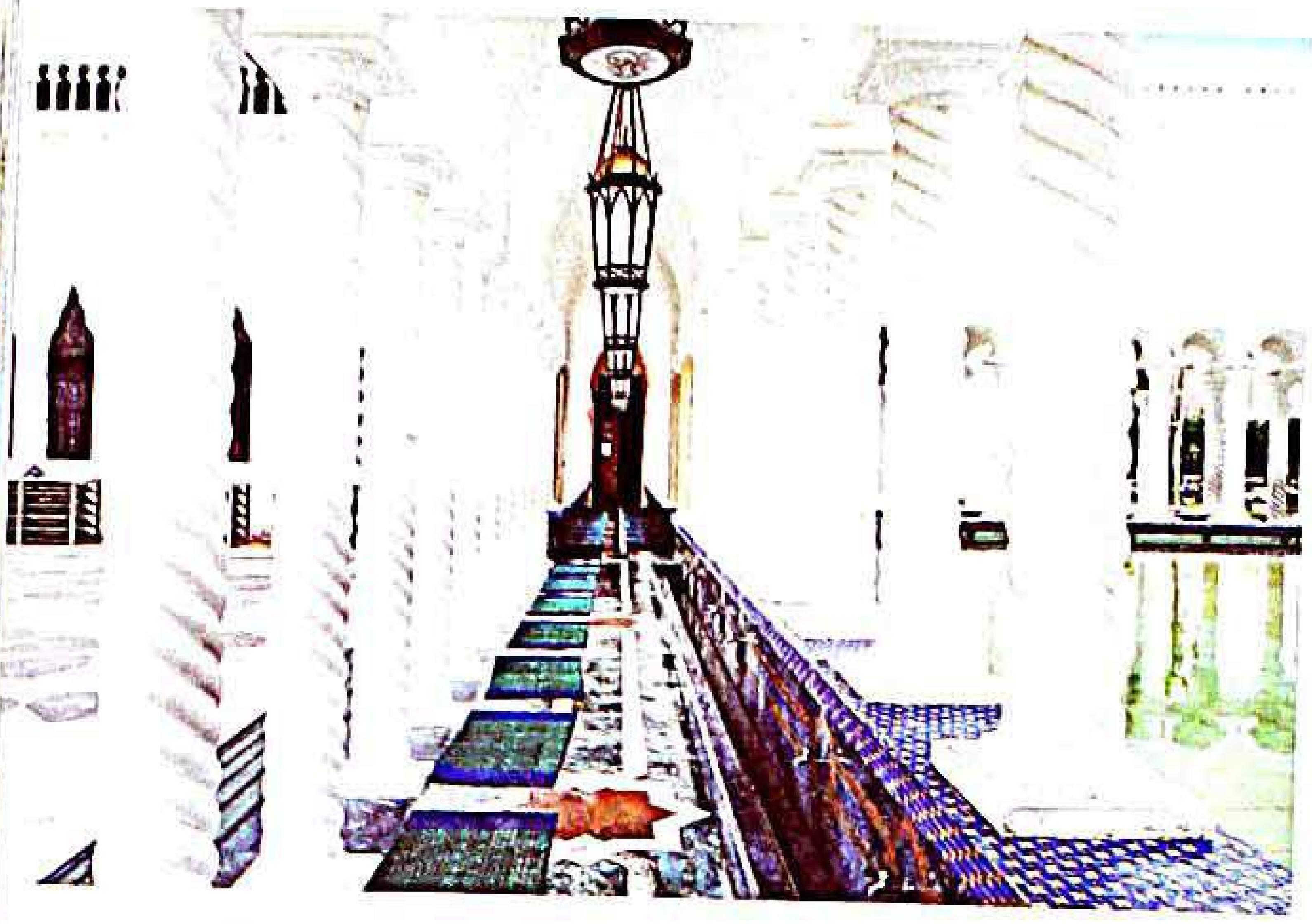
یہ شاہی مسجد سلطنت برونائی کے دارالحکومت بندر سری بیگوان میں واقع ہے۔ یہ ایشیائی بحرالکاہل کے خطے کی ایک خوبصورت مسجد شمار کی جاتی ہے اور برونائی کے 28ویں حکمران سلطان عمر علی سیف الدین سوم کے نام سے موسوم ہے۔ دنیائے اسلام کی یہ قابلِ دید مسجد 1958ء میں مکمل ہوئی۔ اس کی تعمیر میں مغل اور اطالوی فنِ تعمیر کا عکس نمایاں ہے۔





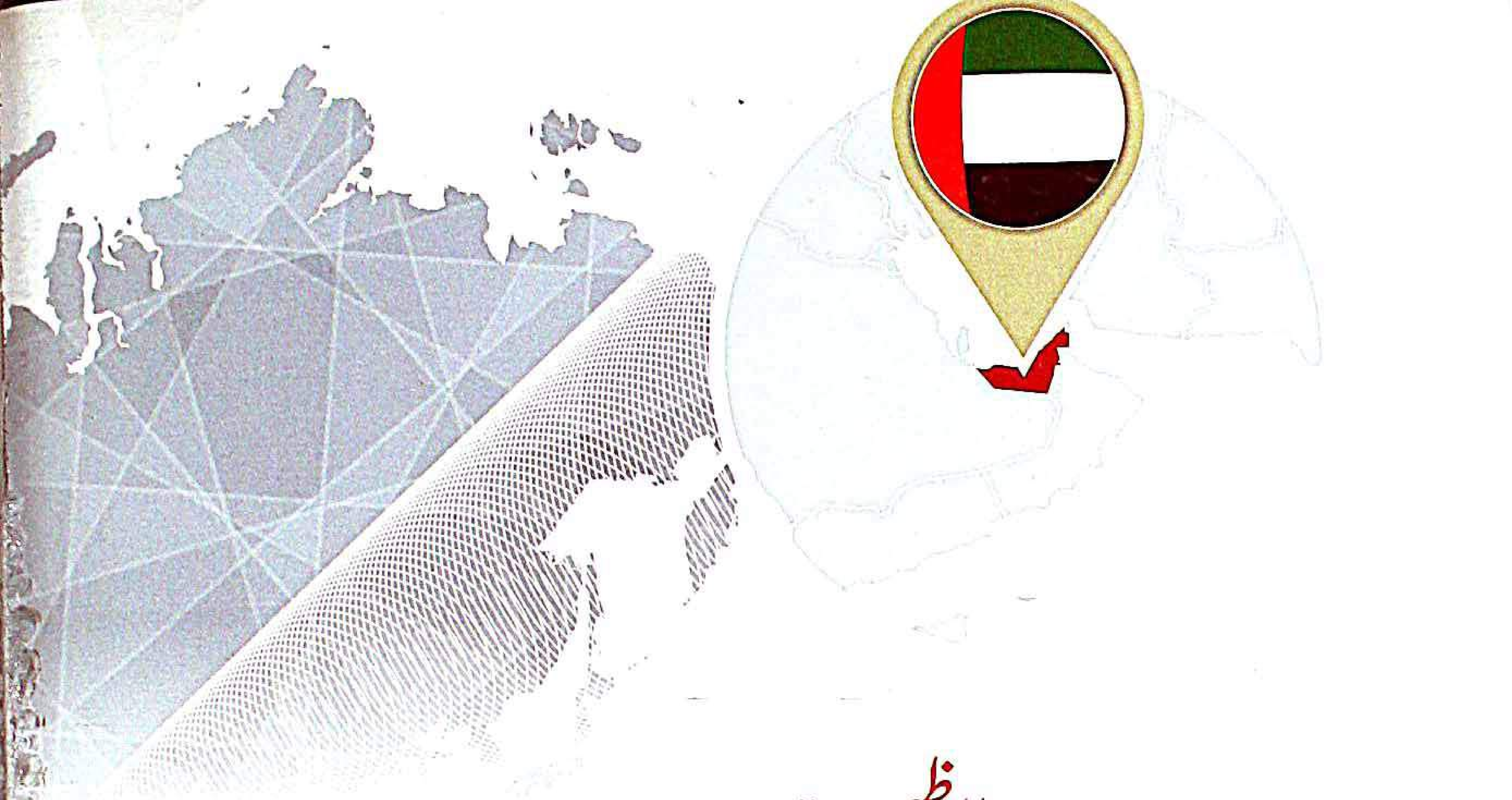
یہ مسجد ایک مصنوعی جھیل میں تعمیر کی گئی ہے۔ مسجد کے مرمریں مینار، سنہری گنبد، سرسبز درخت، رنگ برنگ پھولوں سے لدے لان اور ان کے درمیان اٹکھیلیاں کرتے ہوئے سینکڑوں فوارے جنتِ اراضی کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ پاس ہی دریا کے اوپر مسجد میں داخل ہونے کے لیے ایک خوبصورت طویل پل بنایا گیا ہے۔ یہ مسجد 1400 سالہ جشنِ نزولِ قرآن کی خصوصی تقریبات کے سلسلے میں بنائی گئی تھی۔ مسجد کے ایک طرف جھیل ہی میں ایک خوبصورت پل بحری جہاز کے مشابہ بنایا گیا ہے جس میں قرآن کی قراءت کے قومی اور بین الاقوامی مقابلے منعقد کیے جاتے ہیں۔

مسجد کے مینار 171 فٹ بلند ہیں۔ لفٹ کے ذریعے ان کے اوپر چڑھ کر شہر کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ مینار شہر کے ہر حصے سے دکھائی دیتے ہیں۔ مسجد کا بڑا گنبد خالص سونے سے مزین ہے۔ اس میں استعمال ہونے والا سنگ مرمر اٹلی سے، سنگ خارا شنگھائی سے، فانوس برطانیہ سے اور ہال میں بچھانے کے لیے قالین سعودی عرب سے منگوائے گئے تھے۔









ابوظبی (متحدہ عرب امارات)

الامارات العربیۃ المتحدہ یا متحدہ عرب امارات (UAE) خلیج فارس اور خلیج عُمان کے درمیان واقع سات ریاستوں (امارات) کا وفاق ہے۔اس میں درج ذیل ریاستیں شامل ہیں: ابوظبی، دبئ، الشارقہ (شارجہ)، عجمان، راس الخیمہ، ام القیوین اور فُجَیرہ۔اول الذکر پانچ ریاستیں خلیج فارس کے جنوبی ساحل پر واقع ہیں جبکہ فُجیرہ خلیج عُمان کے ساحل پر ہے۔متحدہ عرب امارات کے مشرق اور شمال مشرق میں سلطنت عُمان ہے جبکہ جنوب اور مغرب میں سعودی عرب پڑتا ہے۔ابوظبی (Abu Dhabi) کا نام اُردو میں اکثر انگریزی ہجوں کے باعث ابوظہبی لکھا جاتا ہے۔درست نام ابوظبی (ظبی بمعنی ہرن، یعنی ہرنوں کا دیس) ہے۔

متحدہ عرب امارات کا رقبہ 92100 مربع کلومیٹر اور آبادی 82 لاکھ 64 ہزار ہے۔ملک کا 87 فیصد رقبہ ریاست ابوظبی کا ہے۔ریاستی آبادی کی تفصیل یوں ہے: ابوظبی (23 لاکھ)، عجمان (پونے چار لاکھ)، دبئ (22 لاکھ)، فجیرہ (ڈیڑھ لاکھ)، راس الخیمہ (پونے تین لاکھ)، الشارقہ (9 لاکھ)، ام القیوین (72 ہزار)۔دبئ کی آبادی میں 53 فیصد بھارتی، 17 فیصد عرب اماراتی، 13 فیصد پاکستانی اور 7.5 فیصد بنگلہ دیشی اور باقی فلپائنی، سری لنکن وغیرہ ہیں۔اماراتی سکہ درہم ہے جس کی شرح تبادلہ 11 امریکی ڈالر=3.67 درہم ہے۔


متحدہ عرب امارات کے شمالی ساحل کے ساتھ ساتھ بہت سے چھوٹے بڑے جزیرے ہیں جن میں ابوالابیض، السعدیات، الیاسات، السینیہ، جنانہ، دلما، صیر بنی یاس، مروّح، حالۃ البحرانی قابل ذکر ہیں۔ملکی دارالحکومت ابوظبی ایک جزیرہ نما پر واقع ہے۔اسی طرح ام القیوین کا شہر بھی ایک جزیرہ نما پر آباد ہے۔شمال میں خلیج فارس (الخلیج العربی) کے اندر

صیر ابونصیر، صرّی، فرور، ابوموسیٰ، طنب صغریٰ اور طنب کبریٰ نامی جزیرے ہیں۔ آخری تین جزیروں پر ایران نے بزور قبضہ کر رکھا ہے۔

متحدہ عرب امارات کا بیشتر علاقہ صحرائی ہے جہاں ریت کے ٹیلے ہیں۔ یہاں لیوا اور بریمی نامی نخلستان مشہور ہیں۔ ابوظبی کی طرح دبئی، الشارقہ، عجمان، ام القیوین اور راس الخیمہ نامی شہر خلیج فارس کے ساحل پر قریب قریب آباد ہیں۔ الشارقہ دبئی (دبئ) کے مشرق میں ہونے کے باعث الشارقہ کہلاتا ہے۔ فُجیرہ شہر خلیج عُمان کے ساحل پر واقع ہے۔ دیگر مشہور شہر جُمیرا، العین، جبل علی، طریف، الرویس، دبا، المغیرا، مدینہ زاید اور المفرق ہیں۔ امارات کی تاریخی مساجد میں مسجد الخازن (الشارقہ) دبا میں عثمانی مسجد 300 سال قدیم جبکہ دبا کے راستے میں مسجد القلعہ پہلی صدی ہجری سے تعلق رکھتی ہے، نیز مسجد البدیہ کا تعلق بھی صدر اسلام سے ہے۔

متحدہ عرب امارات کی معیشت کا بیشتر انحصار معدنی تیل کی دولت اور تجارت پر ہے۔ علاوہ ازیں کھجور، سبزیاں اور خلیج فارس سے حاصل ہونے والے موتی قابلِ ذکر ہیں۔ دبئی عالمی تجارت کا بہت بڑا مرکز بن گیا ہے۔ کچھ لوگوں کا پیشہ ماہی گیری ہے۔

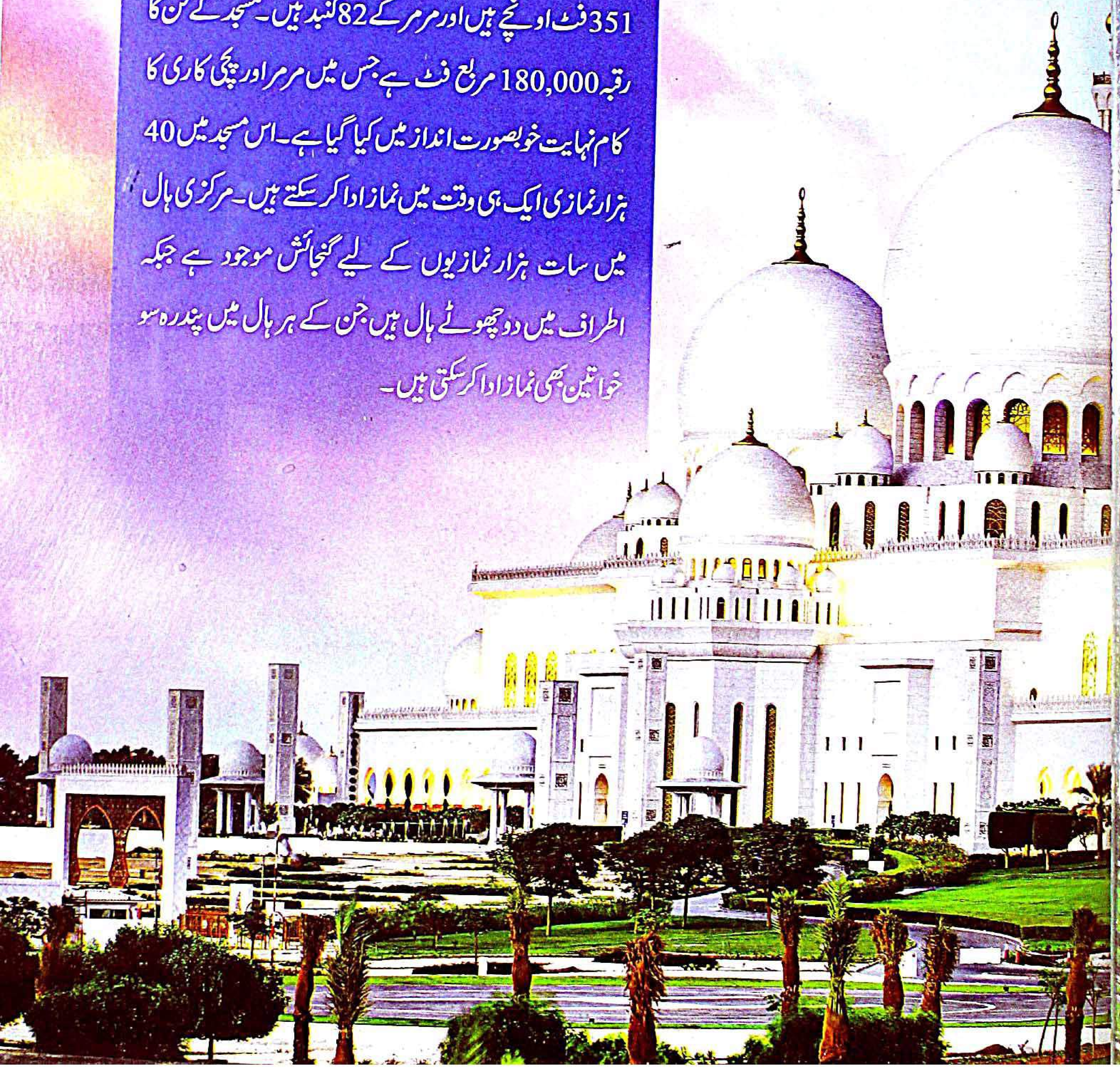
متحدہ عرب امارات میں اسلام عہد نبوی میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ وارد ہوا۔ خلافتِ صدیقی میں ضبا کے مقام پر مرتدین سے خونریز معرکہ برپا ہوا، نیز اہلِ امارات نے سیدنا عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کے لشکر (3 ہزار) میں شامل ہو کر ایرانیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ انھوں نے جلفار (موجودہ راس الخیمہ) سے سمندر پار کیا اور جزیرہ کلوان (القشم) میں ایرانی گورنر شہرک کی فوج سے خونریز جنگ ہوئی۔ شہرک مارا گیا اور ایرانی صوبہ کرمان کی طرف بھاگ نکلے، پھر تھوڑے عرصے میں امارات کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان لوگوں نے ایرانیوں کے خلاف جنگ قادسیہ اور جنگ نہاوند میں بھی حصہ لیا۔ دسویں گیارھویں صدی ہجری میں اہلِ امارات نے پرتگالی، ڈچ اور برطانوی حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ 1892ء میں برطانیہ نے سات امارات کو زیرِ حفاظت لے لیا۔ بطورِ حفاظت (Protectorate) برطانوی قبضہ دسمبر 1971ء تک جاری رہا۔ یکم دسمبر کو آزادی ملنے پر سات ریاستوں نے وفاق بنا لیا جس کا صدر عموماً ابوظبی کا شیخ اور نائب صدر دبئی کا شیخ ہوتا ہے۔

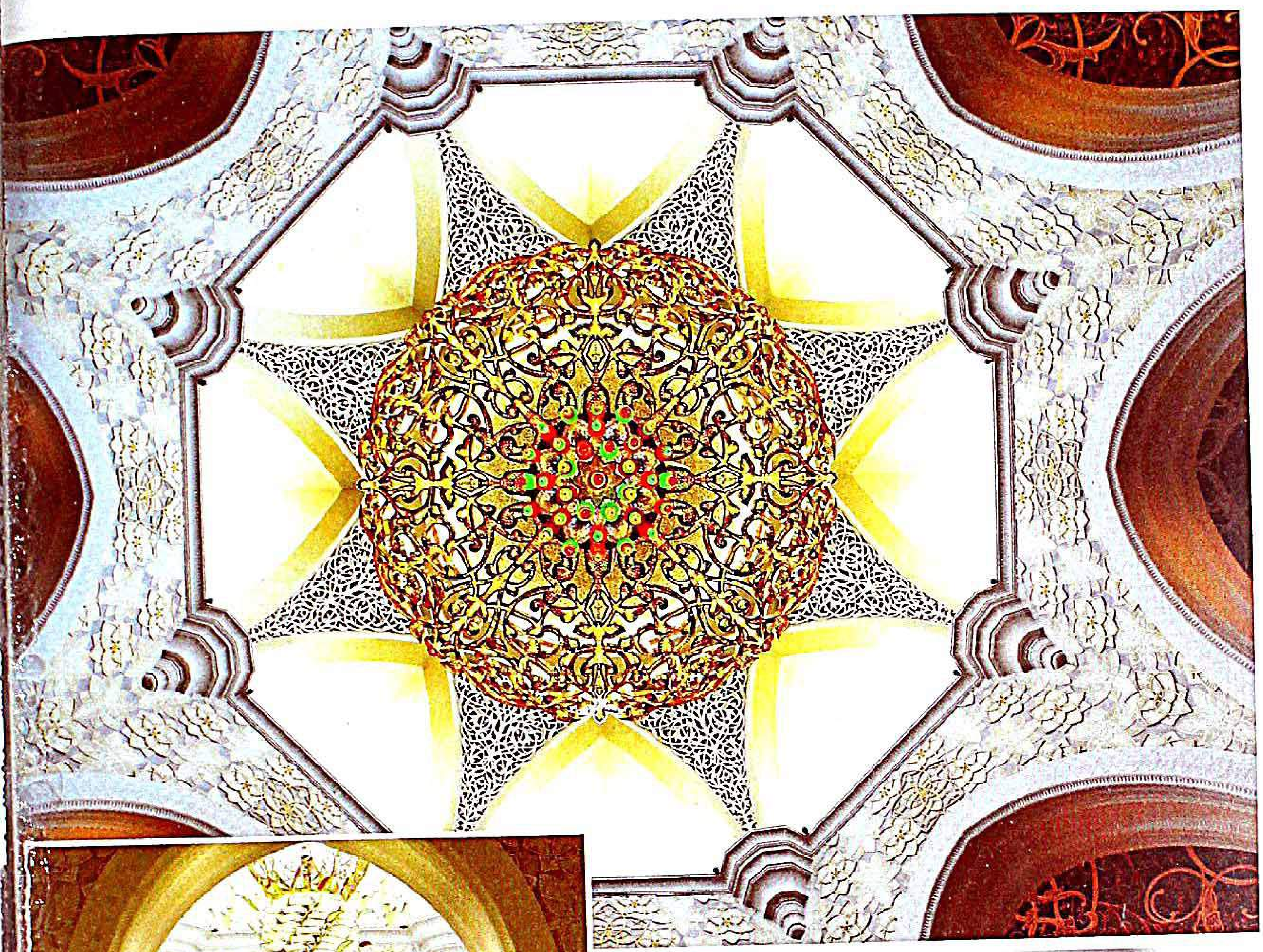


شیخ زاید مسجد ابوظبی

(متحدہ عرب امارات)

یہ مسجد متحدہ عرب امارات کے پہلے صدر شیخ زاید بن سلطان کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ یہ عرب امارات میں سب سے بڑی مسجد ہے۔ مسجد کے چاروں کونوں پر کھڑے چار مینار 351 فٹ اونچے ہیں اور مرمر کے 82 گنبد ہیں۔ مسجد کے صحن کا رقبہ 180,000 مربع فٹ ہے جس میں مرمر اور پچی کاری کا کام نہایت خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے۔ اس مسجد میں 40 ہزار نمازی ایک ہی وقت میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مرکزی ہال میں سات ہزار نمازیوں کے لیے گنجائش موجود ہے جبکہ اطراف میں دو چھوٹے ہال ہیں جن کے ہر ہال میں پندرہ سو خواتین بھی نماز ادا کر سکتی ہیں۔





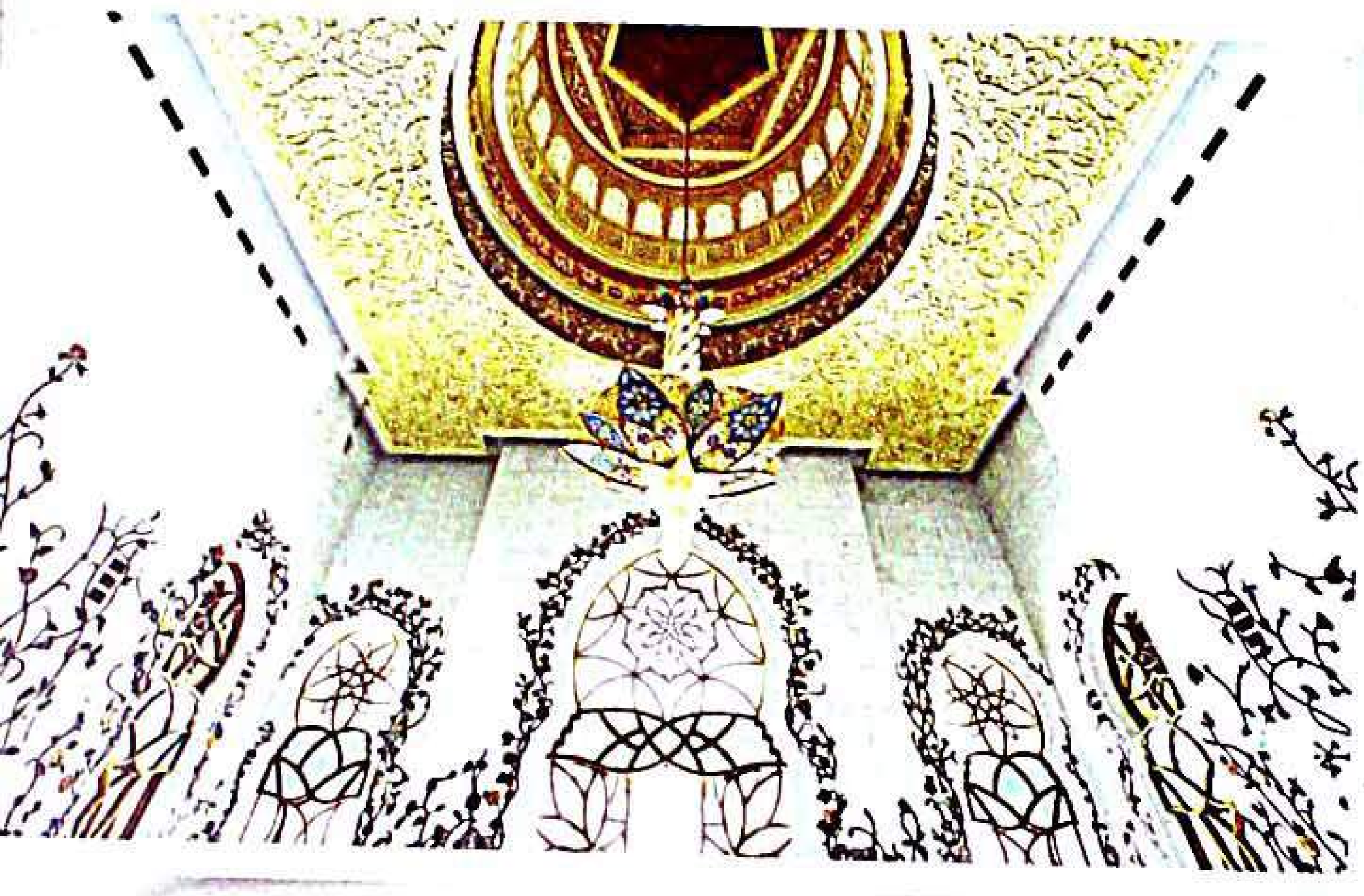


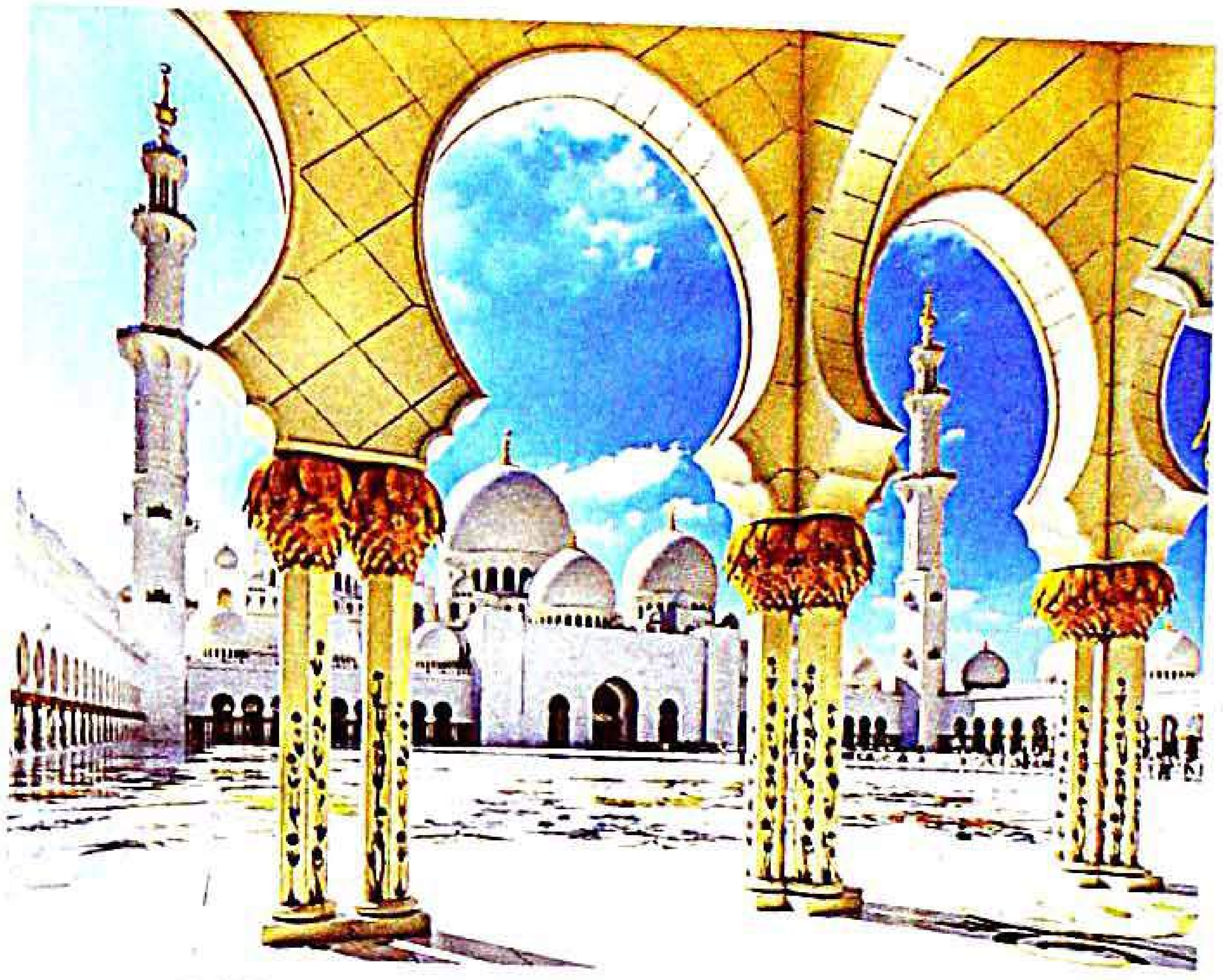
مسجد میں لگا دنیا کا سب سے بڑا فانوس

ہال کے اوپر مرکزی گنبد کا قطر 106 فٹ ہے جو کہ صحن سے 279 فٹ بلند ہے۔ ہال کے اندر بچھائے گئے ایرانی قالین کا رقبہ 60570 مربع فٹ اور وزن 47 ٹن ہے۔ اس کی تیاری میں دو سال کا عرصہ لگا اور یہ ہاتھ سے بُنا ہوا دنیا کا سب سے بڑا قالین ہے۔ مسجد کے مرکزی ہال میں آویزاں سات خوبصورت فانوس جرمنی سے درآمد کیے گئے ہیں۔ سب سے بڑا فانوس دنیا کا دوسرا بڑا فانوس ہے۔ اس کا قطر 33 فٹ اور بلندی 49 فٹ ہے۔

اس مسجد کی تعمیر میں 3000 سے زائد کارکنوں اور 38 مشہور








تعمیراتی کمپنیوں نے حصہ لیا۔ اس مسجد کی تعمیر میں جو میٹریل استعمال کیا گیا ہے وہ سب معدنیاتِ ارضی سے حاصل کیا گیا ہے، مثلاً: ماربل کا پتھر، گرینائٹ، کرسٹل اور سونا۔ اس مسجد کا ڈیزائن لاہور کی بادشاہی مسجد اور مراکش میں دار البیضاء کی شاہ حسن دوم کی مسجد سے متاثر ہو کر تیار کیا گیا تھا۔ مسجد کی تعمیر میں دو ارب درہم (545 ملین ڈالر) خرچ ہوئے۔ دنیا کی آٹھویں بڑی اس مسجد کا شمار دنیا کی دس خوبصورت ترین مساجد میں کیا جاتا ہے۔



دبئ

دبئ متحدہ عرب امارات کی دوسری بڑی امارت ہے جو خلیج فارس (الخلیج العربی) کے جنوبی ساحل پر ریاست الشارقہ (Sharja) اور ریاست ابوظہبی کے درمیان واقع ہے۔ ریاست دبئ کا رقبہ 4114 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 21,06,177 ہے۔ اس کا دارالحکومت دبئ شہر ہے جس کی آبادی 13 لاکھ 53 ہزار ہے۔ جبل علی اس کی بندرگاہ ہے۔ ریاست دبئ کی آبادی میں بھارتی 53 فیصد، اماراتی 17 فیصد، پاکستانی 13.3 فیصد، بنگلہ دیشی 7.5 فیصد، فلپینی 2.5 فیصد، سری لنکن 1.5 فیصد اور امریکی 0.3 فیصد ہیں۔

ریاست دبئی 9 جون 1833ء کو وجود میں آئی جب سعودی قبیلہ بنی یاس کے شیخ مکتوم بن بطی المکتوم نے دبئی کی کھاڑی کے کنارے اس کی بنیاد رکھی۔ دبئی کے امیر محمد بن راشد المکتوم اور ولی عہد حمدان بن محمد بن راشد المکتوم ہیں۔ دبئی نے 2 دسمبر 1971ء کو برطانیہ سے آزادی حاصل کی اور ابوظبی، دبئی، الشارقہ، راس الخیمہ، فُجیرہ، ام القیوین اور عجمان کے اتحاد سے متحدہ عرب امارات وجود میں آیا۔ دبئی کا حکمران متحدہ عرب امارات کا وزیر اعظم بھی ہوتا ہے۔

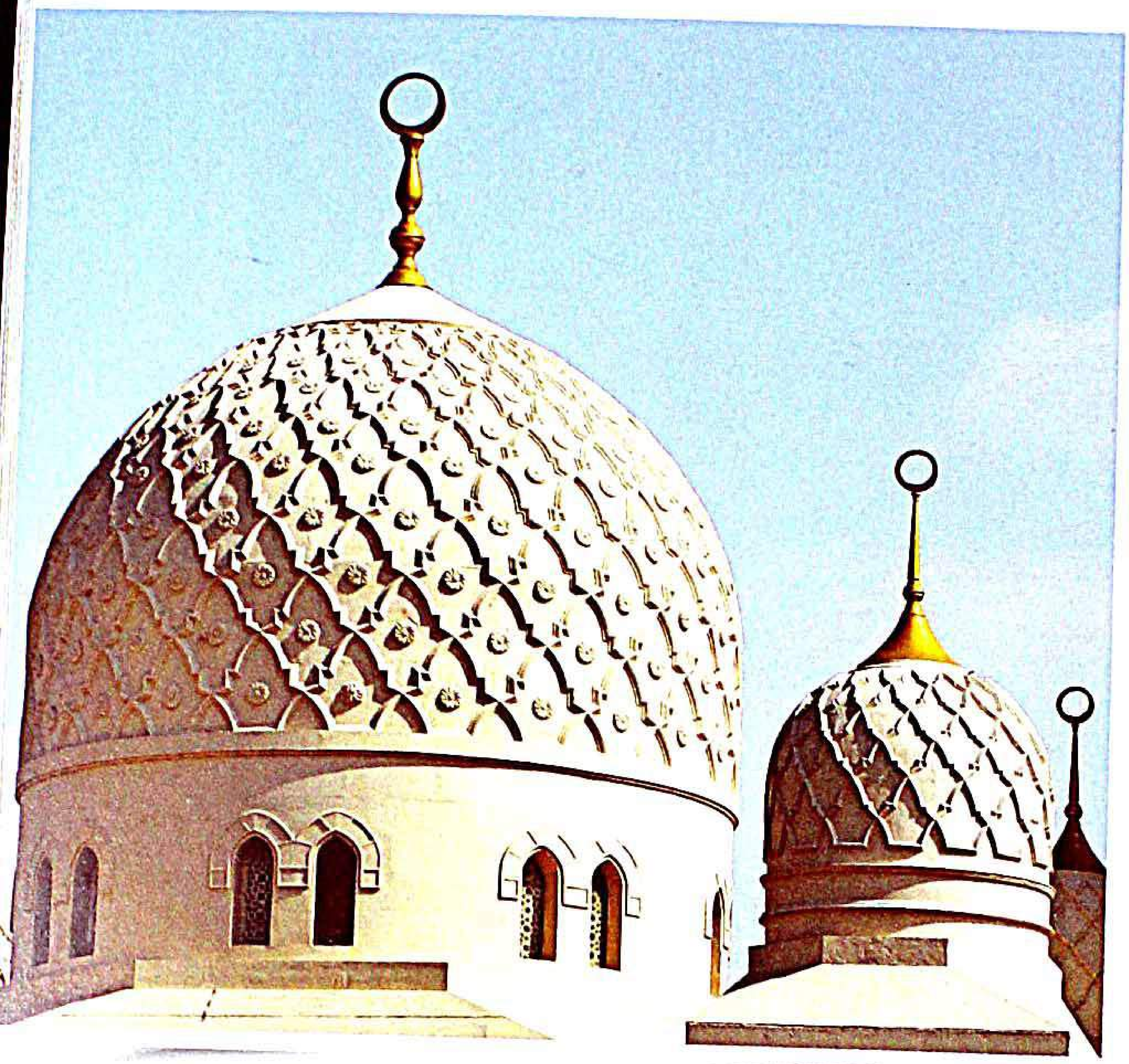
دبئی تیل کی دولت سے مالا مال ہے۔ اس کی تیل کی روزانہ پیداوار 50 ہزار تا 70 ہزار بیرل ہے۔ دبئی میں برج خلیفہ دنیا کی بلند ترین عمارت ہے۔ اس کی بلندی 829.8 میٹر (2722 فٹ) ہے۔ یہ 6 سال کے عرصے میں 1.5 بلین ڈالر کی لاگت سے تعمیر ہوا۔ دبئی کا ہوٹل برج العرب ایک مصنوعی جزیرے پر واقع ہے۔ اس کی بلندی 321 میٹر (60 منزلیں) ہیں۔ روز ریحان ہوٹل (روز ٹاور) 333 میٹر (72 منزلیں) 2009ء میں تعمیر ہوا تو وہ برج العرب کی جگہ دنیا کا بلند ترین ہوٹل بن گیا۔



جمیرا مسجد (دبئ)

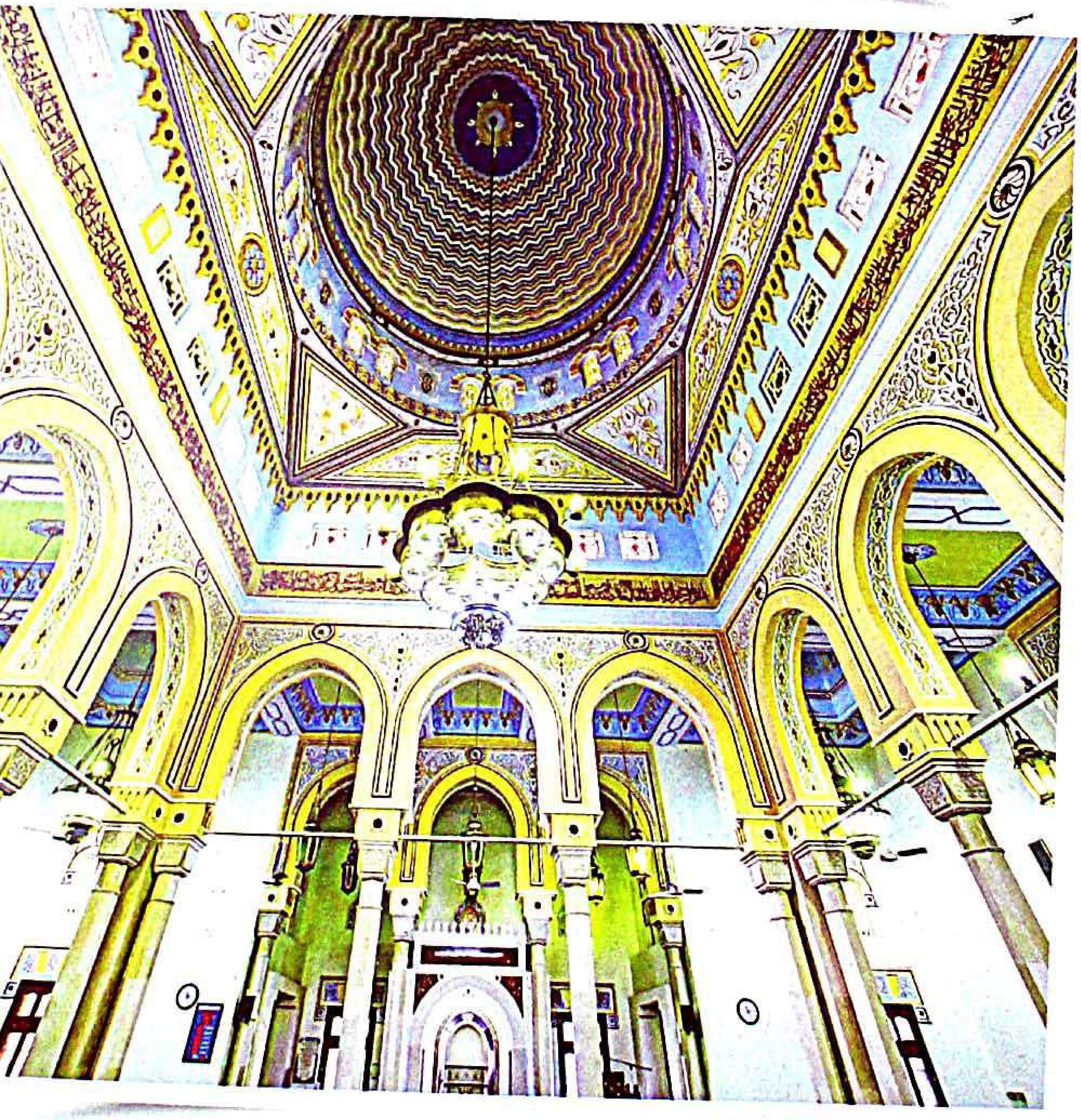
یہ مسجد دبئ کے علاقے جمیرا میں سمندر کے کنارے واقع ہے۔ فاطمی طرزِ تعمیر کی یہ مسجد سفید پتھر سے تیار کی گئی ہے اور 1978ء میں مکمل ہوئی۔ یہ مسجد متحدہ عرب امارات کی نہ صرف بڑی بلکہ انتہائی خوبصورت مسجد ہے۔ امارات میں اگر کسی مسجد کی سب سے زیادہ فوٹوگرافی کی جاتی ہے تو وہ جمیرا مسجد ہے۔ اس کو دیکھتے ہی سیّاح لوگوں کے کیمرے حرکت میں آجاتے ہیں۔ آسمان سے باتیں کرتے ہوئے مسجد کے دو مینار اور تین گنبد ہیں۔ درمیان والا گنبد باقی دونوں سے بڑا ہے۔ تینوں گنبدوں کا ڈیزائن سمندری سیپ سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہ دبئ کی تین مساجد میں سے ایک ہے جن میں غیر مسلموں کو بھی گائیڈ کے ساتھ اندر جانے کی اجازت ہے۔ مسجد کے اندر جانے کا ٹکٹ دس درہم (تین ڈالر) کا ہے۔ یہ ٹور ڈیڑھ گھنٹے کا ہوتا ہے۔ اس ٹور میں غیر مسلم سیّاحوں کو اسلامی طرزِ تعمیر اور اسلام کے بنیادی عقائد کے متعلق جاننے کا موقع ملتا ہے۔ یہ ٹور منگل، جمعرات، ہفتے اور اتوار کو ترتیب دیا جاتا ہے۔ اس میں سیّاحوں کے سوال و جواب کا سلسلہ بھی رکھا گیا ہے۔

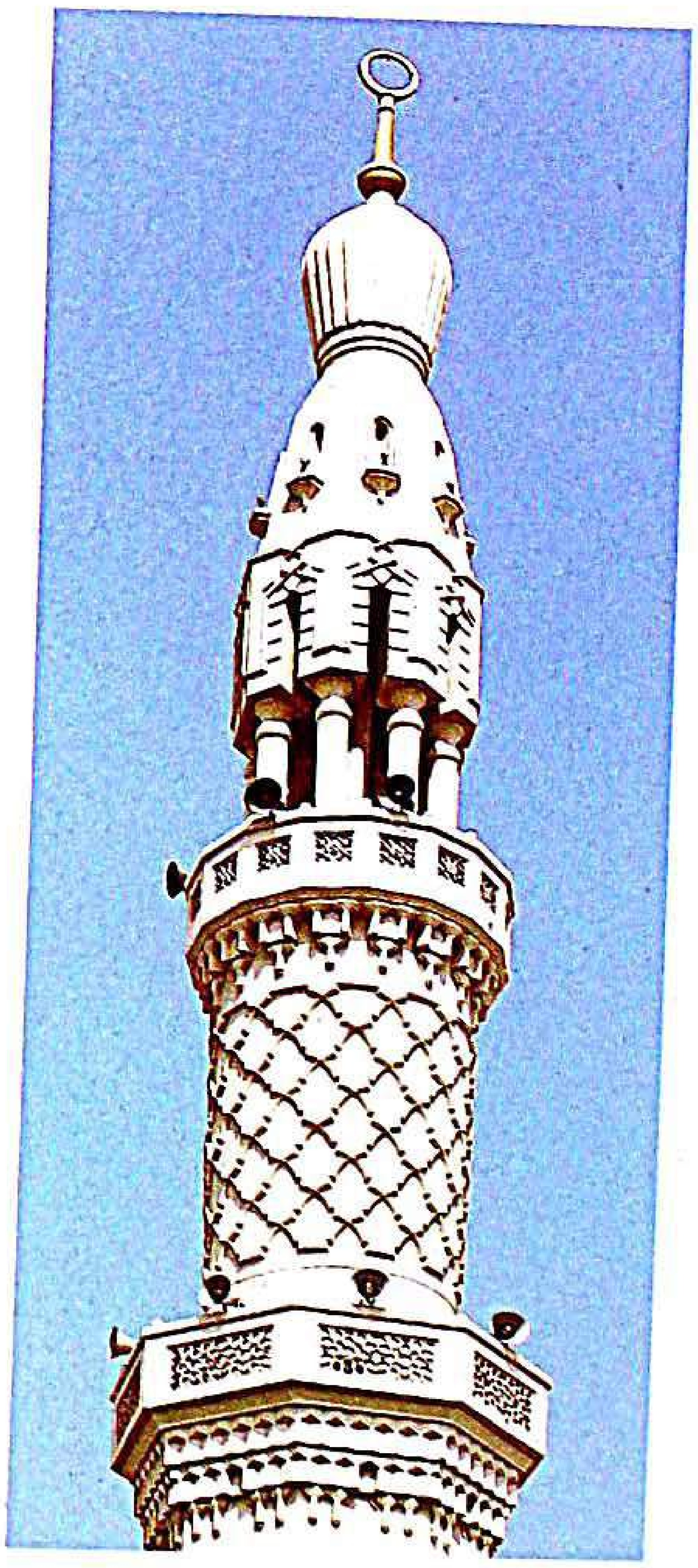




انھیں جوتوں کے بغیر مخصوص لباس میں
اندر جانے کی اجازت ہے اور خواتین
کو ٹانگیں ڈھانپنا اور سر پر کپڑا اوڑھنا
لازمی ہے، سکارف اور چغہ بھی مہیا
کیے جاسکتے ہیں۔

جمیرا مسجد اسلامی فنِ تعمیر کا ایک
خوبصورت شاہکار ہے۔ اس میں
1500 نمازی ایک وقت میں نماز ادا
کر سکتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں
کے لیے علیحدہ علیحدہ داخلی راستے
ہیں، وضو کے لیے بھی الگ الگ
جگہیں مخصوص ہیں۔





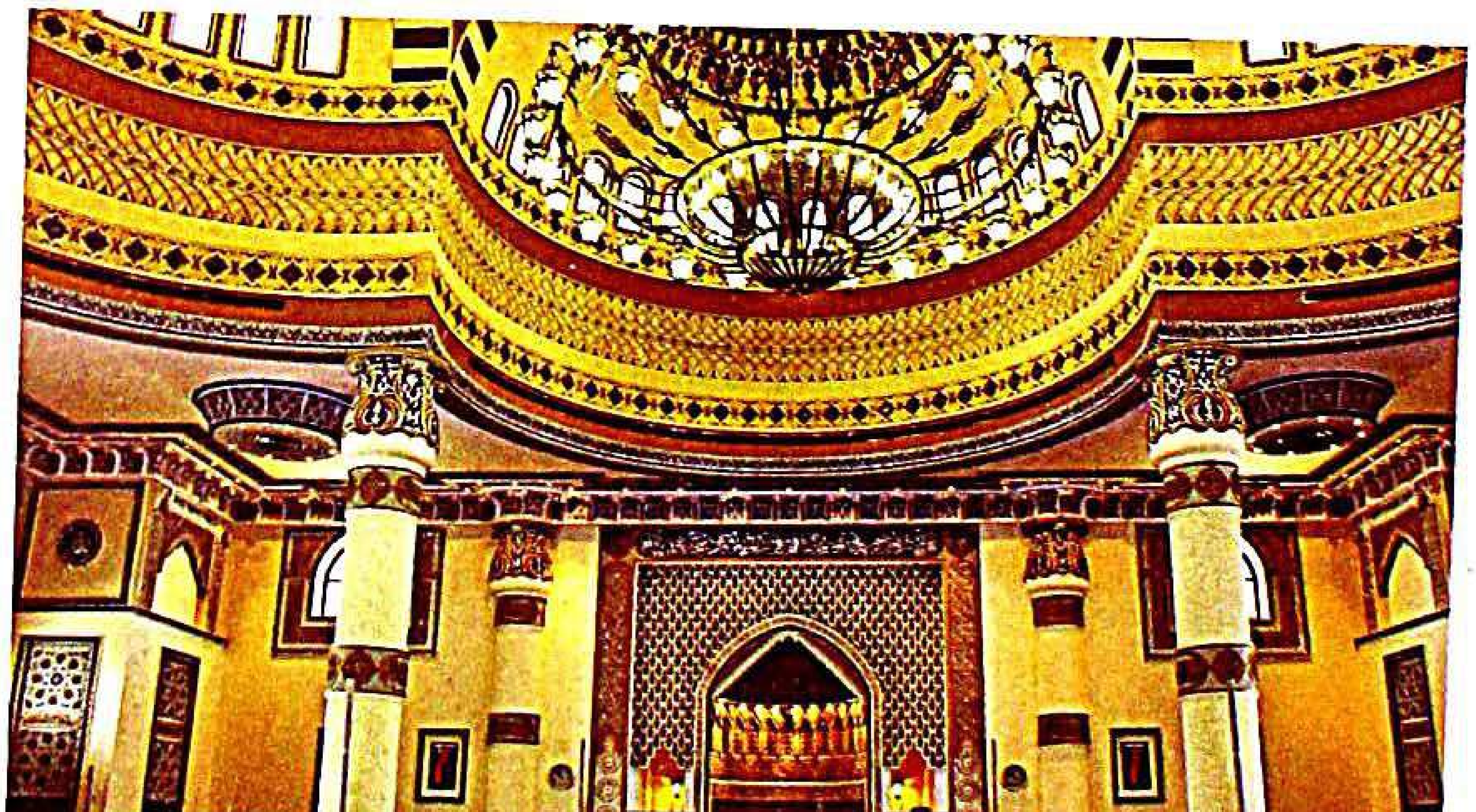


عمر بن الخطّاب مسجد (دبئی)


یہ مسجد دبئی کے علاقے الصنعا میں تعمیر کی گئی ہے۔اس کا افتتاح جمعہ کے دن 29 جولائی 2011ء کو کیا گیا۔اس مسجد کا ڈیزائن استنبول کی سلطان احمد مسجد سے مشابہ ہے اور اسے ایک ماہرِ تعمیرات محمد الشیخ مبارک نے تیار کیا ہے جس دن اس مسجد کا افتتاح ہوا، اس قدر لوگ آئے کہ ساری مسجد نمازیوں سے بھر گئی۔ان میں بوڑھے، بچے اور جوان سبھی شامل تھے۔ اس مسجد کے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں اور ہر مینار کی بلندی 230 فٹ ہے۔مرکزی گنبد فرش سے 98.5 فٹ بلند ہے جبکہ اس کے نیچے ایک خوبصورت فانونس لٹک رہا ہے۔


مسجد کا کل رقبہ 93650 مربع فٹ ہے اور مرکزی ہال کا کل رقبہ 45210 مربع فٹ ہے۔ہال کے اندر فرش پر جرمنی سے منگوایا ہوا خوبصورت رنگوں کا دیدہ زیب قالین بچھایا گیا ہے۔دبئی میں یہ تیسری مسجد ہے جو غیر مسلموں کے لیے بھی کھولی گئی ہے۔اس سے قبل شیخ زاید مسجد اور جمیرہ مسجد غیر مسلموں کے لیے کھولی جا چکی ہیں۔عمر بن الخطاب مسجد ایک سخی اور مالدار شخص خلف الحبطور کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مسجد کے مرکزی ہال کے اندر نقش ونگار کا اس قدر خوبصورت کام کیا گیا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔اس کے لیے 60 کاریگر مراکش کے شہر فاس سے منگوائے گئے تھے۔

اس مسجد سے ملحق اسلامک سنٹر، قرآنی تعلیمات کا مدرسہ اور ایک لائبریری بھی بنائے گئے ہیں۔لائبریری میں چار ہزار کتب رکھی گئی ہیں۔مؤذن اور امام صاحب کے لیے رہائش گاہیں بھی تعمیر کی گئی ہیں۔اس مسجد کی تعمیر پر کل 85 ملین درہم خرچ آئے۔مسجد میں 2000 نمازی ایک ہی وقت میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔





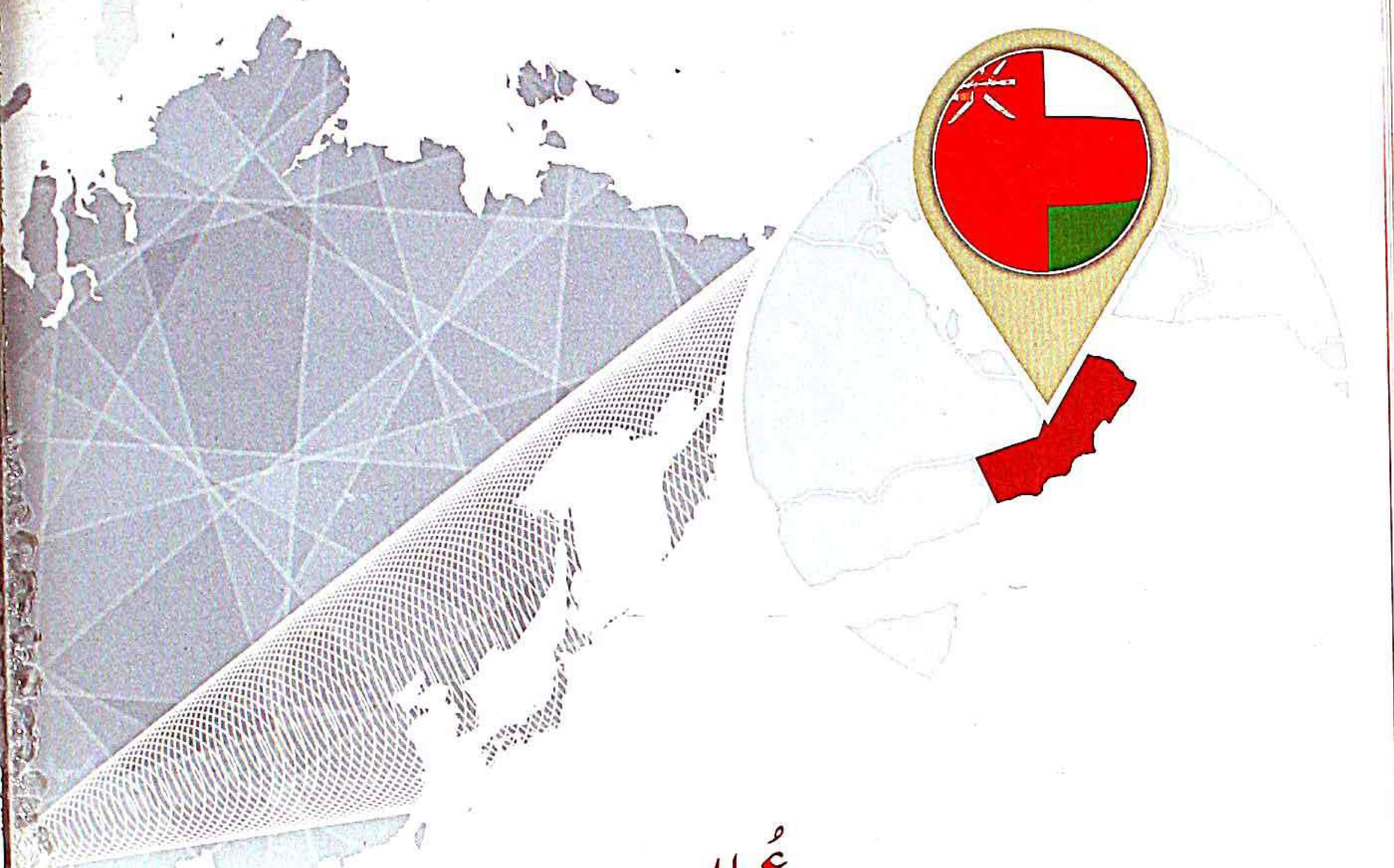




النور مسجد،
الشارقہ (شارجہ)

یوں تو شارجہ (Sharja) میں 600 مساجد ہیں لیکن ان میں النور مسجد انتہائی خوبصورت ہے۔ یہ مسجد ایک نمکین پانی کی جھیل کے اندر بنائی گئی ہے۔ اس کی تعمیر شارقہ کے حکمران شیخ جواہر بن محمد القاسمی کی زوجہ کے حکم پر عمل میں آئی۔ اس مسجد کا سنگِ بنیاد 6 اپریل 2003ء کو رکھا گیا اور یہ 2005ء میں مکمل ہوگئی۔ اب غیر مسلم سیاحوں کو یہ مسجد دیکھنے کی اجازت دے دی گئی ہے تاکہ وہ عرب امارات کے کلچر اور مذہب اسلام کے متعلق کچھ معلومات حاصل کر سکیں۔ رات کے وقت ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے مسجد فضا میں تیر رہی ہو۔ اس کا ڈیزائن استنبول کی سلطان احمد مسجد سے متاثر ہو کر بنایا گیا ہے۔ اس مسجد میں اڑھائی ہزار نمازی نماز پڑھ سکتے ہیں جبکہ 500 خواتین کے لیے نماز کی جگہ علیحدہ مخصوص کی گئی ہے۔

اس مسجد کی تعمیر کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شارقہ روایتی اور جدید فنِ تعمیر میں کس قدر آگے چلا گیا ہے۔



عُمان

سلطنت عُمان جزیرہ نمائے عرب میں واقع ہے اور پاکستان کے قریب ترین عرب ملک ہے۔ اس کے شمال مغرب میں متحدہ عرب امارات، مشرق میں خلیج عُمان، مغرب میں سعودی عرب اور یمن اور جنوب میں بحیرۂ عرب واقع ہیں۔ شمال میں آبنائے ہرمز اسے ایران سے الگ کرتی ہے۔ اس کا رقبہ 3 لاکھ مربع کلومیٹر ہے اور آبادی تقریباً 40 لاکھ ہے۔ دارالحکومت مسقط ہے جو خط سرطان اور خلیج عمان پر واقع ہے، مسقط میں ساڑھے سات لاکھ لوگ بستے ہیں۔

عُمان کی زرعی پیداوار میں مکئی، کھجور، پھل، سبزیاں اور گندم شامل ہیں۔ معدنی پیداوار تیل ہے اور اسی پر ملکی معیشت کا زیادہ تر انحصار ہے۔ خلیج عمان سے موتی حاصل ہوتے ہیں۔ 60 فیصد باشندے زراعت اور ماہی گیری سے وابستہ ہیں۔ مسقط اور مطرح بڑی بندرگاہیں ہیں۔ صور، دبا اور صحار کے تاریخی شہر بھی خلیج عُمان کے ساحل پر ہیں۔ ان کے علاوہ صلالہ، الاشخرہ، صوقرہ، سدح، الدقم اور رخیوت بحیرۂ عرب کی ساحلی بندرگاہیں ہیں۔ اندرون ملک نزوی، ازکی، سمائل، عبری، الواسط، البریمی، الکامل، القابل، الحمراء نامی شہر قابلِ ذکر ہیں۔ ازکی چوتھی صدی ق م سے آباد ہے۔ خلیج عمان کے ساحل کے ساتھ الحجر الشرقی، الحجر الغزلی اور الجبل الاخضر نامی پہاڑی سلسلے ہیں۔ وسطی مغربی عُمان زیادہ تر صحرائی ہے جہاں رملۃ السحمہ، رملہ فسد، رملہ مساح ریتلے ٹیلوں (رملہ) کے علاقے ہیں۔ عُمان کا سکہ عمانی ریال ہے۔ اس کی شرح تبادلہ 1 عمانی ریال 2.59 امریکی ڈالر کے برابر ہے۔



عُمان میں اسلام سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وساطت سے آیا جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عُمان کے حکمرانوں عبد اور جیفر کے دربار میں دعوتی سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ عبد اور جیفر سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو گئے، پھر عبد اور جیفر کی دعوت پر عمان کے بڑے بڑے قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔ اہلِ سمائل کے سردار مازن بن غضوبہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہو کر دعائے نبوی سے مشرف ہوئے۔ سمائل شہر مسقط نزوی شاہراہ پر واقع ہے۔

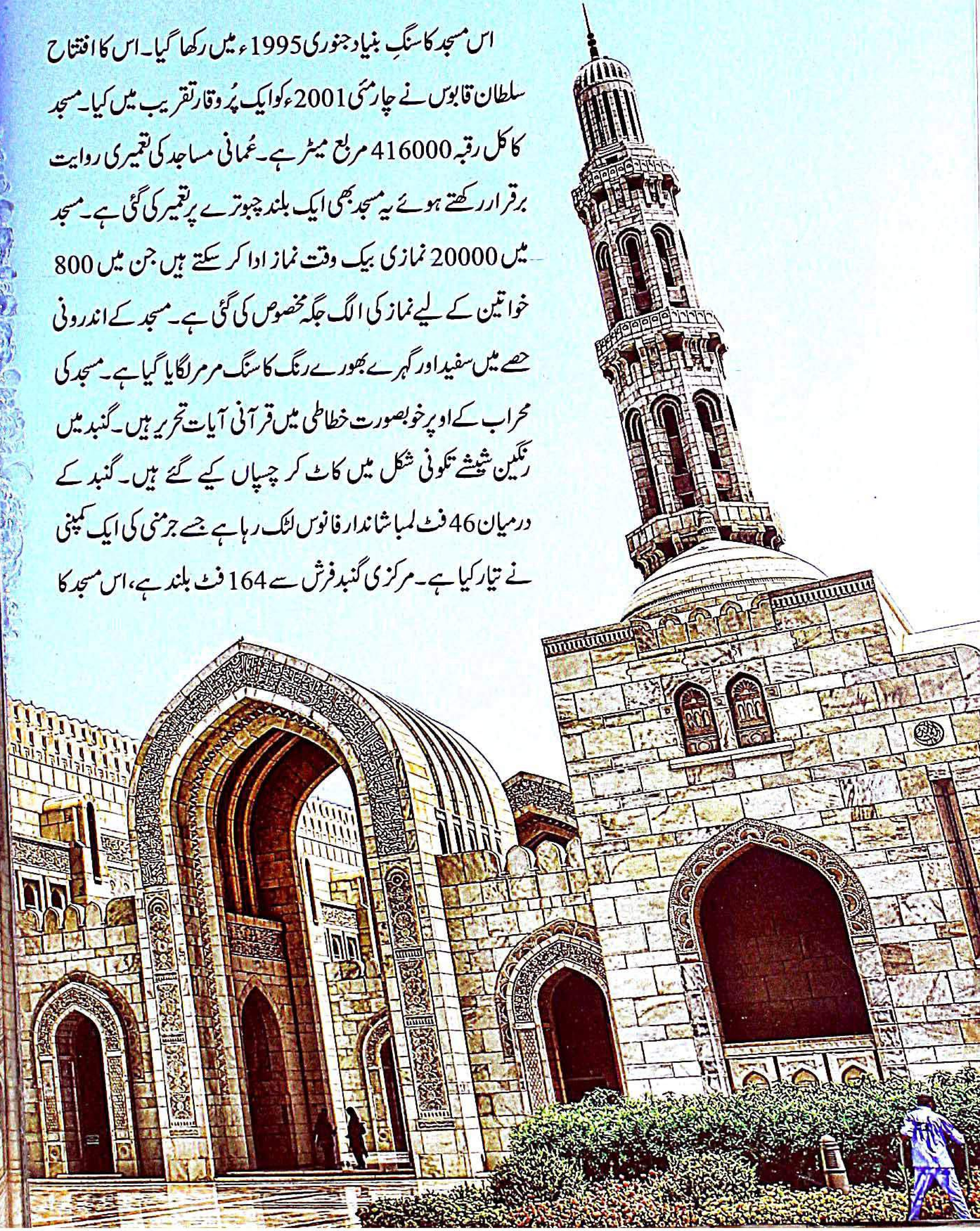
خلافت فاروقی میں سیدنا عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ 15ھ/636ء میں اہل عُمان کا تین ہزار کا لشکر لے کر جلفار (راس الخیمہ) سے ایرانی جزیرہ کلوان (قشم) پر حملہ آور ہوئے تھے۔ جنگ میں گورنر کرمان شہرک مارا گیا تھا اور ایرانی شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ اموی خلافت میں عمان میں خارجیوں نے زور پکڑا۔ 915ھ/1507ء میں پرتگالی بیشتر ساحلِ عُمان پر قابض ہو گئے۔ 1061ھ/1650ء میں امام ناصر بن مرشد نے عمانیوں کو پرتگالیوں کے خلاف منظم کیا اور اس کے جانشین سلطان بن سیف الیعربی نے جنگ مسقط (1771ء) میں پرتگالیوں کو دندان شکن شکست دی اور وہ عُمان نکل گئے۔

1309ھ/1891ء میں برطانوی سامراج نے عُمان کو اپنی حمایت (Protectorate) میں لے لیا۔

عُمان کا سرکاری مذہب اباضی خارجیت ہے۔ اس کا بانی عبداللہ بن اباض تمیمی (پہلی صدی ہجری کے اواخر میں) تھا۔ عُمان میں اباضیوں کے علاوہ دیگر تمام فقہی مسالک کے پیروکار بھی بستے ہیں۔ عُمان کی قدیم مساجد میں مسجد مازن بن غضوبہ (ولایت سمائل)، مسجد قبلتین (نزوی)، جامع مسجد (ولایت ادم) اور جامع الامام الصلت (مہال) مشہور ہیں۔ عمان کی سرکاری زبان عربی ہے۔ آبادی میں 88 فیصد عرب، 4 فیصد بلوچ، 3 فیصد ایرانی اور 2 فیصد ہندو سکھ ہیں۔

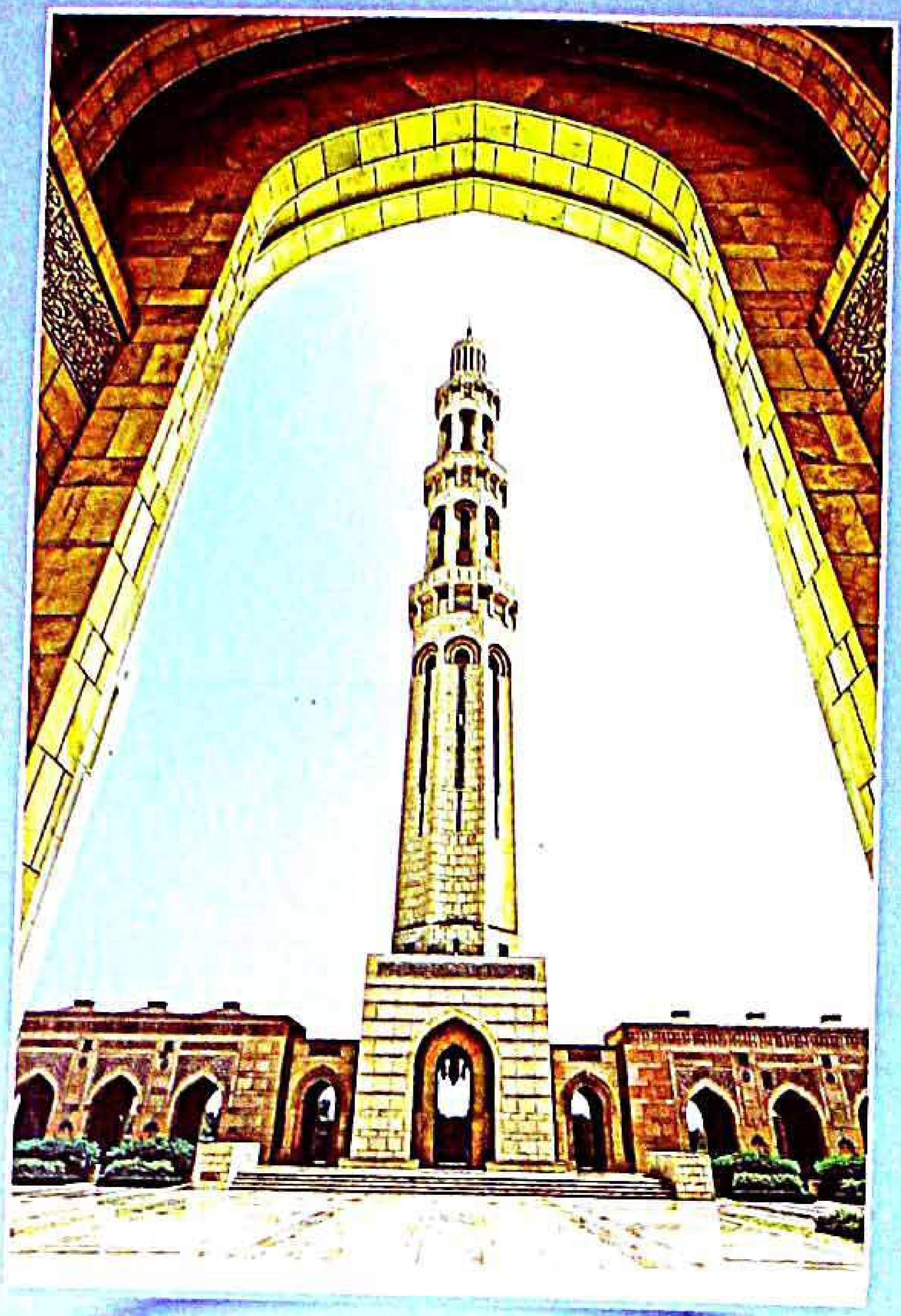
جامع مسجد سلطان قابوس (عُمان) مسقط

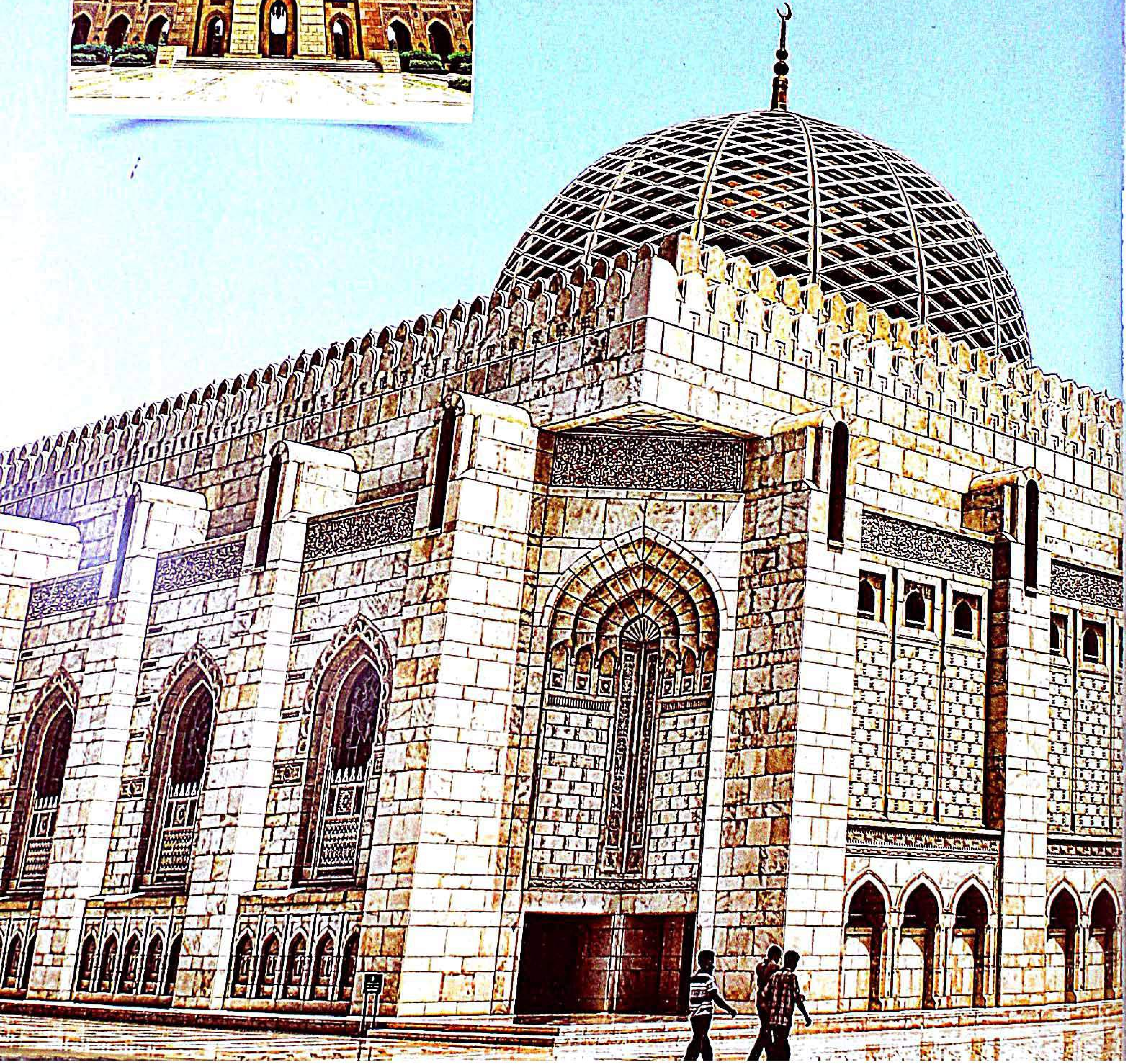
اس مسجد کا سنگِ بنیاد جنوری 1995ء میں رکھا گیا۔ اس کا افتتاح سلطان قابوس نے چار مئی 2001ء کو ایک پُر وقار تقریب میں کیا۔ مسجد کا کل رقبہ 416000 مربع میٹر ہے۔ عُمانی مساجد کی تعمیری روایت برقرار رکھتے ہوئے یہ مسجد بھی ایک بلند چبوترے پر تعمیر کی گئی ہے۔ مسجد میں 20000 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں جن میں 800 خواتین کے لیے نماز کی الگ جگہ مخصوص کی گئی ہے۔ مسجد کے اندرونی حصے میں سفید اور گہرے بھورے رنگ کا سنگ مرمر لگایا گیا ہے۔ مسجد کی محراب کے اوپر خوبصورت خطاطی میں قرآنی آیات تحریر ہیں۔ گنبد میں رنگین شیشے تکونی شکل میں کاٹ کر چسپاں کیے گئے ہیں۔ گنبد کے درمیان 46 فٹ لمبا شاندار فانوس لٹک رہا ہے جسے جرمنی کی ایک کمپنی نے تیار کیا ہے۔ مرکزی گنبد فرش سے 164 فٹ بلند ہے، اس مسجد کا

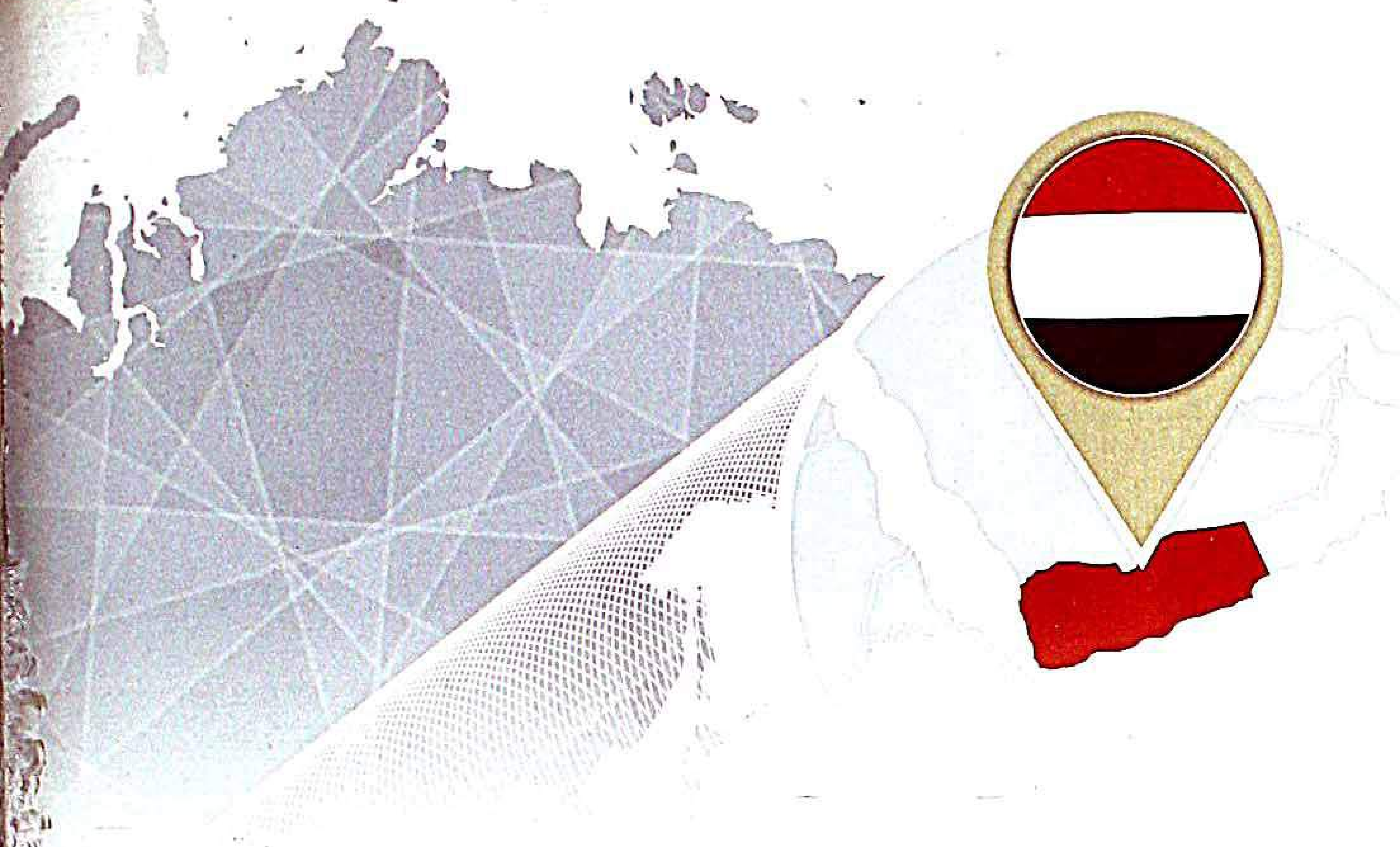


ایک بڑا مینار اور چار چھوٹے مینار ہیں۔ بڑا مینار 295 فٹ اور چار دوسرے مینار 150،150 فٹ بلند ہیں۔

مسجد میں سب سے زیادہ توجہ کا مرکز ہال میں بچھا ہوا دستی بنائی کا ایرانی قالین ہے۔ یہ قالین 244 فٹ لمبا اور 244 فٹ چوڑا، یعنی مربع شکل کا ہے۔ اس قالین کو خراسان (ایران) کی 600 خواتین نے چار سال کے طویل عرصے میں مل کر تیار کیا۔ قالین کا وزن 21 ٹن اور یہ ایک ہی ٹکڑے پر مشتمل ہے۔ یہ ہاتھ کا بُنا ہوا دنیا میں دوسرا بڑا قالین ہے۔







یمن

یمن جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغربی گوشے میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں سعودی عرب، مشرق میں عمان (Oman)، جنوب میں خلیج عدن اور بحیرۂ عرب اور مغرب میں بحیرۂ احمر ہے۔ سمندر پار اریٹیریا، جبوتی اور صومالیہ اس کے افریقی ہمسائے ہیں۔ جبوتی اور یمن کے درمیان آبنائے باب المندب (آنسوؤں کا دروازہ) کہلاتی ہے کیونکہ ماضی میں یہاں زیرِ آب چٹانوں سے ٹکرا کر جہاز ڈوب جاتے تھے۔ یمن کی شمال مشرقی سرحد پر وسیع صحرا الربع الخالی واقع ہے جس کے جنوب میں احقاف کا علاقہ ہے جہاں سیدنا ہود علیہ السلام کی قوم عاد تباہی سے دوچار ہوئی تھی۔

یمن کا رقبہ 536869 مربع کلومیٹر اور آبادی 2 کروڑ ساٹھ لاکھ کے قریب ہے جس میں 98 فیصد عرب ہیں۔ یہاں کے 100 فیصد لوگ مسلمان ہیں۔ دارالحکومت صنعاء (آبادی ساڑھے سترہ لاکھ) ہے۔ صدر مملکت عبدربہ منصور ہادی ہیں۔ سکہ یمنی ریال ہے۔ قومی اور سرکاری زبان عربی ہے۔

عہد قدیم میں یمن سبا اور حضر موت میں بٹا ہوا تھا۔ قوم سبا کی ملکہ بلقیس سیدنا سلیمان علیہ السلام کی ہم عصر تھی اور انھی کے ہاتھ پر اس نے دینِ حق قبول کیا تھا۔ مملکت سبا کا دارالحکومت پہلے مرواح اور پھر مأرب بنا۔ اہلِ سبا نے 800 ق م کے لگ بھگ سدِّ مأرب بنایا جو تیرہ صدیوں تک قائم رہا اور پھر عظیم سیلاب (سیل العرم) نے اسے توڑ پھوڑ ڈالا۔ قوم سبا کے بعد انھی میں سے بنوحمیر کو یمن میں عروج حاصل ہوا۔ چوتھی صدی عیسوی میں یہاں اکسوم کے حبشی غالب رہے، پھر تبع نام کے حمیری بادشاہ حکمران رہے جن میں سے تبع اوسط اسعد ابوکرب (25-400ء) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایک مکتوب میں پیشگی اسلام قبول



کیا۔ 570-71ء میں یمن کے غاصب حبشی حکمران ابرہہ اشرم نے مکہ پر چڑھائی کی مگر اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے سنگ بردار جھنڈ بھیج کر حملہ آوروں کو تہس نہس کر ڈالا، پھر نصف صدی تک یمن پر ایرانی قابض رہے حتیٰ کہ 628ء میں ایرانی گورنر باذان نے اسلام قبول کر لیا۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری، وائل بن حجر حضرمی، صرد بن عبداللہ ازدی، ذوالکلاع حمیری، عمرو بن معدیکرب زبیدی اور اشعر بن قیس حضرمی رضی اللہ عنہم کے حلقہ بگوش اسلام ہونے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے اہلِ یمن میں اسلام بہت تیزی سے پھیلا۔ 1832ء سے 1967ء تک عدن (جنوبی یمن) پر برطانیہ کا تسلّط رہا۔ 1962ء میں شمالی یمن میں بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا اور مئی 1990ء میں دونوں یمن متحد ہو گئے۔

یمن کے مشاہیر میں قعقاع بن عمرو تمیمی (قادسیہ کے ہیرو)، سمح بن مالک خولانی (امیر اندلس)، عبدالرحمٰن غافقی شہید (فاتح جنوبی فرانس)، حسن ہمدانی (مؤرخ و ماہر انساب) اور ابو یوسف یعقوب الکندی (فیلسوفِ عرب)، محدث ابن ہمام صنعانی اور امام شوکانی (مفسر قرآن فتح القدیر) قابل ذکر ہیں۔

یمن کی زرعی پیداوار میں گندم، مکئی، کپاس، تمباکو، قہوہ (کافی)، جوار، باجرہ اور پھل شامل ہیں۔ معدنی پیداوار میں نمک اور تیل قابل ذکر ہیں۔ عقیق یمانی مشہور ہے۔ یمن کی بڑی بندرگاہیں عدن (10 لاکھ) اور حدیدہ 21 لاکھ ہیں۔ تعز، اب، مخا، مآرب، معدہ، شبام، مکلا اور الجند مشہور ہیں۔

دارالحکومت صنعاء میں الجامع الکبیر سیدنا مسیک رضی اللہ عنہ سے منسوب مسجد حیّ مسیک میں واقع ہے۔ اس کے بانیوں میں وبر بن یحنس، ابان بن سعید اور مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہم کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ 6ھ میں تعمیر ہونے والی یہ مسجد، مسجد قباء اور مسجد نبوی کے بعد عہدِ اسلام کی تیسری مسجد شمار ہوتی ہے۔ اس کے قبلے کی تحدید خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر فرمائی تھی کہ جبل ضین کی طرف منہ کرنا، وہی تمہارا قبلہ ہے۔ الجند میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمان نبوی کے مطابق مسجد تعمیر کی۔ اب میں مسجد عمر بن عبدالعزیز، تعز میں مسجد الاشرفیہ، رداع میں مسجد العامریہ اور جبلہ میں الجامع الکبیر بھی مشہور مساجد ہیں۔

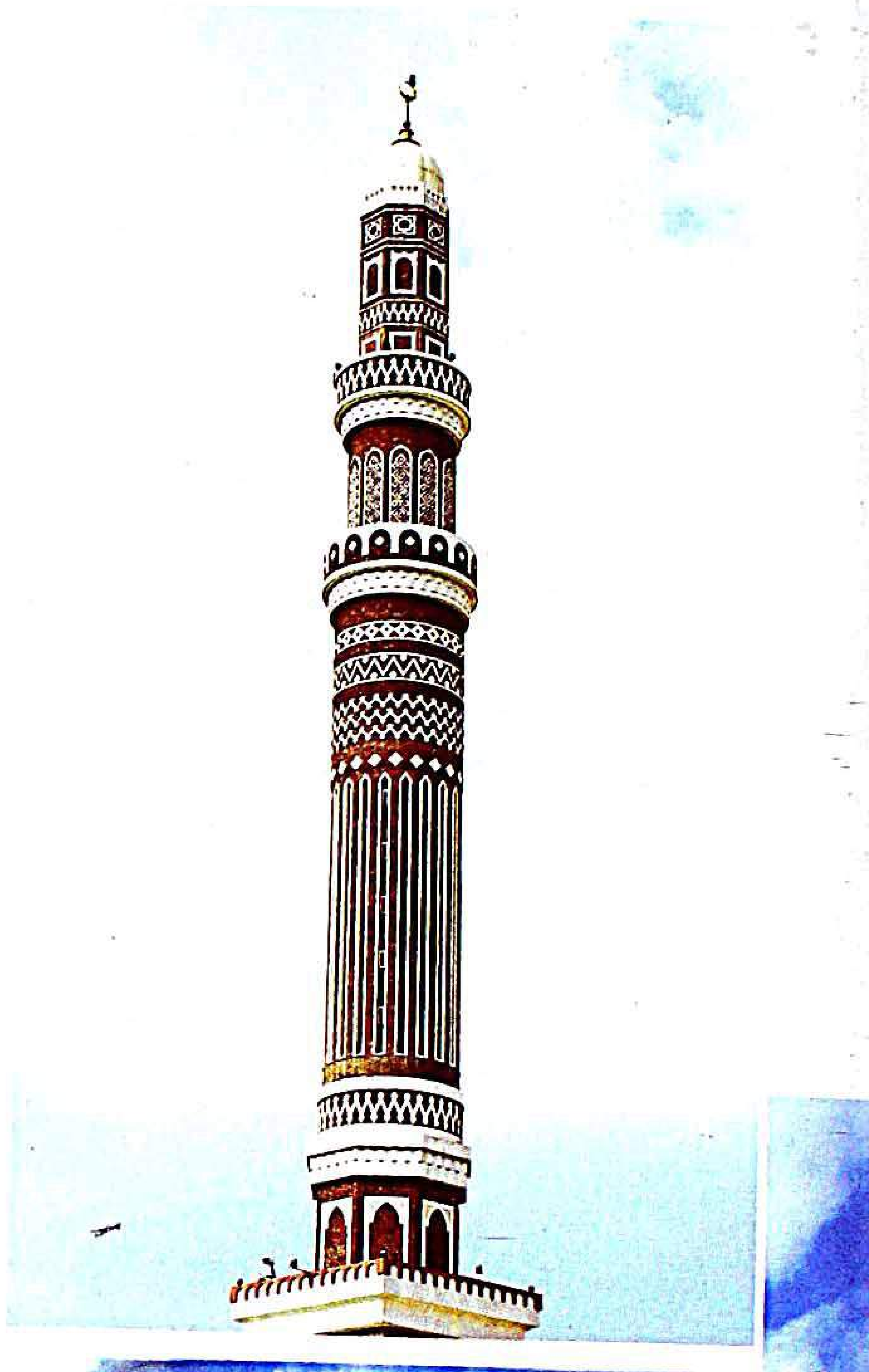


الصالح مسجد، صنعاء (یمن)

الصالح مسجد صنعاء میں رمضان کے مبارک مہینے (ستمبر 2008ء) میں کھول دی گئی۔ یہ مسجد صنعاء شہر میں اسلامی تعمیرات کا ایک بہت بڑا شاہکار ہے۔ یمن کے سابق صدر عبداللہ صالح نے اپنے ذاتی خرچ سے یہ مسجد تعمیر کروائی۔ یہ اپنے عالیشان چھ میناروں اور پانچ گنبدوں کی وجہ سے بہت شہرت کی حامل ہے۔ اس مسجد کے دو بڑے مینار 328 فٹ اور چار چھوٹے مینار 67 فٹ بلند ہیں۔ بڑے دونوں میناروں کا قطر 51 فٹ ہے۔ مرکزی گنبد 130 فٹ بلند اور اس کا قطر 90 فٹ ہے۔ مسجد کے تمام تعمیری کام میں اعلیٰ معیار کو ہر قیمت پر مدنظر رکھا گیا ہے۔

مسجد کا کل رقبہ 27300 مربع میٹر ہے جبکہ بڑے مرکزی ہال کا رقبہ 13596 مربع میٹر ہے۔ ہال کی چھت 24 میٹر (79 فٹ) بلند ہے۔ مرکزی ہال میں 44000 نمازیوں کی گنجائش ہے۔ خواتین کے لیے علیحدہ انتظام کیا گیا ہے۔ مسجد کی تعمیر میں مقامی یمن کا پتھر استعمال کیا گیا اور تعمیر میں جدید عالمی معیار پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اس مسجد کے ڈیزائن کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ اس کی تعمیر میں یمن کے روایتی فنِ تعمیر اور جدید فنِ تعمیر کو اس طرح یک جا کر دیا گیا ہے کہ مسجد کے حسن میں گرانقدر اضافہ ہوگیا ہے۔









قازاقستان

قازاقستان (قزاقستان) وسطی مغربی ایشیا میں واقع ہے۔ رقبے کے لحاظ سے یہ سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔
قازاقستان کے شمال میں سائبیریا (روس)، مغرب میں روس اور بحیرۂ قزوین (کیسپین) مشرق میں مشرقی ترکستان (چینی مقبوضہ سنکیانگ پاشن جیانگ) اور جنوب میں کرغزستان، ازبکستان، بحیرۂ ارال اور ترکمانستان واقع ہیں۔

قازاقستان کا بیشتر علاقہ گیاہستان (Steppe) یعنی گھاس کے میدانوں پر مشتمل ہے۔ جنوب میں قزل قم (سرخ صحرا) کا ریگستان ہے جو ازبکستان کے اندر تک چلا گیا ہے۔ قزل قم کے حاشیے پر قازاقستان کا سب سے بڑا دریا سیحون (سیر دریا) بہتا ہے۔ اس کے مشرق میں ترکستان نامی تاریخی شہر آباد ہے۔ دوسرا صحرا قزل اُردا ہے۔ قازاقستان کی جنوبی سرحد پر کوہستان کرغیز اور مشرقی سرحد پر کوہستان تیان شان اور کوہستان الطائی واقع ہیں۔ تیان شان میں ملک کی بلند ترین چوٹی خان تنگری (7193 میٹر) ہے۔ جنوب مشرق میں جھیل بالکش دنیا کی بڑی جھیلوں میں شمار ہوتی ہے۔ شمال میں دریائے ارتش اور اشم بہتے ہیں جبکہ مغرب میں دریائے یورال بحیرۂ کیسپین میں گرتا ہے۔ گیاہستان میں گھوڑے اور بھیڑ بکریاں گوشت اور اون کے لیے پالے جاتے ہیں۔ شمال کی دریائی وادیوں میں گندم کاشت ہوتی ہے۔

قازاقستان کا رقبہ 27,17,000 مربع کلومیٹر اور آبادی پونے دو کروڑ ہے۔ زیادہ تر آبادی شہروں میں رہتی ہے اور صنعتوں سے وابستہ ہے۔ پرانا دارالحکومت الما آتا یا الماتی کرغیزستان کی سرحد کے قریب ہے جبکہ نیا دارالحکومت آستانہ شمال مشرقی قازاقستان میں واقع ہے۔ دیگر مشہور شہر کراگنڈا، شمکند، طرز، سمی پلاٹنسک، قزل اُردا، کوستانہ، پیٹرو پاولوسک، آکٹوبہ، تالدی کرغان، یورالسک اور پاولودار ہیں۔ روسی خلائی جہازوں کا اڈا بیکانور (صوبہ قزل اردا) بھی قازاقستان میں واقع ہے۔

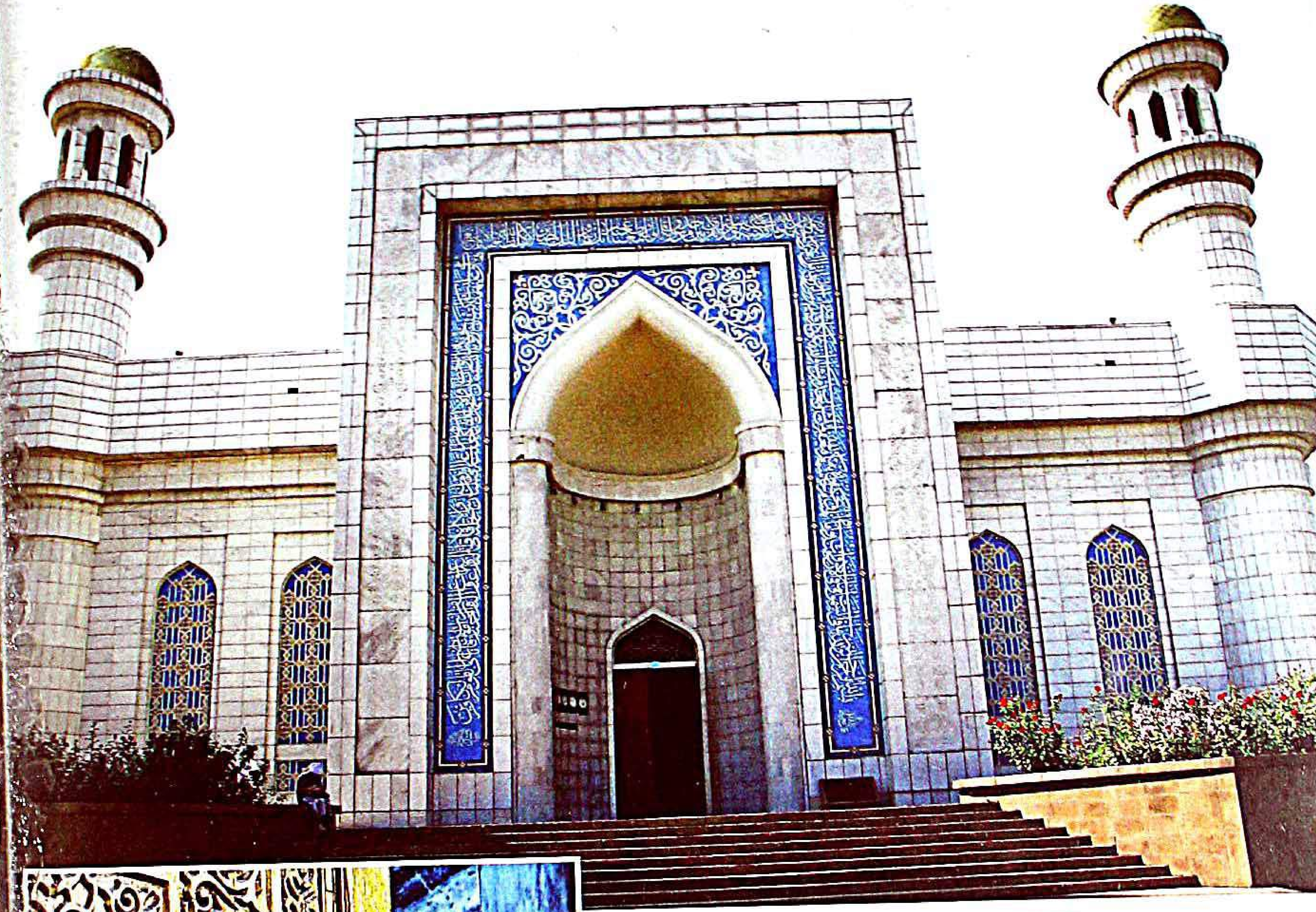
قازاقستان کی زرعی پیداوار میں گندم، کپاس، گنا، سورج مکھی کے بیج، آلو، پھل اور سبزیاں ہیں۔ معدنیات میں پٹرول، قدرتی گیس، تانبا اور نمک شامل ہیں۔ صنعتوں میں کیمیکلز، ٹریکٹر، ہیوی اور لائٹ مشینری اور پلاسٹک کی اشیاء قابل



ذکر ہیں۔سائبیریا کی سرحد پر ٹیگا کے جنگلات پائے جاتے ہیں۔

قازاقستان میں اسلام دسویں صدی عیسوی میں پہنچا۔ اُردوئے مطلا (Golden Horde) کے تاتاری سلطان غیاث الدین ازبک خان (31-1313ء) نے خانہ بدوش قازاقوں میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت میں بڑی سرگرمی دکھائی، تاہم ان کی خانہ بدوشی کے باعث مسجدوں اور مدارس کی تعمیر کا کام نہ ہوسکا۔ 1731ء میں مغربی قازاقستان کے خان ابوالخیر نے منگول قبائل کی یلغار پر زارِ روس کی وفاداری کا حلف لے لیا۔ یوں روس کا عمل دخل شروع ہوا اور 1864ء تک پورا قازاقستان روس کے تسلّط میں چلا گیا۔ زارینہ کیتھرین دوم نے مصلحتاً قازاقوں کے لیے مسجدیں بنوائیں اور مدرسے کھلوائے تاکہ ان کی خانہ بدوش زندگی میں تبدیلی آسکے۔ قازاقستان سوویت روس (91-1917ء) کے زیرِ تسلط ''کزاخ (قازاق) سوویت سوشلسٹ جمہوریہ'' کہلاتا تھا۔ دسمبر 1991ء میں جب قازاقستان آزاد ہوا تو یہاں روسی ایٹمی میزائلوں کی تنصیبات تھیں مگر روسی تمام اسلحہ قازاقستان سے اٹھالے گئے۔

قازاقستان کی آبادی میں 70 فیصد مسلمان اور 26 فیصد عیسائی بستے ہیں، کچھ یہودی بھی ہیں۔ مسلمان سنی حنفی مسلک کے پیروکار ہیں ان میں ازبک، تاتار اور ایغور نسلوں کے ترک مسلمان ہیں جبکہ ایک فیصد شافعی مسلک کے چیچن بھی ہیں۔ قازاقستان میں 2300 مسجدیں ہیں جو زیادہ تر کمونسٹ دور کے اختتام کے بعد تعمیر ہوئی ہیں۔ قازاقستان آئینی طور پر سیکولر ملک ہے۔ اسلام جنوبی قازاقستان میں عباسی اور سامانی دور میں وارد ہوا۔ گیارھویں صدی عیسوی میں خواجہ احمد یسوی نے یہاں فروغِ اسلام کے لیے کام کیا۔ ان کا مزار سیر دریا کے مشرق میں ترکستان نامی شہر میں ہے جس کی تاریخ پیچھے چوتھی صدی عیسوی تک جاتی ہے۔



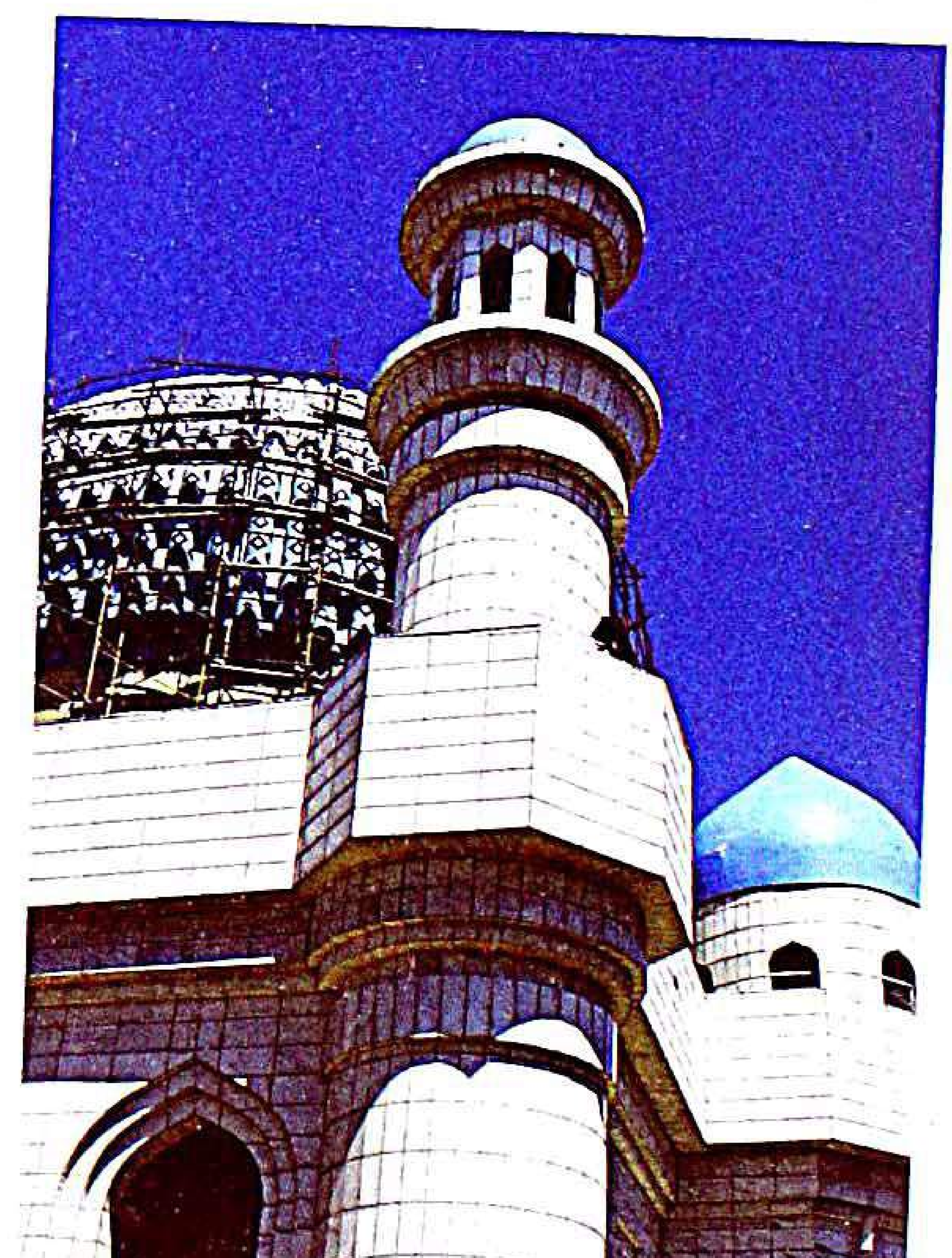


مرکزی جامع مسجد، الماتی

(قزاقستان)

1991ء میں سوویت یونین سے آزادی حاصل کرنے کے بعد قزاقستان (قازاقستان) میں مجموعی طور پر 2300 مساجد بن چکی ہیں لیکن ان میں مرکزی جامع مسجد الماتی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے۔ 7 جولائی 1993ء کو اس مسجد کا سنگِ بنیاد اس پرانی مسجد کی جگہ پر رکھا گیا جو سو سال قبل تعمیر کی گئی تھی لیکن بعد میں کسی زلزلے کی نذر ہو کر گر چکی تھی۔ سنگِ بنیاد رکھنے کے بعد اس کی تعمیر کچھ عرصہ تاخیر کا شکار رہی، تاہم 1999ء میں جب یہ مسجد مکمل ہوگئی تو الماتی کے شہریوں نے دیکھا کہ اس خوبصورت مسجد کی تعمیر سے شہر کے حسن میں مزید اضافہ ہو چکا ہے۔ راقم نے اپنے روس کے قیام کے

دوران میں الماتی شہر دیکھا ہے، یہ شہر پس منظر میں سرسبز پہاڑ کی وجہ سے بہت خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔ پہاڑ کے جلو میں سفید پتھر سے بنی مسجد کا نیلگوں گنبد شہر میں نگینے کی طرح چمکتا ہے۔ اس گنبد کا قطر 66 فٹ ہے اور یہ فرش سے 118 فٹ بلند ہے۔ اس مسجد کا واحد مینار جو ایک کونے میں تعمیر کیا گیا ہے۔ 154 فٹ بلند ہے۔ مسجد کے ہال کے اندر قرآنی آیات خوبصورت رسم الخط میں تحریر کی گئی ہیں۔ اس خوبصورت مسجد کو دیکھ کر اسلام کی حقانیت دلوں پر گہرا نقش چھوڑتی ہے۔ اس میں 7000 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ یہ قزاقستان کی چند بڑی مساجد میں سے ایک ہے۔



آستانہ (شہر)

آستانہ مشرقی قازاقستان کے وسط میں دریائے اِیشم کے کنارے واقع ہے۔ اسے 1997ء میں الماتی کی جگہ دارالحکومت بنایا گیا۔ آستانہ کی آبادی تقریباً 3 لاکھ ہے۔ یہ ریلوے لائن اور سڑک کے ذریعے سے جنوب میں کراگنڈہ اور الماتی (الماتا) سے اور شمال میں کوک شیتو اور پیٹروپاولوسک سے ملا ہوا ہے۔

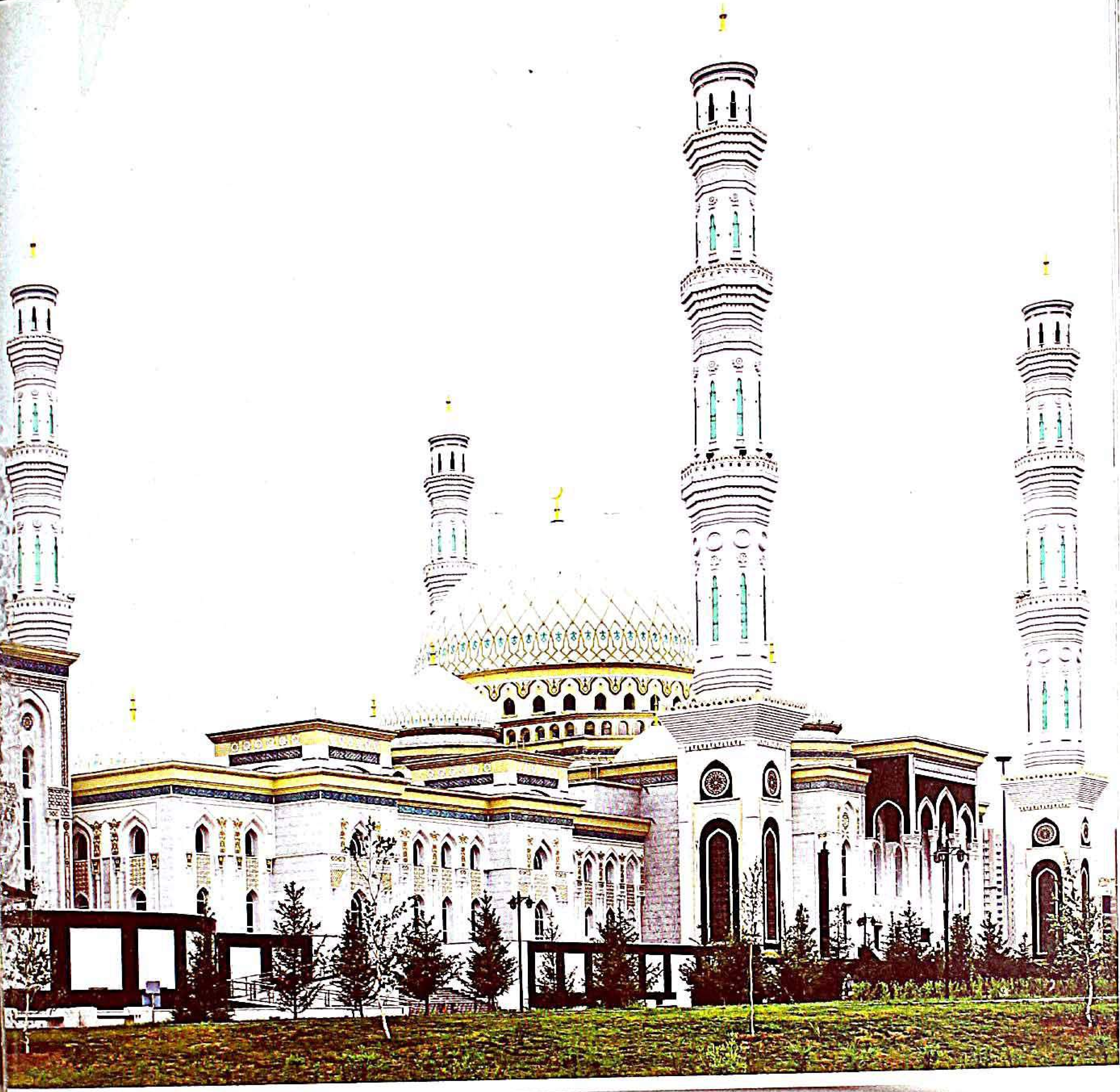



НУР АСТАНА

نور آستانہ مسجد (قازاقستان)

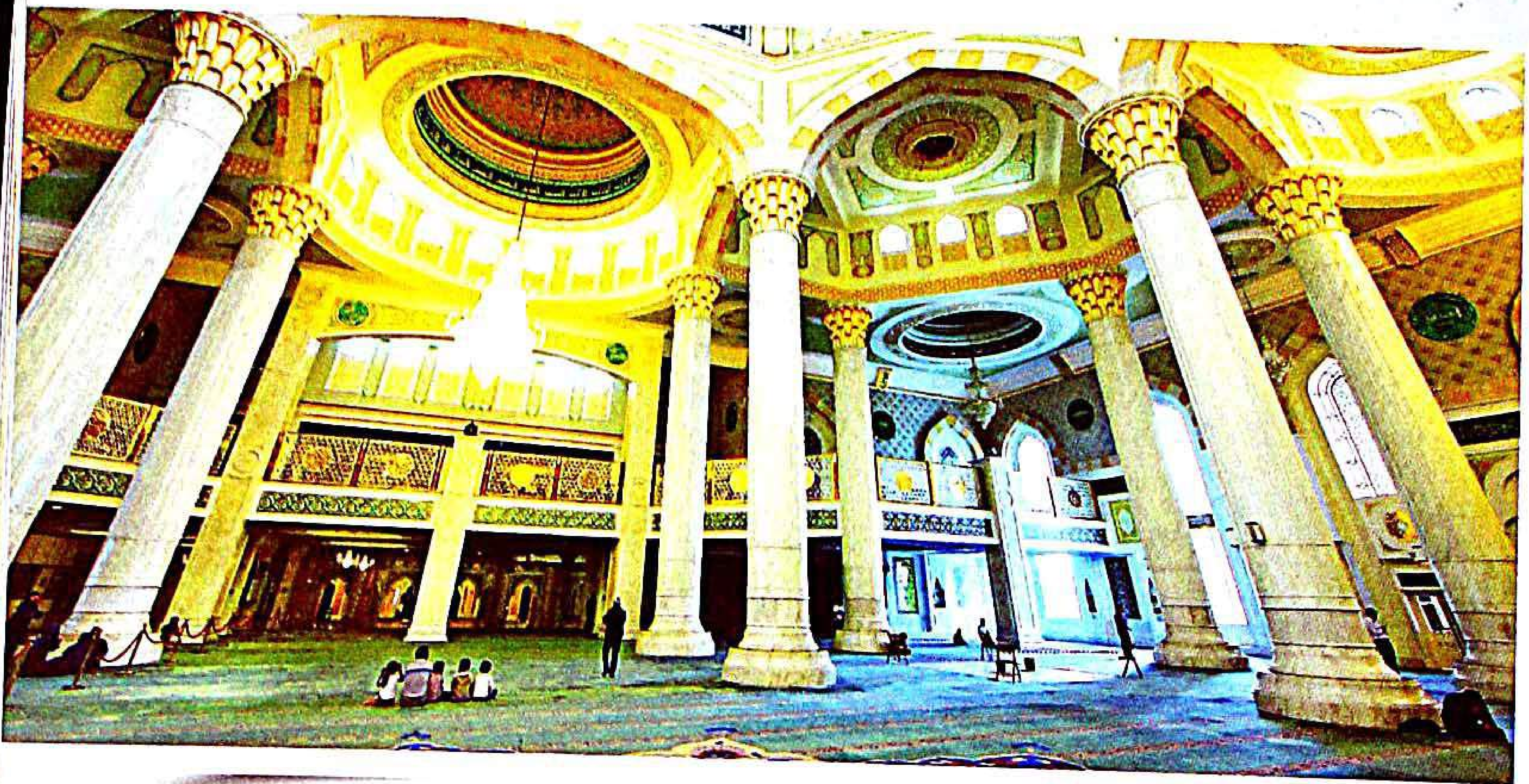
قازاقستان (قزاقستان) کا ملک سوویت یونین کی تمام نوآزاد ریاستوں میں سب سے بڑا ہے۔ آستانہ قازاقستان کا نیا دارالحکومت ہے۔ نور آستانہ مسجد آستانہ شہر میں بنائی گئی ہے۔ یہ مسجد وسطی ایشیا کی سب سے بڑی اور خوبصورت مسجد ہے، اس مسجد کا درمیانی گنبد جس پر سنہری کام کیا گیا ہے، چالیس میٹر بلند ہے جو آنحضور ﷺ کی عمر کے اس وقت (40 سال) کی نشاندہی کرتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ مسجد کے چاروں کونوں پر چار بلند و بالا مینار ہیں، جن کی بلندی 63 میٹر ہے جو آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ (63 سال) کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ مسجد آستانہ شہر میں بہنے والے ایشم دریا (Ishim River) کے مغربی کنارے پر تعمیر کی گئی ہے۔ مسجد کی تعمیر کا آغاز مارچ 2005ء میں ہوا اور یہ 2008ء میں مکمل ہوئی۔ دراصل یہ مسجد قزاقستان کے عوام کے لیے اس معاہدے کے نتیجے میں ملنے والا ایک گرانقدر تحفہ ہے جو قزاقستان کے صدر نورسلطان نذربائے اور امیرِ قطر حماد بن خلیفہ کے درمیان ہوا تھا۔ امیرِ قطر کا یہ خیرسگالی دورہ تھا جس میں اس نے اس خوبصورت مسجد کی تعمیر کے لیے ہر طرح کے مالی تعاون کی یقین دہانی کروائی۔ یہ مسجد اسی معاہدے کا خوبصورت ماحصل ہے۔ مسجد کے مرکزی ہال میں 5000 نمازی اور باہر والے احاطہ میں مزید 2000 نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کی تعمیر میں کنکریٹ، شیشہ اور گرینائٹ (سنگِ خارا) استعمال کیا گیا ہے۔

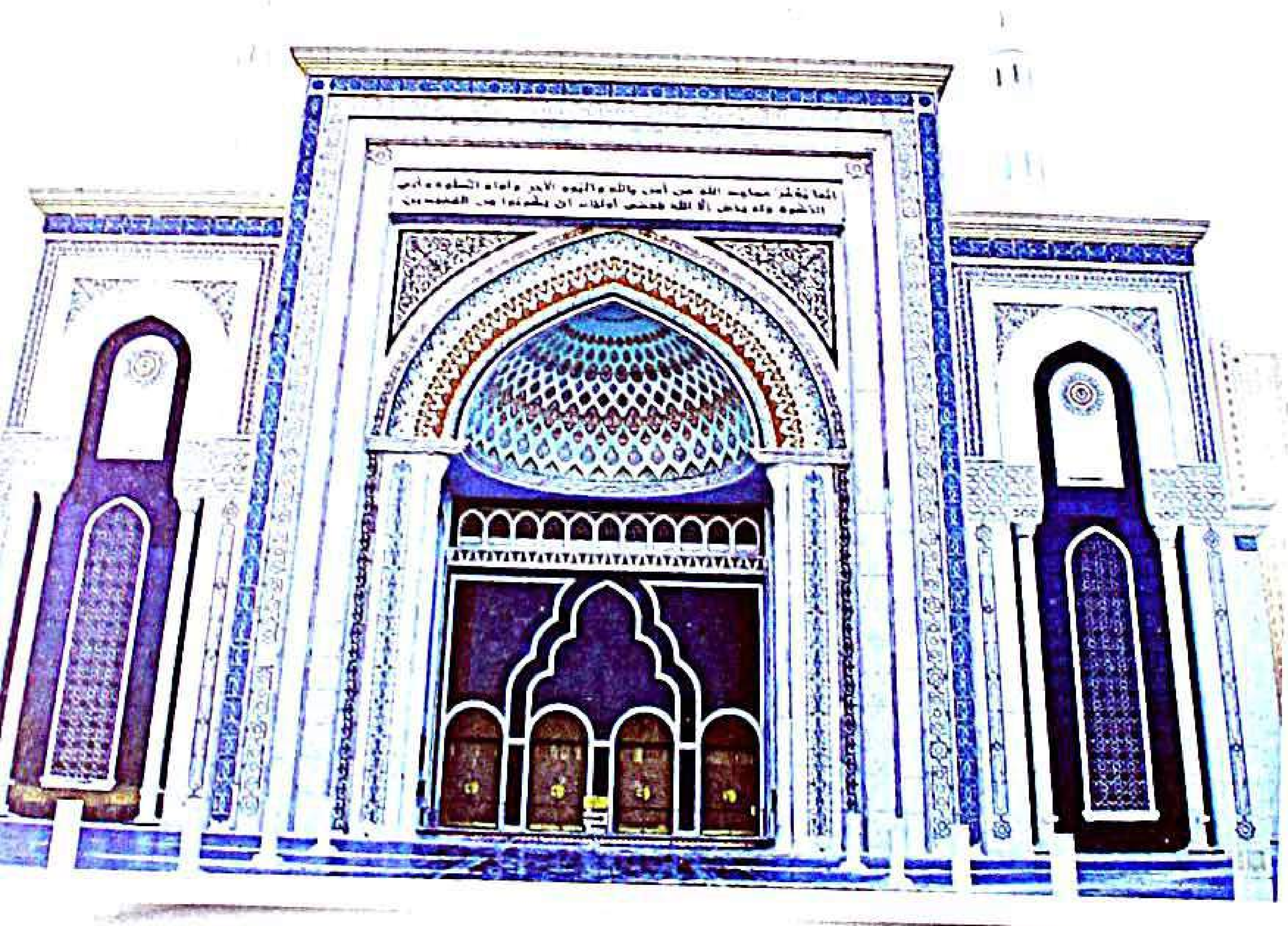


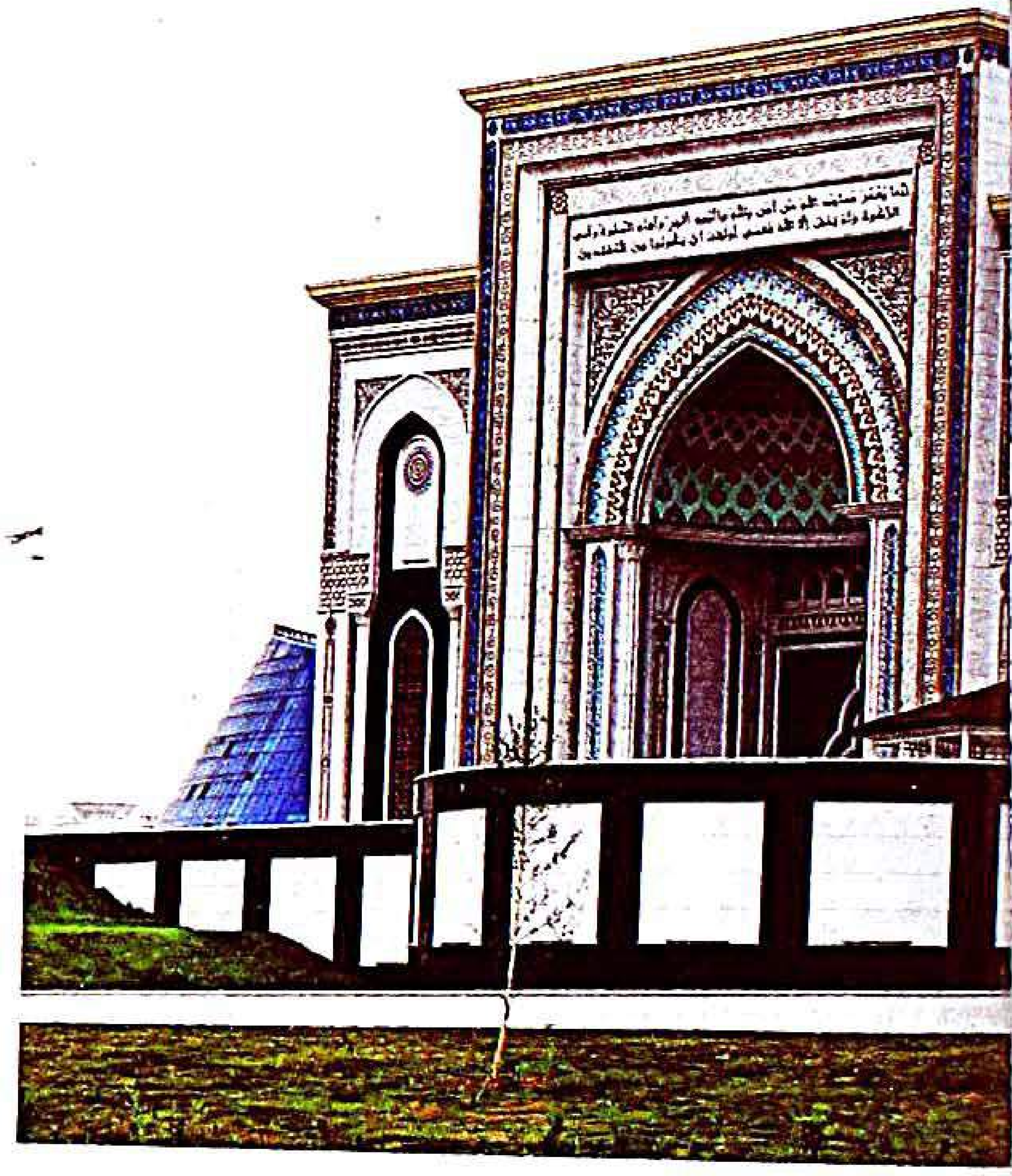


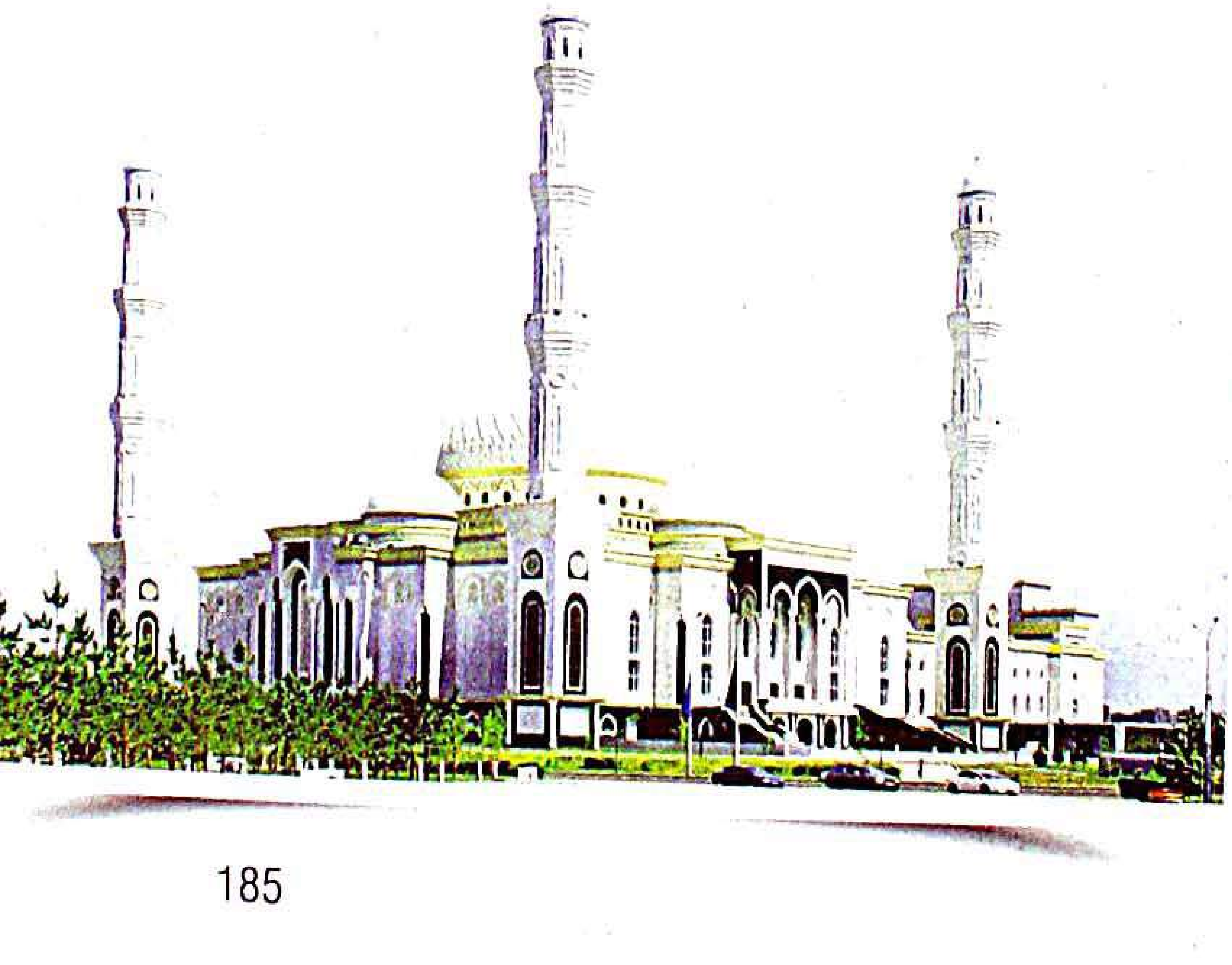
سلطان مسجد، آستانہ (قازاقستان)

2012ء میں قازاقستان کے نئے دارالحکومت کی چودھویں سالگرہ کے موقع پر آستانہ میں اس مسجد کا افتتاح ہوا جو ملک کی ایک خوبصورت مسجد ہے۔ 1991ء میں سوویت یونین سے آزادی حاصل کرنے کے آٹھ سال بعد 1998ء میں قازاقستان کا دارالحکومت الماتا سے آستانہ منتقل کر دیا گیا۔ پُرانا دارالحکومت اتنے بڑے ملک کے انتہائی مشرق میں واقع تھا جبکہ نیا دارالحکومت آستانہ ملک کے تقریباً وسط میں پڑتا ہے۔ آستانہ کی اس نئی مسجد کا نام حضرت سلطان مسجد ہے۔ یہ 27 ایکڑ کے رقبے پر پھیلی ہوئی ہے جو کہ فٹ بال کے اٹھارہ گراؤنڈوں کے برابر ہے۔ اس میں پانچ ہزار نمازی نماز ادا کر

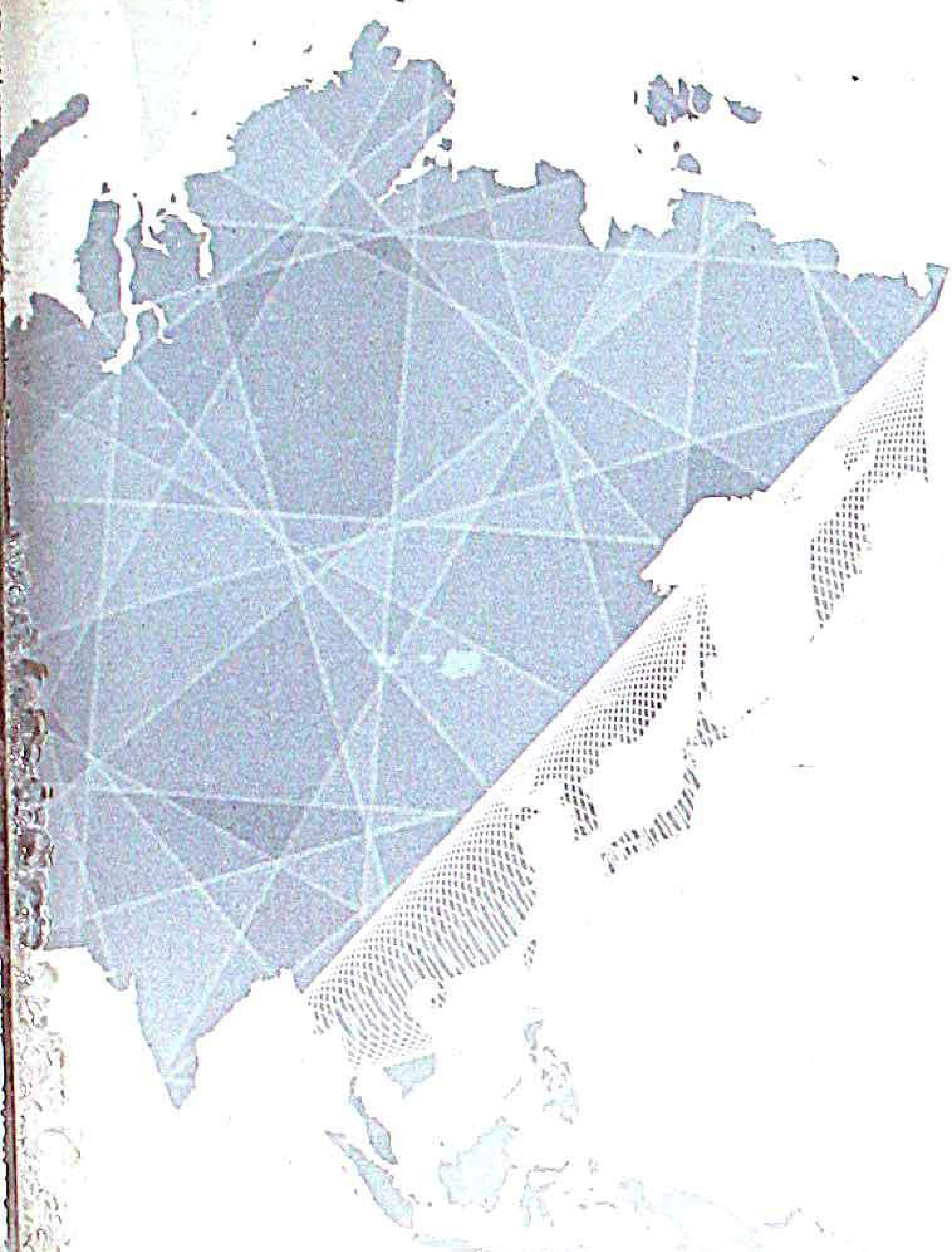








سکتے ہیں۔ یہ مسجد جمعۃ المبارک کے دن کھولی گئی۔ اس کے افتتاح کے موقع پر قازاقستان کے صدر نور سلطان نذر بائے نے کہا کہ آستانہ میں اتنی خوبصورت مسجد تعمیر ہونے پر میں قازاقستان کے مسلمانوں کو تہ دل سے مبارک باد دیتا ہوں۔





سری لنکا

سری لنکا بھارت کے جنوب میں بحرِ ہند کے اندر واقع جزیرہ ہے۔ اسے زمانۂ قدیم میں سراندیپ یا لنکا کہا جاتا تھا۔ پندرھویں صدی میں پرتگالی اور پھر ولندیزی (ڈچ) یہاں مسلط ہوئے تو انھوں نے اسے سیلون (Ceylon) کا نام دیا۔ 1972ء میں سیلون کے بجائے موجودہ نام اختیار کیا گیا۔ سری لنکا کا رقبہ 65610 مربع کلومیٹر ہے۔ اس طرح یہ رقبے میں یورپی ملک لتھوانیا کے تقریباً برابر ہے۔ سری لنکا کی آبادی تقریباً 2 کروڑ ہے۔ دارالحکومت کولمبو کی آبادی ساڑھے سات لاکھ ہے۔ دیگر اہم شہر کینڈی، جفنہ، گالا، ٹرینکو مالی اور پولونا روا ہیں۔ یہ کامن ویلتھ، سارک، غیر جانبدار تحریک اور اقوام متحدہ کا رکن ہے۔ سری لنکا کا دارالحکومت کولمبو ہے۔ یہ نام پرتگالیوں نے 1505ء میں یہاں آمد پر دیا تھا۔ اس سے پہلے ابن بطوطہ نے اسے کالن بو (Kalanbu) لکھا تھا۔ اس سے ملحق سری جے وردھنا پورہ کوٹے ہے جہاں ملکی پارلیمنٹ کی عمارت ہے۔

لنکا یا سری لنکا کا ذکر ہندوؤں کی افسانوی دیو مالا میں آتا ہے جب راجہ راون ہندو دیوتا رام چندر کی بیوی سیتا کو اغوا کر کے لنکا لے گیا تھا۔ اور پھر ہنومان نے بندروں کی فوج کے ساتھ راون کو شکست دی تھی۔ تیسری صدی عیسوی سے یہاں بدھ مت پھیلنے لگا حتی کہ جزیرے کی بیشتر آبادی نے بدھ مذہب قبول کر لیا۔ ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں



یہاں اسلام وارد ہوا اور سری لنکا سے عرب مسلمانوں کے تجارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ دیبل (سندھ) کے بحری ڈاکوؤں نے سراندیپ (لنکا) سے آنے والے عربوں کے تجارتی جہاز لوٹ لیے تو محمد بن قاسم نے 93ھ/712ء میں عراق سے یلغار کر کے سندھ وملتان فتح کر لیے۔ اس وقت سری لنکا میں 65 فیصد بدھ، 25 فیصد ہندو اور 10 فیصد مسلمان آباد ہیں۔

سری لنکا میں پرتگالی سولھویں صدی عیسوی میں آئے۔ اگلی صدی میں ولندیزیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ ان سے انگریزوں نے 1796ء میں جزیرہ چھین لیا۔ 1948ء میں اسے آزادی ملی۔ 1983ء میں شمال مشرقی سری لنکا کے تامل ہندوؤں نے علیحدگی کی مسلح تحریک تامل ٹائیگرز کے نام سے شروع کر دی۔ بھارتی آشیرباد سے چلنے والی یہ خونریز تحریک تین عشروں تک جاری رہی حتیٰ کہ 2002ء میں تامل جنگجوؤں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس میں ناروے نے مصالحانہ کردار ادا کیا۔

اپریل 2013ء میں کولمبو سے 148 کلومیٹر مشرق میں دمبلا کے مقام پر 2 ہزار جنونی بدھوں نے مسلمانوں کی مسجد پر حملہ کر کے انھیں نمازِ جمعہ کی ادائیگی سے روک دیا اور مسجد تباہ کر دی جو مسلمانوں نے 50 برس پہلے تعمیر کی تھی۔ بدھوں کے بقول وہ جگہ ان کے سنہری مندر (Golden Temple) کی ہے جبکہ مسلمانوں کا کہنا ہے کہ تعمیرِ مسجد کے وقت ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ حکومت نے مسجد کے لیے متبادل جگہ دینے کا وعدہ کر کے معاملہ رفع دفع کرا دیا۔







جامعُ الاَلفار مسجد، کولمبو (سری لنکا)

یہ ایک تاریخی مسجد ہے جو کولمبو میں کراس سٹریٹ پر واقع ہے۔ کولمبو سری لنکا کا دارالحکومت ہے جو اس جزیرے کے جنوب مغربی ساحل پر واقع ہے۔ یہ مسجد اتنی خوبصورت ہے کہ شروع سے سیّاحوں کی توجہ کا مرکز بنی رہی ہے۔ اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اس کو دنیا کی بیس خوبصورت مساجد کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ اس مسجد کو 1909ء میں کولمبو میں رہنے والے مسلمانوں نے تعمیر کیا تاکہ وہ پانچوں وقت کی نماز، نمازِ جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا کرسکیں۔ یہ کولمبو کی سب سے پرانی مسجد ہے۔ اس کے منفرد ڈیزائن میں سفید اور سرخ رنگ کے استعمال نے اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ اس مسجد کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اس کے بنانے والوں کے دلوں میں دینِ اسلام سے کس قدر محبت تھی۔

روس

روس رقبے کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً ایک کروڑ 71 لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ اس کی شرقاً غرباً لمبائی 4500 کلومیٹر ہے۔ روس کے شمال میں بحر منجمد شمالی، مشرق میں آبنائے بیرنگ، بحیرۂ بیرنگ (بحرالکاہل)، بحیرۂ اوخوٹسک اور بحیرۂ جاپان، جنوب میں شمالی کوریا، چین، منگولیا، قازاقستان، بحیرۂ کیسپین، آذربائیجان، جارجیا، بحیرۂ اسود اور مغرب میں یوکرین، بیلارس (سفید روس)، پولینڈ، لتھوانیا، لیٹویا، اسٹونیا، بحیرۂ بالٹک، فن لینڈ اور ناروے واقع ہیں۔ کوہستان یورال ایشیائی روس کو یورپی روس سے جدا کرتا ہے۔ ایشیائی یورال سائبیریا کے وسیع علاقے اور گیاہستان (Steppe) پر مشتمل ہے۔ یہاں تین بڑے دریا اوب، ینسی اور لینا شمال کی طرف بہتے ہوئے بحر منجمد شمالی میں جاگرتے ہیں۔ سائبیریا میں ٹیگا کے وسیع جنگلات ہیں۔ یہاں کوئلے اور لوہے کے ذخائر بھی ہیں۔ ملکی دارالحکومت ماسکو یورپی روس میں واقع ہے۔ یہیں یورپ کا سب سے لمبا دریا وولگا بہتا ہے جو بحیرۂ کیسپین میں آن گرتا ہے۔ روس میں آٹھ مسلم علاقے جہاں 50 فیصد سے زیادہ مسلم آبادی ہے، یہ ہیں: آدیگیہ، قراچائی چرکسیہ، کبار دینو بلکاریہ، انگوشیتا، چیچنیا، داغستان، تاتارستان اور بشکیریہ۔ روس میں پہلی مسلم ریاست وولگا بلغاریہ 922ء میں قائم ہوئی تھی۔ تیرھویں صدی عیسوی میں روس پر تاتاریوں کا قبضہ ہوا جو کچھ عرصہ بعد مسلمان ہوگئے۔ دریائے وولگا کے کنارے قازان شہر آباد ہے جہاں 1552ء میں روسی قبضے تک آلتین اوردہ (اردوئے مطلاّ) کی مسلم تاتاری ریاست قائم تھی۔ اس کے جنوب میں استراخان کی مسلم تاتاری ریاست پر روسی 1555ء میں قابض ہوئے تھے۔ استراخان شہر دریائے وولگا پر اس کے دہانے سے کچھ پہلے واقع ہے، مغرب میں بحیرۂ بالٹک کے کنارے روس کا سابق دارالحکومت سینٹ پیٹرزبرگ (سابق لینن گراڈ) واقع ہے۔

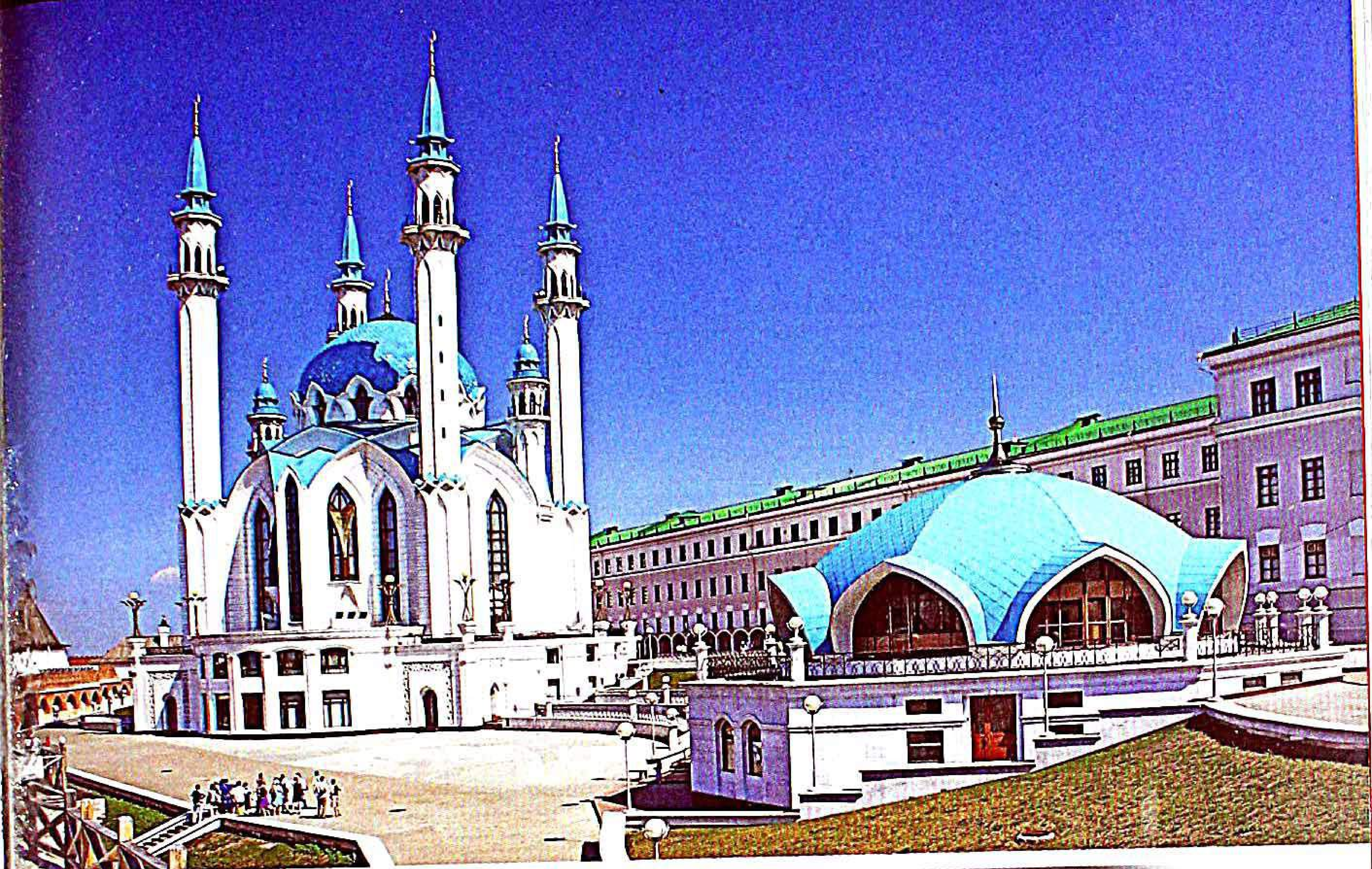
روس کی آبادی تقریباً پندرہ کروڑ ہے۔ 1991ء میں سوویت روس کی شکست و ریخت سے پہلے اس کی آبادی 30 کروڑ کے لگ بھگ تھی۔ دسمبر 1991ء میں چھ مسلم ممالک قازاقستان، کرغیزستان، تاجکستان، ازبکستان، ترکمانستان اور آذربائیجان اور آٹھ مسیحی ممالک آرمینیا، جارجیا، یوکرین، مالڈووا، بیلارس، لیٹویا، اسٹونیا اور لتھوانیا روس کے قبضے سے آزاد ہوئے۔ بحیرۂ کیسپین اور بحیرۂ اسود کے درمیان کوہ قاف کبیر (Greater Caucasus) روس کی جنوبی سرحد پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں مسلم اکثریت کے علاقے داغستان، چیچنیا، انگوشیتا اور کبار دینو بلغار وغیرہ واقع ہیں۔ اکتوبر



1991ء میں متحدہ چیچنیا وانگوشیتا نے جنرل جوہر داؤد شہید کی قیادت میں آزاد مسلم ریاست کے قیام کا اعلان کیا تھا۔ روسیوں نے پہلے فوجی قوت سے چیچن حریت پسندوں کو دبانے کی کوشش کی، پھر اگست 1995ء میں مشروط جنگ بندی منظور کرلی کہ پانچ سال بعد چیچنیا کی آزادی تسلیم کرلی جائے گی مگراس سے پہلے ہی ستمبر 1991ء میں ولاڈیمیر پوٹن نے چیچنیا پر روسی فوجیں چڑھادیں اور شدید بمباری اور خونریزی کے بعد جنوری 2000ء میں چیچن کے دارالحکومت گروزنی پر قبضہ کرلیا۔اس کے بعد سے چیچنیا اور اس کے مشرقی ہمسائے داغستان میں روسی قبضے کیخلاف گوریلا جنگ کے شعلے بھڑکتے رہتے ہیں۔چیچن صدر جوہر داؤد کو روسیوں نے اپریل 1996ء میں میزائل مار کر شہید کردیا تھا۔جنوری 2000ء میں روسیوں نے احمد قادروف کو تختِ اقتدار پر بٹھایا تھا۔اس کے قتل کے بعد سے رمضان قادروف برسرِ اقتدار ہے۔روس میں مسلمانوں کی کل تعداد اڑھائی کروڑ ہے۔

روس کی معدنی پیداوار میں تیل، گیس، کوئلہ، لوہا، تانبا، کرومیم، سیسہ، جست، ایلومینیم، پوٹاش، نمک، گندھک، سونا، ہیرے اور پلاٹینم شامل ہیں۔زرعی پیداوار گندم، چاول، آلو، چقندر، کپاس، سورج مکھی کے بیج اور تمبا کو پر مشتمل ہے۔

بشکرتستان یا بشکیریہ بھی روس کے اندر مسلم اکثریتی جمہوریہ ہے۔اس کی 60 فیصد آبادی مسلمان ہے۔بشکرتستان کا دارالحکومت اوفا قازان سے تقریباً 440 کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع ہے۔اس کے مشرق میں کوہستان یورال ہے جو یورپ کو ایشیا سے جدا کرتا ہے۔بشکرتستان کے صدر کا نام رستم حمیدو ہے۔اوفا کی پانچ مساجد میں سے حسین ترین ''مسجد احسان'' ہے۔(روس میں روشنی کے مینار، عبدالمالک مجاہد ''ضیائے حدیث'' فروری 2013ء)



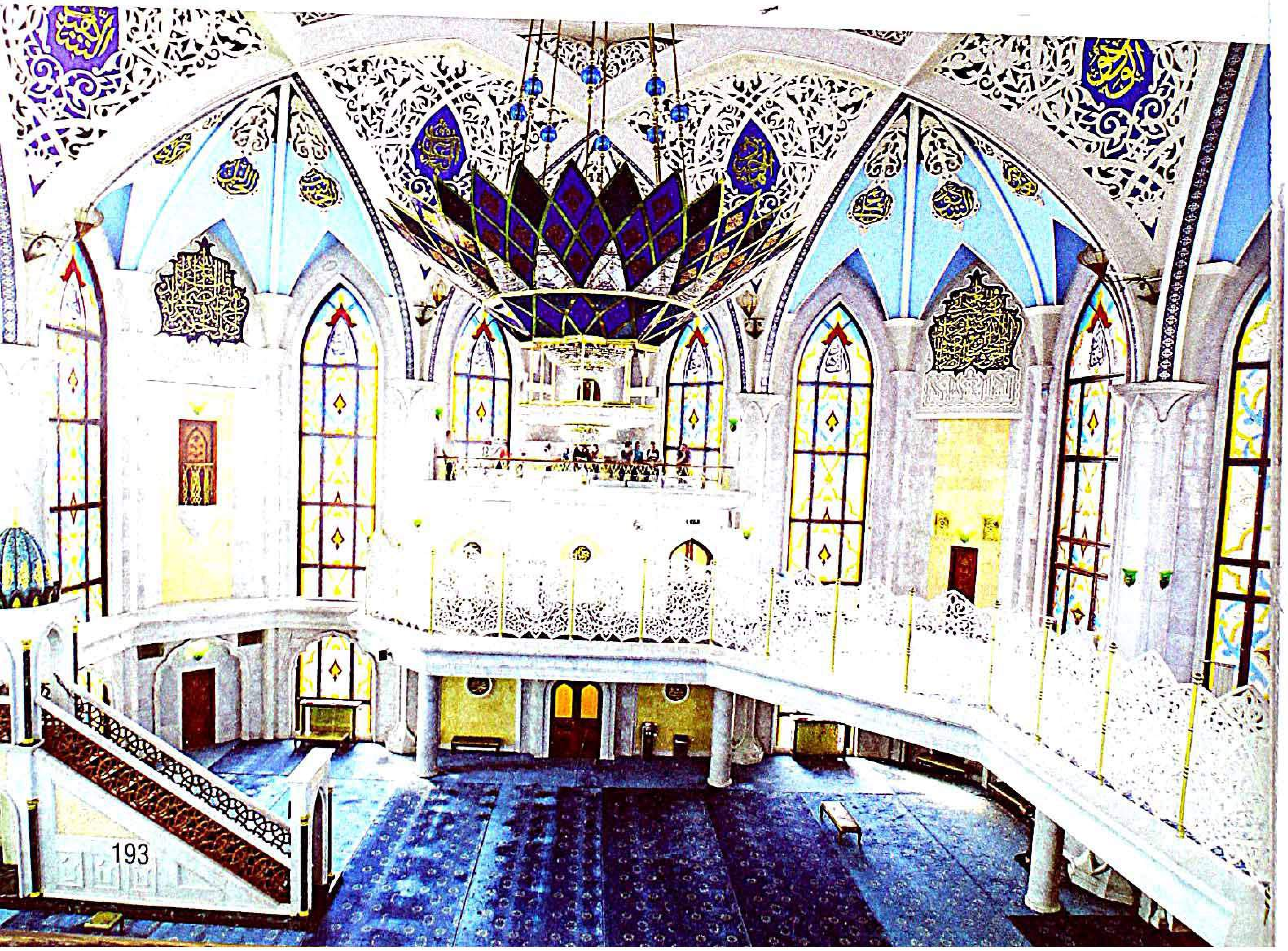
قُل شریف مسجد، قازان (روس)

قُل شریف مسجد روس کے یورپی علاقہ تاتارستان کی نہ صرف خوبصورت بلکہ سب سے بڑی مسجد ہے۔ یہ مسجد تاتارستان کے شہر قازان میں واقع ہے جو اپنی خوبصورتی کی وجہ سے سیاحوں کے لیے بہت کشش رکھتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس جگہ پہلے بھی ایک مسجد موجود تھی جو 1552ء کے روسی حملے کی نذر ہوگئی۔ بالکل اسی جگہ چار صدیاں گزرنے کے بعد ایک نئی مسجد تعمیر کی گئی جس کی تعمیر میں نو سال کا عرصہ لگا۔ اس مسجد کا افتتاح 25 جولائی 2005ء کو ہوا۔

یہ مسجد عالم دین قُل شریف کے نام سے موسوم ہے جو سولھویں صدی میں یہاں ایک اسلامی مدرسے کے جید استاد تھے۔ وہ 1552ء میں روسی فوجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے کئی شاگردوں کے ساتھ شہید ہوگئے تھے۔ اس مسجد کی تعمیر کے لیے جو فنڈ تشکیل دیا گیا تھا، اس میں کئی ممالک نے فراخدلی سے مالی اعانت کی۔ ان میں سعودی عرب کے علاوہ متحدہ عرب امارات بھی شامل ہے، مسجد کا ڈیزائن ماہرِ تعمیرات سیف اللہ نے تیار کیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اس مسجد کا نقشہ تیار کرتے وقت اپنا سارا فن اس میں سمو دیا ہے۔ اپنی خوبصورتی کی بنا پر یہ مسجد دنیا کی دس خوبصورت مساجد میں شمار کی جاتی ہے اور اسی وجہ سے اسے 2010ء میں آغا خاں ایوارڈ کا مستحق ٹھہرایا گیا۔



اس مسجد کا کل رقبہ 69322 مربع فٹ اور مسقّف حصہ 11324 مربع فٹ ہے۔ اس مسجد کے چار فلور ہیں جن میں تہ خانہ بھی شامل ہے۔ پہلے فلور پر خواتین کے لیے جگہ مخصوص کی گئی ہے۔ اوپر گیلری میں بھی 300 خواتین نماز ادا کر سکتی ہیں۔ پہلی منزل پر وضو خانہ، انتظامیہ اور امام صاحب کے دفاتر بنائے گئے ہیں۔ دوسری منزل پر نمازیوں کے لیے ہال بنایا گیا ہے، محراب کے اردگرد انبیاء علیہم السلام کے نام نہایت خوبصورتی سے لکھے گئے ہیں۔ ہال کے درمیان ایک بہت بڑا فانونس ہے جو 30 فٹ لمبا اور 16 فٹ قطر کا ہے۔ تہ خانہ میں ایک اسلامی میوزیم بنایا گیا ہے۔ اس مسجد سے ملحق اسلامی کتب کی لائبریری کے علاوہ اشاعتی ادارے کا دفتر ہے۔ مسجد میں ایک ہی وقت میں 6000 نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

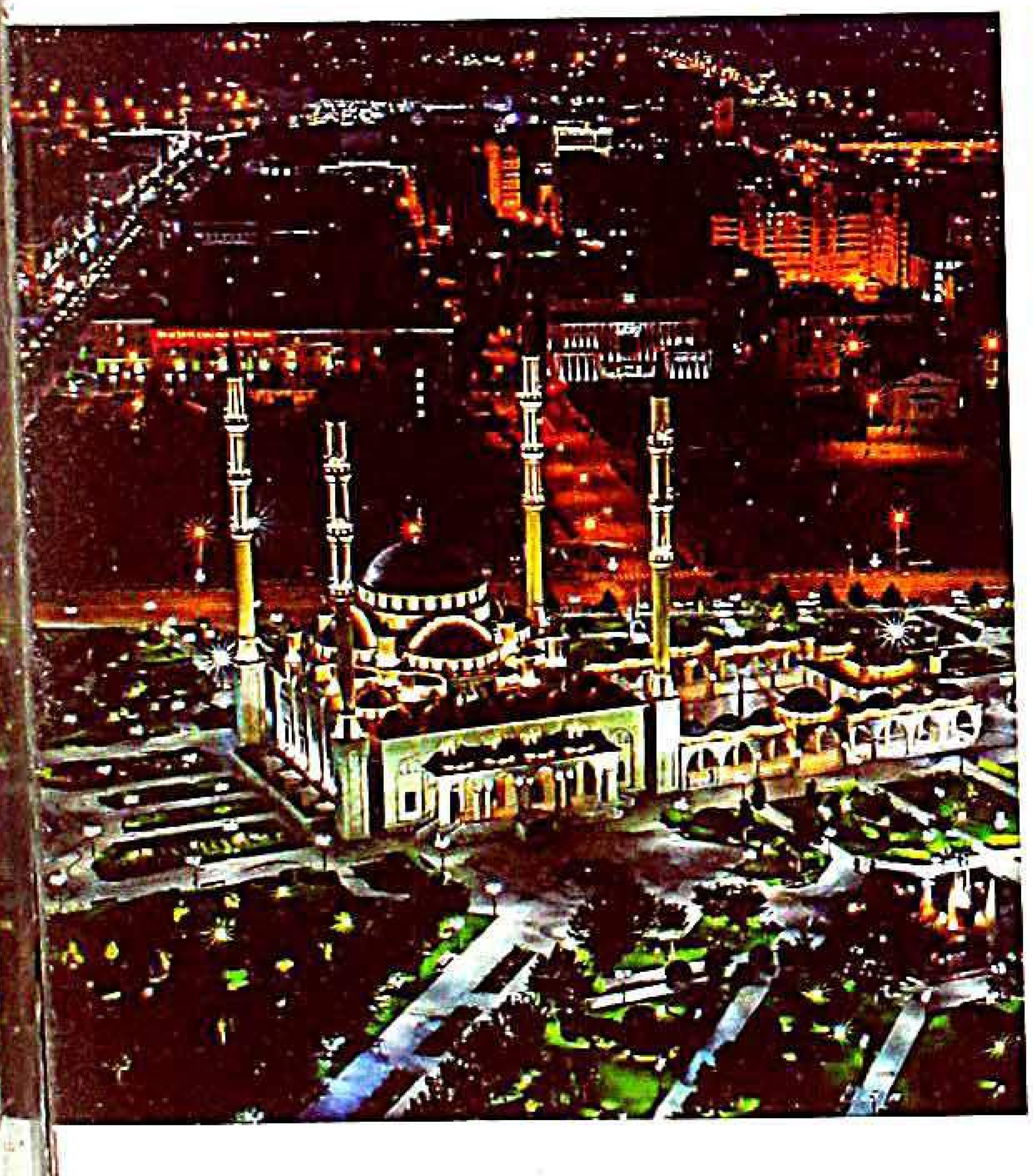


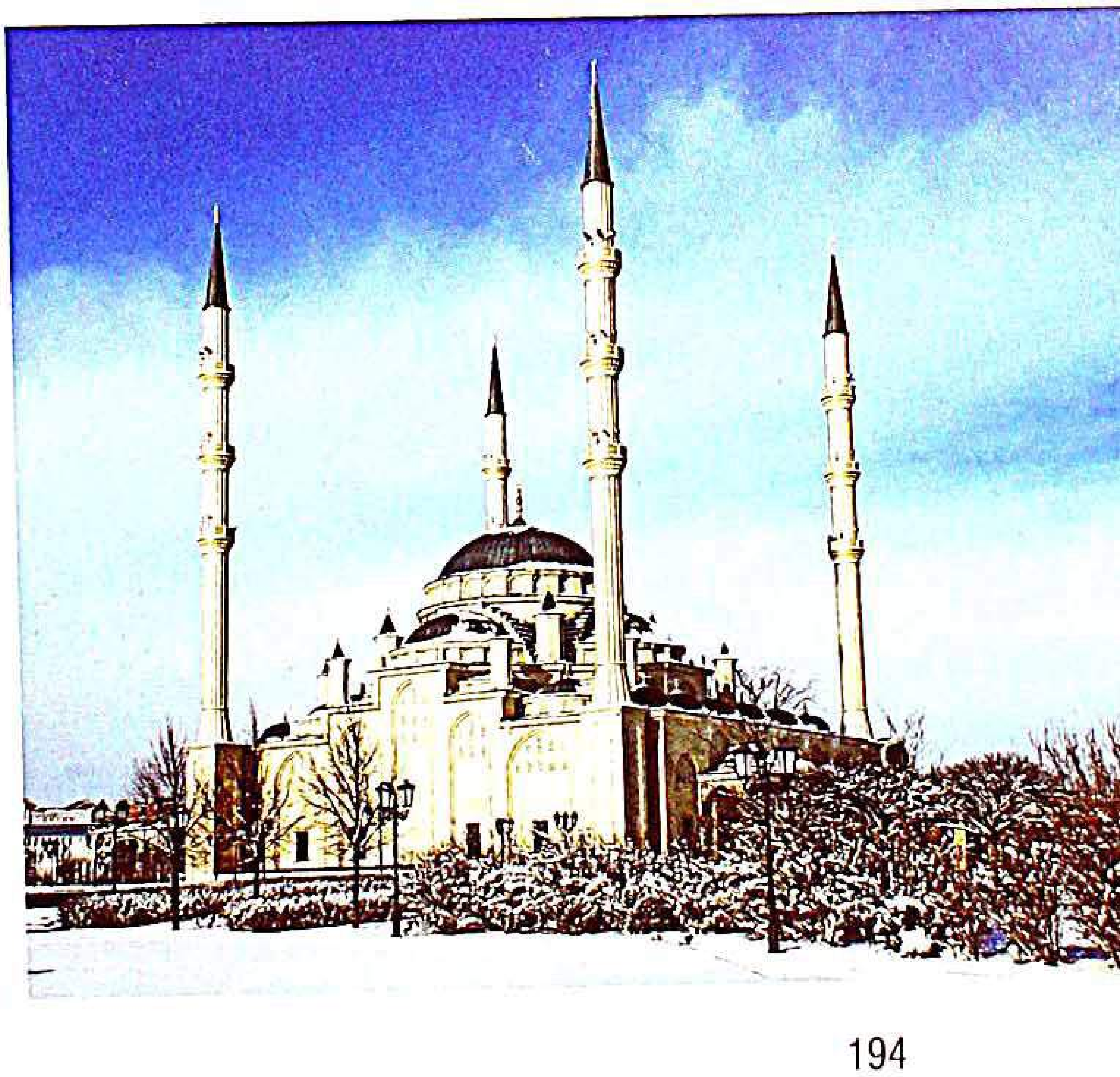
احمد قادروف مسجد، گُروزنی (چیچنیا) روس

یہ مسجد روس میں چیچنیا کے دارالحکومت گُروزنی میں واقع ہے اور روس کی بڑی مسجدوں میں سے ایک ہے۔ اس کو سرکاری طور پر چیچنیا کا دل کہا جاتا ہے۔ یہ مسجد احمد قادروف کے نام سے موسوم ہے۔ حاجی احمد قادر (قادروف) چیچنیا کے موجودہ صدر رمضان قادر کے دادا تھے جو 2004ء میں چیچنیا کی روس سے آزادی کے حصول کی جنگ میں قتل کر دیے گئے تھے۔ ترکی کے شہر قونیہ کے میئر نے بھی اس مسجد کی تعمیر میں تعاون کیا۔ مسجد کا سنگِ بنیاد 2005ء میں رکھا گیا اور یہ تین سال کے بعد 2008ء میں مکمل ہوگئی۔ 16 اکتوبر 2008ء کو اس مسجد کا ایک شاندار اور پروقار تقریب میں افتتاح ہوا۔ اس تقریب میں روس کے وزیراعظم ولادی میر پوٹن نے بھی شرکت کی۔ اس موقع پر چیچن صدر رمضان قادروف نے کہا کہ ''اس مسجد کا افتتاح تمام امتِ مسلمہ کے لیے ایک فخر کی بات ہے'' جبکہ اسی تقریب میں روس کے صدر ولادی میر پوٹن نے کہا کہ ''یہ مسجد تمام مسلمانوں کے لیے بہت بڑا تحفہ ہے۔''

یہ مسجد سابق سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے علاقائی دفتر کی جگہ تعمیر کی گئی۔ اس کی تعمیر سے قبل چیچنیا میں سوویت یونین کے دور میں کوئی بڑی مسجد موجود نہیں تھی، اس لیے اسے چیچنیا کی پہلی مسجد کا درجہ حاصل ہے۔

اس مسجد میں دس ہزار نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے چار مینار ہیں جن کی بلندی 203 فٹ ہے۔



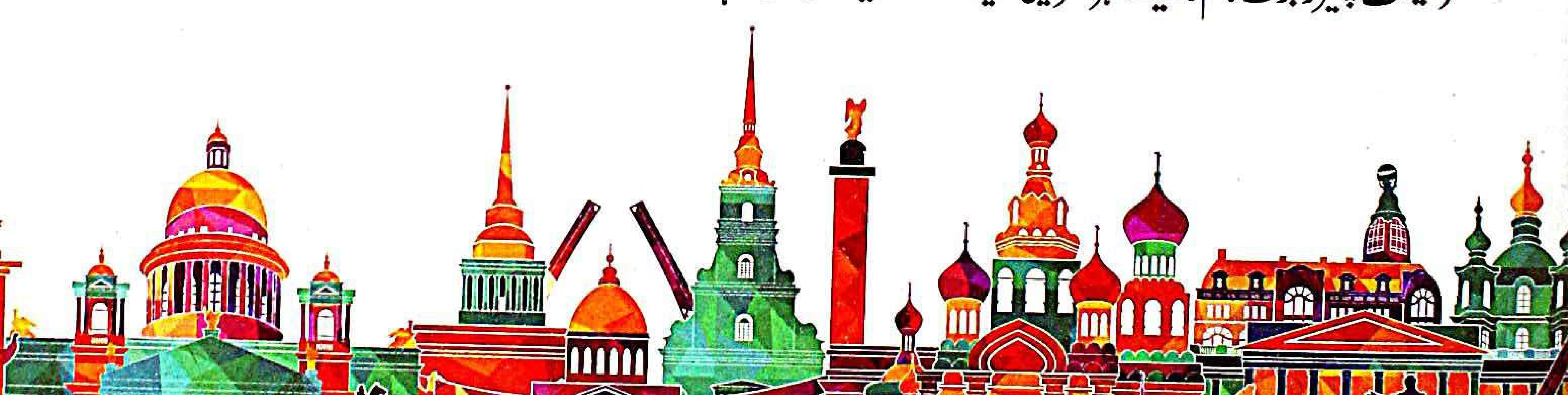


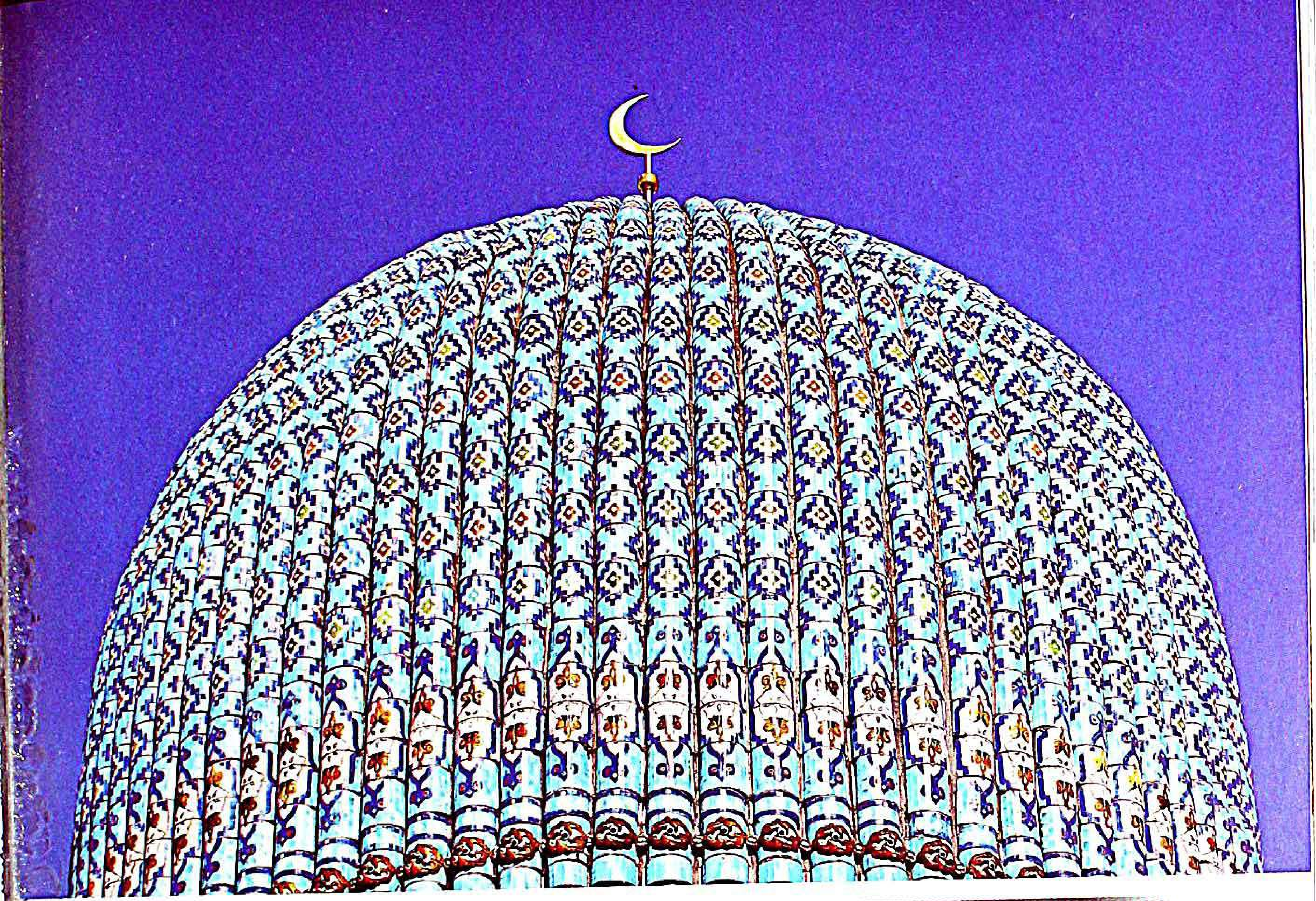


سینٹ پیٹرز برگ (شہر)

شمال مغربی روس کا یہ شہر دریائے نیوا کے ڈیلٹا پر اور خلیج فن لینڈ کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ یہ روس کی اہم ترین بندرگاہ ہے۔ اس کی آبادی 46 لاکھ 61 ہزار (2011ء) ہے۔ اس کی بنیاد 1703ء میں زارِ روس پیٹر اعظم نے رکھی تھی۔ پھر 1712ء سے لے کر انقلاب روس 1917ء تک ملک کا صدر مقام رہا۔ 1917ء میں ماسکو دارالحکومت ٹھہرا۔ 1812ء میں نپولین نے روس پر چڑھائی کی مگر ماسکو پر قبضہ نہ کر سکا۔ 1941-44ء میں جرمن اور فنش فوجوں نے اس کا محاصرہ کیے رکھا۔ سینٹ پیٹرز برگ نہروں اور پلوں کا شہر ہے۔ یہ روس کا صنعتی اور ثقافتی مرکز بھی ہے۔ 1914-24ء کے دوران اسے پیٹروگراڈ کہا جاتا رہا۔ 1924ء میں لینن گراڈ کا نام دیا گیا مگر 1991ء میں سابقہ نام سینٹ پیٹرز برگ بحال کر دیا گیا۔

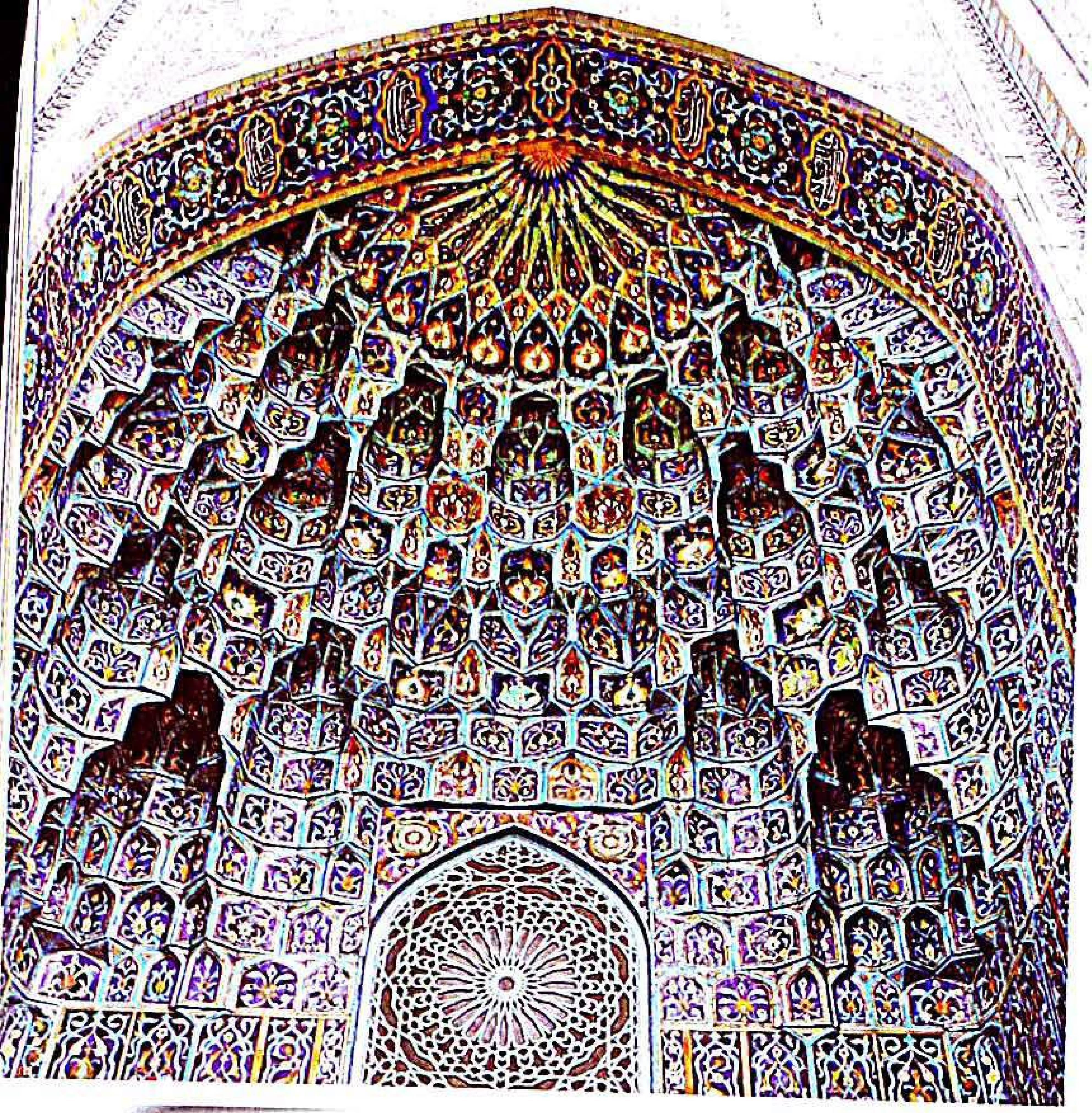
(سینٹ پیٹرز برگ نام کا ایک شہر امریکی ریاست فلوریڈا میں بھی ہے۔)

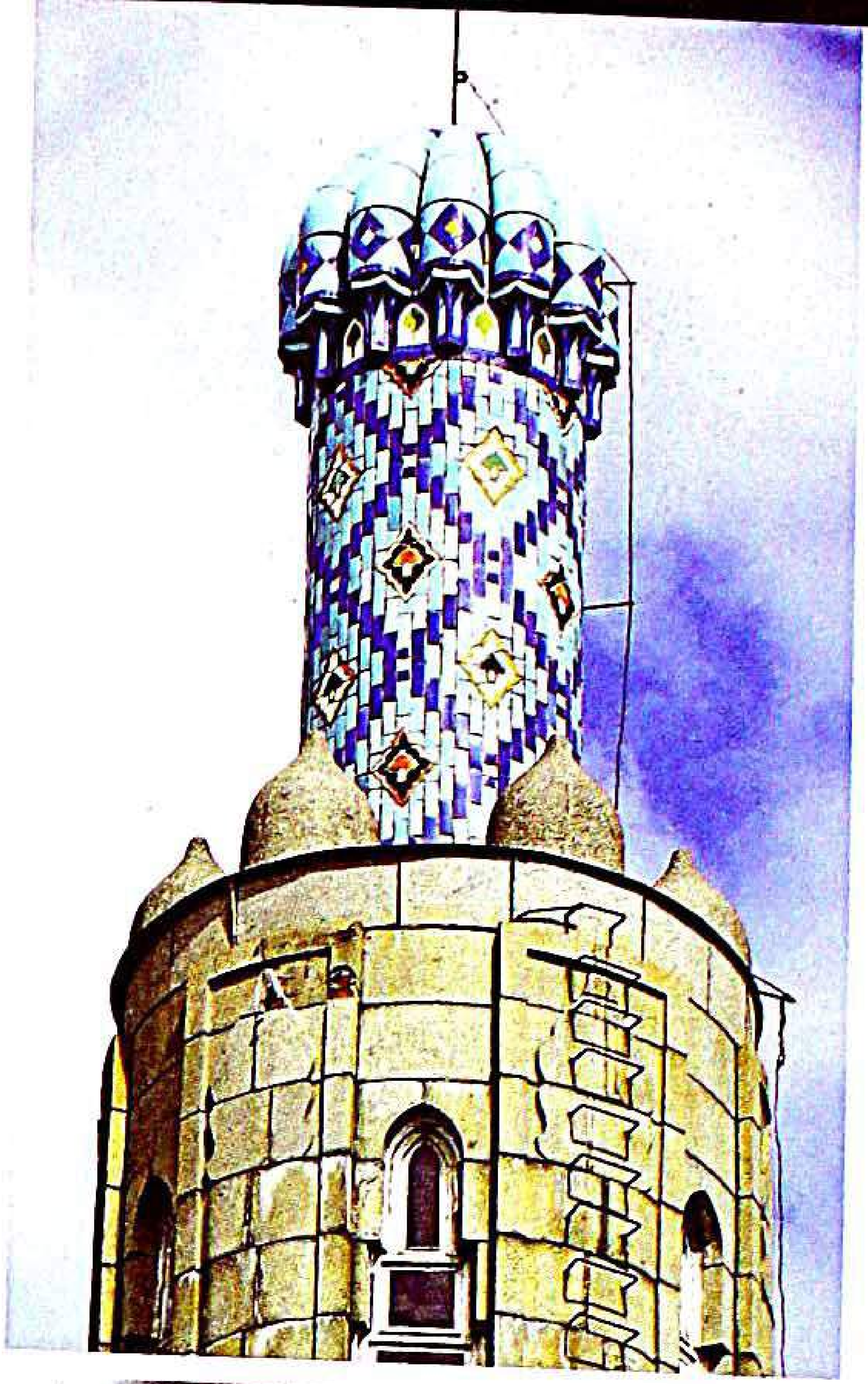


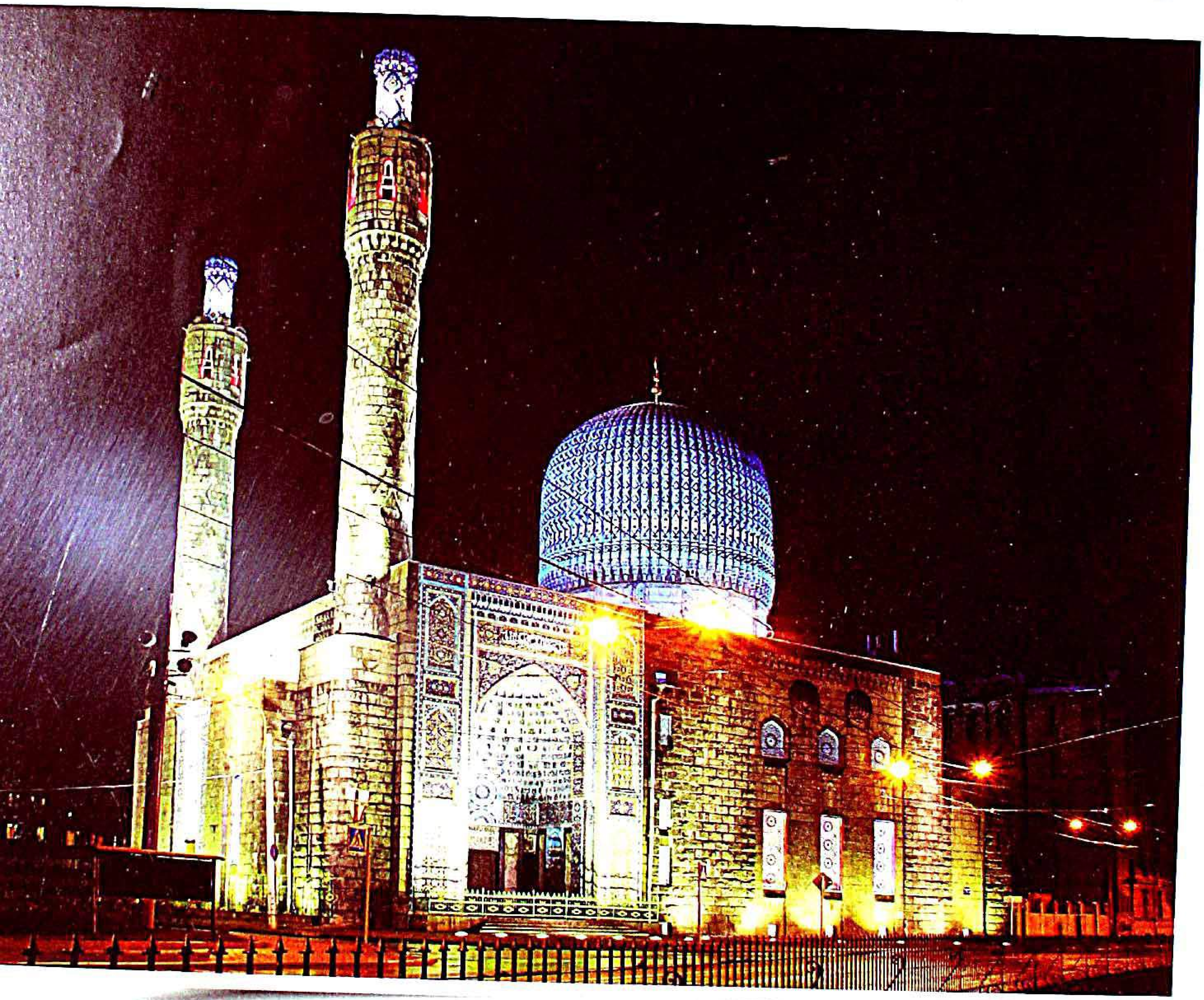


جامع مسجد سینٹ پیٹرز برگ (روس)

1913ء میں جب یہ مسجد مکمل ہوئی تو اس وقت پورے روس میں سب سے بڑی مسجد تھی۔ اس کے مینار 161 فٹ اور گنبد 128 فٹ بلند ہیں۔ یہ مسجد شہر کے مرکزی علاقے میں واقع ہے۔ اس میں 5000 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ 1882ء میں جب سلیم توکّل روسی دارالسلطنت سینٹ پیٹرز برگ کے مفتی مقرر کیے گئے تو انھوں نے روس کی وزارت سے یہاں ایک مسجد کی ضرورت پر زور دیا کیونکہ اس وقت سینٹ پیٹرز برگ میں 8000 سے زائد مسلمان رہ رہے تھے۔ 1906ء میں روس کی وزارت نے اس مقصد کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے سربراہ عطاء اللہ بیاز تیوف تھے۔ مسجد کے مصارف کے لیے فنڈ اکٹھا کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ کمیٹی نے مختلف اشخاص اور اداروں سے فنڈ اکٹھا کیا لیکن وہ ناکافی تھا۔ امیرِ بخارا عبدالاحد خان جو 1910ء میں اپنی حکومت کے 25 سال مکمل ہونے پر سلور جوبلی کی تقریبات منا رہا تھا، نے باقی فنڈ مہیا کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔ مسجد کی جگہ شہر کے وسطی علاقے پال فورٹریس کے سامنے حاصل کی گئی۔ زارِ روس نکولس دوم نے 3 جولائی 1907ء کو اس کی منظوری دی۔ تین فروری 1910ء کو مفتی سلیم توکّل اور امیر بخارا عبدالاحد کی







موجودگی میں مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اس تقریب میں مسلمانوں کی کثیر تعداد سینٹ پیٹرزبرگ میں موجود کئی ممالک کے سفیروں اور حکومت کے وزراء نے شرکت کی۔ مسجد کی تعمیر 1921ء میں مکمل ہوئی۔ اس کا ڈیزائن تیار کرنے والا روسی النسل نکولائی ویسلی تھا۔ اس نے ڈیزائن سمرقند میں امیر تیمور کے مقبرے کی طرز پر بنایا تھا۔ مسجد کے گنبد کا نیلگوں آسمانی رنگ دور سے دکھائی دیتا ہے۔ مسجد کی دیواریں بھورے سنگِ خارا (گرینائٹ) سے تیار کی گئی ہیں جبکہ گنبد اور دونوں میناروں پر خوبصورت کاشی کاری کی گئی ہے۔ ٹائلوں کا رنگ بھی گنبد کے رنگ کی طرح نیلا آسمانی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کے ماہر کاریگروں کے ہاتھوں بُنا ہوا قالین مسجد کے ہال کے اندر بچھایا گیا ہے۔ ہال کے اندر قرآنی آیات نہایت خوشخطی سے خوبصورت انداز میں تحریر کی گئی ہیں۔ اندرونی ہال کے ستون سبز سنگِ مرمر سے تیار کیے گئے ہیں۔

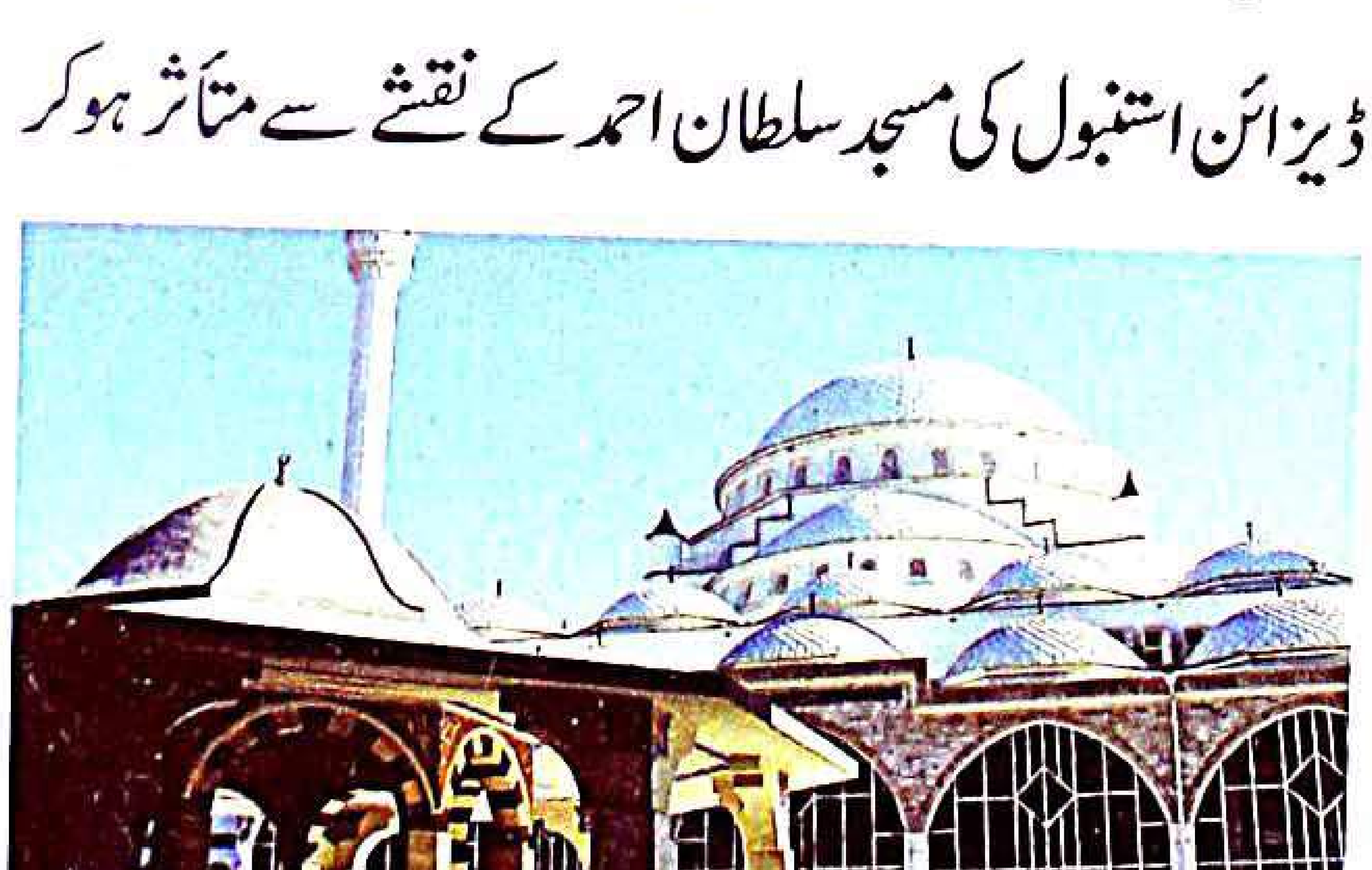
جوزف سٹالن کی کیمونسٹ حکومت نے جنگ عظیم دوم کے دوران میں یہ مسجد بند کر دی تھی۔ جنگ عظیم دوم کے خاتمے کے بعد مسلمانوں کے پُرزور اصرار پر اس مسجد کو 1956ء میں کھولنے کی اجازت دے دی گئی۔ بعد میں مرمت اور تزئین و آرائش کا کام کیا گیا جو 1980ء میں کہیں جا کر مکمل ہوا۔

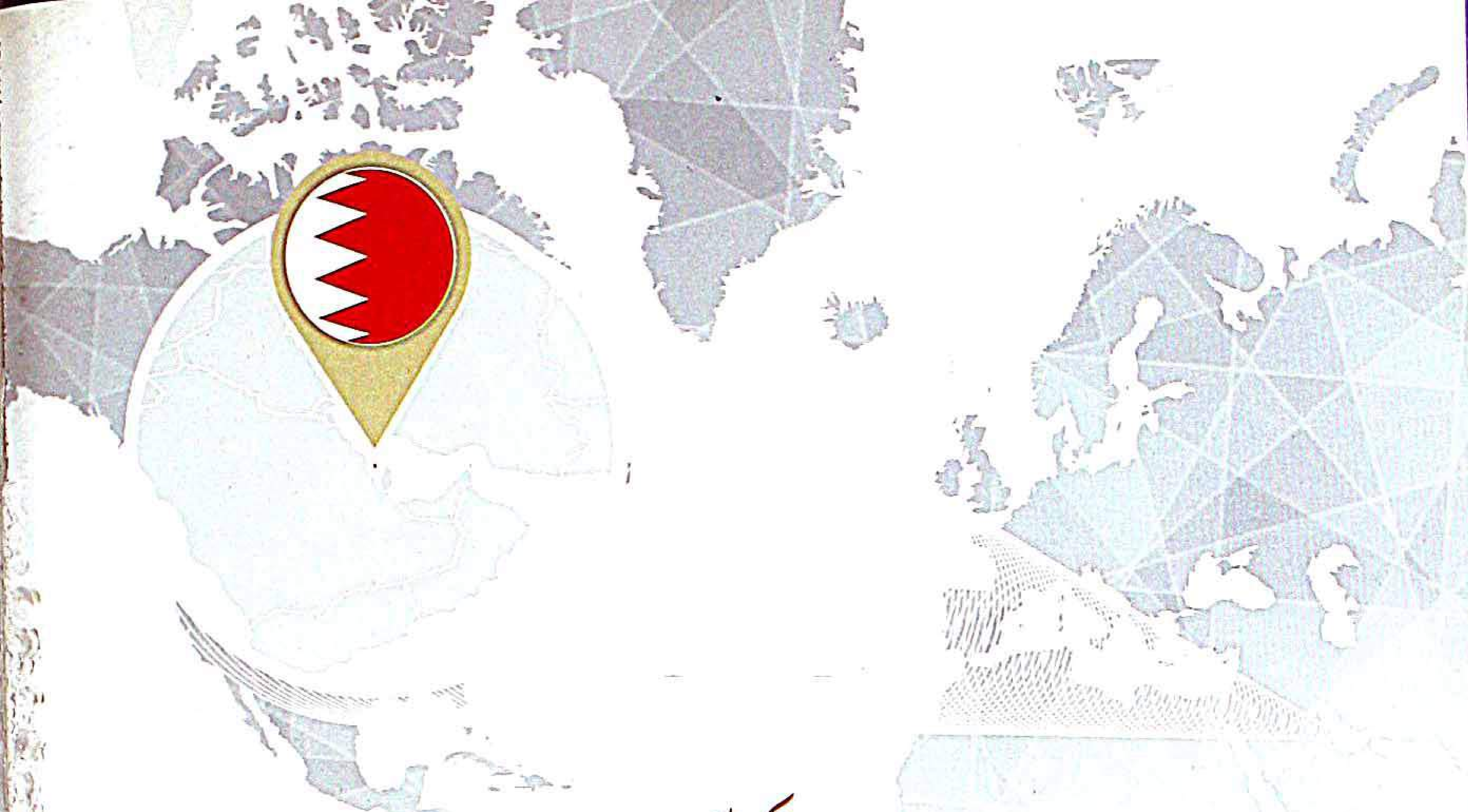




مرکزی جامع مسجد، مخاچ قلعہ داغستان (روس)

مرکزی جامع مسجد مخاچ قلعہ روس کی جمہوریہ داغستان میں تعمیر کی گئی ہے۔ مخاچ قلعہ کا شہر بحیرۂ کیپیین کے مغربی کنارے پر ماسکو سے 2166 کلومیٹر دور واقع ہے۔ اس وقت روس میں کوئی 485 مساجد ہیں۔ مخاچ قلعہ کی جامع مسجد نہ صرف رقبے میں بڑی بلکہ انتہائی خوبصورت بھی ہے۔ اس کا ڈیزائن استنبول کی مسجد سلطان احمد کے نقشے سے متاثر ہو کر تیار کیا گیا ہے۔ یہ مسجد 1997ء میں مکمل ہوئی اور یہ شہر مخاچ قلعہ میں امام شامل رحمہ اللہ ایونیو پر واقع ہے۔ اس مسجد کے دو مینار اور 57 گنبد ہیں۔ اس کی تعمیر میں ترکی کی حکومت نے مالی اعانت کی۔ اس مسجد میں 17,000 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔





بحرین

موتیوں کا دیس جواب تیل کی دولت سے مالا مال ہے۔

مملکت بحرین خلیج فارس کے جزیرہ بحرین اور چند چھوٹے بڑے جزائر پر مشتمل ہے جو سعودی عرب اور قطر کے درمیان واقع ہیں۔ جزائر کی کل تعداد 33 ہے۔ اس کا رقبہ 765.3 مربع کلومیٹر اور آبادی ساڑھے بارہ لاکھ ہے۔ اس کی آبادی میں 51.4 فیصد عرب، 45.6 فیصد ایشیائی اور 6 فیصد ایرانی ہیں۔ بحرینی عرب سب مسلمان ہیں۔ مملکت بحرین میں جزیرہ بحرین، جزیرہ ام النعسان اور قطر کے مغرب میں واقع جزائر حوار بھی شامل ہیں۔ جزیرہ بحرین اور ام النعسان 28 کلومیٹر طویل سمندری پل جسر الملک فہد کے ذریعے سے سعودی عرب سے ملے ہوئے ہیں۔ شاہ فہد پل (جسر الملک فہد) 25 کلومیٹر لمبا ہے۔ اس کی شروعات 1965ء میں شیخ خلیفہ بن سلمان الخلیفہ (وزیر اعظم بحرین) الریاض آئے تو شاہ فیصل نے دونوں مملکتوں کو پل کے ذریعے سے ملانے کی خواہش ظاہر کی۔ نومبر 1982ء میں شاہ فہد اور حکمران بحرین عیسیٰ بن سلمان الخلیفہ نے اس کا سنگ بنیاد رکھا اور چار سال بعد نومبر 1986ء میں اس پل کا افتتاح عمل میں آیا۔ 80 کروڑ ڈالر کی لاگت سے بننے والے اس دورویہ پل (Causway) کو بحرین کے مغربی جزیرہ نعسان اور خلیج بحرین سے گزارا گیا ہے۔ اس کے ستونوں کی تعداد 536 ہے۔ پل کی چوڑائی 23 میٹر (75 فٹ ہے)۔ بحرین کا دارالحکومت المنامہ ہے جس کی آبادی ایک لاکھ 60 ہزار ہے۔ بحرین کے 100 فیصد مقامی باشندے مسلمان ہیں۔

ماضی میں سعودی عرب کا مشرقی ساحلی علاقہ بشمول جزیرہ بحرین وقطر البحرین کہلاتا تھا جس کا دارالحکومت ہجر تھا جو اب ہفوف کہلاتا ہے۔ عہد نبوی میں یہاں منذر بن ساویٰ حکمران تھا جس نے سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ (سفیرِ نبوت) کے

ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بحرین کے ایرانی گورنر (مرزبان ہَجَر) سیبخت اور ان کی رعایا نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد منذر بن ساوی نے انتقال کیا تو اہل بحرین مرتد ہو گئے اور سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو ہَجَر کے شمال میں ایک قلعے جواثا میں محصور ہونا پڑا۔ دریں اثنا سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ سے فارغ ہو کر ان کی مدد کو آئے اور جنگ میں مرتدین کو شکست فاش ہوئی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی عراق روانگی کے بعد مکعبر فارسی زاریہ میں قلعہ بند ہو گیا اور قطیف کے مجوس جنھوں نے جزیہ کی ادائیگی سے انکار کیا تھا، اس سے آ ملے تو سیدنا علاء رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر کے خلافت فاروقی میں انھیں شکست دی۔ مکعبر براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ علاء رضی اللہ عنہ نے سابو (شاپور) اور دارین فتح کر لیے۔

289ھ/901ء میں قرامطہ نے بحرین میں اپنی ریاست قائم کر لی۔ ابوطاہر قرمطی 319ھ/930ء میں مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوا، حجاج کو قتل کیا اور حجر اسود کو اکھاڑ کر ہجر لے گیا۔ حجر اسود 339ھ میں واپس لا کر کعبہ میں نصب کیا گیا۔

جزیرہ بحرین ماضی میں دلمن یا دلمون کہلاتا تھا۔ اس کی شمالاً جنوباً لمبائی 48 کلومیٹر اور چوڑائی 14 کلومیٹر ہے۔ منامہ کے علاوہ یہاں عالی، المحرّق، مدینہ عیسیٰ، الرفاع الغربی، الرفاع الشرقی اور العوالی نامی شہر آباد ہیں۔ جزیرہ بحرین پر ایک ہی پہاڑی ہے جو 150 میٹر بلند ہے۔ جزیرہ بحرین کے علاوہ مملکت بحرین کے دیگر معروف جزائر درج ذیل ہیں: ام نعسان، المحرّق، سترہ، نبیہ صالح، جدہ اور جزائر حوار۔ شہر المحرّق کی آبادی تقریباً ایک لاکھ ہے، بحرین کے 88.4 فیصد باشندے شہروں میں اور 11.4 فیصد دیہات میں مقیم ہیں۔

1522ء میں پرتگالیوں نے جزیرہ بحرین پر قبضہ کر لیا تھا، پھر 1602ء میں عثمانی ترکوں نے بحرین کو آزاد کرا لیا۔ 1783ء میں بحرین میں آل خلیفہ کی آزاد حکومت قائم ہوئی جسے 1820ء میں برطانیہ نے اپنا زیرِ حمایت (Protectorate) بنا لیا۔ مملکت بحرین نے 1971ء میں آزادی حاصل کی۔ بحرین میں معدنی تیل (پٹرولیم) کی دریافت اور جاپان میں مصنوعی موتی بننے سے پہلے یہ قدرتی موتیوں کی پیداوار کے لحاظ سے دنیا بھر میں مشہور تھا۔ 5 فیصد زمین قابل کاشت ہے۔ بحرین کی زرعی پیداوار سبزیوں اور پھلوں پر مشتمل ہے۔ بحرین کا سرکاری مذہب اسلام اور سرکاری زبان عربی ہے۔ بحرین کا سکہ بحرینی دینار ہے۔ ایک بحرینی دینار 2.6 امریکی ڈالر کے برابر ہے۔ یہاں پیٹرو کیمیکلز اور ایلومینیم کی صنعتیں قائم ہیں۔ فی کس آمدنی 27556 ڈالر ہے۔

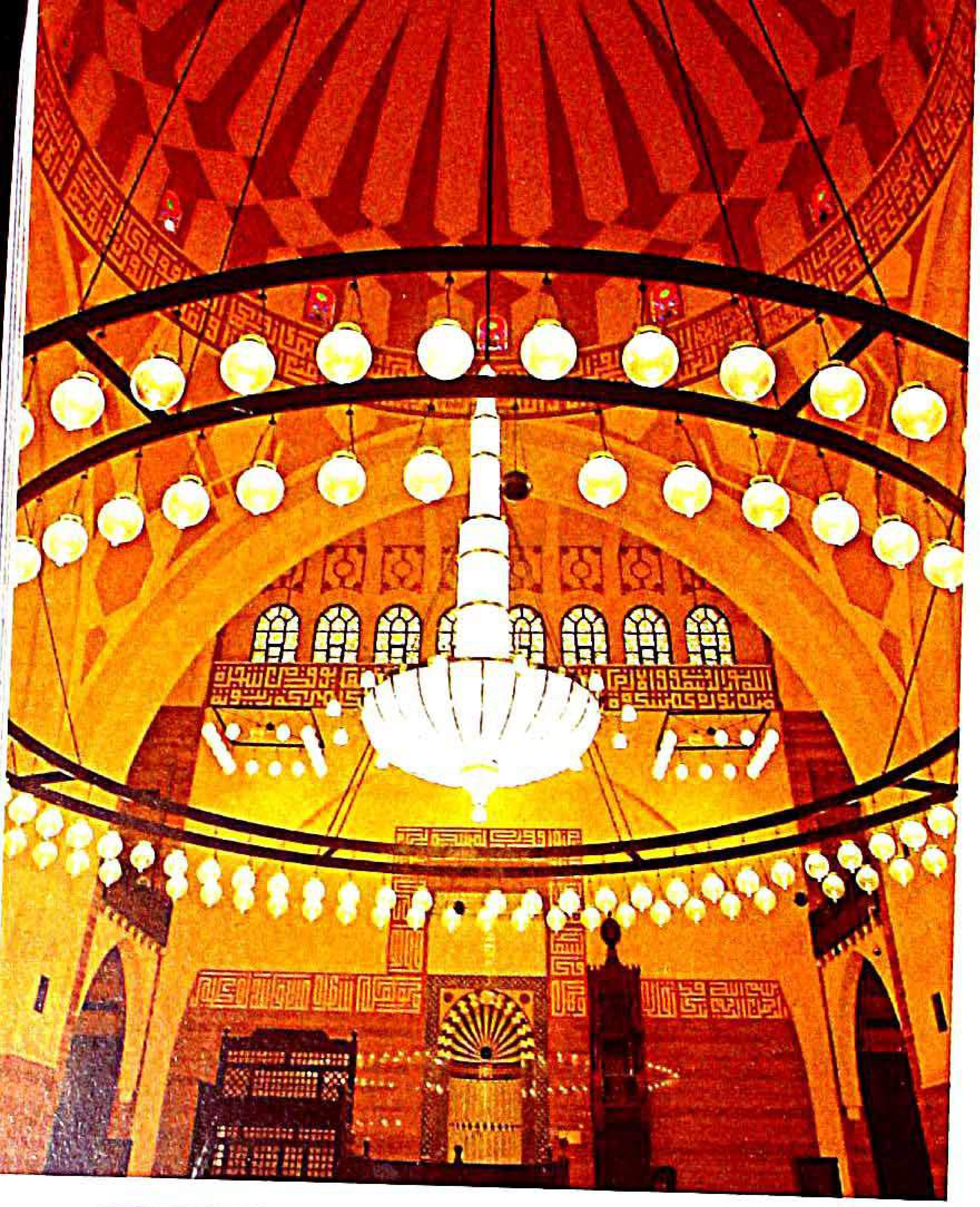
بحرین میں شافعی مسلک کے مسلمان آباد ہیں۔ خاصی تعداد میں اہل تشیع ہیں جن میں اکثریت ایرانی نژاد شیعوں کی ہے۔ قلیل تعداد اباضی خارجیوں کی ہے۔



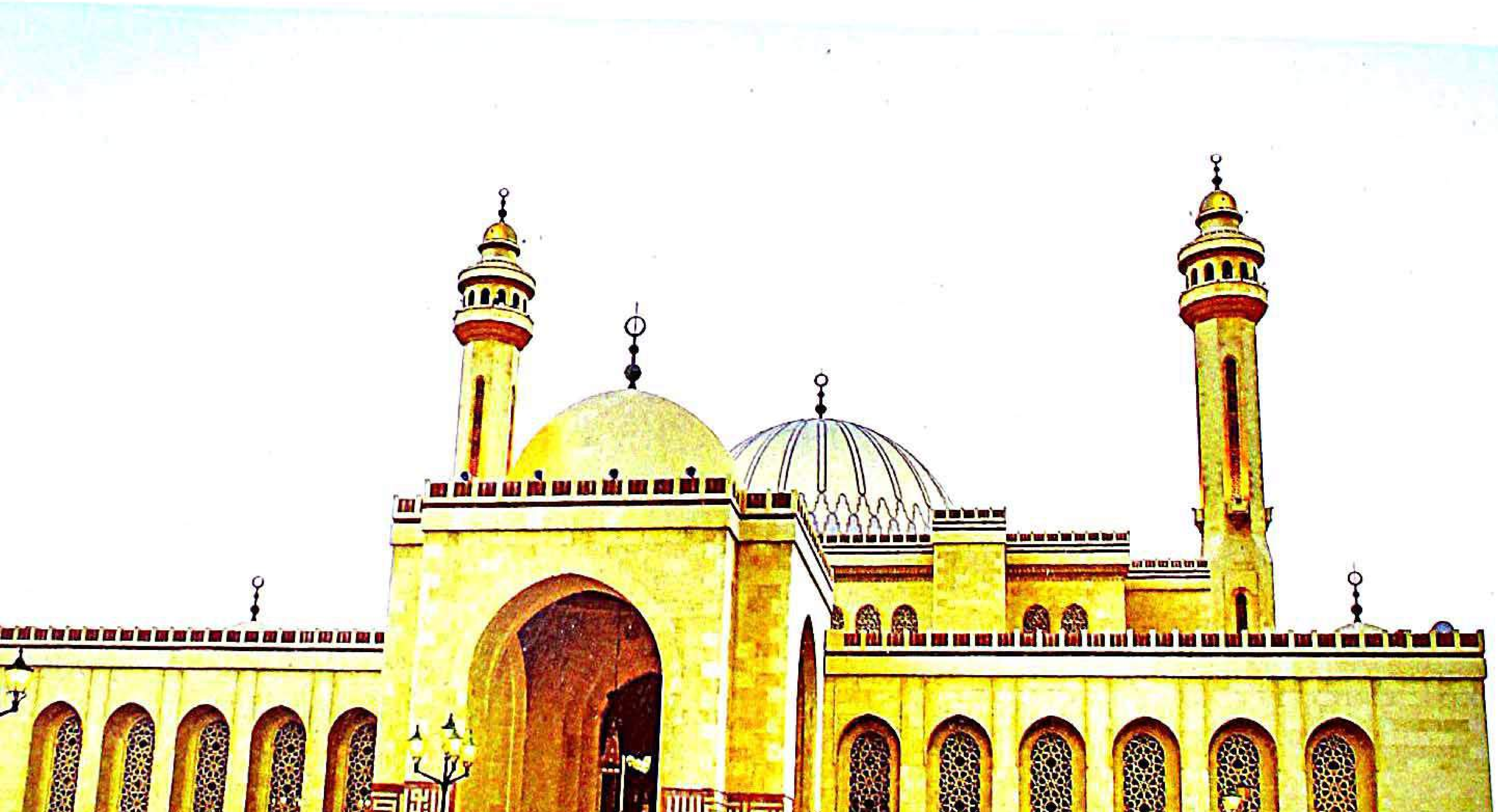
الفاتح مسجد (بحرین)

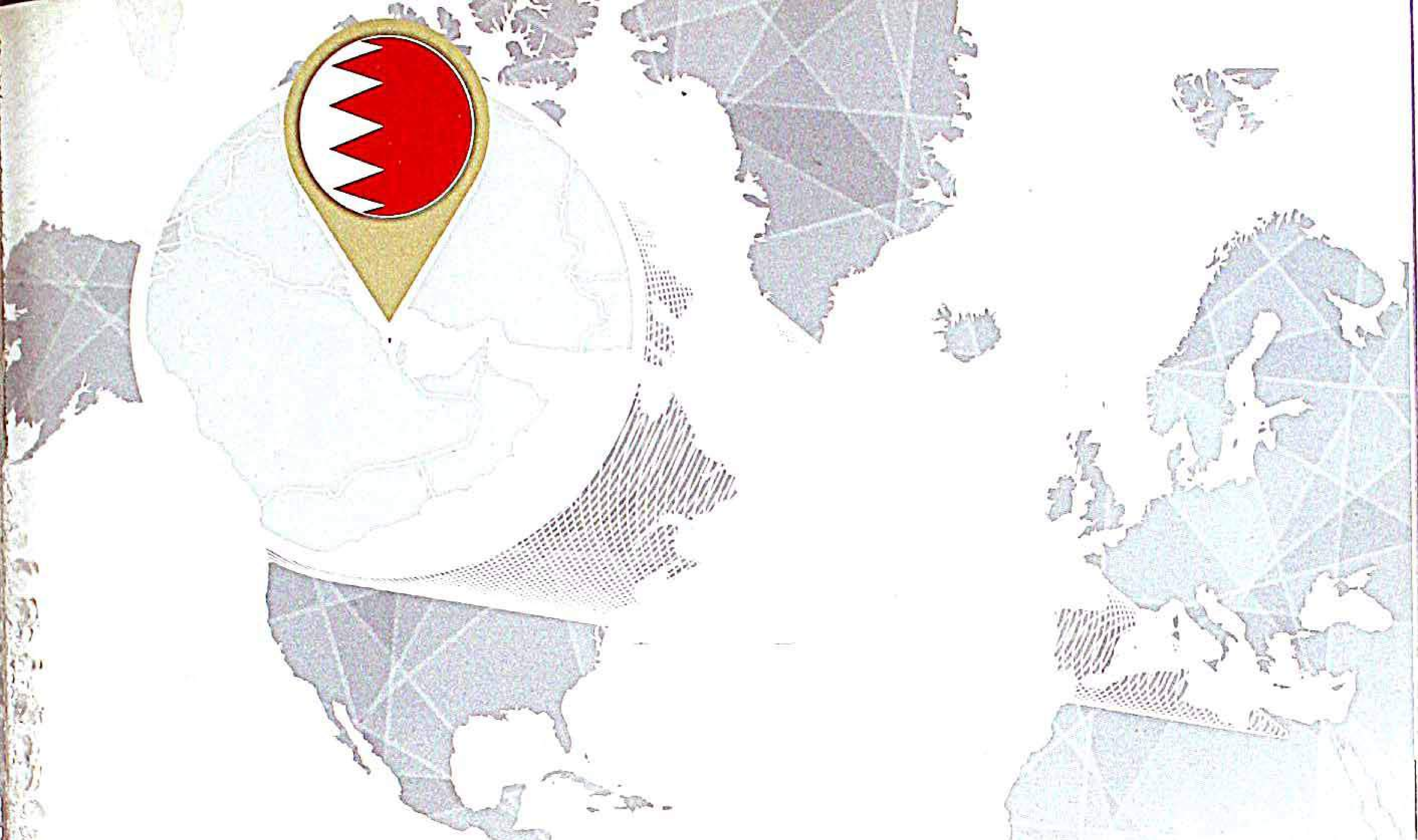
بحرین کے دارالحکومت منامہ میں واقع الفاتح مسجد کا شمار دنیا کی انتہائی خوبصورت اور چند بڑی مساجد میں ہوتا ہے۔ مسجد کی لمبائی 330 فٹ اور چوڑائی 246 فٹ ہے۔ اس طرح اس کا کل رقبہ 81180 مربع فٹ ہے۔ اس میں 7000 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ پورے بحرین میں یہ سب سے بڑی عبادت گاہ ہے۔ منامہ کے جنوب مشرق میں شاہ فیصل ہائی وے کے پاس جفیر ٹاؤن میں یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ مسجد کا مرکزی گنبد فائبر گلاس کا بنا ہوا ہے، اس کا وزن 60 ٹن (60000 کلوگرام) ہے۔ گنبد کا قطر 79 فٹ ہے۔ اس وقت فائبر گلاس سے بنایا گیا یہ گنبد دنیا کا سب سے بڑا گنبد ہے۔ مسجد کے فرش میں لگا ہوا سنگِ مرمر اٹلی سے منگوایا گیا جبکہ ہال کے اندر گنبد کے نیچے لٹکا ہوا شاندار فانوس آسٹریا سے درآمد کیا گیا ہے۔ مسجد کے دروازے ساگوان کی قیمتی لکڑی سے تیار کیے گئے ہیں جو بھارت سے منگوائی گئی تھی۔ مسجد کے مرکزی ہال میں قرآنی آیات خطِ کوفی میں لکھی ہوئی ہیں۔

یہ مسجد بحرین کے سابق حکمران شیخ عیسیٰ بن سلمان الخلیفہ نے 1987ء میں تعمیر کروائی اور بحرین کے فاتح احمد الفاتح کے نام سے اس کو موسوم کیا۔ مسجد سے ملحق بہت بڑی نیشنل لائبریری بنائی گئی ہے۔ اس مسجد کے دو مینار ہیں۔









مصر

جمہوریہ مصر العربیہ شرقِ اوسط اور عالمِ عرب کا سب سے گنجان آباد اور اہم ملک ہے۔اس کا رقبہ 10,02,450 مربع کلو میٹر اور آبادی 8 کروڑ کے لگ بھگ ہے۔مسلم آبادی 5 فیصد اور باقی مسیحی اور یہودی ہیں۔قومی اور سرکاری زبان عربی ہے۔ مصر کے شمال میں بحیرۂ روم، مغرب میں لیبیا، مشرق میں فلسطین، خلیج عقبہ اور بحیرۂ احمر (قلزم) مغربی مصر میں صحرائے لیبیا واقع ہے جو صحرائے اعظم کا ایک حصہ ہے۔شمال مشرقی مصر نیل کے ڈیلٹا پر مشتمل ہے اور جنوب میں سوڈان ہے۔مصر کی آبادی کا بیشتر حصہ دریائے نیل کے دونوں طرف 40 ہزار مربع کلومیٹر کے رقبے میں آباد ہے۔اسی لیے مصر کو تحفۂ نیل کہا جاتا ہے۔مصر میں دنیا کی سب سے لمبی انسانی ساختہ نہر سویز (166 کلومیٹر) واقع ہے۔یہ واحد ملک ہے جو افریقہ اور ایشیا دو ملکوں میں پڑتا ہے، دارالحکومت قاہرہ کی آبادی تقریباً 92 لاکھ ہے۔دوسرا بڑا شہر اسکندریہ ہے جہاں 46 لاکھ انسان بستے ہیں۔ان کے علاوہ اسماعیلیہ، بورسعید (Port Saeed)، رشید، دمیاط، منصورہ، الفیوم، اسیوط، اسوان، العریش، سویس (Suez)، طابہ اور طنطا مشہور شہر ہیں۔

مصر قدیم ترین تاریخ و تہذیب رکھتا ہے۔سیدنا ادریس علیہ السلام عراق سے مصر آئے تھے اور انھوں نے دریائے نیل کو دیکھ کر کہا تھا بابلیون، یعنی بابل (فرات) جیسا دریا، چنانچہ یہاں بابلیون نامی شہر آباد ہوا جو بعد میں قاہرہ کا حصہ بنا۔3100 ق م

کے لگ بھگ مصر میں بادشاہت قائم ہوئی اور اہرام مصر بنے۔ یہاں 30 شاہی خانوادے حکمران رہے۔ سولھواں خانوادہ چرواہے بادشاہوں (Hyxos Kings) کا تھا۔ اس دور میں سیدنا یوسف علیہ السلام مصر میں حکمران بنے اور پھر انھوں نے تمام آلِ یعقوب کو فلسطین سے مصر بلوالیا۔ تیرھویں صدی ق م میں مصری فرعون منفتاح سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہوئے خلیج قلزم میں غرق ہوا۔ سکندر اعظم نے 330 ق م میں مصر پر حملہ کیا۔ اس نے یہاں اسکندریہ شہر آباد کیا۔ اس کے بعد مصر پر بطلیموس خاندان کی حکومت رہی۔ 48 ق م میں مصر پر رومی قابض ہوئے۔ 18ھ/639ء میں یہاں اسلام وارد ہوا جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بابلیون اور اسکندریہ فتح کر لیے۔ بابلیون کے پاس سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کا بنا کردہ شہر فسطاط صوبائی دارالحکومت بنا۔ مصر میں درج ذیل صحابہ مدفون ہیں: عمرو بن عاص، عبداللہ بن عمرو، سعد بن مالک ازدی، تمیم ابن الیاس لیثی (شہید)، ایاس بن عبدالاسد القاری رضی اللہ عنہم۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دوبارہ مصر آئے۔ ان کے شاگرد مجاہد اور عکرمہ رحمہ اللہ بھی مصر آتے رہے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو فرائض وسنت کی تعلیم کے لیے مصر بھیجا۔ تیسری صدی ہجری میں مصر میں اخشیدی اور طولونی حکمران رہے۔

مصر میں عبیدی (فاطمی) سلطنت 358ھ/969ء تا 567ھ/1171ء قائم رہی حتیٰ کہ صلاح الدین ایوبی نے آخری عبیدی خلیفہ العاضد لدین اللہ کو برطرف کر کے ایوبی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ 1250ء میں مصر پر مملوک قابض ہوئے اور 923ھ/1517ء میں مصر خلافت عثمانیہ کا حصہ بن گیا۔ 1805ء میں محمد علی پاشا نے مصر میں بادشاہت قائم کی۔ 1881ء سے 1936ء تک مصر پر برطانیہ کا قبضہ رہا۔ جولائی 1952ء میں شاہ فاروق کے خلاف فوجی انقلاب برپا ہوا اور دو سال بعد کرنل ناصر نے صدر جنرل نجیب کو برطرف کر کے اپنی آمریت قائم کر لی۔ تیسری عرب اسرائیل جنگ (6-12 جون 1967ء) میں اسرائیل نے اچانک حملہ کر کے مصری فوجی قوت تباہ کر دی۔ 1978ء میں ناصر کے جانشین انور سادات نے اسرائیل کا ناجائز وجود تسلیم کر لیا۔ تیسرے فوجی صدر حسنی مبارک ہنگاموں کی تاب نہ لا کر فروری 2011ء میں مستعفی ہو گئے اور پہلے عام انتخابات کے بعد جون 2012ء میں اخوان المسلمین کے محمد المرسی نے عہدۂ صدارت سنبھالا مگر جولائی 2013ء میں جنرل عبدالفتاح سیسی نے ان کا تختہ الٹ کر ملک پر پھر فوجی آمریت مسلّط کر دی۔

مصر کی لمبے ریشے والی کپاس دنیا میں بہترین شمار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ چاول، گنا اور مکئی بڑی فصلیں ہیں۔ معدنیات میں تیل، لوہا، فاسفیٹ، جپسم اور مینگا نیز شامل ہیں۔ سکہ مصری پونڈ ہے۔ محمد علی پاشا (قاہرہ)، مسجد ابوالعباس المرسی اور جامع الازہر کے علاوہ مسجد امام شافعی (قاہرہ)، مسجد سیدنا عمرو بن عاص (قاہرہ)، مسجد السید الحسین (قاہرہ) اور مسجد السیدہ زینب (قاہرہ) مشہور ہیں۔

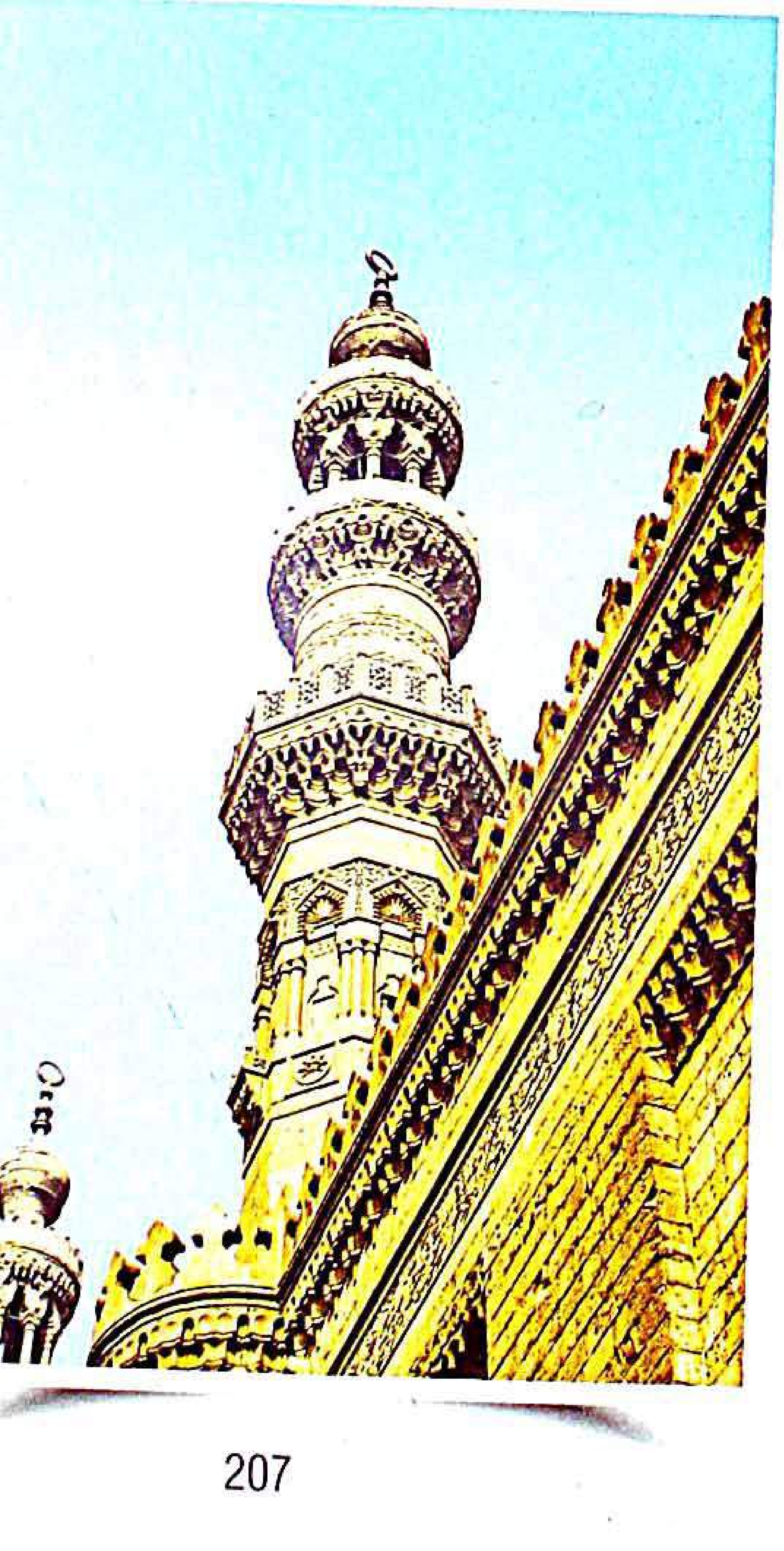


قاہرہ

قاہرہ مصر کا دارالحکومت ہے جو جبل مقطم اور دریائے نیل کے درمیان آباد ہے۔ اس کی آبادی ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ یہ براعظم افریقہ اور عالم عرب کا سب سے بڑا شہر ہے۔ عبیدی خلافت کے سپہ سالار جوہر صقلی نے 969ء میں مصر فتح کر کے فسطاط کے شمال میں قاہرہ کی بنیاد رکھی تھی۔ عبیدی خلیفہ المعزلدین اللہ ستاروں پر یقین رکھتا تھا، چنانچہ جب قصرِ خلافت کی بنیادیں ڈالی جانی تھیں، خلیفہ نے ایک ماہرِ نجوم کو قریبی پہاڑی پر مامور کیا تھا جہاں سے رسے کے ذریعے سے قصرِ خلافت کی گھنٹیاں باندھی گئی تھیں تاکہ جب سعد ستارہ طلوع ہو تو رسہ کھینچ کر گھنٹیاں بجادی جائیں اور محل کی بنیادیں ڈال دیں لیکن ہوا یہ کہ ایک کوا اُڑتا ہوا رسے میں الجھ گیا اور گھنٹیاں بج اٹھیں اور بنیادیں ڈالی جانے لگیں۔ ماہرِ نجوم نے دور سے دیکھا تو وہ ''القاہر'' ''القاہر'' کہتا ہوا دوڑا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کے بقول نحس سیارہ القاہر (مریخ) طلوع ہو رہا ہے، ابھی رک جاؤ مگر اتنے میں بنیادیں ڈالی جا چکی تھیں، لہٰذا القاہر کے نام پر دارالخلافہ کا نام ہی القاہرہ رکھ دیا گیا۔ 971ء میں قاہرہ میں جامعہ الازہر کی بنیاد ڈالی گئی۔ 1171ء میں صلاح الدین ایوبی نے عبیدی خلافت کا خاتمہ کر دیا اور تین سال بعد سلطان نورالدین زنگی کی وفات پر قاہرہ میں ایوبی سلطنت کی بنیاد پڑی۔ ایوبیوں کے بعد ممالیک حکمران ہوئے اور مملوک سلطان رکن الدین الظاہر بیبرس نے 1261ء میں قاہرہ میں عباسی خلافت کا احیاء کیا۔ 1517ء میں عثمانی سلطان سلیم اول نے مصر فتح کر کے خلافت قسطنطنیہ منتقل کر لی۔ 1806ء سے 1952ء تک یہاں محمد علی پاشا اور اس کی اولاد حکمران رہی۔

قاہرہ کی مساجد میں جامع عمرو بن عاص، جامع احمد بن طولون اور جامع قایتبائی مشہور ہیں۔ یہاں قلعہ صلاح الدین اور قلعہ محمد علی کے علاوہ جامعہ القاہرہ اور جامع عین شمس مشہور یونیورسٹیاں ہیں۔ مصری فرعونی عجائب گھر، قبطی عجائب گھر اور اسلامی عجائب گھر قابلِ دید ہیں۔ یہاں سے اسکندریہ، اسماعیلیہ اور جنوب میں اسیوط کو ریلوے لائنیں جاتی ہیں، قاہرہ کے مشرق میں مصرالجدیدہ، جنوب میں حلوان اور نیل کے پار مغرب میں جیزہ واقع ہیں۔ جیزہ میں اہرام مصر اور ابوالہول قابلِ دید ہیں۔ یونانی دور کے ہیلیو پولس (عین شمس) کو اب مصرالجدیدہ کہا جاتا ہے۔





محمد علی پاشا مسجد، قاہرہ (مصر)

یہ مسجد مصر کے حکمران محمد علی پاشا (1830ء تا 1848ء) نے اپنے جواں سال بیٹے توسان پاشا (Tusan Pasha) کی یاد میں تعمیر کروائی جو بالکل جوانی میں 1816ء میں فوت ہو گیا تھا۔ یہ قاہرہ میں ایک قلعے کے اندر ہے اور سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنی رہتی ہے۔ مسجد کا ڈیزائنر استنبول کا رہنے والا یوسف بُشنک تھا۔ اسی نے استنبول کی تاریخی ''نئی مسجد'' کا بھی ڈیزائن تیار کیا تھا۔ محمد علی پاشا مسجد کی بنیادیں پرانے قلعے کے ملبے کے اوپر رکھی گئی تھیں۔ یہ مسجد زمانے کی کج روی اور سست روی کے بعد 1857ء میں مکمل ہو سکی۔

شاہ فواد کے حکم سے اس مسجد کی مرمت کا کام 1931ء میں ہوا اور شاہ فاروق نے 1939ء میں اس کی تزئین و آرائش کروائی۔ یہ مسجد عثمانی طرزِ تعمیر کو سامنے رکھ کر بنائی



گئی۔ مسجد کا مسقّف حصہ 135 فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا، یعنی مربع شکل کا ہے۔ مسجد کے مرکزی ہال کے اوپر ایک بڑا گنبد اور چار چھوٹے گنبد اور چار ہی گنبد نیم دائرہ میں بنے ہوئے ہیں۔ مرکزی گنبد کا قطر 69 فٹ ہے اور یہ فرش سے 170 فٹ اونچا ہے۔ مسجد کے دو مینار ہیں اور ہر مینار کی بلندی 269 فٹ ہے۔ مسجد کا کھلا صحن 164 فٹ مربع شکل کا ہے۔ مسجد کی محراب تین منزلہ ہے اور اوپر کی طرف نیم دائرہ میں بنی ہوئی ہے۔



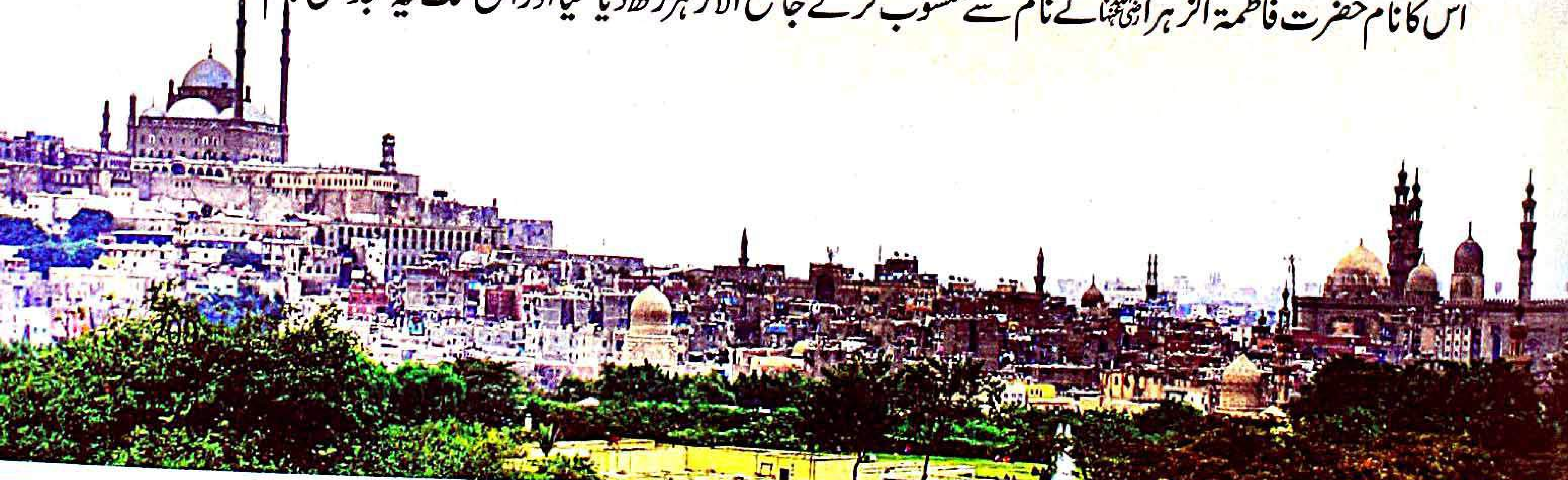
مسجد کی تعمیر میں چونا، گچ اور ماربل (سنگِ مرمر) استعمال کیا گیا ہے۔ مسجد میں ایک کلاک ٹاور بھی ہے۔ کلاک فرانس کے شاہ لوئی فلپس نے 1845ء میں تحفے میں دیا تھا۔ یہ کلاک پیتل کا بنا ہوا ہے۔

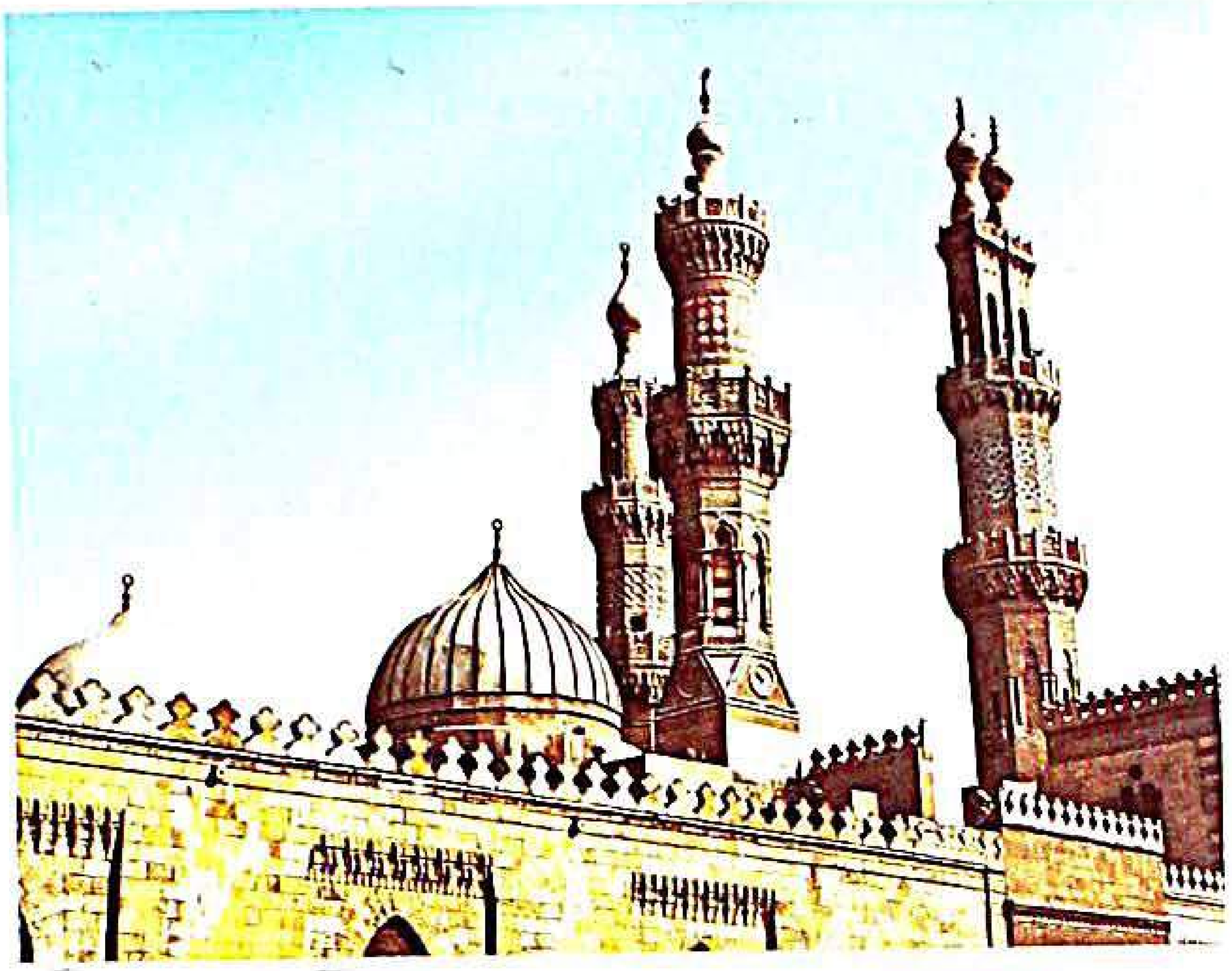


جامع الازہر، قاہرہ (مصر)

یہ مسجد قاہرہ کے مرکزی چوک الحسین سکوائر میں واقع ہے۔ اس مسجد کی تعمیر 970ء میں شروع ہوئی اور دو سال بعد (972ء بمطابق 361ھ) میں یہ مکمل ہوئی۔ اس طرح یہ مسجد 1040 سال پرانی ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں 642ء میں جب مسلمانوں کے نامور جرنیل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رومیوں کو شکست دی تو فسطاط (قدیم قاہرہ) میں ایک مسجد تعمیر کی تھی، جو جامع عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہلاتی ہے۔ جب 970ء میں فاطمی سلطنت کا نیا دارالخلافہ قاہرہ آباد ہوا تو فاطمی سپہ سالار جوہر الصقلی نے خلیفہ المعز لدین اللہ کے حکم کی تعمیل میں جامع الازہر کی بنیاد رکھی۔ یہ مسجد دنیا کی ایک اولین یونیورسٹی جامعہ الازہر کا مرکزی مقام تھی۔

پہلے پہل اس مسجد کا نام جامع المنصور رکھا گیا جو تیسرے فاطمی خلیفہ اسماعیل المنصور (المعز کے والد) کے نام پر تھی۔ اس کا نام حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے نام سے منسوب کر کے جامع الازہر رکھ دیا گیا اور آج تک یہ مسجد اسی نام

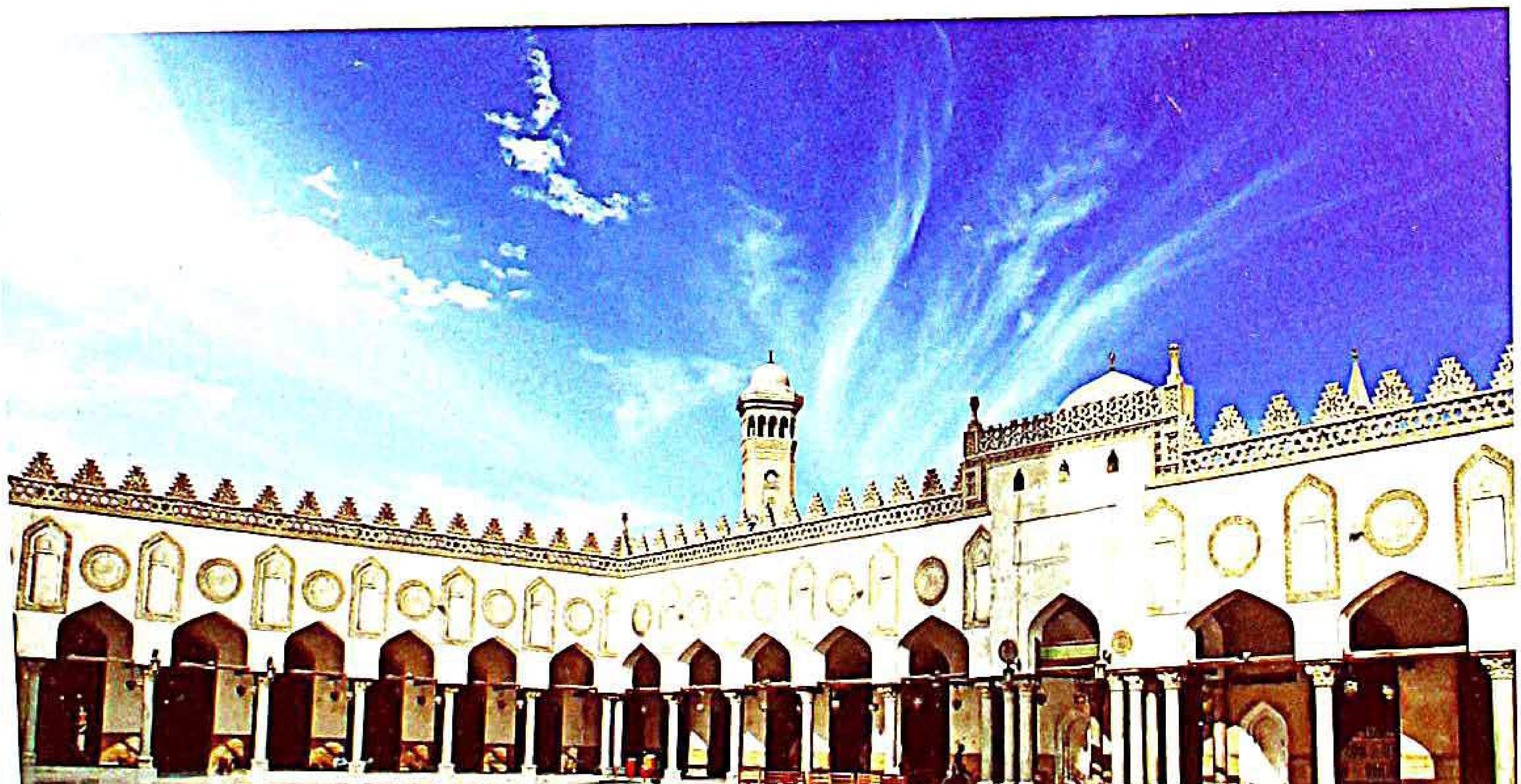


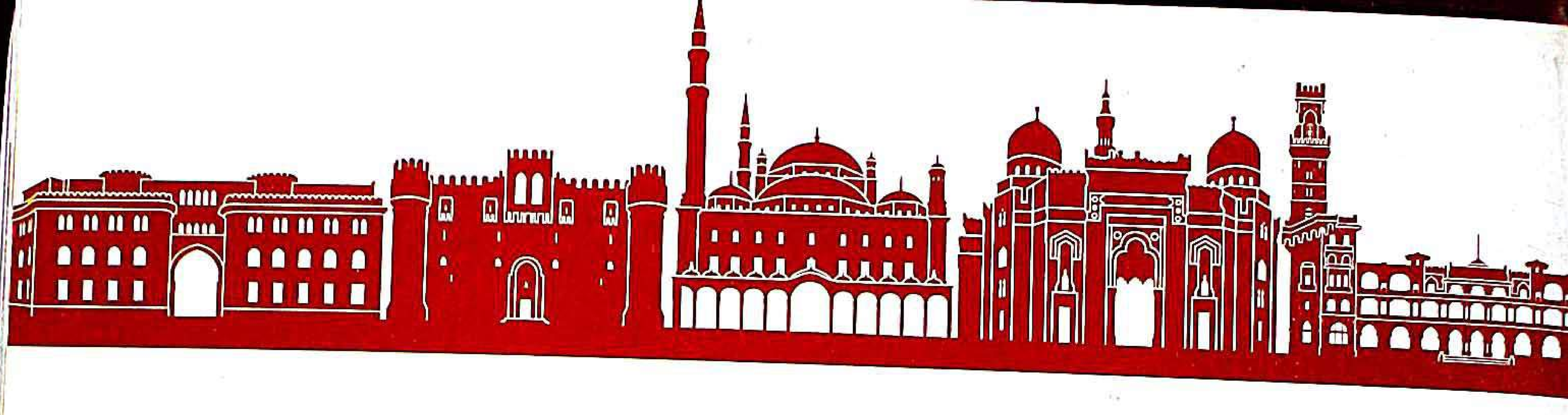


سے پکاری جاتی ہے۔ جامع الازہر پہلی مسجد تھی جو نئے قاہرہ میں تعمیر ہوئی اور اس وقت سے لے کر اب تک قاہرہ میں اتنی مساجد تعمیر ہو چکی ہیں کہ آج قاہرہ کو ایک ہزار میناروں کا شہر کہا جاتا ہے۔



جامع الازہر کا رقبہ 84,000 مربع فٹ ہے اور اس میں 20,000 نمازی ایک ہی وقت میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس مسجد کے پانچ مینار ہیں۔ مسجد کا صحن 275 فٹ طویل اور 112 فٹ چوڑا ہے جبکہ مرکزی ہال اس سے بھی بڑا ہے جس میں سفید مرمر کے درجنوں ستون بنائے گئے ہیں۔ الازہر کا ملک میں اس قدر مقام ہے کہ اس کے علماء ہمیشہ حکومتِ وقت کی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔



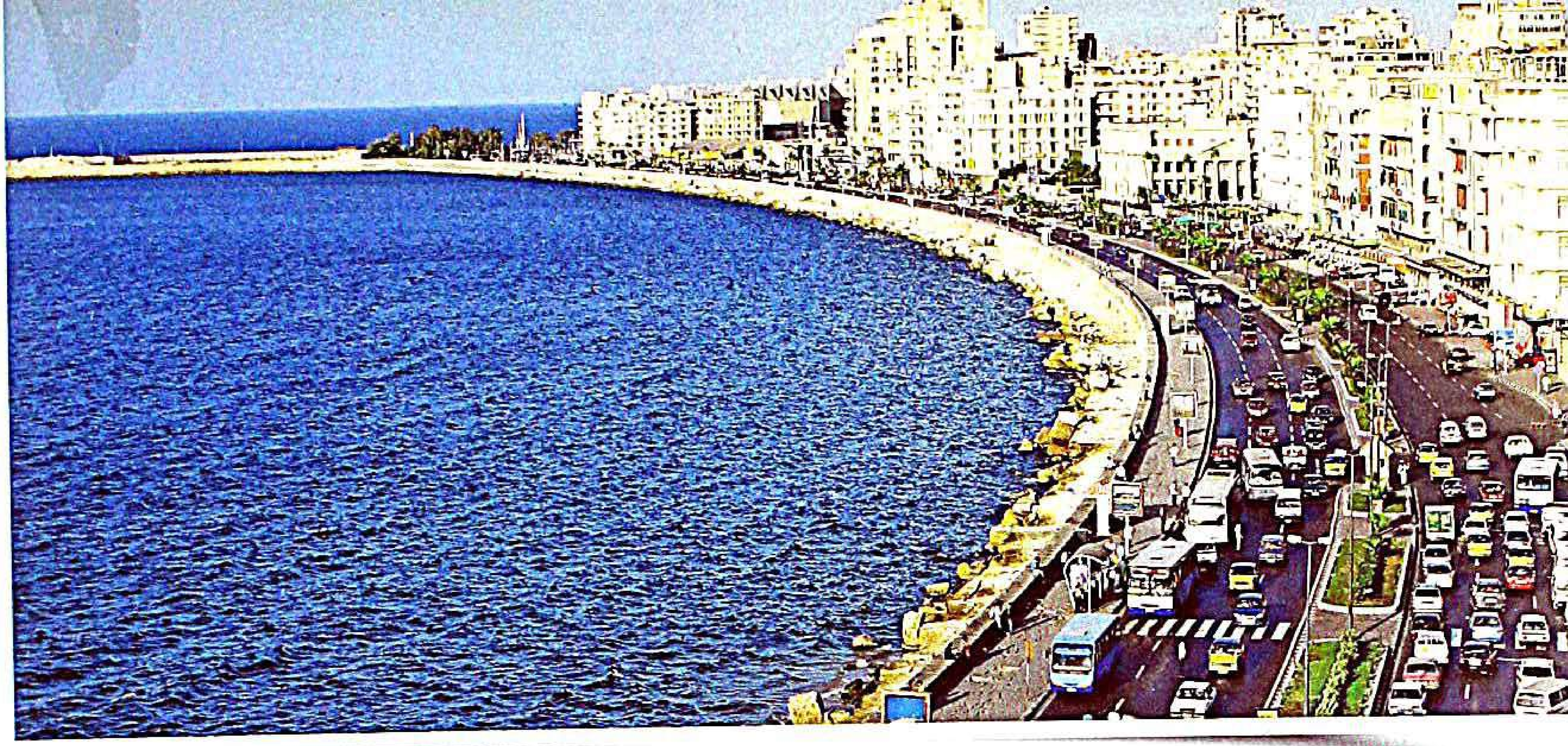


اسکندریہ

مصر کی اہم ترین بندرگاہ اسکندریہ ہے، یہ شہر بحیرۂ روم کے ساحل پر نیل کی شاخ (فرع رشید) کے مغرب میں 32 کلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ اس تنگ ساحلی پٹی پر واقع ہے جو جھیل مریوط کو بحیرۂ روم سے جدا کرتی ہے۔ اسکندریہ کی آبادی تقریباً 45 لاکھ ہے اور یوں یہ ملک کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ اسکندریہ ملکی دارالحکومت قاہرہ سے ریل، سڑک اور دریا کے ذریعے سے ملا ہوا ہے۔ نہر محمودیہ اس کے پاس سے گزرتی ہے۔ مصری کپاس اسکندریہ سے برآمد کی جاتی ہے۔ یہاں جہاز سازی، کیمیکلز، پارچہ بافی، کاغذ سازی اور دباغت کے کارخانے ہیں۔ یہ سیاحت کا مرکز بھی ہے۔ یہ صوبہ اسکندریہ کا صدر مقام ہے جس میں ابو قیر اور العامریہ شامل ہیں۔ سکندر اعظم نے 331 ق م میں اس کی بنیاد رکھی تھی۔ بابل میں سکندر اعظم کی وفات کے بعد اس کی لاش اسکندریہ لائی گئی۔ پھر یہ یونانی بطلیموسی سلطنت کا صدر مقام اور صدیوں عالمی ثقافت کا مرکز رہا۔ دوسری تیسری صدی عیسوی میں یہ ایک عظیم الشان لائبریری اور مذہب اور فلسفے کے مدرسے کے لیے مشہور تھا۔ کلیمنٹس، اوریجیس، اتھناسیوس اور افلوطین اس دور کے مشہور سکالر تھے۔ اسکندریہ کا مشہور یونانی جغرافیہ دان اور ماہرِ فلکیات بطلیموس کلاڈیوس 90 عیسوی کے لگ بھگ پیدا ہوا۔ اس کی تصنیف جغرافیہ Geography میں پہلی بار طول بلد اور عرض بلد سے ملاقات کا تعین کیا گیا۔ فلکیات پر اس کی کتاب کا عربی ترجمہ المجسطی (Almajes) کے نام سے مشہور ہے۔ 168ء میں وفات پائی۔ اسکندریہ کے جزیرہ نما فارس پر روشنی کے مینار کے لیے بھی مشہور ہے۔ 135 میٹر اونچا یہ مینار بطلیموس روم نے تعمیر کیا۔ اسے دنیا کے سات قدیم عجائب میں شمار کیا جاتا ہے۔

چوتھی صدی عیسوی میں اسکندریہ کے مسیحی کاہن آریوس (Arius) نے عقیدۂ تثلیث میں ''بیٹے'' کے عدم سے پیدا





ہونے کا نظریہ پیش کرتے ہوئے بیٹے کے باپ کے ہم جنس اور ابدی ہونے کی تردید کی۔ اس کے پیروکار آریوسی فرقے کے لوگ رومی سلطنت سے جلاوطن کر دیے گئے، تاہم یہ عقیدہ سپین کے گاتھوں اور اٹلی کے لمبارڈوں میں ساتویں صدی عیسوی تک رائج رہا۔ اسکندریہ ہی میں عبرانی بائبل کا یونانی میں ترجمہ ہوا۔

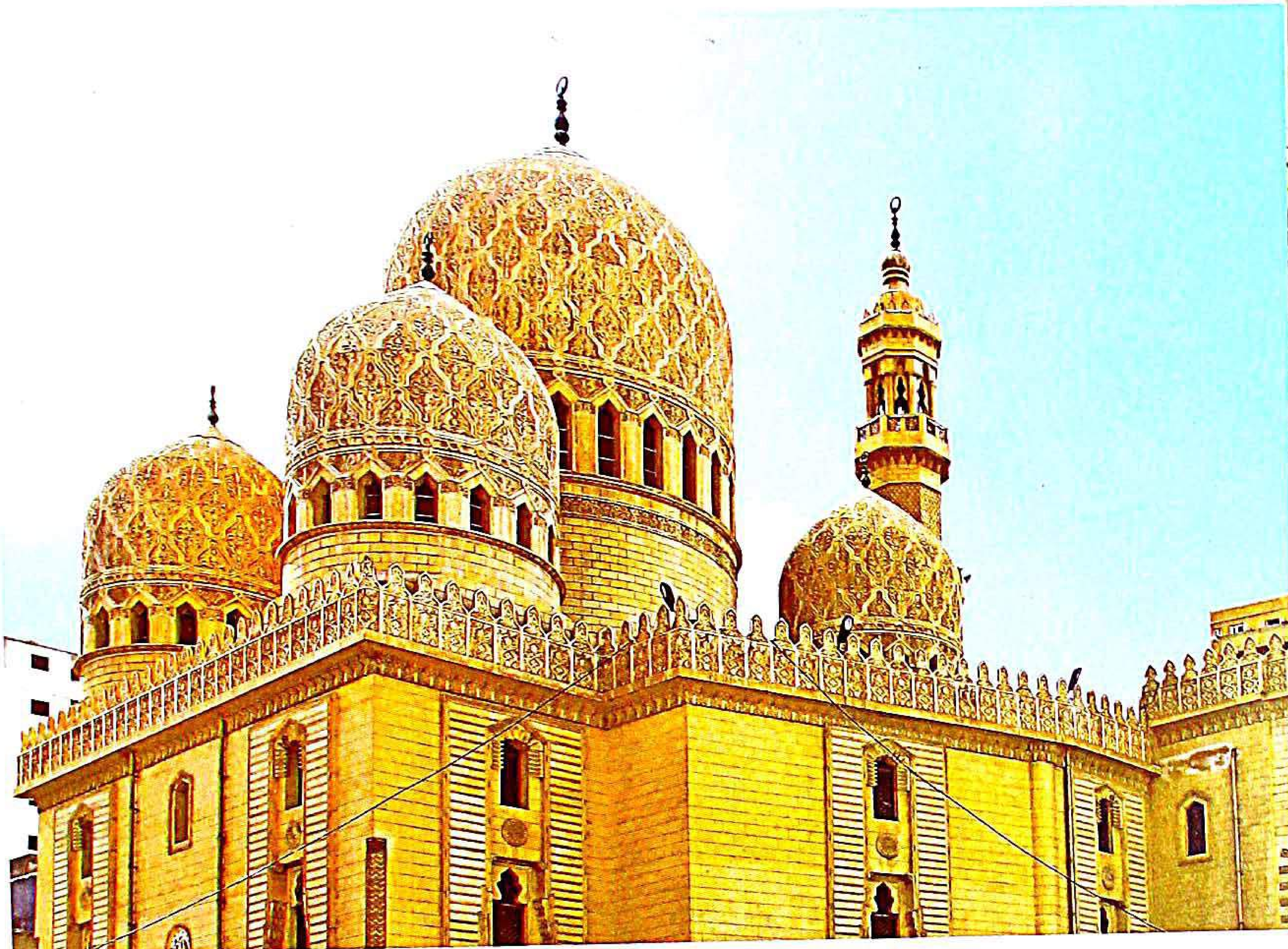
ازہر بن معبد کہتے ہیں کہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز نے مجھ سے پوچھا: کہاں رہتے ہو؟ میں نے کہا: فسطاط میں رہتا ہوں۔ فرمایا: اف! تم ام نتن (فسطاط) میں رہتے ہو۔ اس سے اچھی جگہ تمھیں نہیں ملی؟ میں نے کہا: وہ کون سی ہے؟ فرمایا: اسکندریہ۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ذی قعدہ 21ھ/اکتوبر 642ء میں اسکندریہ شاہِ مصر مقوقس کے ساتھ صلح نامے کی رو سے فتح کیا۔

اسکندریہ کی مسجد الرحمت کے نزدیک تانبے کے دو ستون ہیں جن پر حمیری زبان میں شداد بن عاد کا کتبہ لگا ہے۔ یونانی دور میں اسکندریہ میں یہودیوں کی سب سے بڑی آبادی تھی۔ رومی عہد میں 115ء کی یونانی یہودی خانہ جنگی میں اسکندریہ کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا۔ 215ء میں رومی قیصر کاراکلاّ اسکندریہ آیا تو اپنی اہانت پر اس نے ہتھیار اٹھانے کے قابل ہر نوجوان کو قتل کر ڈالنے کا حکم دیا۔ 365ء میں جزیرہ کریٹ کے زلزلے سے اٹھنے والے سونامی نے اسکندریہ تباہ کر دیا۔ 391ء میں قیصر تھیوڈسیس اول بطریق تھیوفائلس کے ایما پر اسکندریہ کے تمام اصنام پرستی کے مندر اور لائبریری تباہ کرنے کا حکم دیا اور نئے نئے مسیحی بننے والے رومیوں نے کفار کا قتل عام کیا۔ 619ء میں خسرو پرویز کی فوج نے اسکندریہ فتح کیا، تاہم دس برس میں ہرقل نے شہر واگزار کرا لیا۔ 1798ء سے 1801ء تک اسکندریہ نپولین کی فوج کے تسلط میں رہا۔ 1810ء میں محمد علی پاشا نے اس کی تعمیر نو کا آغاز کیا۔ 1882ء میں برطانوی فوج نے مصر پر قبضہ کرتے وقت اسکندریہ پر وحشیانہ بمباری کی۔

مسجدِ ابو العباس المرسی، اسکندریہ (مصر)

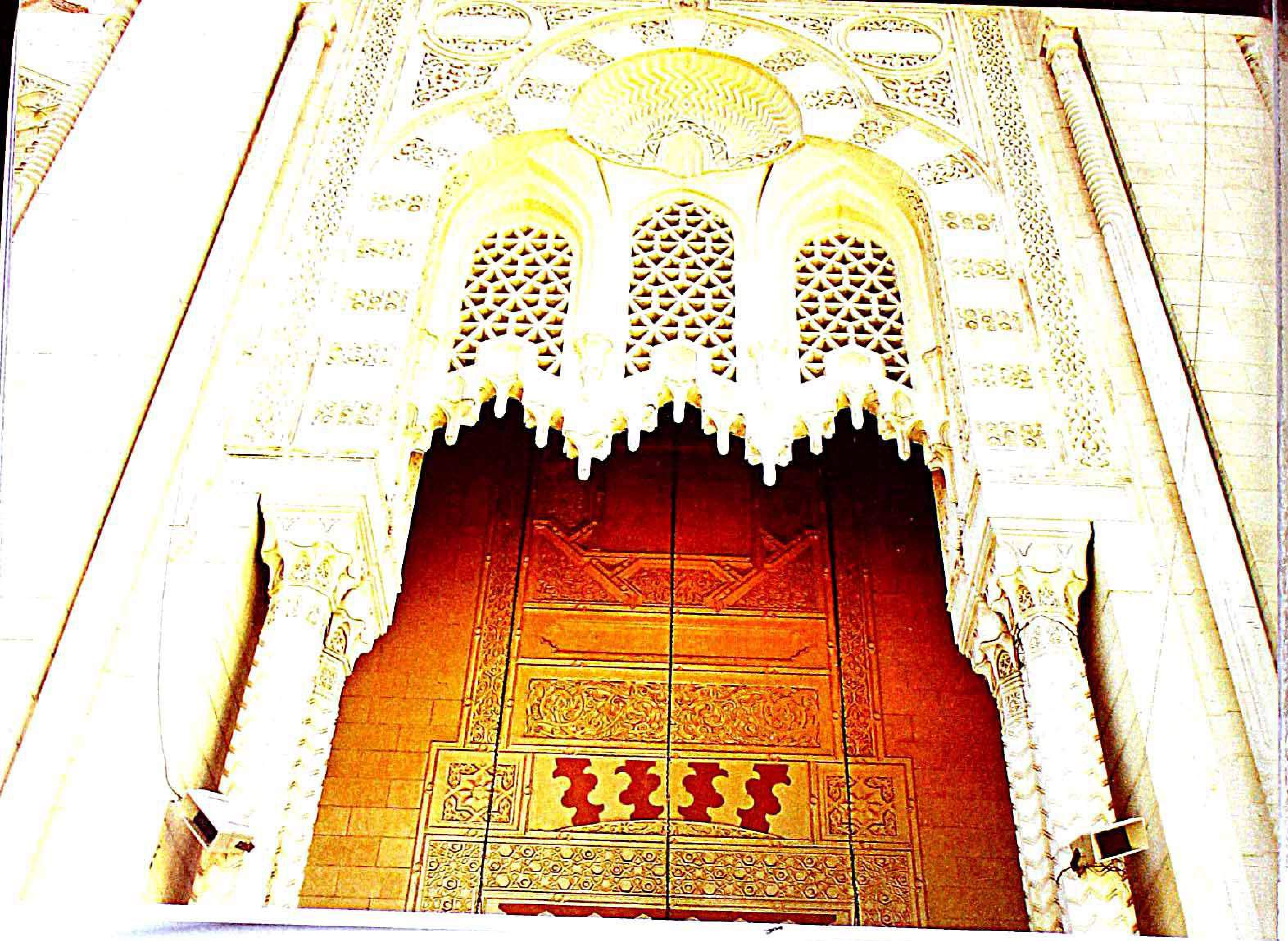
مسجدِ ابو العباس المرسی مصر کے ساحلی شہر اسکندریہ کی بہت تاریخی اور خوبصورت مسجد ہے۔
یہ قلعہ قایت بائی کے قریب محلّہ انفوشی میں واقع ہے۔ پہلی دفعہ یہ مسجد 1775ء میں تعمیر ہوئی۔
شیخ ابو العباس شہاب الدین احمد الانصاری المرسی تیرھویں صدی عیسوی کے ایک سپینی (اندلسی) عالم



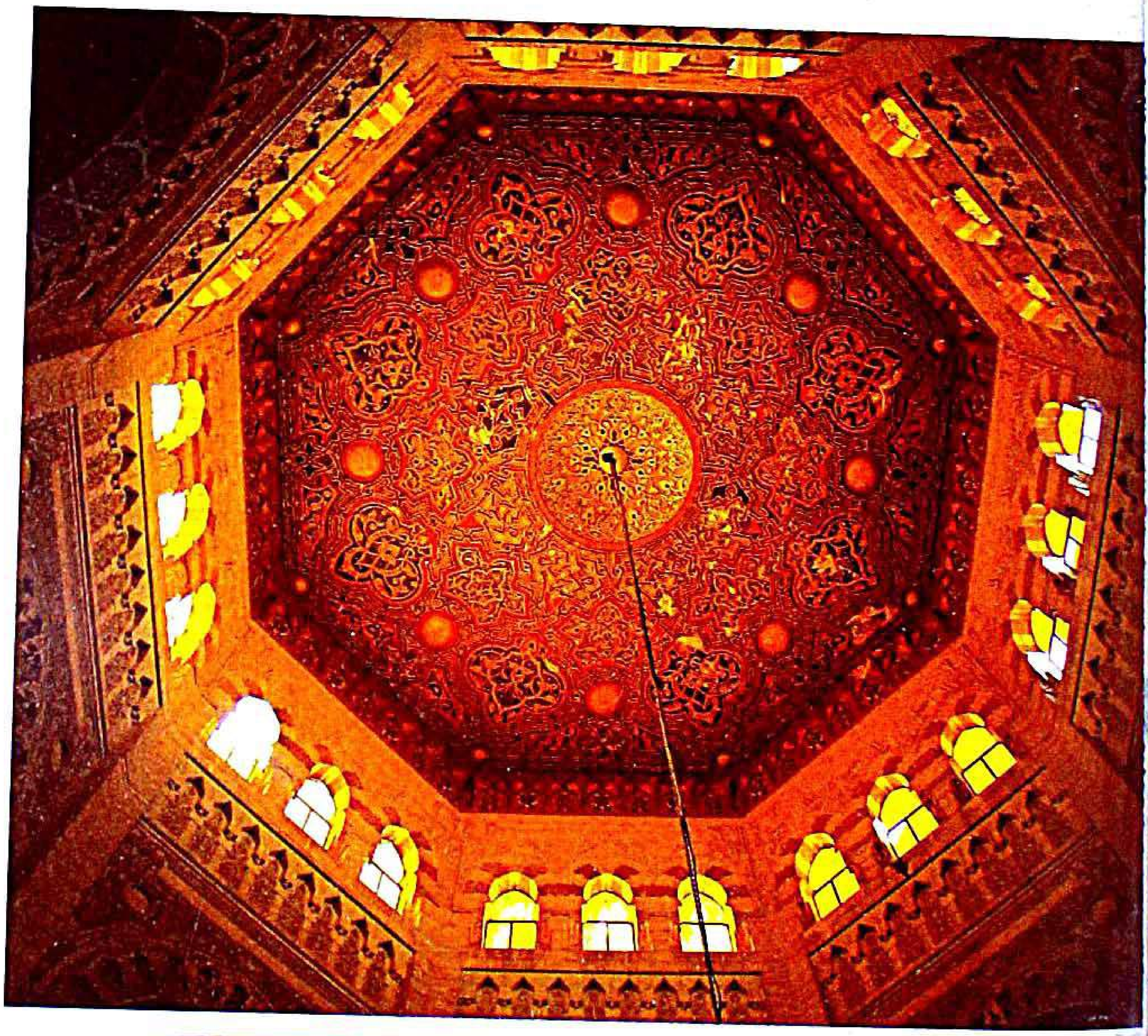


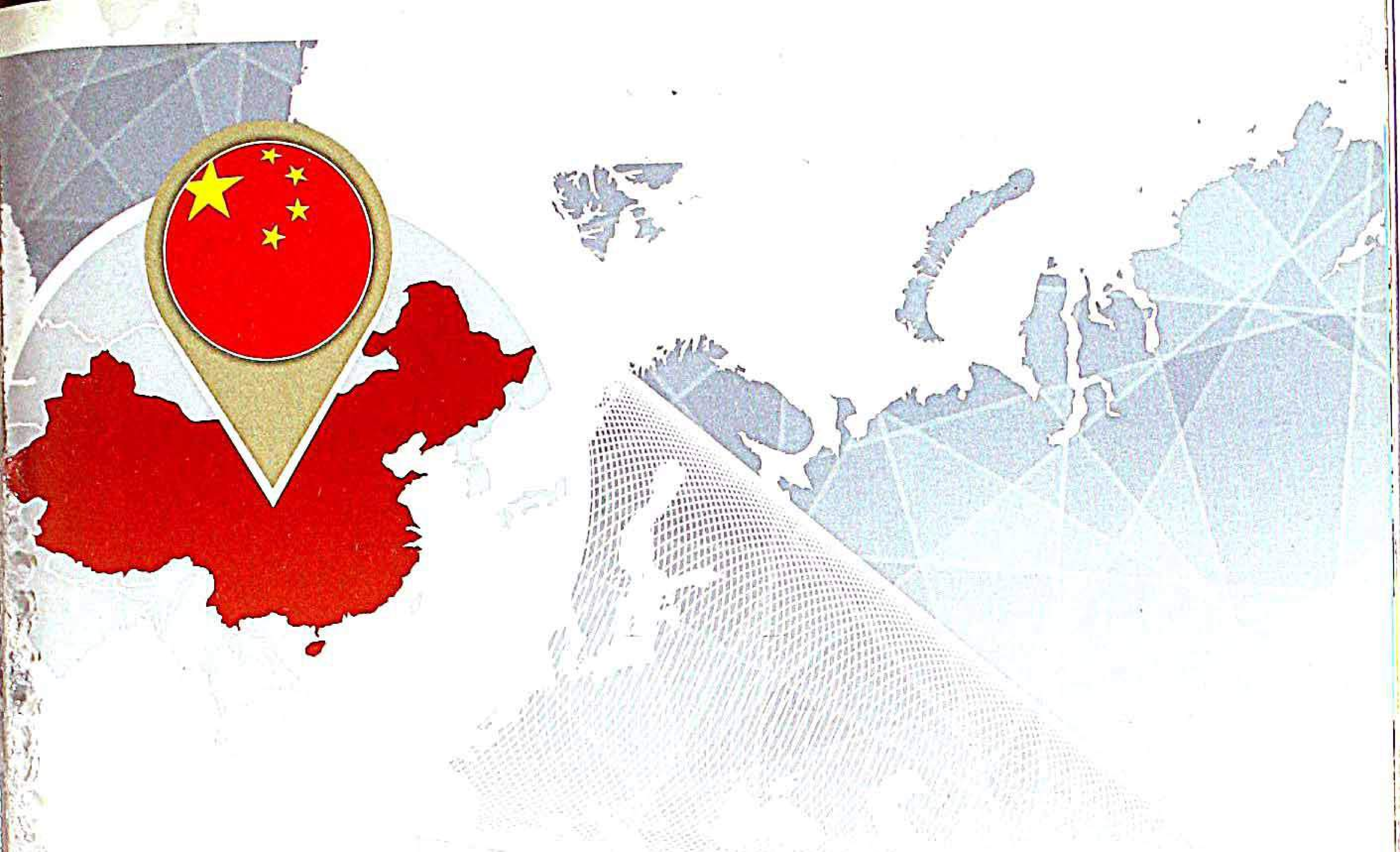
اور صوفی بزرگ جو سقوطِ اشبیلیہ کے بعد اسکندریہ چلے آئے تھے۔ ان کا مزار اسی مسجد کے احاطے میں موجود ہے۔ الشیخ زین الدین ابن القطان جو کہ اسکندریہ شہر کا ایک امیر تاجر تھا، اس نے 1307ء میں یہاں مزار پر حاضری دی اور اس کے پاس ایک خوبصورت مسجد بنانے کا عزم کیا۔ بعد میں شیخ ابوالحسن الجزائری نے اس مسجد میں توسیع کروائی۔ 1863ء میں مسجد کی مرمت اور تزئین و آرائش کا کام ہوا۔

1943ء میں شاہ فاروق کے دورِ حکومت میں اس مسجد کی دوبارہ تزئین و آرائش کی گئی۔ مسجد کا کل رقبہ 465016 مربع فٹ ہے اور یہ مسجد زمین کی سطح سے 75 فٹ بلند بھی ہے۔ مسجد کے مینار کی بلندی 240 فٹ ہے۔ اس کے دو داخلی دروازے ہیں، ایک دروازہ شمال کی جانب اور دوسرا مشرقی سمت ہے۔ مسجد کے دروازے، منبر اور کھڑکیاں ساگوان اور اخروٹ کی قیمتی لکڑی سے تیار کیے گئے ہیں۔ منبر 19 فٹ بلند اور ہال کی چھت 56 فٹ اونچی ہے۔ مسجد کی بیرونی چار دیواری 75 فٹ بلند ہے۔ لبِ ساحل ہونے کی وجہ سے جس طرح اسکندریہ کا شہر خوبصورت ہے بالکل اسی طرح یہ مسجد بھی خوبصورت ہے۔ مسجد کا مسقّف رقبہ 32293 مربع فٹ ہے۔









چین

چین آبادی اور صنعتی ترقی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ چین کے شمال میں روس اور منگولیا، مشرق میں شمالی کوریا، بحیرۂ زرد، بحیرۂ چین مشرقی، جنوب میں بحیرۂ چین جنوبی، ویت نام، لاؤس، میانمار (برما)، بھارت، بھوٹان، نیپال اور مغرب میں پاکستان، افغانستان، تاجکستان، کرغیزستان اور قازاقستان واقع ہیں۔ مشرق میں چین کے سمندر پار ہمسائے جنوبی کوریا، جاپان، تائیوان اور فلپائن ہیں۔ چین کا سب سے بڑا جزیرہ ہینان بحیرۂ چین جنوبی اور خلیج ٹونکن کے درمیان پڑتا ہے۔ چین کا رقبہ 95 لاکھ 61 ہزار مربع کلومیٹر ہے اور آبادی تقریباً ایک ارب تیس کروڑ۔ یوں رقبے میں چین پاکستان سے 12 گنا بڑا اور بلحاظ آبادی 7 گنا بڑا ہے۔ ملکی دارالحکومت بیجنگ (سابقہ پیکنگ) ہے جس کی آبادی تقریباً دو کروڑ سات لاکھ ہے۔ دیگر بڑے شہر شنگھائی، ٹینٹ سن، دالیان، ووہان، شیان، کینٹن، نانکنگ، ہاربن، گوانگ ژو، ہانگ کانگ (شیان گانگ) اور ننگبو ہیں، منگولیا اور چین کی سرحد پر صحرائے گوبی پھیلا ہوا ہے جہاں اندرونی منگولیا کے چینی صوبے میں عظیم فاتح چنگیز خان کی قبر ہے۔ مغرب میں صحرائے تکلا مکان (سنکیانگ) اور جنوب مغرب میں سطح مرتفع تبت

ہے جس کے جنوب میں کوہستانِ ہمالیہ چین کو اس کے جنوبی ہمسایوں بھارت، بھوٹان اور نیپال سے جدا کرتا ہے، وہیں چین نیپال سرحد پر دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ واقع ہے۔ مغرب میں کوہستانِ قراقرم چین اور پاکستان کے درمیان حائل ہے، جنوب مغربی تبت سے برصغیر کے تین بڑے دریا سندھ، برہم پتر اور ستلج نکلتے ہیں اور تبت کے مشرق سے تین اور بڑے دریا ینگ سی کیانگ، میکانگ اور سالوین نکلتے ہیں۔

قدیم چین میں شنگ یا ین اور چو خاندان (1000 ق م) حکمران رہے، 307 ق م میں دولنگ نے اقتدار حاصل کیا۔ اس کے عہد میں چین میں ایرانی شلوار اور کمر بند پہننے کا رواج ہوا۔ 221 ق م میں چئن خاندان کو عروج ملا۔ اس دور میں چار اخلاقی مبلغ پیدا ہوئے: لاؤزو، موتی، کنفوشس اور شنز و۔ شاہ ہونگ ٹی نے 214 ق م میں دیوارِ چین بنانے کا آغاز کیا۔ اس عہد میں لکھنے کے لیے ریشم کا کپڑا استعمال ہونے لگا۔ 202 ق م میں مغربی ہن خاندان برسر اقتدار آیا۔ اس دور میں کنفوشس کی تعلیمات کو فروغ ملا۔ 108 ق م میں کوریا اور پھر فرغانہ (ازبکستان) فتح ہوئے۔ مشرقی ہن خاندان کے عہد میں ہندوستان اور وسطی ایشیا سے بدھ مت چین پہنچا۔ 43ء تک جاوا، ساٹرا، ہند چینی، انام اور ملایا چین کے زیر اثر آچکے تھے۔ شاہ پن چاؤ (74ء تا 94ء) نے ترکستان کی تمام چھوٹی بڑی ریاستیں مسخر کر لیں۔ 618ء میں تنگ خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ 745ء میں اویغور ترک آزاد ہو گئے۔ 747ء میں چینیوں نے عربوں کے مقابلے میں شکست کھائی اور ترکستان ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ 868ء میں لکڑی کے سانچے سے کاغذ پر چھپائی کا آغاز ہوا۔ 960ء میں سنگ خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ 1206ء میں چنگیز خاں تاتاری قبیلوں کا حکمران بنا۔ اس نے ایک وسیع سلطنت پیدا کر لی اور شمالی چین بھی اس کے قبضے میں آگیا۔ 1279ء میں چنگیز کے پوتے قبلائی خاں نے جنوبی چین بھی فتح کر لیا۔ تاتاریوں کا کاروبارِ حکومت مسلمان مدبروں کے ہاتھ میں تھا۔ صوبہ یونن کے مسلمان گورنر نے 1274ء سے دو مسجدیں تعمیر کرائیں۔ یہ چین میں پہلی مسجدیں تھیں۔ خود قبلائی خاں بدھ مت کا پیروکار تھا۔ 1368ء میں ہنگ خاندان کو عروج ملا، انھوں نے تاتاریوں کو پیکن (بیجنگ)، شانسی اور دیگر صوبوں سے نکال باہر کیا۔ 1388ء میں وہ قراقرم (منگولیا) سے بھی نکالے گئے۔ 1644ء میں مانچو خاندان برسر اقتدار آیا۔ 1758ء میں چین نے کاشغر (سنکیانگ) فتح کر لیا۔ 1911ء میں شاہی حکومت کا تختہ الٹا اور جمہوریت کی بنیاد پڑی جو 1949ء میں کمونسٹ آمریت (عوامی جمہوریہ چین) میں بدل گئی۔

چین کی زرعی پیداوار میں چاول، گندم، دالیں، چائے، کپاس، سویابین، گنا، چقندر، مکئی، سن، تل، آلو اور تمبا کو شامل ہیں۔ معدنی دولت کوئلہ، لوہا اور تیل پر مشتمل ہے۔ سکہ یوان ہے۔ فی کس آمدنی 6076 ڈالر ہے۔ قومی اور سرکاری زبان چینی (مینڈارن) ہے۔

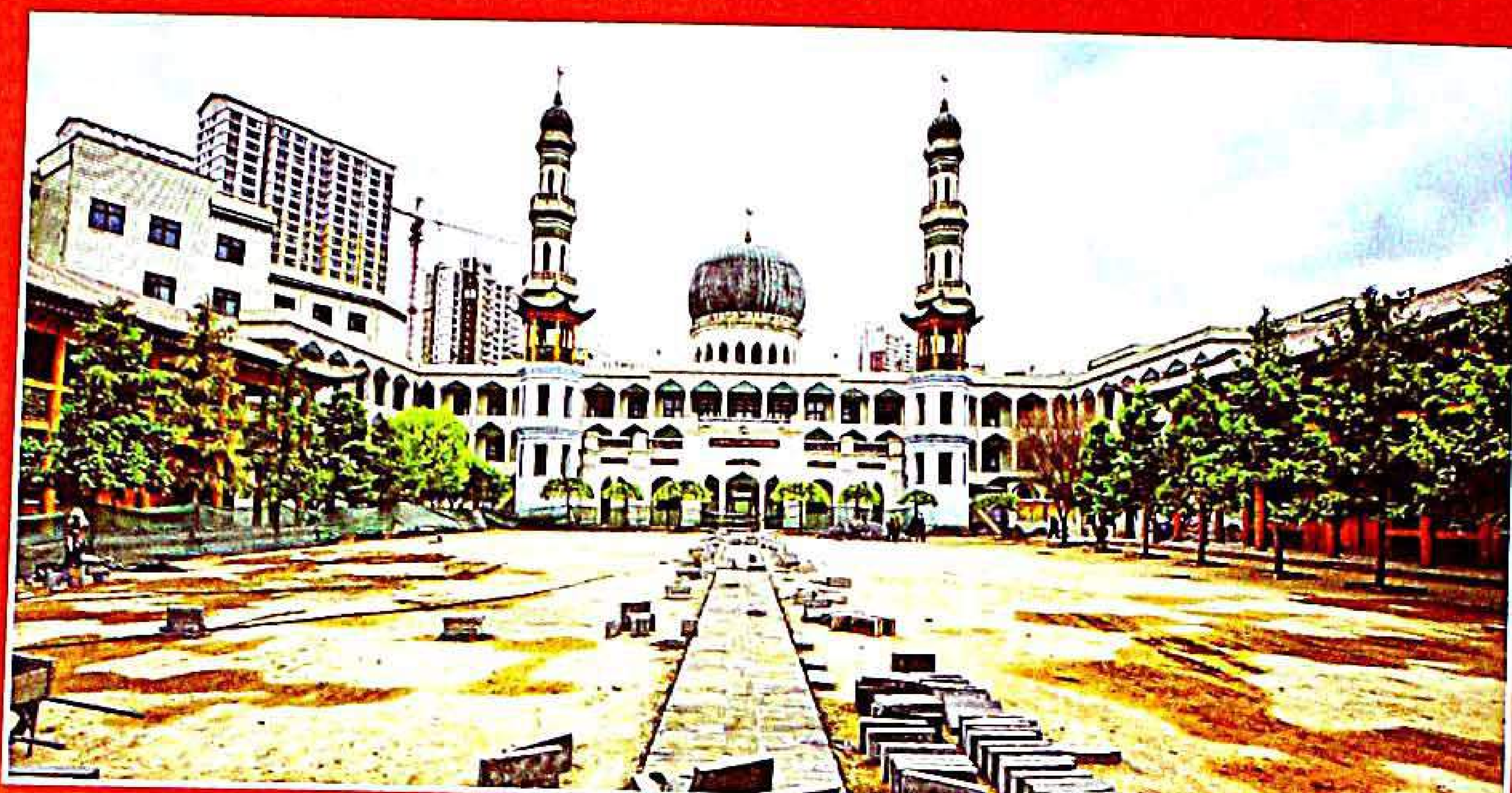


نیو جی مسجد، بیجنگ (چین)

خیال کیا جاتا ہے کہ چین میں اسلام ساتویں صدی میں متعارف ہو چکا تھا تاہم بیجنگ میں پہلی مسجد Tang سلطنت کے دورِ حکومت میں 996ء میں تعمیر ہوئی جو نیو جی مسجد کہلاتی ہے۔ ٹانگ خاندان کا دورِ حکمرانی 960ء سے 1279ء تک رہا۔ بیجنگ شہر میں یہ مسجد آکس سٹریٹ پر واقع ہے۔ چینی میں نیو (Niu) کا مطلب ہے بیل یا گائے اور جی (Jie) کا مطلب ہے سٹریٹ۔ اس لیے اس مسجد کا نام نیو جی (Niu Jie) پڑ گیا۔ یہ چین کی سب سے پرانی مسجد ہے۔ آغاز سے لے کر آج تک اس میں مرمت اور تزئین و آرائش کا کام جاری رہا اور آج یہ اپنے خوبصورت رنگ و روغن کی وجہ سے نمایاں ہے۔ اس مسجد کا کل رقبہ ڈیڑھ ایکڑ ہے جبکہ اندرونی رقبہ 64600 مربع فٹ ہے۔ اس میں ایک ہی وقت میں ایک ہزار نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ یہ مسجد



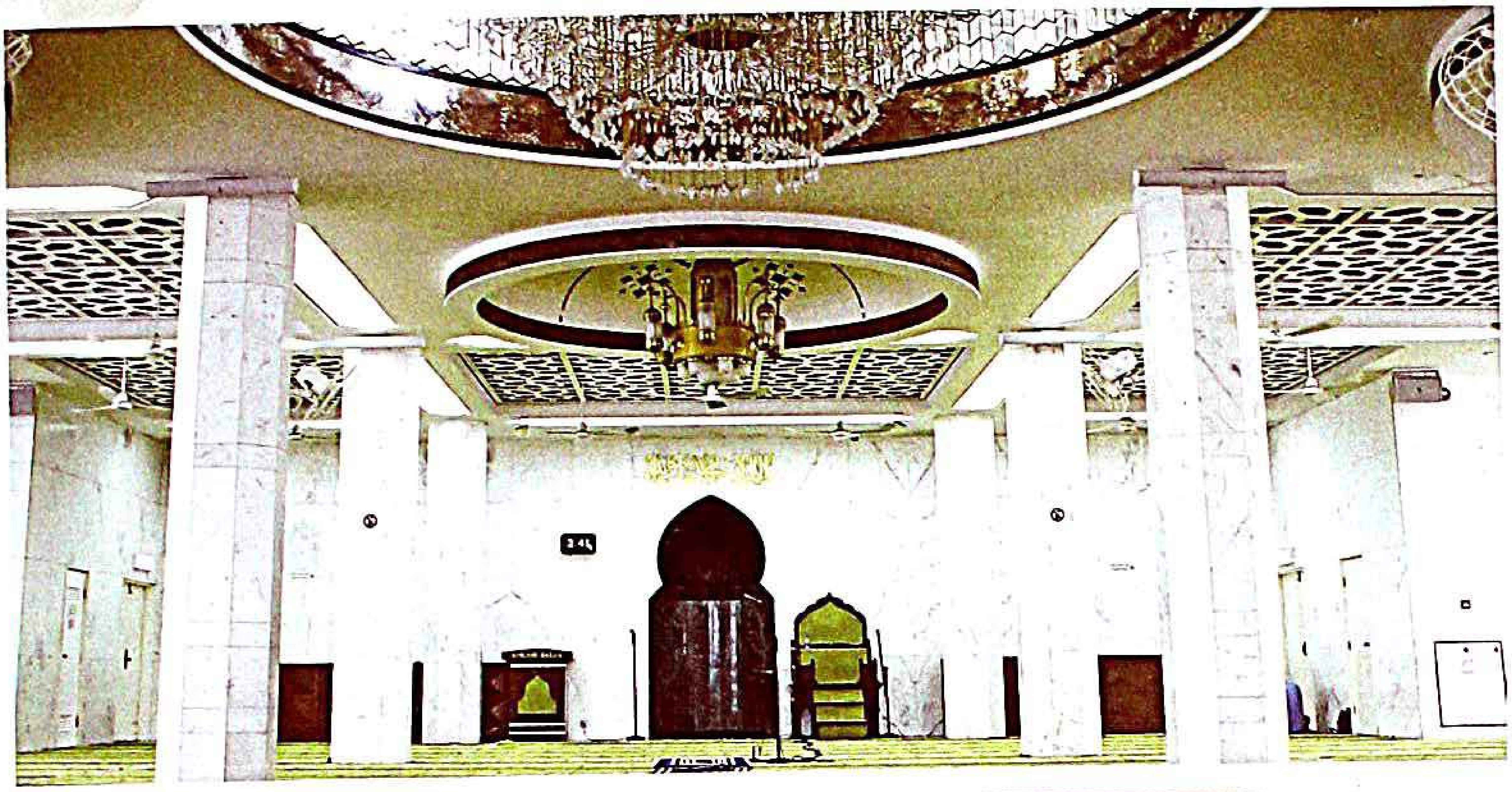
بیجنگ کے ضلع Xuanwu میں واقع ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اس وقت بیجنگ میں مسلمانوں کی تعداد 210,000 ہے۔ شمالی چین میں یہ مسلمانوں کی سب سے بڑی مسجد ہے، اس وقت چین میں 35000 مساجد ہیں اور صرف بیجنگ شہر میں چھوٹی بڑی مساجد کی کل تعداد 68 ہے۔ نیوجی مسجد 1442ء میں دوبارہ تعمیر کی گئی اور پھر تنگ عہد میں 1696ء میں اس مسجد کے سات سو سال مکمل ہونے پر اس میں توسیع کی گئی۔ اب پانچوں وقت یہاں باقاعدگی سے نماز ادا کی جاتی ہے۔ صبح اور شام کے وقت نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ غیر مسلموں کو یہ تاریخی مسجد دیکھنے کی اجازت ہے لیکن انھیں امام کی اجازت لینا پڑتی ہے لیکن جب مسجد میں نماز جاری ہو تو انھیں اندر آنے کی اجازت نہیں۔ غیر مسلم مرد و خواتین کا مسجد میں داخلے کے وقت مناسب لباس میں ہونا لازمی ہے۔



ژیننگ شہر

یہ مغربی چین میں صوبہ چنگھائی کا دارالحکومت ہے۔ اس کی آبادی 22 لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہ قدیم شہر ماضی کی شمالی شاہراہ ریشم پر واقع تھا۔ پہلے یہ صوبہ گانسو کا حصہ تھا۔ 1928ء میں اسے صوبہ چنگھائی میں شامل کیا گیا۔ یہاں ڈونگوآن سٹریٹ میں تاریخی ڈونگوآن مسجد واقع ہے۔ ژیننگ (Xining) میں بدھوں کی مشہور خانقاہ ''تائر'' نامی ہے۔ یہ شہر دریائے ہوانگ شوئی کی وادی میں واقع ہے اور بذریعہ ریل تبت کے صدر مقام لہاسہ اور گانسو کے صدر مقام لانژو، سیان اور شنگھائی سے ملا ہوا ہے۔ ژیننگ سے ستر اسی کلومیٹر مغرب میں چنگھائی نامی ایک بڑی جھیل ہے جس سے صوبے کا نام موسوم ہے۔





کولون مسجد، ہانگ کانگ (چین)

یہ بات قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگی کہ اس وقت چین میں تقریباً 35,000 مساجد ہیں۔ صرف ہانگ کانگ شہر میں بیس سے زیادہ مساجد آباد ہیں۔ ہانگ کانگ کی کولون مسجد ان میں سے ایک ہے۔ یہ مسجد ایک اسلامی مرکز بھی ہے۔ 1896ء میں مقامی مسلمانوں کی دینی ضروریات کے پیش نظر یہ مرکز قائم کیا گیا، پھر تقریباً 90 سال بعد 1986ء میں مسجد نئے سرے سے تعمیر کی گئی۔ اس میں روزانہ پانچوں وقت کی اذان اور نماز باجماعت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مسجد میں 3500 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ یہ ہانگ کانگ میں سب سے بڑی مسجد ہے۔ شہر کی تمام مساجد کی ایک مشترکہ کمیٹی بنی ہوئی ہے جس کا مرکزی دفتر اسی اسلامی مرکز میں ہے۔

یہ مسجد ناتھن اور ہےفونگ روڈ کے سنگم پر واقع ہے۔ اس کے قریب ہی تھوڑے فاصلے پر کولون پارک ہے۔ اس مسجد کی عمارت میں کچھ نقائص اس وقت سامنے آئے جب اس کے زیرِ زمین (انڈر گراؤنڈ) ماس ٹرانزٹ ریلوے بچھائی جانے لگی۔ گو بعد ازاں ماس ٹرانزٹ ریلوے نے معاوضہ ادا کر دیا اور مسلمانوں کے عطیات سے مسجد کی مرمت کر دی گئی لیکن ساتھ ہی ایک نئی مسجد تعمیر کی گئی۔ اس مسجد کا ڈیزائن آئی ایم قادری نے تیار کیا۔ اس کا نقشہ نہایت منفرد اور اسلامی فنِ تعمیر کا جدید نمونہ تھا۔ مسجد کی دوسری منزل پر بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ مسجد کا گنبد بالائی منزل سے 30 فٹ بلند ہے اور اس کا قطر 16.5 فٹ ہے۔ دوسری منزل کا ایک حصہ خواتین کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔

قاری محمد طیب قاسمی 1989ء سے اس مسجد کے چیف امام اور خطیب ہیں۔ وہ اسلامی دنیا کی مشہور و معروف ہستیوں کو ہر سال یہاں مدعو کرتے رہتے ہیں۔ امام کعبہ یہاں تشریف لا چکے ہیں۔ مسجد سے ملحق ایک مدرسہ اور لائبریری بھی موجود ہے۔ مدرسے میں کل وقتی طلباء قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔



افغانستان

افغانستان وسطی ایشیا میں ایک خشکی بند ملک ہے۔اس کے جنوب اور مشرق میں پاکستان،مغرب میں ایران،شمال میں تاجکستان،ازبکستان اور ترکستان اور شمال مشرق میں چین واقع ہے۔شمال میں دریائے آمو (جیحون) اسے تاجکستان اور ازبکستان سے جدا کرتا ہے۔کوہستان ہندوکش چترال کے مغرب سے افغانستان کے وسط تک پھیلتا چلا گیا ہے۔اس کے جنوب سے دریائے کابل اور ہلمند نکلتے ہیں۔دریائے کابل سندھ کا معاون ہے اور دریائے ہلمند مغرب میں ایرانی سرحد پر نمکین جھیل ہامون صابری میں جا گرتا ہے۔افغانستان کا رقبہ 647500 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 3 کروڑ ہے۔ دارالحکومت کابل کی آبادی تقریباً 36 لاکھ ہے۔

تقریباً 4 ہزار سال پہلے آریہ لوگ افغانستان آئے۔سکندر اعظم (م 323 ق م)، چندر گپت موریا (م 298 ق م)، چنگیز خان (م 1227ء) اور امیر تیمور (م 1406ء) جیسے فاتحین نے اسے فتح کیا۔یہاں یونانی باختری، کشان (بدھ)، ساسانی (مجوسی)، صفاری، سامانی، غزنوی، غوری اور مغل سلطنتوں کا سکہ چلتا رہا۔افغان اپنا رشتہ بنی اسرائیل سے ملاتے ہیں۔شمال مغربی افغانستان (بلخ، ہرات وغیرہ) ماضی میں خراسان میں شامل رہا جبکہ جنوب مغربی علاقہ سیستان (سجستان) کا حصہ تھا۔افغانستان میں اسلام عہدِ فاروقی میں وارد ہوا جب احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے ہرات فتح کیا، پھر مرو اور طخارستان فتح ہو گئے۔ خلافتِ عثمانی میں ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ نے سیستان فتح کیا اور آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد سوم 31ھ/651ء میں مرورود کے پاس مارا گیا۔عہدِ معاویہ (43ھ/663ء) میں حاکمِ سیستان عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بست، زابل، وادئ ترنک (قندھار)، غزنہ اور کابل فتح کیا۔جنگ کابل میں ابورفاعہ تمیم عدوی نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کا مرقد یہاں موجود ہے۔900ء تک کابل وقندھار کے بیشتر باشندے مسلمان ہو گئے۔

351ھ/962ء میں سامانی حکمران کے غلام اور کمانڈار الپتگین نے ہندوشاہی کے کابل شاہ کے داماد علی لویک حاکمِ غزنہ کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کی۔ 978ء میں الپتگین کے غلام سبکتگین نے غزنوی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ محمود غزنوی (998ء تا 1030ء) نے ہندو سردار ''محمد غوری'' کا قلعہ غور 400ھ/1009ء میں فتح کر لیا۔ اس کے بیٹے ابوعلی نے اسلام قبول کر لیا۔ 1021ء میں لاہور غزنوی سلطنت کا حصہ بنا۔ علاء الدین غوری نے 1154ء میں غزنی شہر کو جلا کر ''جہانسوز'' کا لقب پایا۔ پھر معز الدین محمد (شہاب الدین) غوری نے 1173ء میں غزنی فتح کیا اور 1186ء میں لاہور پر قبضہ کر کے غزنی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ شہاب الدین غوری نے 1192ء میں دہلی و اجمیر کے مہاراجہ پرتھوی راج کو شکست دے کر شمالی ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

1504ء میں ظہیر الدین بابر نے کابل فتح کر کے مغل سلطنت قائم کی جو 1526ء میں سلطان ابراہیم لودھی کی شکست پر شمالی ہند میں بنگال تک وسیع ہو گئی۔ 1747ء میں احمد شاہ ابدالی قندھار میں بادشاہ بنا۔ یہ جدید افغانستان کی پہلی بادشاہت تھی۔ 1819ء میں دوست محمد خاں بارک زئی نے کابل ابدالیوں سے چھین لیا۔ پہلی اینگلو افغان جنگ (1839-42ء) میں کابل سے پسپا ہوتی 16 ہزار برطانوی فوج ماری گئی اور صرف ڈاکٹر برائیڈن زخمی حالت میں جلال آباد پہنچ پایا۔ 1893ء میں افغان ہند سرحد ''ڈیورنڈ لائن'' قائم ہوئی۔ آخری بارک زئی حکمران ظاہر شاہ (1933-73ء) تھا۔ اس کے عم زاد اور بہنوئی داؤد خان نے 1973ء میں ظاہر شاہ کا تختہ الٹ دیا اور خود رئیس (صدر مملکت) بن بیٹھا۔ اپریل 1978ء میں کابل میں کمونسٹ انقلاب برپا ہوا اور داؤد خاندان مارا گیا۔ دسمبر 1979ء میں روسی افواج افغانستان پر حملہ آور ہوئیں اور 10 لاکھ افغانوں کی ہلاکت کے بعد فروری 1979ء میں جنیوا معاہدے کے مطابق افغانستان سے نکل گئیں۔ 1996-97ء میں قندھار و کابل میں طالبان حکمران ہوئے اور اکتوبر۔ دسمبر 2001ء میں امریکی اتحادی فوجیں افغانستان پر قابض ہو گئیں۔

کابل کے علاوہ مشہور شہر قندھار (آبادی 5 لاکھ)، ہرات (4 لاکھ)، غزنی (9.5 لاکھ) اور مزار شریف (4 لاکھ) ہیں۔ شمال مشرقی صوبہ بدخشاں لعلِ بدخشاں کے لیے مشہور رہا ہے۔ اس کا دارالحکومت فیض آباد ہے۔ تاتاریوں کے تباہ کردہ شہر بلخ کے کھنڈر مزار شریف سے 20 کلومیٹر مغرب میں واقع ہیں۔ افغانستان کی زرعی پیداوار میں پوست (افیون)، گندم اور پھل انار، انگور، سیب، گرما، بادام اور اخروٹ شامل ہیں۔ معدنی ذخائر قدرتی گیس، تانبا، کرومائٹ، سونا، کوئلہ اور لوہا پر مشتمل ہیں۔ فارسی (دری) اور پشتو سرکاری زبانیں ہیں۔ شمالی افغانستان میں تاجک اور ازبک آباد ہیں۔ سکہ ''افغانی'' کہلاتا ہے۔

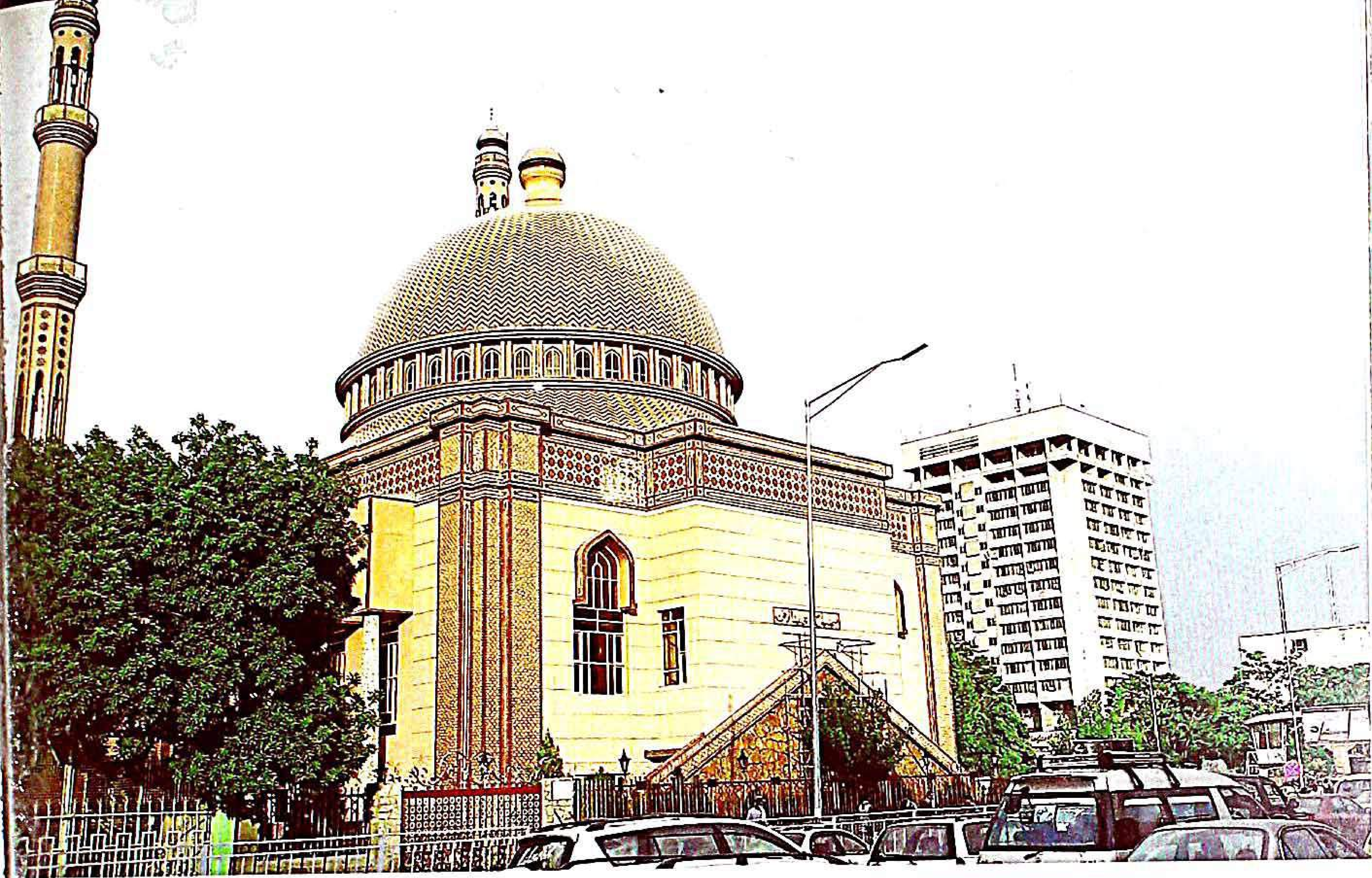
حاجی عبدالرحمٰن مسجد، کابل (افغانستان)

حاجی عبدالرحمٰن مسجد کابل کے معروف کاروباری مرکز پختونستان چوک کے پاس زرنگار پارک میں واقع ہے۔ یہ مسجد جولائی 2012ء میں کھولی گئی۔ کابل کی جدید، خوبصورت اور سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس کی تعمیر حاجی عبدالرحمٰن نے 2001ء میں شروع کی۔ حاجی صاحب افغانستان کے ایک متموّل، صاحبِ حیثیت اور کاروباری شخص تھے۔ وہ کابل کے ایک قریبی گاؤں میں 1919ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی دیرینہ آرزو تھی کہ وہ ایک شایانِ شان مسجد کابل شہر میں تعمیر کروائیں۔ ان کے خواب کی تعبیر اس وقت ملی جب ان کو حکومت وقت کی جانب سے 2000ء میں زرنگار پارک میں مسجد تعمیر کرنے کا اجازت نامہ موصول ہوا۔ حاجی عبدالرحمٰن نے ایک مختصر سی پروقار تقریب میں 2001ء میں اس مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔ مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا لیکن اسی اثنا میں حاجی صاحب 16 نومبر 2002ء کو پشاور میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور انھیں ان کے آبائی گاؤں میں کابل کے قریب دفن کر دیا گیا۔ حاجی سید عارف جو حاجی صاحب کے دیرینہ ملازم تھے اور جن کی شب و روز کی بھاگ دوڑ سے تعمیرِ مسجد کا اجازت نامہ ملا تھا۔ انھوں نے موجودہ جگہ مسجد کی تعمیر جاری رکھی۔

آغاز میں اس مسجد کی ڈیزائننگ کا کام انجینئر سعید الواحد نے اپنے ذمے لیا لیکن اس پر کام کرنے کے دوران میں انھیں متحدہ عرب امارات کے درہم دبئی کھینچ لے گئے۔ یوں مسجد کی تعمیر میں دو سال کی تاخیر ہوئی۔ اب انجینئر غلام فاروق نے دلجمعی سے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور انجینئر محمد داؤد اور محمد شعیب رسول کی مدد سے اس مسجد کا ڈیزائن مکمل کیا۔ محمد شعیب رسول جو کہ حاجی عبدالرحمٰن کے صاحبزادے ہیں، انھوں نے اس سارے تعمیری پراجیکٹ کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔

رمضان المبارک بمطابق 13 جولائی 2012ء کو بروز جمعۃ المبارک اس مسجد کا افتتاح افغانستان کے صدر حامد کرزئی کے ہاتھوں ہوا۔





اس مسجد کی تین منزلیں ہیں۔ مرکزی ہال کا رقبہ 9884 مربع فٹ ہے، درمیان میں 66 فٹ قطر کا گنبد ہے۔ دوسری منزل کے نیچے ایک حصے میں خواتین کے لیے جگہ مخصوص ہے، اس کا رقبہ 5380 مربع فٹ ہے۔ اس کے اوپر تین چھوٹے گنبد بنے ہوئے ہیں۔ مرکزی ہال کے اندر پیتل سے بنے ہوئے 21 فانوس ہیں۔ درمیان والے سب سے بڑے فانوس کا وزن 3300 کلوگرام ہے، اس فانوس کے دو دائرے ہیں، بڑے دائرے کا قطر 66 فٹ اور چھوٹے دائرے کا قطر 23 فٹ ہے۔ ان دونوں دائروں میں 200 بلب روشن ہوتے ہیں۔ فانوس کے نیچے والے حصے میں مزید 400 بلب نصب کیے گئے ہیں، مسجد کے بڑے گنبد اور چھوٹے گنبدوں میں اوپر کی طرف 44 کھڑکیاں ہیں جہاں سے داخل ہوتی ہوئی قدرتی روشنی مسجد کے اندر لگی ہوئی روشنی سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ گنبد کے اندر قرآنی آیاتِ مبارکہ نہایت خوشخطی سے تحریر ہیں۔

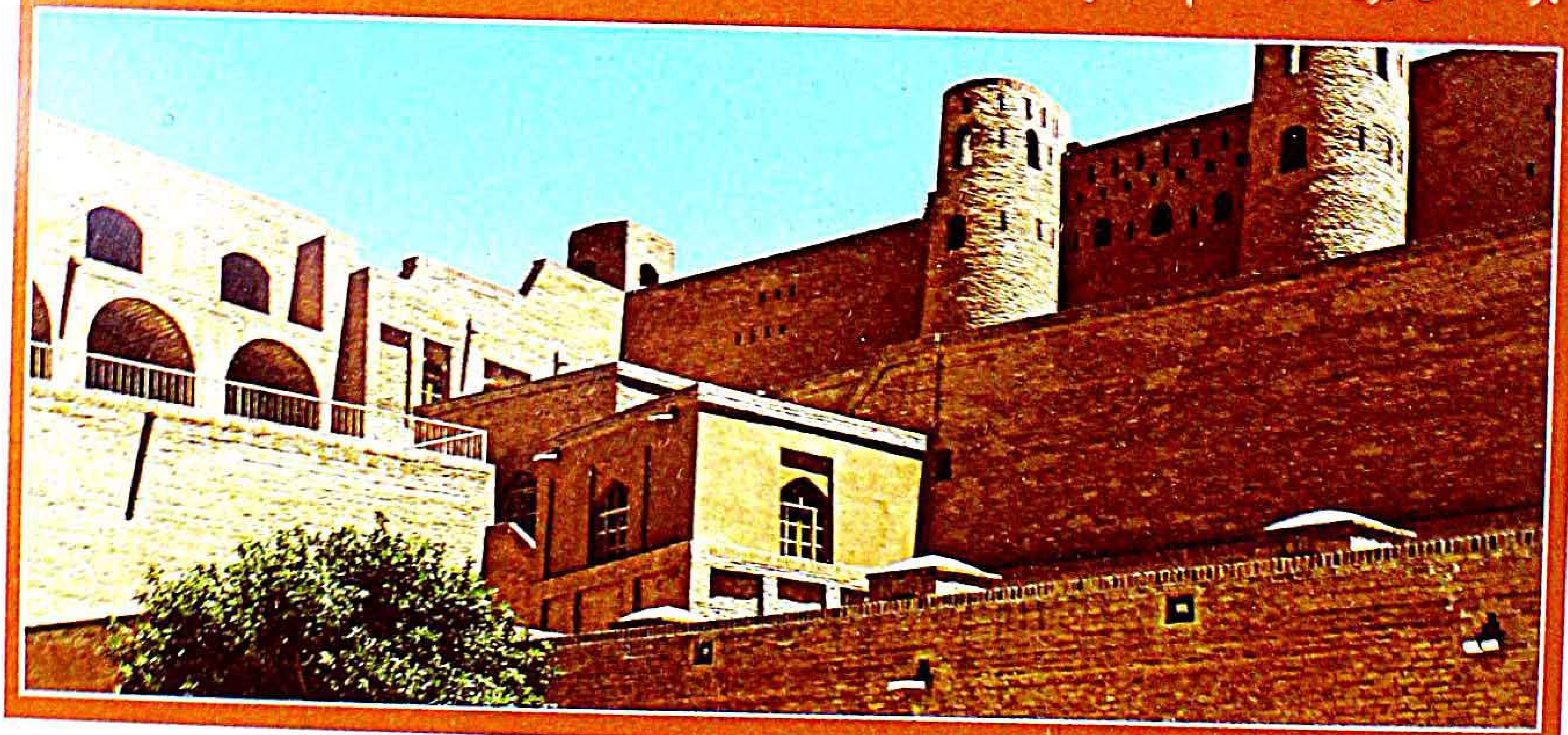
مسجد کے دونوں اطراف دو بلند مینار ہیں جن کی بلندی 204 فٹ ہے۔ وضو خانے میں 500 نمازی بیک وقت وضو کر سکتے ہیں۔ خواتین کے لیے وضو کا علیحدہ انتظام کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسجد میں لائبریری بھی موجود ہے جس میں ڈیڑھ لاکھ دینی کتب کا ذخیرہ موجود ہے۔ یہاں بھی لائبریری میں خواتین کے لیے علیحدہ کمرے مختص ہیں۔ مسجد سے ملحق دینی کلاسوں کا اجراء بھی کیا گیا ہے جن میں قرآن پاک کی تجوید اور قراءت سکھائی جاتی ہے۔

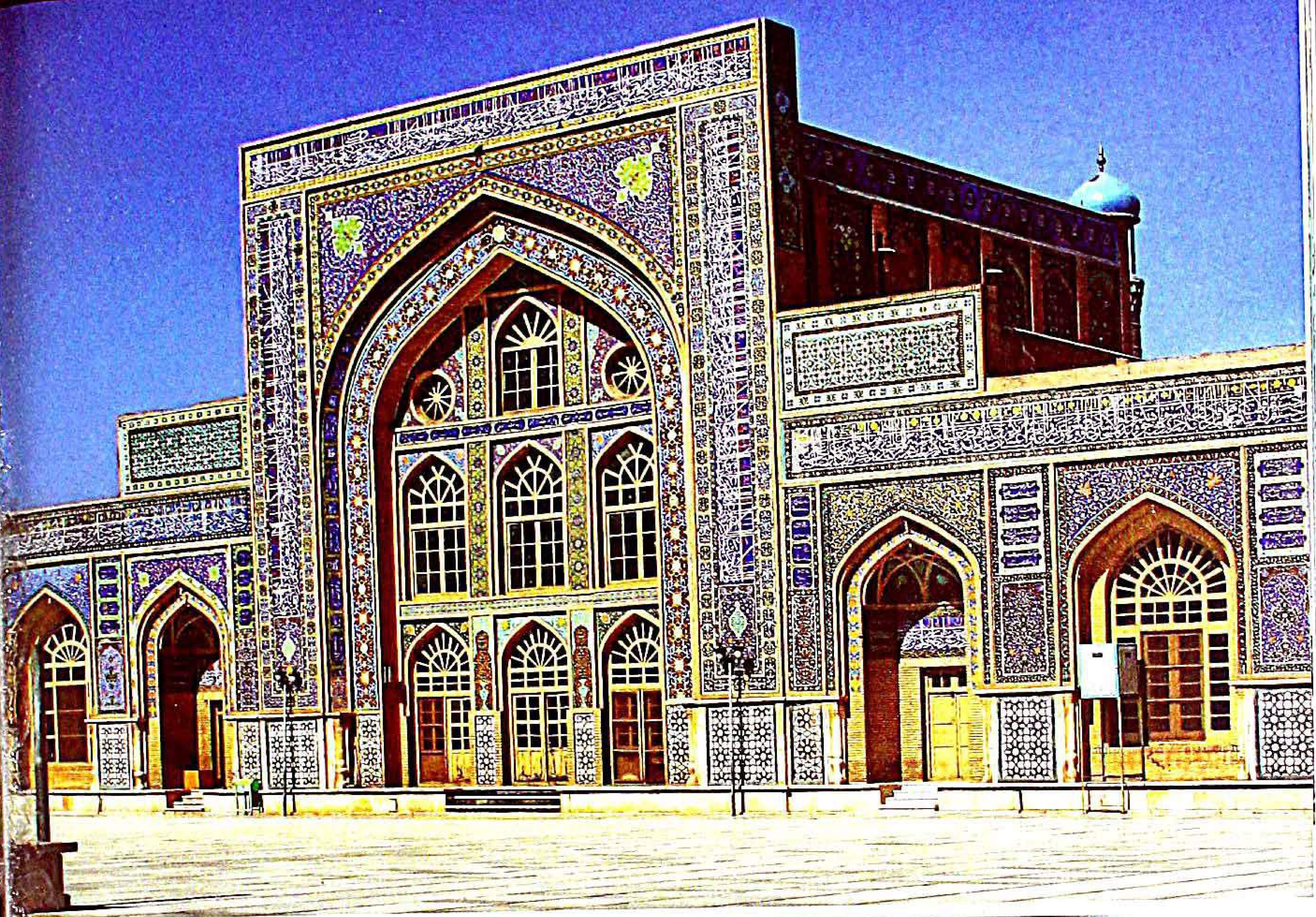
ہرات

ہرات افغانستان کا تیسرا بڑا شہر اور صوبہ ہرات کا دارالحکومت ہے۔ اس کی آبادی ساڑھے چار لاکھ کے قریب ہے۔ یہ ہری رود کے کنارے آباد ہے اور قدیم زمانے میں یہ "ہری" یا "ہریو" کہلاتا تھا۔ ہرات قدیم تجارتی شاہراہ پر واقع تھا اور آج بھی ایران سے تجارت کا دروازہ ہونے کے باعث کسٹم ڈیوٹی کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ماضی میں یہ "خراسان کا موتی" کہلاتا تھا۔ یہ استراخانی کھالوں، اون اور قالینوں کے لیے مشہور ہے۔ یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس نے ہرات کو "وسطی ایشیا کا اناج گھر" کہا تھا۔ 330 ق م میں سکندر اعظم نے اسے فتح کر کے دوبارہ تعمیر کیا اور الیگزینڈریا (سکندریہ) کا نام دیا۔ یونانیوں کے بعد اشکانی اور ساسانی حکمران رہے۔

خلافت عثمانی میں 750ء کے لگ بھگ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے ہرات فتح کر لیا۔ یہ مختلف ادوار میں سامانی، غزنوی، سلجوقی اور غوری سلطنتوں میں شامل رہا 1221ء میں چنگیز خاں نے اور 1381ء میں تیمور نے اس شہر کو تباہ و برباد کیا، پھر تیمور کے بیٹے شاہ رخ نے اسے دوبارہ تعمیر کر کے دارالحکومت بنا لیا۔ شاہ رخ کی ملکہ گوہر شاد نے یہاں ایک مدرسہ، جامع مسجد اور بیت المغفرہ تعمیر کرایا۔ 1510ء میں شاہ اسماعیل صفوی نے ہرات پر قبضہ کیا۔ 1750ء میں احمد شاہ ابدالی نے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

خواجہ ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد بن علی الانصاری الہروی (متوفی 481ھ/1088ء) ہرات کے قصبہ قہندز میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ وہ ایک بلند پایہ محدث، مفسر اور بدعات کے شدید مخالف تھے۔ سیف الہروی کی "تاریخ نامہ ہرات" اس شہر کی تاریخ کا اہم ماخذ ہے۔



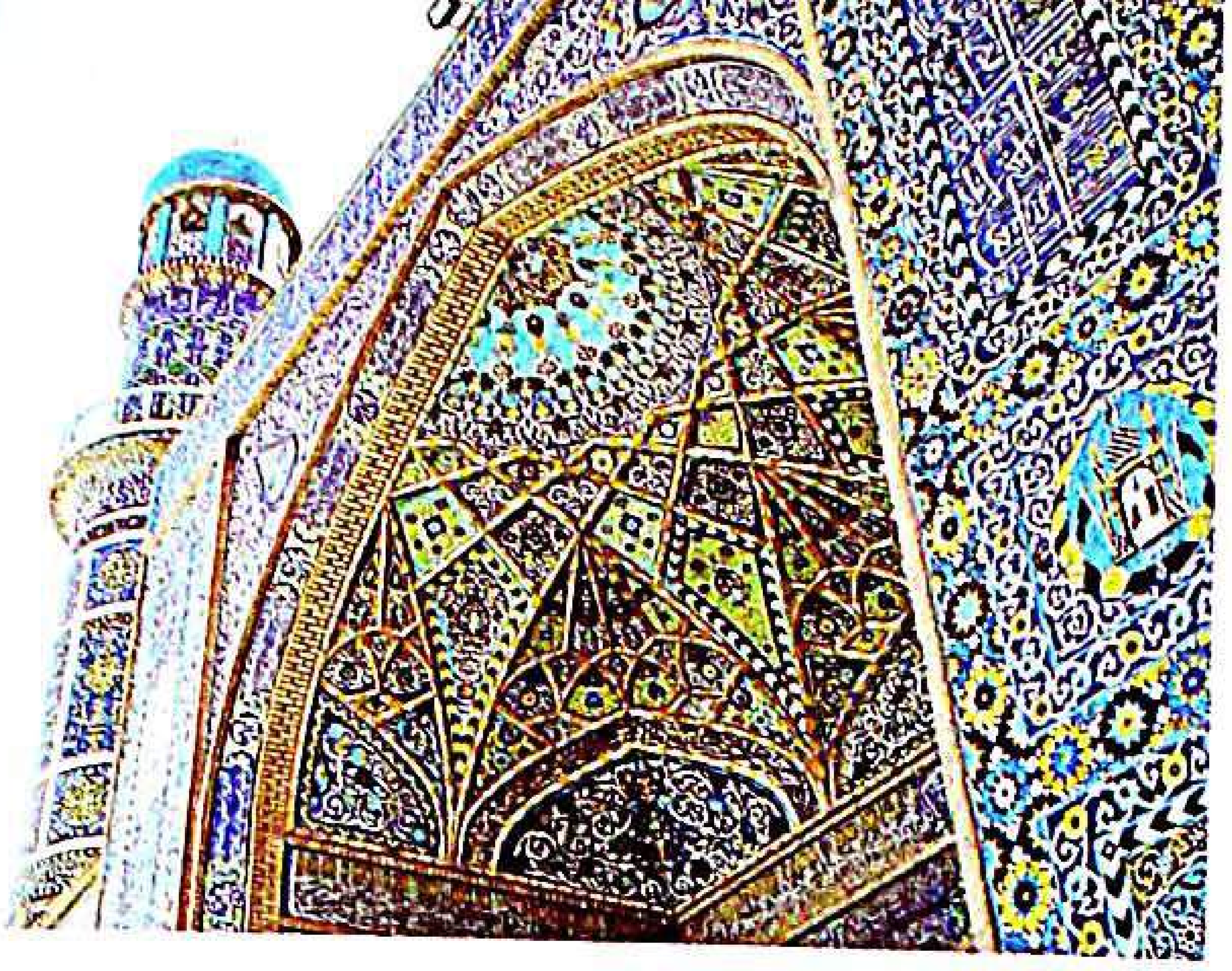


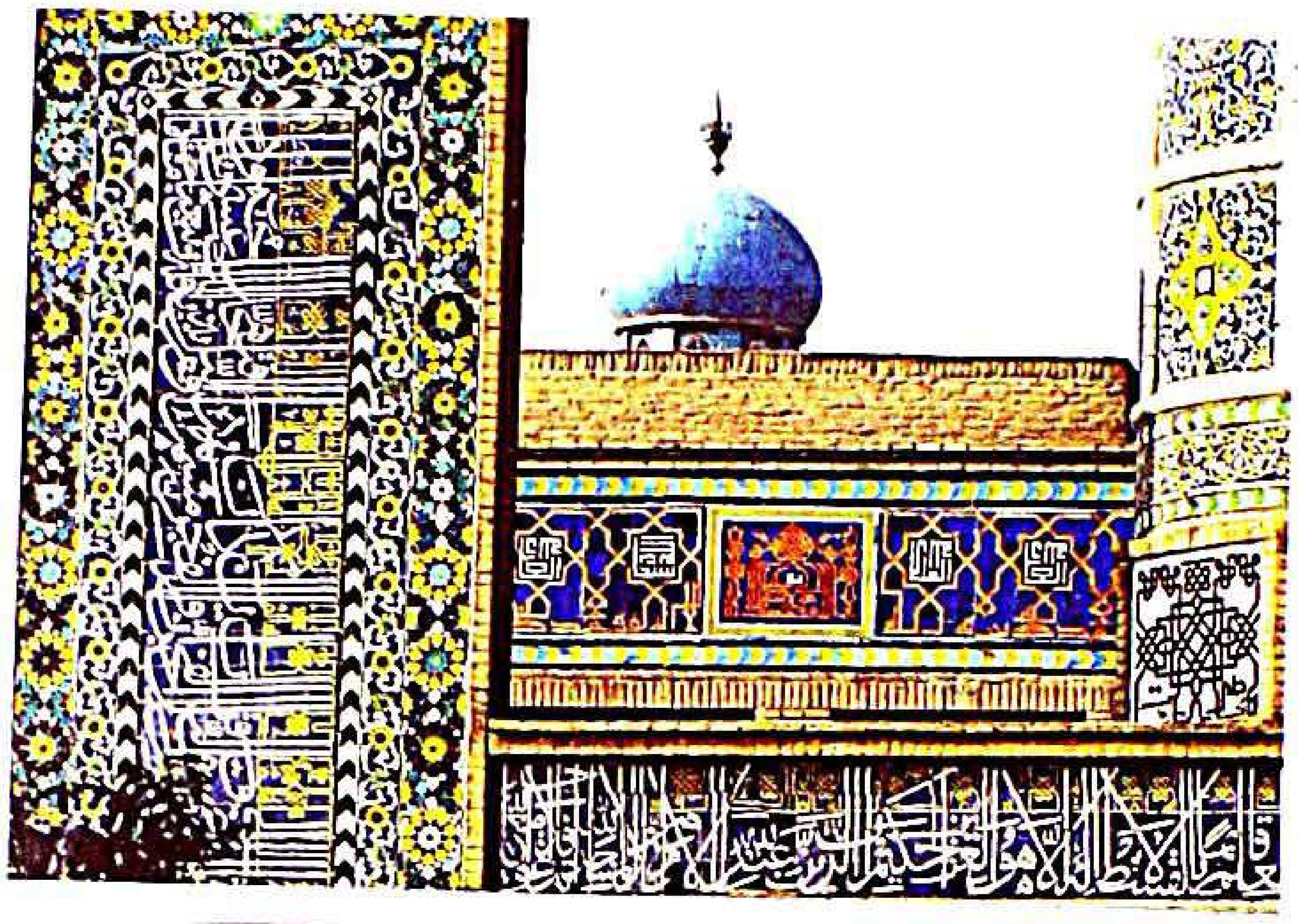
جامع مسجد، ہرات (افغانستان)

یہ مسجد افغانستان کے شمال مغربی شہر میں واقع ہے۔ اسے امیر تیمور کے بیٹے شاہ رخ خاں نے بنوایا تھا۔ اس کا سنگِ بنیاد 1404ء بمطابق 807ھ میں رکھا گیا، یہ مسجد وقت کے مختلف مراحل دیکھتی ہوئی 1446ء بمطابق 850ھ میں مکمل ہوئی۔ اس کا ڈیزائن ماہرِ تعمیرات جلال الدین فیروز شاہ نے تیار کیا۔ تاریخ کے کئی ادوار کے تھپیڑوں کو برداشت کرنے کے بعد یہ مسجد موجودہ حالات میں بھی اپنی خوبصورتی کو تابناک رکھے ہوئے ہے۔

جیسا کہ تصویر سے ظاہر ہے کہ اس مسجد کا صحن بہت بڑا ہے۔ راقم نے بچشمِ خود ازبکستان میں تیموری عہد کی بنی ہوئی کئی تعمیرات دیکھی ہیں۔ ایسی تعمیرات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا داخلی دروازہ نہایت منقش، دلکش اور محرابی ہوتا ہے۔ بعد میں کھلا صحن جس میں ہزاروں کی تعداد میں نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ ہمارے ملک خاص طور پر لاہور کی بادشاہی مسجد میں بھی اسی طرزِ تعمیر کا شاندار نمونہ ہے۔

اس مسجد کے آٹھ مینار ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس کی صرف تزئین و آرائش پر کم از کم پانچ سال کا عرصہ لگا۔ ان کاریگروں اور

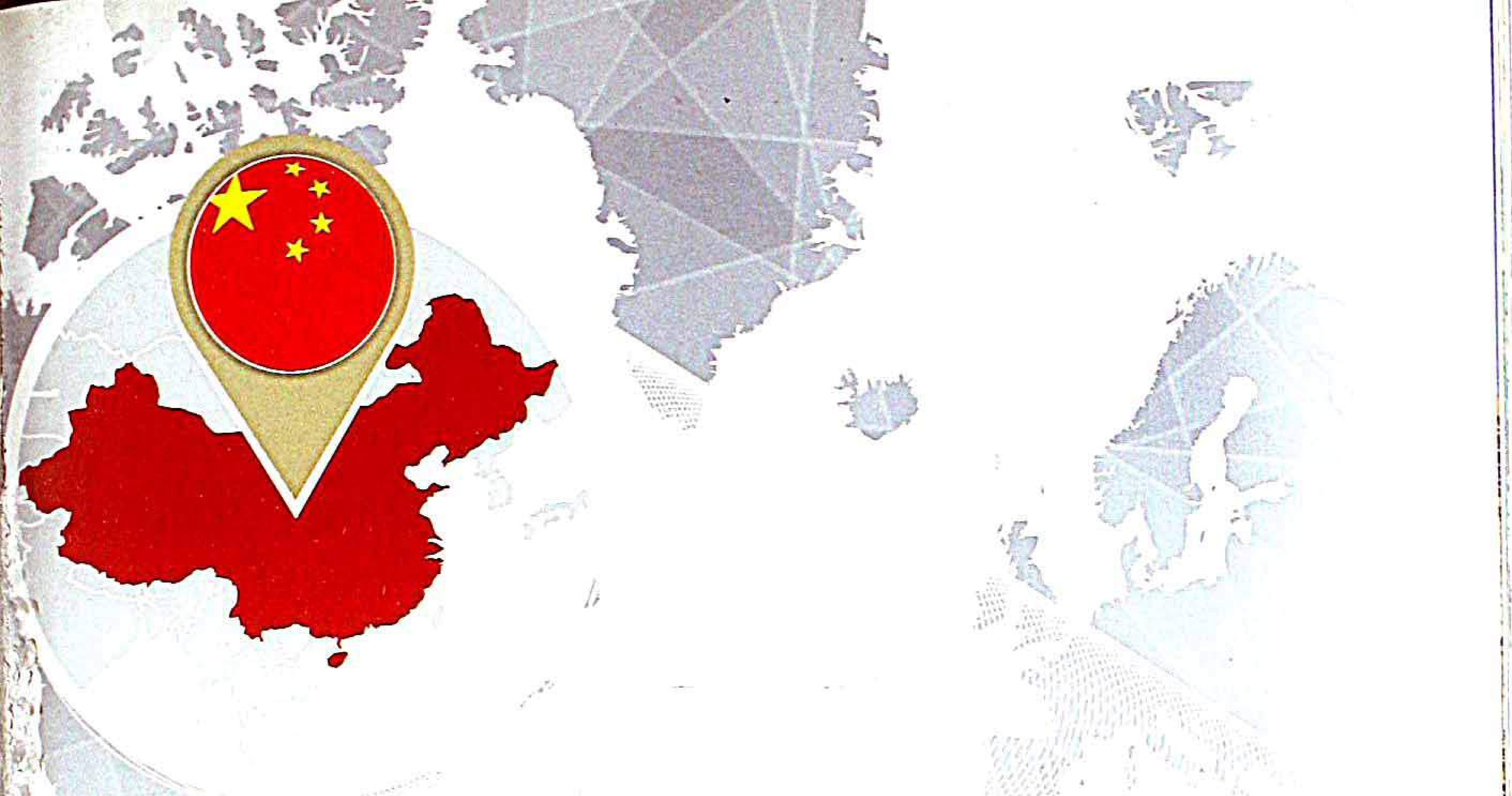




فنکاروں کی انگلیوں میں کیا جادو ہوگا جنھوں نے اس مسجد کی بے جان دیواروں کو زبان دی ہوگی۔ اس کے خوبصورت نقش ونگار دیکھ کر انسان ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔

ہرات کی جامع مسجد 598ھ/1201ء میں غیاث الدین غوری نے بنوائی تھی جو 1364ء کے زلزلے میں تباہ ہوگئی، پھر شاہ رخ مرزا کے عہد میں اسے دوبارہ تعمیر کیا گیا۔اس کی مزید تزئین وآرائش مغل شاہزادہ خرم (شاہجہان) نے کرائی جو ازبکوں کے خلاف مہم کے دوران میں یہاں مقیم رہا تھا۔





عراق

دجلہ وفرات کی سرزمین یا مابین النہرین یا بلاد الرافدین (Mesopotamia) عراق کے مختلف نام ہیں۔شمالی عراق ماضی میں وسیع تر الجزیرہ کا حصہ رہا جس میں شمال مشرقی شام اور جنوبی ترکی بھی شامل تھے۔عراق کے شمال میں ترکی، جنوب میں خلیج فارس اور کویت، جنوب مغرب میں سعودی عرب، مشرق میں ایران اور مغرب میں شام اور اردن واقع ہیں۔عراق کا رقبہ 438317 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً سوا تین کروڑ ہے۔دارالحکومت بغداد ہے۔

جہاں کوئی سات ہزار سال پہلے عراق کے علاقے میں طوفان نوح آیا تھا۔4000 ق م کے آس پاس یہاں سمیری آباد تھے جنھوں نے میخی رسم الخط اور وقت کے پیمانے ایجاد کیے۔1800 ق م کے لگ بھگ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کوثیٰ[1] (عراق) میں پیدا ہوئے تھے، یہیں انھیں چتا میں ڈالا گیا اور پھر انھوں نے فلسطین کی طرف ہجرت کی۔تین ہزار سال پہلے عراق بابل اور نینویٰ کی بادشاہتوں میں بٹا ہوا تھا۔چھٹی صدی ق م کے اوائل میں شاہ بابل بخت نصر نے نینویٰ پر قبضہ کر کے ملک کو متحد کیا۔539 ق م میں شاہِ فارس کوروش کبیر (سائرس اعظم یا ذوالقرنین) نے بابل (عراق) فتح کر لیا۔اس کے بعد تقریباً 12 صدیوں تک عراق سلطنت فارس (ایران) کا حصہ رہا اور ہخامنشی، پارتھی (اشکانی) اور ساسانی یہاں حکومت کرتے رہے۔ساسانیوں (اکاسرۂ فارس) نے تو اپنا دارالحکومت ہی دریائے دجلہ کے کنارے مدائن (Ctesiphon) کو بنا لیا تھا۔مدائن میں خسرو اول (نوشیرواں)، ہرمز چہارم اور خسرو ثانی مشہور ساسانی حکمران تھے۔خسرو ثانی (خسرو

پرویز) نے نبی کریم ﷺ کا دعوتی مکتوب چاک کر کے ساسانی سلطنت کی تباہی کو دعوت دی، چنانچہ کسریٰ (خسرو) اپنے سوتیلے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہوا اور اس کے پوتے اور آخری ساسانی بادشاہ کے لشکروں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بویب اور قادسیہ کے معرکوں میں شکست کھائی اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتحانہ مدائن میں داخل ہوئے۔ یزدگرد شاہ جلولاء (عراق) اور نہاوند (ایران) کی جنگوں کے بعد خراسان کی طرف فرار ہو گیا اور وہیں مرورود کے پاس خلافتِ عثمانی میں 651ء میں قتل ہوا اور سوا چار سو برس کی ساسانی سلطنت ختم ہوگئی۔

خلافت فاروقی میں عراق میں کوفہ اور بصرہ کے شہر آباد ہوئے۔ کوفہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دار الخلافہ بنایا اور وہیں جامع مسجد میں 40ھ/660ء میں قاتلانہ حملے میں زخمی ہو کر شہادت پائی۔ محرم 61ھ/680ء میں کربلا میں نواسۂ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی شہید ہوئے۔ 132ھ/749ء میں کوفہ میں عبداللہ السفاح کی بیعت سے عباسی خلافت کا آغاز ہوا۔ 146ھ/761ء میں عباسی دار الخلافہ بغداد کی تعمیر مکمل ہوئی۔ چوتھی صدی ہجری میں بویہی شیعہ بغداد پر قابض ہو گئے۔ 447ھ/1055ء میں طغرل سلجوقی نے آل بُویہ کو بغداد سے نکال باہر کیا۔ 656ھ/1258ء میں ہلاکو خان تاتاری نے بغداد میں تباہی مچائی اور آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ ہلاک ہوا۔ امیر تیمور نے تشیع اختیار کرنے کے بعد دوبارہ بغداد پر حملہ کیا اور 803ھ/1401ء میں یہاں قتل عام کیا۔ 914ھ/1508ء میں اسماعیل صفوی شیعہ نے بغداد پر قبضہ کر لیا، تاہم 941ھ/1534ء میں عثمانی خلیفہ سلیمان اعظم نے بغداد فتح کر لیا۔ 32-1918ء کے دوران میں انگریز بغداد پر قابض رہے۔ 1932ء میں عراق کو آزادی ملی۔ 1920ء میں عراق میں فیصل بن حسین ہاشمی کی بادشاہت برطانوی پرچم تلے قائم ہوئی تھی۔ 1958ء میں فوجی انقلاب نے اس بادشاہت کا خاتمہ کر دیا۔ 2003ء میں صدام حکومت کا خاتمہ کر کے امریکہ نے عراق میں شیعہ حکومت قائم کر دی ہے۔

عراق کے دیگر مشہور شہر موصل، تکریت، سامراء، واسط، ناصریہ، بعقوبہ، الکوت، الحلّہ، کرکوک، رمادی، فلوجہ، انعمارہ اور نجف ہیں۔ واسط حجاج بن یوسف نے بسایا تھا، یہیں فاتح سندھ محمد بن قاسم نے قید خانے میں وفات پائی۔ تکریت میں صلاح الدین ایوبی پیدا ہوئے تھے۔ نجف میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مرقد ہے۔

عراق کا سکہ دینار ہے۔ ایک ڈالر 1164 عراقی دینار کے برابر ہے۔ زرعی پیداوار میں گندم، جو، چاول، کھجوریں اور کپاس شامل ہیں، صنعتوں میں کیمیکلز، پارچہ بافی، سیمنٹ، چمڑے کی مصنوعات اور شکر سازی قابلِ ذکر ہیں۔ عراق کے معدنی تیل کے ذخائر دنیا میں دوسرے درجے پر ہیں۔ یہ روزانہ 17 لاکھ بیرل تیل برآمد کرتا ہے۔ ملک کی 95 فیصد آمدنی معدنی تیل کی برآمد سے حاصل ہوتی ہے۔ کرکوک تیل کی صنعت کا مرکز ہے۔



مسجد اُمُّ القریٰ، بغداد (عراق)

مسجد ام القریٰ بغداد میں سنی مسلک کے مسلمانوں کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس کا ڈیزائن صدر صدام حسین کی خلیجی جنگ (17 جنوری تا 28 فروری 1991ء) کو مدِنظر رکھ کر بنایا گیا تھا۔ یہ مسجد بغداد کے مغرب میں محلّہ العادل میں تعمیر کی گئی ہے۔ یہاں سنیوں کی کثیر تعداد رہائش پذیر ہے۔ مسجد کا سنگِ بنیاد 28 اپریل 1998ء کو صدام حسین کی 65 ویں سالگرہ کے دن رکھا گیا اور 28 اپریل 2001ء ہی کو مکمل ہوئی۔ اس کی تعمیر پر 7.5 ملین ڈالر خرچ ہوئے۔

اس مسجد کے تعمیری خدوخال صدام حسین اور خلیجی جنگ کے اردگرد گھومتے ہیں۔ مسجد کے چار مینار ہیں جو کلاشنکوف رائفل کی نالی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ان میناروں کی بلندی 43 میٹر ہے جو کہ خلیجی جنگ (امریکی

''آپریشن ڈیزرٹ سٹارم'') کے 43 دنوں کی غمازی کرتے ہیں۔ بڑے گنبد کے اردگرد چار اور چھوٹے مینار ہیں جو لانچنگ پیڈ پر نصب سکڈ میزائلوں سے مشابہ ہیں۔ چار اور مینار 37 میٹر بلند ہیں جو صدام حسین کے سال پیدائش کو ظاہر کرتے ہیں۔ مسجد کے اردگرد 28 فوارے اور چار مینار جن کی بلندی 37 میٹر ہے، جب سب اعداد کو اکٹھا کیا جائے گا تو صدام حسین کی تاریخ پیدائش (37-4-28) کا ایک ہیولا سامنے آتا ہے۔

مسجد میں سفید چونے کے پتھر اور نیلے رنگ کی ٹائلیں استعمال کی گئی ہیں۔ میناروں کی چوٹیوں پر سرخ، سفید اور سیاہ رنگ سے عراقی جھنڈے بنائے گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ صدر صدام حسین نے اس مسجد کے ایک پہلو میں اپنی آخری آرام گاہ کے لیے جگہ کا انتخاب سوچ رکھا تھا۔

عراق پر اتحادیوں کے حملہ کے بعد جب صدام حسین کا زوال شروع ہوا تو اس مسجد کا انتظام سنی علماء کی انجمن نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ آج بھی یہ مسجد بغداد کے مسلمانوں کی ایک مرکزی عبادت گاہ سمجھی جاتی ہے۔







لبنان

لبنان بحیرۂ روم یا البحر المتوسط (Mediterranean) کے ساحل پر ایک چھوٹا مگر اہم عرب ملک ہے۔ اس کے شمال اور مشرق میں ''سوریا'' یا ''شام''، جنوب میں فلسطین (جسے یہودیوں نے غصب کر کے اسرائیل کا نام دے رکھا ہے) اور مغرب میں بحیرۂ روم واقع ہے۔ اس کے دارالحکومت بیروت (آبادی تقریباً 20 لاکھ) کو شرقِ اوسط کا پیرس کہا جاتا رہا ہے۔ لبنان کا رقبہ 10452 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 45 لاکھ ہے۔ برف پوش پہاڑوں کی موجودگی کے باعث اس کا نام لبنان پڑا جو لبن (دودھ) سے مشتق ہے۔ فرانسیسی میں اسے Lebon اور انگریزی میں (Lebanon) کہا جاتا ہے۔ لبنان میں دیودار کے بعض درخت پانچ ہزار سال پرانے ہیں، چنانچہ ان کے قومی پرچم پر دیودار کی تصویر ہے۔ لبنان کی زرعی پیداوار میں اناج، تمباکو، زیتون، انگور، کیلا، سیب، چیری اور تر شاوہ پھل شامل ہیں۔ معدنیات میں لوہا، سمندری نمک اور کوئلہ قابلِ ذکر ہیں۔

لبنان میں سات ہزار سال پہلے تاریخ کا آغاز ہوا۔ لکھائی کا آغاز یہیں سے ہوا۔ فنیقیوں نے یہاں حروف ایجاد کیے جن سے عبرانی و عربی کے حروف ابجد اور یونانی کے الفا، بیٹا اور تھیٹا وغیرہ وجود میں آئے۔ ببلوس، صیداء، صور اور طرابلس مشہور فنیقی شہر تھے۔ تب یہ ملک فنیقیہ کہلاتا تھا۔ آج بھی بعض لبنانی مسیحی خود کو فنیقی کہتے ہیں۔ آٹھویں صدی ق م میں لبنان پر اشوری قابض ہوئے۔ 332 ق م میں اسکندر اعظم نے اسے فتح کر کے صور کا شہر جلا دیا۔ پہلی صدی ق م میں رومی یہاں آئے اور چوتھی صدی عیسوی میں بازنطینیوں کا پرچم لہرانے لگا۔ رومی بازنطینی دور میں لبنان میں عیسائیت نے فروغ پایا۔



خلافتِ فاروقی میں سیدنا یزید بن ابی سفیان اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم نے لبنان فتح کیا، پھر یہاں اموی اور عباسی خلافتوں کا سکہ چلا۔ اسلامی دور میں لبنان شام کا حصہ شمار ہوتا تھا۔ 1109ء سے 1124ء تک یورپی صلیبی لبنان کے شہروں طرابلس، بیروت، صیداء اور صور پر قابض ہو گئے اور یہاں طرابلس کی صلیبی ریاست کی بنیاد پڑی۔ مملوک سلاطین نے 1289ء تک صلیبیوں سے لبنان آزاد کرا لیا۔ 1516ء سے 1918ء تک یہ سلطنت عثمانیہ میں شامل رہا۔ عثمانی سلطنت کی شکست وریخت کے نتیجے میں لبنان پر فرانس نے قبضہ کر لیا۔ اس زمانے میں یہاں مغربی کلچر کو فروغ ملا۔ 26 نومبر 1941ء کو اہلِ لبنان نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ نومبر 1943ء میں حکومت فرانس نے لبنان کی آزادی تسلیم کر لی۔

لبنان میں 1932ء کی مردم شماری کے مطابق مسلم آبادی 57 فیصد تھی جبکہ عیسائی 40 فیصد اور دروز 3 فیصد تھے لیکن



فرانسیسی سامراج نے مسلمانوں کو سنی (30 فیصد) اور شیعہ (27 فیصد) میں بانٹ کر عیسائیوں کو لبنان میں غلبہ دے دیا، چنانچہ آئینی طور پر وہاں صدر ہمیشہ مارونی عیسائی، وزیراعظم سنی مسلمان اور قومی اسمبلی کا سپیکر شیعہ ہوتا ہے۔ 1932ء کے بعد آج تک لبنان میں مردم شماری نہیں ہونے دی گئی۔ 1975ء میں لبنان میں عیسائیوں اور مسلمانوں میں خانہ جنگی ہوئی جو تقریباً 15 سال جاری رہی اور اس میں ڈیڑھ لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ جون 1982ء میں اسرائیل نے حملہ کر کے بیروت کا محاصرہ کر لیا۔ ستمبر میں صدر بشیر جُمیل کو قتل کر دیا گیا تو اسرائیلی فوج مغربی بیروت میں داخل ہوگئی اور اسرائیلی جنرل شیرون کے اشارے پر جنرل حداد کے مسیحی ملیشیا نے فلسطینی کیمپوں میں سینکڑوں مسلمان عورتیں، بوڑھے اور بچے شہید کر دیے۔

لبنان پر فرانسیسی کلچر کا بہت اثر ہے حتیٰ کہ 40 فیصد لبنانی فرانسیسی زبان بولتے ہیں۔ 1982ء میں حزب اللہ کے نام سے شیعہ ملیشیا قائم ہوئی۔ جولائی، اگست 2006ء میں حزب اللہ اور اسرائیلی فوج میں 34 روزہ جنگ کے نتیجے میں اسرائیل جنوبی لبنان کی سرحدی پٹی خالی کرنے پر مجبور ہوگیا۔ ان دنوں حزب اللہ کے جنگجو ظالم بشار الاسد کی حمایت میں اہلِ سنت کی تحریک جیش الحر کے خلاف لڑ رہے ہیں۔

لبنان کی قومی و دفتری زبان عربی ہے۔ عربی اور فرانسیسی کے علاوہ یہاں انگریزی اور ارمنی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ سکہ لبنانی پونڈ (لیرا) ہے۔ ایک ڈالر تقریباً 15 لیرے کے برابر ہے۔ فی کس آمدنی 15522 ڈالر ہے۔ یوم آزادی 22 نومبر 1943ء ہے۔ لبنان میں تین پہاڑی سلسلے جبال لبنان، جبال لبنان الشرقیہ اور جبل الشیخ ہیں۔ ان کے درمیان وادی بقاع میں دریائے العاصی بہتا ہے۔ اس وادی میں بعلبک کا تاریخی شہر ہے۔ دیگر تاریخی شہر طرابلس، بیروت، صدور اور صیداء سب بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع ہیں۔





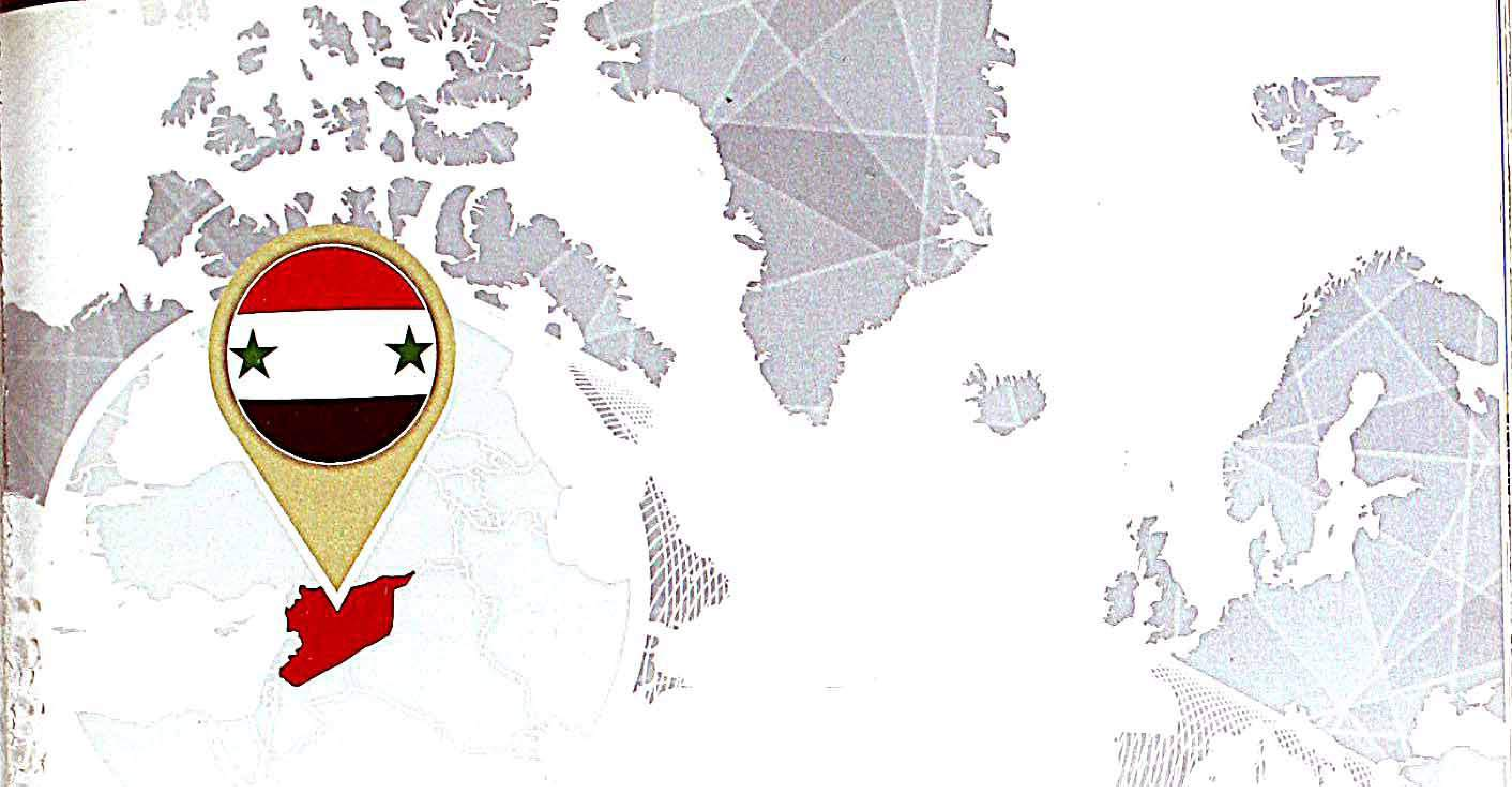
الامین مسجد، بیروت (لبنان)

یہ مسجد بیروت شہر کے مرکز میں واقع میدانِ شہداء میں تعمیر کی گئی ہے۔اس مسجد کا سنگِ بنیاد لبنان کے سابق وزیر اعظم رفیق حریری کے ہاتھوں 2002ء میں رکھا گیا تھا لیکن وہ خود اگلے سال سیاست کی بھینٹ چڑھ کر جام شہادت نوش کر گئے۔ اپنی وصیت کے مطابق اس مسجد کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

اس مسجد کا افتتاح رفیق حریری کے صاحبزادے سعد حریری نے 17 اکتوبر 2008ء کو کیا جبکہ یہ مسجد 2007ء میں مکمل ہو چکی تھی۔اس خوبصورت مسجد کے ڈیزائنر اعظمی فخری کے مطابق اس کا ڈیزائن استنبول کی سلطان احمد مسجد سے متاثر ہو کر تیار کیا گیا تھا۔مسجد کے گنبد اور مینار ہو بہو سلطان احمد مسجد کی نقل ہیں۔اس مسجد کو بنانے میں سابق وزیر اعظم رفیق حریری نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔اس کا کل رقبہ 115178 مربع فٹ ہے۔یہ مسجد یوں تو استنبول کی نیلی مسجد (سلطان احمد مسجد) کی عکاسی کرتی ہے لیکن اس کی تعمیر میں ڈیزائنر نے لبنانی فنِ تعمیر کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔



اس مسجد کے چاروں مینار 236 فٹ بلند ہیں جو مسجد الحرام کے میناروں کے ڈیزائن سے متاثر ہو کر بنائے گئے ہیں جبکہ ان میں استعمال ہونے والا پتھر بھی سعودی عرب سے منگوایا گیا ہے۔مسجد کا ایک مرکزی گنبد ہے جس کی بلندی فرش سے 138 فٹ ہے،اس بڑے گنبد کے اطراف میں دو چھوٹے گنبد ہیں جو عثمانی طرزِ تعمیر کے عکاس ہیں۔مسجد کے مرکزی ہال میں اتنے شاندار فانوس لٹک رہے ہیں کہ جب وہ جلتے ہیں تو ہال بقعۂ نور بن جاتا ہے۔یہ مسجد اندر سے رنگین شیشوں اور خوبصورت قالین سے مرصّع ہے۔



شام

شام یا سوریا مغربی ایشیا میں قدیم تاریخ و تہذیب کا حامل ملک ہے۔اس کا رقبہ 1,85,180 مربع کلومیٹر ہے۔اس کے شمال میں ترکی، جنوب میں اردن، مشرق میں عراق اور مغرب میں بحیرۂ روم اور لبنان واقع ہیں۔جنوب مغرب میں اس کی سرحد مقبوضہ فلسطین (اسرائیل) سے ملتی ہے جہاں جولان کی پہاڑیاں (مرتفعات الجولان Golan Heights) واقع ہیں۔قدیم شام موجودہ سے کہیں وسیع تھا، اس میں لبنان، اُردن اور فلسطین بھی شامل تھے حتی کہ تبوک تک کا عرب علاقہ بھی شام میں شمار ہوتا تھا۔موجودہ شام کے جنوب مغرب میں جبال لبنان الشرقیہ اور جبل الشیخ واقع ہیں جبکہ جنوب میں جبل العرب ہے جس سے دریائے یرموک نکل کر شام اردن سرحد بناتا ہوا دریائے اردن میں جا گرتا ہے۔جنوبی شام کا بڑا حصہ بادیۃ الشام یا صحرائے شام میں واقع ہے جو عراق، اردن اور شمالی سعودی عرب تک پھیلتا چلا گیا ہے۔شمال میں ترکی سے دریائے فرات شام میں داخل ہوتا ہے جو جھیل اسد (بحیرۂ الاسد)، الرقہ، دیر الزور اور ابو کمال سے ہو کر مغربی عراق میں آنکلتا ہے۔مغرب میں لبنان کے پہاڑوں سے نکلنے والا دریائے عاصی انطاکیہ کے پاس سے ہو کر بحیرۂ روم میں جا گرتا ہے۔

قدیم شام (3500-3000 ق م) میں عراق کے سمیری اور اکادی اور اناطولیہ (ترکی) کے تحت حکمران رہے۔1500 ق م کے لگ بھگ فراعنۂ مصر کا یہاں تسلط رہا۔پھر بابلی، اشوری اور کلدانی حکمران رہے۔بابلی دور میں 1800 ق م کے آس پاس سیدنا ابراہیم اور لوط علیہما السلام عراق سے ہجرت کر کے حران (ترکی) کے راستے شام میں وارد ہوئے۔شمالی شام کے شہر

حلب میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دودھ (حلب) تقسیم کیا تھا، لہٰذا اس کا نام ہی حلب پڑ گیا۔ چھٹی صدی ق م میں بابل (عراق) کا حکمران بخت نصر شام پر قابض ہوا۔ 539ء ق م میں اسے ایرانی بادشاہ کوروش کبیر (سائرس اعظم یا ذوالقرنین) نے اور 332ء میں سکندر اعظم نے فتح کیا۔ 64 ق م میں شام سلطنت روم کا ایک صوبہ بن گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لڑکپن میں ابوطالب کے ہمراہ بصری الشام تشریف لائے تھے۔ رجب 14ھ/ستمبر 635ء میں مسلمانوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دمشق فتح کر لیا۔ اگلے سال رجب 15ھ/اگست 636ء میں معرکہ یرموک میں مسلمانوں کی عظیم الشان فتح سے شام کے دروازے مسلمانوں پر کھل گئے، 18ھ میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر شام بنے تو انھوں نے طرابلس الشام (لبنان) فتح کر لیا۔ 41ھ/660ء میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دست بردار ہو گئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کو دارالخلافہ بنا لیا۔ 492ھ/1099ء میں صلیبیوں نے ساحل شام پر آن قبضہ کیا جو کم و بیش 1291ء تک برقرار رہا۔ 1148ء میں سلطان نورالدین زنگی نے دمشق کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ دریں اثنا تاتاری حملہ آوروں کو حمص (1280ء) میں اور مرج الصفر (1303ء) میں ممالیک کے ہاتھوں ہزیمتیں اٹھانی پڑیں۔ 1400ء میں امیر تیمور نے حلب اور دمشق میں غارت گری کی۔ 992ھ/1516ء میں ترکانِ عثمانی شام پر قابض ہو گئے۔ 18-1917ء میں صلیبی افواج نے شام پر قبضہ کر لیا۔ اپریل 1946ء میں شام نے فرانسیسی سامراج سے آزادی حاصل کی۔ 1963ء اور 1970ء میں شام میں فوجی انقلاب رونما ہوئے۔ انقلاب 1970ء میں شام پر حافظ الاسد کی قیادت میں نُصیری (علوی) ٹولہ مسلّط ہو گیا جو اب تک وہاں خونریزی کر رہا ہے۔ 2000ء سے ظالم بشار الاسد حکمران ہے۔ شام کا دارالحکومت دمشق چار ہزار سال سے مسلسل آباد ہے۔ یوں اسے قدیم ترین آباد دارالحکومت کہا جا سکتا ہے، اس کی آبادی 17 لاکھ ہے۔ حلب اور حمص کی آبادی علی الترتیب 22 لاکھ اور 7 لاکھ ہے۔ شام کی کل آبادی تقریباً پونے دو کروڑ ہے جس میں 92 فیصد مسلمان ہیں۔ سنی آبادی 78 فیصد ہے مگر اقتدار پر اقلیتی ٹولہ (نُصیری، عیسائی اور دروز) قابض ہے۔ 2013ء میں بشار الاسد کی فوج نے حمص کی تاریخی مسجد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ میں خونریزی کر کے مسجد تباہ کر دی۔ وہیں خالد رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔

شام کی زرعی پیداوار میں کپاس، دالیں، زیتون وغیرہ ہیں۔ معدنیات میں پٹرولیم، فاسفیٹ اور جپسم قابلِ ذکر ہیں۔ سکہ شامی لیرا کہلاتا ہے۔ حمص میں صحابی نعمان بن بشیر اور ثوبان، دمشق میں امیر معاویہ، حلب میں بلال اور المزہ (نزد دمشق) میں دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہم دفن ہوئے۔ علمائے شام میں عبداللہ بن عامر تابعی (عہد ولید بن عبدالملک میں قاضیٔ دمشق رہے)، ابن تیمیہ، ابن قیم، رجاء بن حیوہ کندی، عمر بن عبدالعزیز، ابن عساکر، ابن قدامہ مقدسی، المزی، ابن عابدین اور ابوالوفا طرابلسی رحمۃ اللہ علیہم مشہور ہیں۔

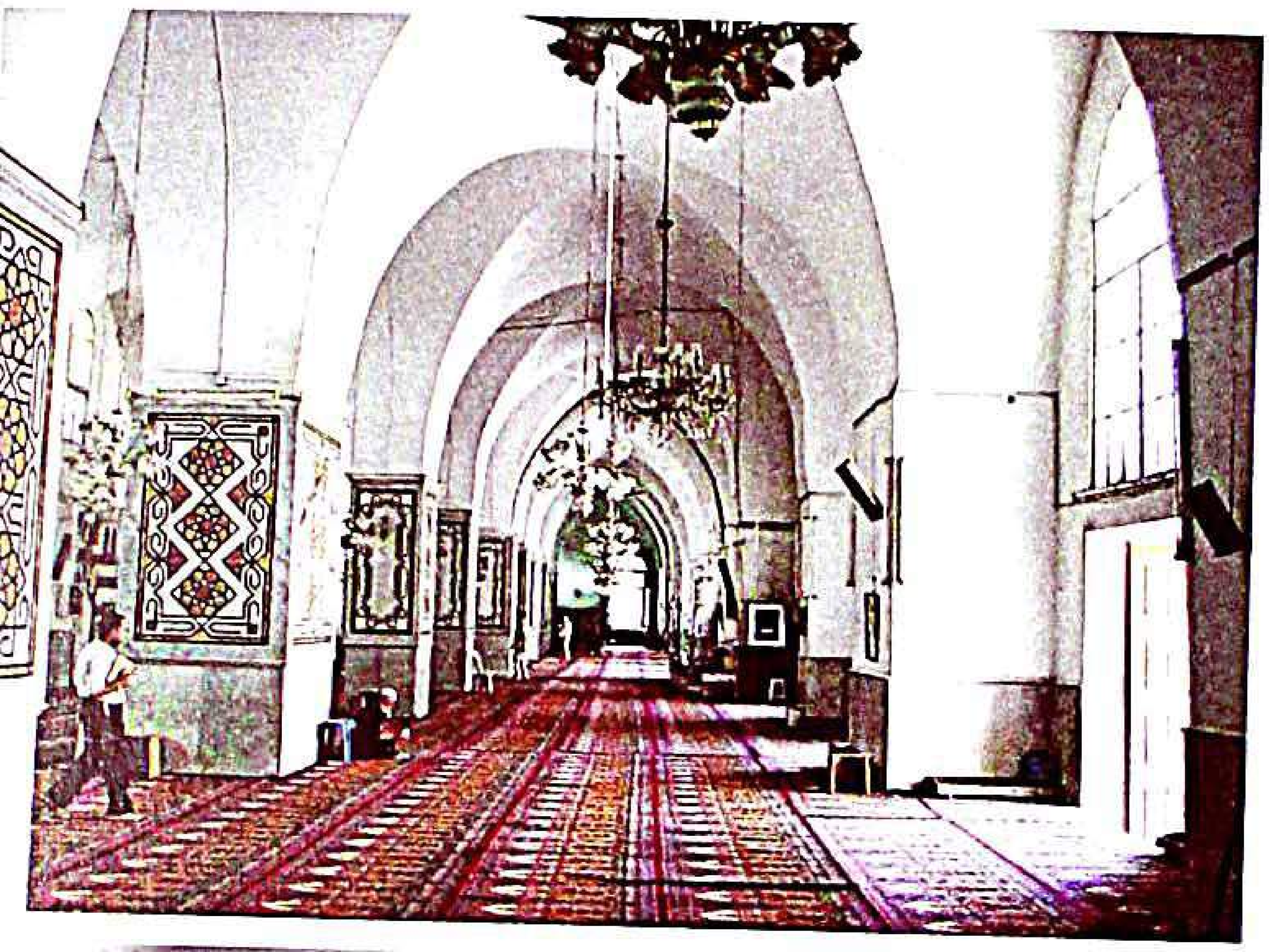


خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مسجد، حمص (شام)

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مسجد شام کے تیسرے بڑے شہر حمص میں مرکزی چوک الشہداء کے قریب ایک پارک میں واقع ہے۔ یہ مسجد عہدِ عثمانیہ کے طرزِ تعمیر کا ایک بہترین نمونہ ہے جو سپہ سالارِ اسلام سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام سے موسوم ہے جن کا مرقد اسی مسجد کے ایک کونے میں موجود ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بہادری کے پیشِ نظر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سیف اللہ کا خطاب دیا تھا۔ انھوں نے خلافتِ فاروقی میں دمشق سے بازنطینیوں کو مار بھگایا اور یرموک کی فیصلہ کن لڑائی میں عیسائیوں کو شکست دے کر شام فتح کر لیا۔ اس مسجد کے دونوں کونوں پر دو بلند مینار ہیں۔ مسجد کے صحن میں سیاہ رنگ کا ابلق پتھر استعمال کیا گیا ہے۔

ساتویں صدی عیسوی میں اس جگہ ایک چھوٹی مسجد تعمیر کی گئی تھی۔ جب 1400ء میں امیر تیمور نے شام پر حملہ کیا تو اس نے قصداً حمص شہر کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا، وہ اس لیے کہ اس میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا مدفن اور ان کے نام سے منسوب مسجد موجود تھی جن کا تیمور کے دل میں بے حد احترام تھا۔





موجودہ مسجد بیسویں صدی کے اوائل میں تعمیر ہوئی۔
مسجد کے مینار سفید چونے کے پتھر سے تعمیر کیے گئے ہیں۔
مرکزی ہال کی دیواریں سنگِ سیاہ (Basalt) سے تعمیر کی گئی ہیں جو حمص کے علاقے میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔
مرکزی ہال کا بڑا درمیانی گنبد باہر کی سطح سے چاندی کی طرح سورج کی شعاعیں منعکس کرتا ہے۔ اس کے اردگرد 9 اور گنبد بنائے گئے ہیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مقبرے کے خوبصورت گنبد پر پچاس گول دائرے جیسے نشانات بنے ہوئے ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں اسلام کی راہ میں 50 جنگوں میں حصہ لیا اور اکثر جنگوں میں بحیثیت فاتح سپہ سالار بہادری کے جوہر دکھائے جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ جولائی 2013ء میں شامی فوج کی گولہ باری سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مسجد اور مقبرے کو شدید نقصان پہنچا ہے۔





جامع اموی، دمشق (شام)

مینیجنگ ڈائریکٹر دارالسلام مولانا عبدالمالک مجاہد حفظہ اللہ اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں کہ اموی مسجد ایک زمانے میں دنیا کی سب سے بڑی مسجد تھی۔ اس مسجد کو اموی مسجد اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے مشہور اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم پر 86 تا 96 ہجری میں بنایا گیا۔ یہ مسجد آج بھی نہایت خوبصورت اور بہت ہی بڑی ہے۔ اموی مسجد کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے 1200 سال پہلے رومی دور سے ایک مندر تھا، جہاں بتوں کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کا دور آیا تو یہ چرچ میں تبدیل ہو گیا۔ مسلمانوں نے دمشق کو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتح کیا۔ مسلمان فوج دو حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک کی قیادت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور دوسرے حصے کی قیادت سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھی۔ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے آدھا شہر صلح کے ذریعہ حاصل کیا۔ دشمن نے امان، اپنے مذہبی مقامات کا تحفظ، جان و مال کی پناہ مانگی جو عطا کر دی گئی۔ ان کے برعکس سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دشمن سے مقابلہ کر کے آدھا شہر فتح کر لیا۔ اس طرح چرچ کا نصف حصہ مسجد بنا دیا گیا۔ ولید بن عبدالملک نے ان الفاظ کے ساتھ بنانے کا حکم دیا: ''یہاں دنیا کی افضل ترین اور خوبصورت ترین عمارت بنائی جائے۔''

جب اس کی تعمیر شروع ہوئی تو چرچ والے حصے کو بھی مسجد میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ دمشق کے عیسائیوں نے اس پر شور مچایا کہ ان کی موافقت اور رضامندی کے بغیر چرچ کو مسجد میں شامل کیا جا رہا ہے۔ ولید بن عبدالملک نے ان کے نمائندوں کو بلایا، ان سے میٹنگ کی اور پیش کش کی کہ وہ انھیں چرچ کی منہ مانگی قیمت دینے کے لیے تیار ہیں، مگر عیسائی نہ

مانے۔ ولید کو ایک نئی ترکیب سوجھی۔ شہر میں فتح کے بعد سارے چرچ بند پڑے تھے۔ اس نے پیش کش کی: اگر تم لوگ رضامندی سے چرچ کی جگہ مسجد کو دے دو تو ہم دمشق میں تمام چرچ عیسائیوں کو واپس کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ پیش کش غیر معمولی تھی۔ عیسائی پادریوں نے باہمی مشورے، اتفاق اور رضامندی سے چرچ کی جگہ مسجد کو دے دی۔ خلیفہ نے اپنے وعدے کے مطابق دمشق کے تمام چرچ عیسائیوں کو واپس کر دیے۔

مسجد اموی کم و بیش تیس کنال یعنی چار ایکڑ رقبہ میں بنی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اردگرد پارکنگ کے لیے کھلی جگہ ہے۔ تعمیر میں بارہ ہزار افراد نے حصہ لیا اور دس سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد اسے مکمل کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر کا خرچ ایک ملین دینار تھا جو ولید بن عبدالملک نے بڑے کھلے دل سے مہیا کیا۔ اس کے معماروں میں قبطی، ایرانی، انڈین، یونانی اور مراکشی کاریگر شامل تھے۔ مسجد میں ایک چیز بڑی اہم ہے۔ یہ مینارِ عیسیٰ علیہ السلام ہے جس کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مینار پر اتریں گے۔ اس مینار کی بلندی 77 میٹر ہے۔ اس مسجد کی ایک اور خوبی بھی عرض کر دوں کہ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے کسی مسجد کا جو مینار بنا وہ مسجد اموی کا بنا تھا۔ اب اس میں تین مینار ہیں۔



مسجد سے باہر نکلیں تو کوئی دو تین منٹ کی مسافت پر قبرستان ہے جس کے کنارے پر مشہور مسلم ہیرو صلاح الدین ایوبی کی قبر ہے۔ اس کے ساتھ والی قبر نور الدین زنگی کی ہے۔ میں نے ایک ثقہ سعودی عالم دین کی تقریر سنی کہ افواج فرانس کا کمانڈر انچیف ہنری گراڈ (Henri Giraud) 1920ء میں معرکہ میسون میں فتح حاصل کرنے کے بعد بطورِ خاص صلاح الدین ایوبی کی قبر پر جاتا ہے۔ قبر کو دیکھا تو اس کو صلیبی جنگوں میں اپنی شکستیں یاد آ گئیں۔ اس نے اپنا ناپاک پاؤں قبر پر مارتے ہوئے کہا: اٹھو! صلاح الدین اٹھو! دیکھو ہم فتح یاب ہو کر واپس آ گئے ہیں۔ میں جب صلاح الدین ایوبی کی قبر پر گیا تو کتنی ہی دیر تک کھڑا ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہا۔ یہ عظیم مجاہد بہت بڑا موحد مسلمان تھا۔ صاحب عقیدہ اور صاحب عزیمت تھا۔ کاش مسلمانوں کو اس جیسا ایک کمانڈر اور مل جائے...... میں نے دل ہی دل میں دعا کی۔ اس مسجد کے ساتھ ہی دمشق کا وہ مشہور زمانہ قلعہ ہے جس کی ایک کوٹھری میں امام ابن تیمیہ مدتوں قید رہے۔ میں جب بھی دمشق جاتا اس قلعہ کے سامنے کھڑے ہو کر امام ابن تیمیہ کو ضرور یاد کرتا اور انھیں خراج تحسین پیش کرتا۔ مجھے ان کی قبر پر بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ ان کی قبر کچی ہے ساتھ والی قبر امام ابن کثیر کی ہے۔



اُردن

مغربی ایشیا میں واقع اُردن ایک عرب ملک ہے۔اس کے شمال میں شام، جنوب میں سعودی عرب، مشرق میں عراق، مغرب میں فلسطین اور بحیرۂ مردار اور جنوب مغرب میں خلیج عقبہ واقع ہیں۔خلیج عقبہ کے ساحل پر اُردن کی واحد بندرگاہ عقبہ واقع ہے۔شمال سے دریائے اُردن فلسطین اور اُردن کی سرحد بناتا ہوا البحرالمیت (بحیرۂ مردار) میں آن گرتا ہے۔ بحیرۂ مردار کا ساحل دنیا کی سب سے نشیبی جگہ ہے جو عالمی سمندر کی سطح سے 406 میٹر نیچے ہے۔شمال میں دریائے اُردن کا معاون دریائے یرموک اُردن اور شام کی سرحد بناتا ہے۔اُردن کا رقبہ 90740 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 66 لاکھ ہے۔96 فیصد مسلمان ہیں۔دارالحکومت عمان کی آبادی 21 لاکھ ہے۔ملکی آبادی میں 95 فیصد قحطانی وعدنانی عرب ہیں۔ ملک کا 88 فیصد رقبہ خشک صحرائی ہے۔مشرقی اُردن صحرائے شام کا حصہ ہے۔اُردن میں اسلام فروہ بن عمرو بن نافرہ جذامی کے قبولِ اسلام کے ساتھ وارد ہوا۔ بعثت سے پہلے نبی کریم ﷺ دوبار اُردن کی سرزمین سے گزرے تھے، ایک بار چچا ابوطالب کے ہمراہ اور دوسری بار سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت لے کر آئے تھے۔فروہ بن عمرو رومیوں کی طرف سے فلسطین اور اُردن کے حاکم تھے اور ان کا مرکز معان (اُردن) تھا۔فروہ 9 ہجری میں وفدِ جذام کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اسلام قبول کیا اور ایک خچر آپ ﷺ کو تحفے میں دیا۔رومیوں کو پتہ چلا تو انھوں نے فروہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر قید کر دیا، پھر قید خانے ہی میں قتل کر دیا۔اس سے پہلے 6 ہجری میں شرحبیل بن عمرو غسانی حاکم بلقاء نے سفیرِ نبوی حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا اور پھر 8 ہجری میں اردن میں مؤتہ کے مقام پر 3 ہزار مسلمانوں، 2 لاکھ رومیوں اور مسیحی عربوں کے مابین خونریز معرکہ برپا ہوا تھا جس میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں فتح حاصل

ہوئی تھی۔ان دنوں اُردن شام کا ایک حصہ شمار ہوتا تھا، پھر 15ھ/636ء میں یرموک کی عظیم الشان فتح کے ساتھ ہی اُردن اور شام اسلامی خلافت کا حصہ بن گئے تھے۔ فتح بیت المقدس کے لیے جاتے ہوئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی 17ھ/638ء میں اُردن سے گزرے تھے۔ اذرح نزد معان کے مقام پر 38ھ/658ء میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین نزاعِ خلافت کے سلسلے میں تحکیم کا واقعہ پیش آیا تھا۔ معان اور عقبہ کے درمیان واقع حمیمہ کے قصبے سے 129ھ/746ء میں عباسی خاندان کی دعوت کا آغاز ہوا تھا۔ چھٹی صدی ہجری میں ریجنالڈ نامی صلیبی جنگجو قلعہ الکرک (اُردن) پر قابض رہا تھا۔ پھر جنگ حطین (583ھ/1187ء) میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فتح کے ساتھ اُردن سلطنت کا حصہ بن گیا تھا۔ بعد میں ممالیک اور عثمانی ترک یہاں حکمران رہے۔ پہلی جنگ عظیم میں برطانوی اُردن اور فلسطین پر قابض ہو گئے۔ انھوں نے غدارِ ملت حسین بن علی ہاشمی (شریفِ مکہ) کے بیٹے عبداللہ کو 1340ھ/1921ء میں شرق اُردن کا بادشاہ بنا دیا۔ 1946ء میں شرق اُردن کو آزادی ملی۔ 1948ء کی عرب اسرائیل جنگ میں شرق اُردن کی فوج نے غرب اُردن بشمول بیت المقدس کو صہیونی ریاست کے قبضے میں جانے سے بچالیا اور شرق اُردن اور غرب اُردن کے اتحاد سے مملکت اُردن وجود میں آئی۔ جون 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں غرب اُردن اور بیت المقدس پر یہودیوں نے قبضہ کرلیا۔

اُردن میں درج ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدفون ہیں: شہدائے مؤتہ جعفر بن ابی طالب، زید بن حارثہ، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم (قصبہ المزار نزد الکرک)، گیارہ مزید صحابی معرکہ موتہ میں شہید ہوئے تھے جن کے مدفن معلوم نہیں۔ ابوعبیدہ بن جراح (غور ابی عبیدہ نزد دیرعلا)، معاذ بن جبل (الغور نزد الشونہ الشمالیہ)، عامر بن ابی وقاص (قصبہ وقاص الغور الشمالی)، شرحبیل بن حسنہ (نزد المشارع، الغور الشمالی)، ضرار بن ازور (قصبہ ضرار نزد دیرعلا)، ابودرداء (قصبہ سوم، اربد)، حارث بن عمیر اور فروہ بن عمر (الطفیلہ)۔

اُردن کی مشہور مساجد

عمان: مسجد الملک عبداللہ بن الحسین، المسجد الحسینی الکبیر (یہ مسجد عمری کی تعمیرِ نو ہے جس کی محراب کا تعین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔)

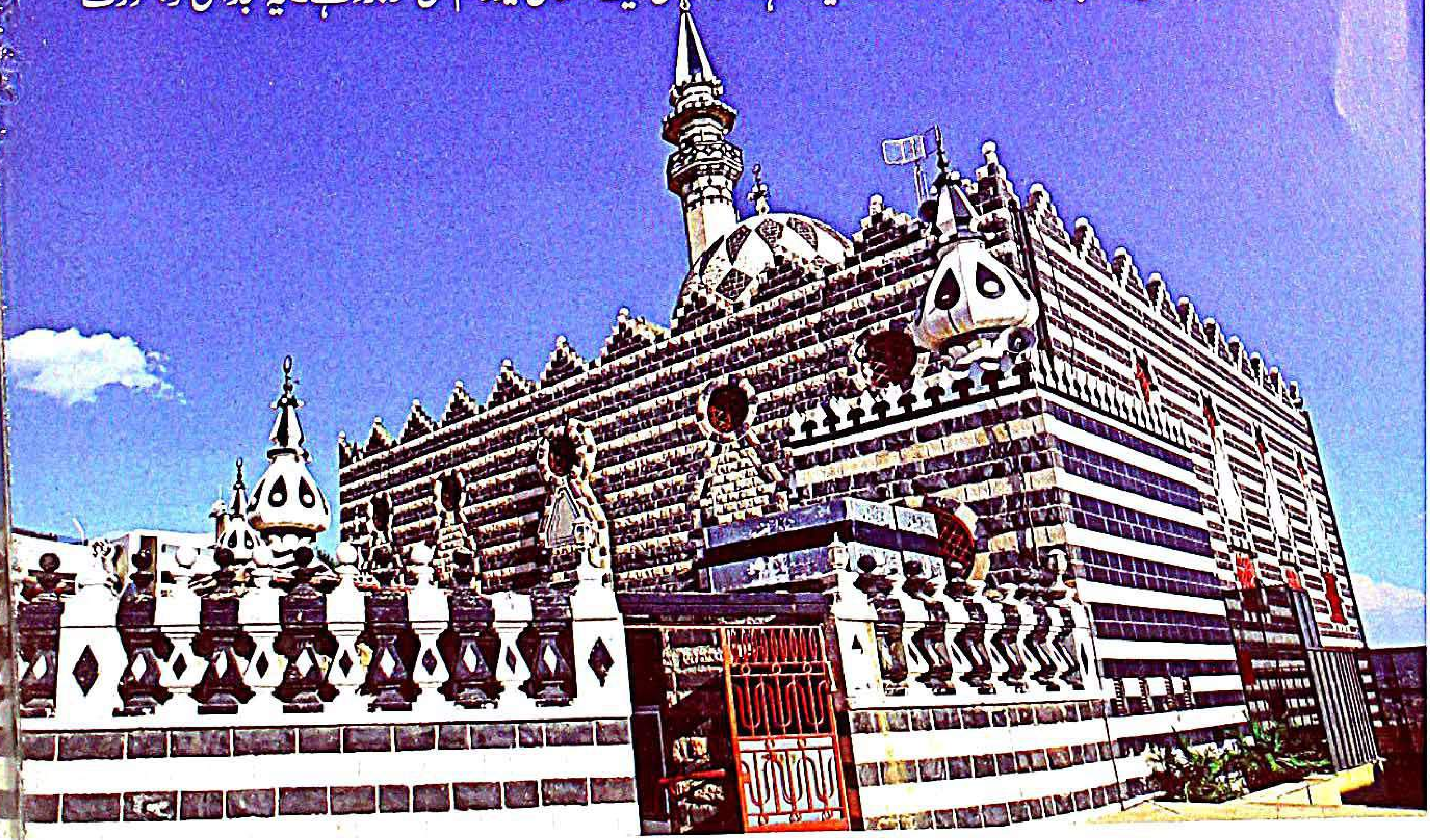
عقبہ: مسجد الحسین بن علی۔ الکرک: المسجد العمری الکبیر۔

اُردن کی زرعی پیداوار میں اناج، زیتون اور دیگر پھل اور معدنی پیداوار میں فاسفیٹ، پوٹاشیم، جپسم اور قدرتی گیس شامل ہیں۔

ابودرویش مسجد، عمّان (اُردن)

ابودرویش مسجد عمّان میں جبلِ اشرافیہ پر تعمیر کی گئی ہے۔ جبلِ اشرافیہ عمّان کی سات خوبصورت پہاڑیوں میں سے ایک ہے۔ یہ مسجد 1961ء میں تعمیر ہوئی اور اس کا کل رقبہ 26911 مربع فٹ ہے۔ مسجد کے چھ چھوٹے گنبد اور ایک بڑا گنبد ہے۔ اس مسجد کے واحد مینار کی بلندی 118 فٹ ہے۔ مسجد کی تعمیر میں سفید اور سیاہ پتھر استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا ڈیزائن اس مسجد کی زمین کے مالک مصطفےٰ حسن نے خود تیار کیا جو کہ خود ایک ماہر ڈیزائنر تھے۔ ابودرویش مصطفےٰ حسن کی کنیت تھی اور اسی نام سے یہ مسجد تعمیر کی گئی۔ اس مسجد میں 7000 سے زیادہ نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

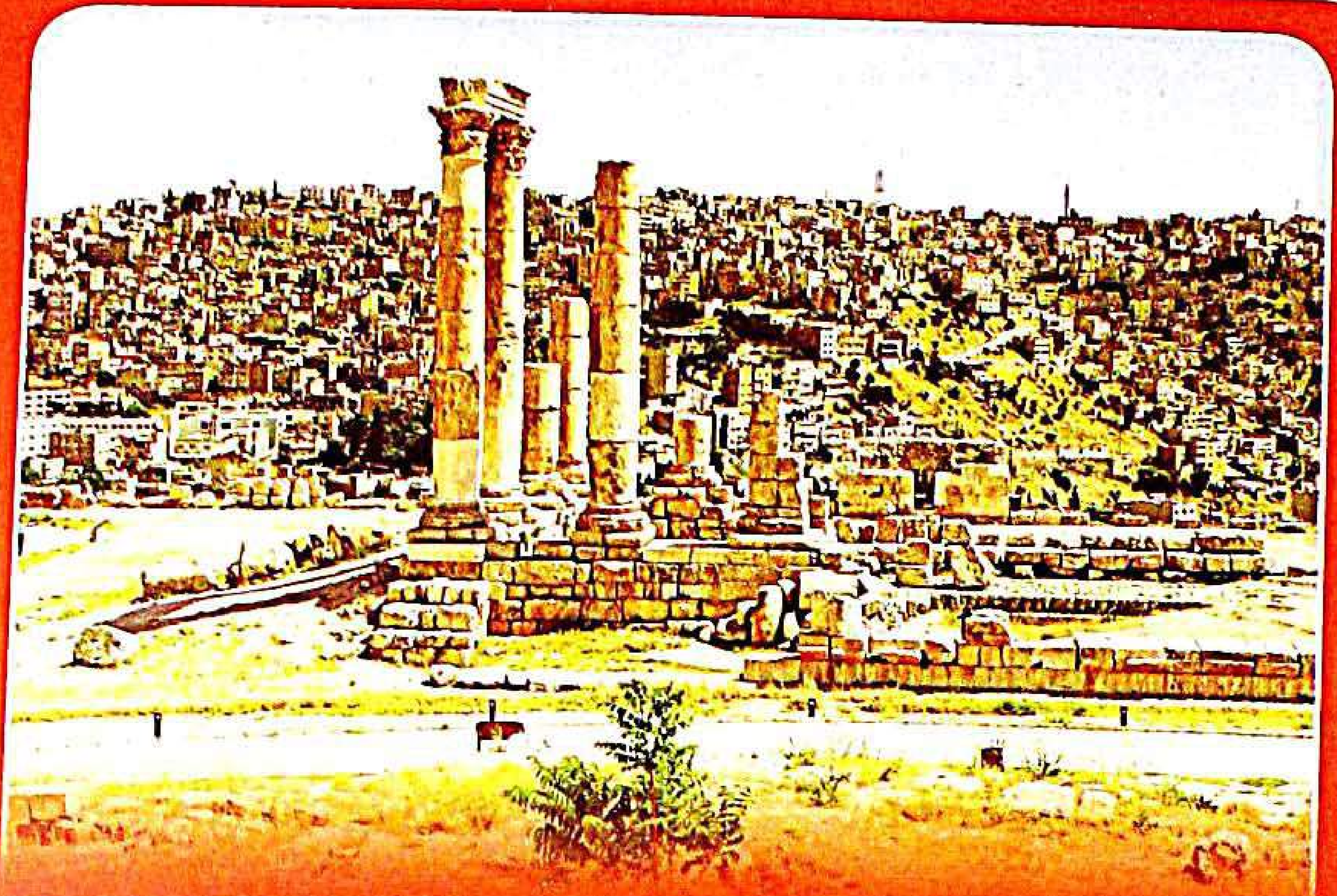
مصطفےٰ حسن ابودرویش قفقاز میں پیدا ہوئے، ان کو شروع ہی سے شامی طرزِ تعمیر سے بہت دلچسپی تھی۔ عمّان شہر کے جبلِ اشرافیہ پر پہلے سے کوئی مسجد نہیں تھی، لہٰذا انھوں نے یہاں ایک مسجد کا ڈیزائن تیار کر کے تعمیر شروع کر دی۔ ابودرویش نے اس کے تمام تعمیری اخراجات خود برداشت کیے۔ مسجد کے مرکزی ہال میں 2500 نمازیوں کی گنجائش ہے مسجد کے برابر ایک لائبریری اور ایک دینی مدرسہ بھی بنایا گیا ہے۔ جہاں بچوں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لائبریری میں اسلامی اور دینی کتب کی تعداد 3000 سے زیادہ ہے۔ ساتھ ہی ایک اسلامی میوزیم بھی موجود ہے۔ یہ مسجد اتنی خوبصورت



ہے کہ دنیا کی چوٹی کی دس خوبصورت مساجد میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔ 1978ء سے ابودرویش مسجد سے ایک مشترکہ اذان دی جاتی ہے جو ایک ریڈیو سسٹم کے تحت شہر کی تمام 42 مساجد میں بیک وقت نشر کی جاتی ہے۔ اس اذان کے پہلے مؤذن ابواسفار ہیں۔

اس مسجد کے انتظامی امور کی ذمہ داری ایک کمیٹی کے سپرد ہے جو محکمہ انصاف کے سربراہ کی نگرانی میں کام کرتی ہے۔ غیر مسلموں کا اس مسجد کے اندر داخلہ ممنوع ہے۔





عمّان (شہر)

عمّان اُردن کا دارالحکومت ہے۔ اس کی آبادی 12 لاکھ ہے۔ بائبل میں اسے عمون کہا گیا ہے۔ یونانی دور میں یہ یونانیوں کے دس بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا اور اسے فلاڈلفیا کہا جاتا تھا۔ یہ ڈیلفی سے موسوم تھا جو کہ یونان میں اپالو دیوتا سے منسوب مندر تھا۔ بعد میں عمّان انباطِ عرب کی سلطنت کا اہم شہر ٹھہرا۔ 31 ق م میں اس پر رومیوں نے قبضہ کر لیا۔ آخر کار 14ھ/635ء میں مسلمانوں نے اسے فتح کر لیا۔ یہاں رومی ایمفی تھیٹر کے آثار ہیں۔ یہ اردن کا ثقافتی، تجارتی اور صنعتی مرکز ہے یہاں پارچہ بافی اور اغذیہ کے کارخانے ہیں۔

یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتا ہے: ”عمّان ارضِ بلقاء کا ایک قصبہ ہے۔ ترمذی میں اس کا ذکر ”من عدن الى عمان البلقاء“ کے الفاظ میں آیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ عمّان ہی دقیانوس (رومی بادشاہ) کا شہر ہے اور اس کے قریب الکہف (اصحابِ کہف کا غار) اور الرقیم اہلِ ملک میں معروف ہیں...... عمّان میں اوریاء نبی کی قبر قصرِ جالوت پہاڑی پر ہے۔ یہیں سلیمان علیہ السلام کی مسجد و ملعب ہے۔“ (معجم البلدان: 4/151)



شاہ حسین بن طلال مسجد، عمّان (اُردن)

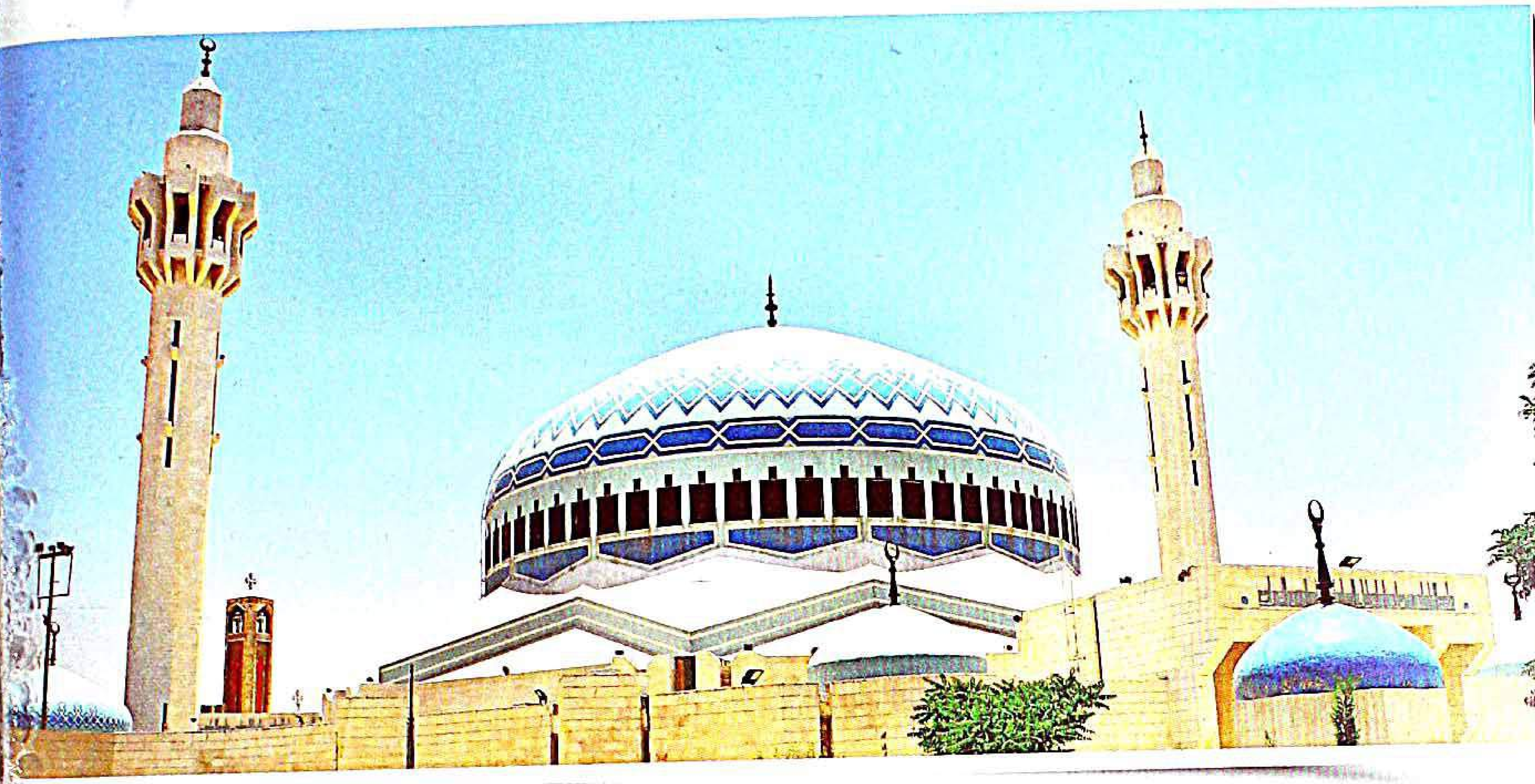
یہ اُردن کے دارالحکومت عمّان کی سب سے بڑی اور بہت خوبصورت مسجد ہے۔ اس کی تعمیر 2003ء میں شروع کی گئی اور تکمیل کے بعد مسجد کا افتتاح شاہ عبداللہ نے 11 اپریل 2006ء بمطابق بارہ ربیع الاوّل 1427ھ کو کیا۔ شاہ عبداللہ نے یہ مسجد اپنے والد شاہ حسین کی یاد میں تعمیر کروائی۔ اس مسجد کو ملک کی قومی مسجد کا درجہ حاصل ہے۔ اس مسجد سے جمعے کا خطبہ براہ راست سرکاری ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نشر ہوتا ہے۔ یہ چار میناروں والی مسجد جو اسلامی طرزِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے، بنو امیہ کے طرزِ تعمیر کی عکاس ہے۔ اس کی محراب ایک نہایت قیمتی کمیاب لکڑی سے تیار کی گئی جس کا استعمال گزشتہ تین صدیوں سے متروک ہو چکا تھا۔ مسجد میں 5500 نمازیوں کی گنجائش موجود ہے جبکہ 500 خواتین بھی علیحدہ نماز ادا کر سکتی ہیں۔ مسجد سے ملحق دفتر، لائبریری اور لیکچر ہال ہیں، نیز ایک میوزیم ہے جس میں آنحضرت ﷺ سے منسوب چند اشیاء کے علاوہ وہ خط بھی موجود ہے جو آپ ﷺ نے بازنطینی سلطنت کے قیصر ہرقل کو اسلام کے ابتدائی دنوں میں تحریر کروا کر بھیجا تھا، جس میں آپ ﷺ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔

اس مسجد کا ڈیزائن ایک مصری ماہرِ تعمیرات ڈاکٹر خالد اعظم نے تیار کیا تھا بلاشبہ یہ مسجد مشرقِ وسطیٰ کی ایک نہایت خوبصورت مسجد ہے۔







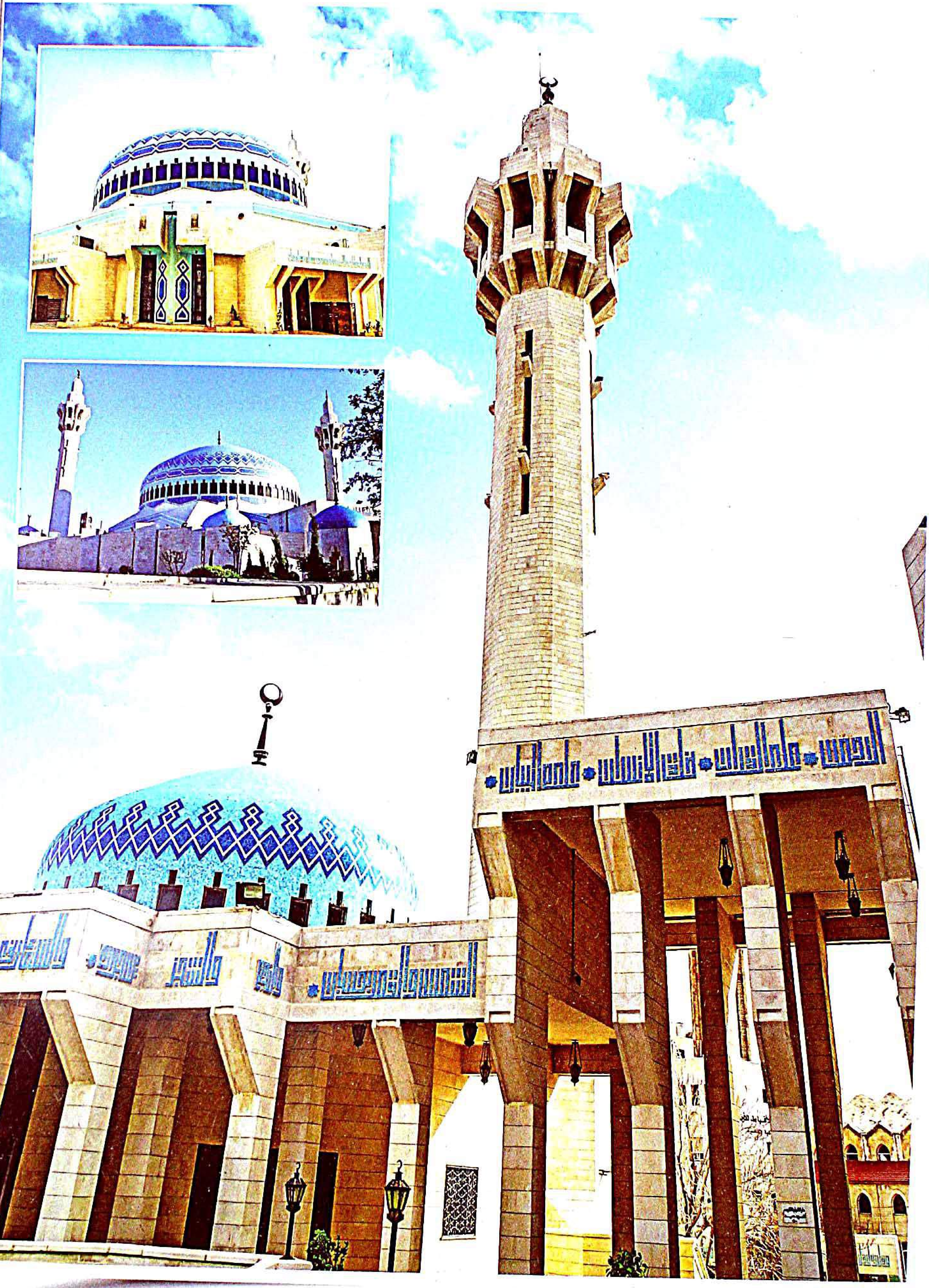


شاہ عبداللہ اوّل مسجد، عمّان (اُردن)

مسجد الشہید الملک عبداللہ بن الحسین کی تعمیر کا آغاز 1982ء میں ہوا اور یہ سات سال بعد 1989ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ شاہ حسین نے اپنے دادا شاہ عبداللہ اوّل کی یادگار کے طور پر یہ مسجد تعمیر کروائی، جسے 1951ء میں مسجد اقصیٰ میں قتل کر دیا گیا تھا۔ ہشت پہلو مسجد کے مرکزی ہال کے اندر کوئی ستون نہیں جبکہ اس کے گنبد کا قطر 115 فٹ ہے۔ گنبد کی بیرونی سطح کا رنگ بالکل نیلا اور آسمان سے مشابہت رکھتا ہے۔ گنبد کی اندرونی سطح پر قرآنی آیات خوبصورتی سے تحریر ہیں۔ تین حلقوں والا خوبصورت فانوس مسجد کے ہال کے حسن میں گرانقدر اضافہ کرتا ہے۔ اس مسجد کے دو مینار ہیں۔

مسجد شاہ عبداللہ کا رقبہ 18,000 مربع میٹر ہے۔ اس میں دس ہزار نمازیوں کی گنجائش موجود ہے۔ سات ہزار نمازی مسجد کے مرکزی ہال میں اور تین ہزار باہر صحن میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ پانچ سو خواتین کے لیے علیحدہ جگہ مخصوص کی گئی ہے۔ مسجد کے مرکزی ہال میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام بہت خوشخطی سے تحریر کیے گئے ہیں۔

اس مسجد سے ملحق ایک میوزیم بھی قائم کیا گیا ہے جس میں شاہ عبداللہ کی ذاتی استعمال کی اشیاء، تصاویر، مٹی کے برتن، سکے اور پتھر کے تراشے رکھے ہوئے ہیں۔ عمّان کی یہ واحد مسجد ہے جس میں غیر مسلم بھی داخل ہو سکتے ہیں لیکن ان کے لیے مناسب لباس کی شرط ہے۔ زائرین جوتے اتار کر اور عورتیں اپنا سر سکارف سے ڈھانپ کر مسجد کے اندر داخل ہو سکتی ہیں۔



مالدیپ

مجمع الجزائر مالدیپ جو عالمِ اسلام کا سب سے چھوٹا ملک ہے، بحرِ ہند میں بھارت اور سری لنکا کے جنوب مغرب میں خطِ استوا پر واقع ہے۔ کولمبو (سری لنکا) سے ان کا فاصلہ 700 کلومیٹر اور بھارتی شہر تریوندرم سے 400 کلومیٹر ہے۔ مالدیپ کے شمال میں بھارتی مقبوضہ مجمع الجزائر لکادیپ (لکشادیپ) واقع ہے۔ مالدیپ میں چھوٹے چھوٹے جزائر (Atols) ہیں جو مونگے (مرجان) سے بنے ہیں۔ کل 1192 جزیرے ہیں جن میں سے 200 جزائر آباد ہیں۔ مشہور جزیرے تلہ دستی، مالے، سردایو، ملادم مدلو، مالوس مدلو اور ادو ہیں۔ ملکی دارالحکومت مالے جزیرہ مالے پر واقع ہے۔ مالدیپ انڈونیشیا کے بعد دوسرا اسلامی ملک ہے جو تمام تر جزیروں پر مشتمل ہے، تاہم اس کے کسی جزیرے کا رقبہ 5 مربع کلومیٹر سے زیادہ نہیں۔ سب جزیرے مستوی ہیں، یعنی ان میں کوئی پہاڑی نہیں۔ یہ جزائر کہیں بھی سطح سمندر سے 2.3 میٹر سے زیادہ اونچے نہیں اور مونگے کی قدرتی چٹانیں ان کی حفاظت کرتی ہیں۔ برطانوی جزائر چاگوس (ڈیگو کارشیا) مالدیپ کے جنوب میں واقع ہیں۔

مالدیپ کا رقبہ 298 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً سوا تین لاکھ ہے۔ یہاں کا سکہ روفیہ (Rufiyaa) ہے۔ ایک روفیہ میں 100 لارس (Laris) ہوتے ہیں۔ سرکاری زبان مالدیپی ہے جو سنہالہ (سری لنکا) کی ایک شاخ ہے۔ مالدیپ کے باشندے سنہالی، دراوڑی (ہندی) اور عرب نسل کے ہیں۔ وہ 100 فیصد مسلمان ہیں اور ان کی اکثریت شافعی مسلک سے تعلق رکھتی ہے۔

مالدیپ میں اسلام خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد (85ھ/704ء) میں عرب تاجروں کے ذریعے سے پہنچا، تاہم اس کی پیش رفت سست رہی۔ 715ھ/1314ء میں مالدیپ کے راجہ تارو ماسنتار اجینانو نے ابوالبرکات الصالح البربری کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا تو ان جزائر کے تمام باشندے مسلمان ہو گئے۔ راجہ نے قبولِ اسلام کے بعد اپنا نام سلطان محمد بن عبداللہ اختیار کیا۔ مسلمان سیاح ابن بطوطہ مراکشی 736ھ/1335ء میں ہندوستان سے چین جاتے ہوئے مالدیپ پہنچا اور ڈیڑھ سال یہاں مقیم رہا۔ اس نے یہاں شادی کی اور قاضی کے عہدے پر فائز رہا۔ وہ اپنے سفرنامے



میں ان جزائر کو مہل ذیبہ لکھتا ہے۔

دسویں صدی ہجری (سولھویں صدی عیسوی) کے آغاز میں پرتگالی مالدیپ آئے۔ انھوں نے اہلِ مالدیپ پر بڑی سختیاں کیں کہ وہ اسلام چھوڑ کر عیسائی بن جائیں مگر وہ لوگ ثابت قدم رہے۔ پرتگالیوں کے بعد ولندیزی (ڈچ) یہاں آن پہنچے اور ڈیڑھ سو برس مسلّط رہے۔ انھوں نے بھی مالدیپی مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ 1796ء میں انگریزوں نے جزائر مالدیپ نیدرلینڈ (ہالینڈ) سے چھین لیے۔ 26 جولائی 1965ء کو مالدیپ نے آزادی حاصل کی۔ 1968ء میں وزیراعظم ابراہیم ناصر نے سلطان محمد فرید دیدی کے خلاف بغاوت کر کے بادشاہت کا خاتمہ کر دیا اور خود صدرِ مملکت بن بیٹھا۔ 1978ء میں صدر مامون عبدالقیوم برسرِ اقتدار آئے۔ اکتوبر 2008ء کا صدارتی انتخاب محمد نشید نے جیت لیا۔ ان کی حکومت میں وزیر مذہبی امور عبدالمجید باری اور وزیر انصاف جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) کے فارغ التحصیل تھے۔ محمد نشید کے خلاف ہنگامے ہوئے تو نائب صدر محمد وحید حسان مانک نے فروری 2012ء میں اقتدار سنبھال لیا۔ ان کے نائب صدر محمد وحید دین ہیں۔

مالدیپ کا سرکاری نام دوہیی راجیہ جمہوریہ ہے۔ تعلیمی و سرکاری زبان ''دویہی'' ہے، اس کا اپنا رسم الخط ہے جس میں عربی کے سے اعراب ہیں۔ انگریزی دوسری زبان کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ حکومت مالدیپ کے مونوگرام پر عربی میں ''الدولة المحلدیبیة'' رقم ہے۔ سرکاری مذہب اسلام ہے۔ کوئی غیر مسلم مالدیپ کا شہری نہیں بن سکتا۔



جامع مسجد مالے (مالدیپ)

یہ جامع مسجد جس کا سرکاری نام مسجد السلطان محمد ہے، مالدیپ کے دارالحکومت مالے میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔ اس مسجد کا افتتاح اس وقت کے صدر مامون عبدالقیوم نے گیارہ نومبر 1984ء کو کیا۔ یہ شہر کے وسط میں واقع ہے اور مالدیپ کی سب سے بڑی مسجد ہے بلکہ اس کا شمار جنوبی ایشیا کی بڑی مساجد میں کیا جاتا ہے۔ اس میں 5000 سے زائد نمازی ایک ہی وقت میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ خاص طور پر جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں جب یہ مسجد نمازیوں سے بھر جاتی ہے تو ایک عجیب روح پرور سماں نظر آتا ہے۔

مسجد سے ملحق ایک تین منزلہ اسلامی مرکز قائم کیا گیا ہے جس کے کانفرنس ہال میں مذہبی تقریبات اور سیمناروں کے علاوہ سارک (Saarc) لیول کی کانفرنسز بھی منعقد کی جاتی ہیں۔ اسی اسلامی مرکز میں مالدیپ کی وزارت مذہبی امور کے دفاتر موجود ہیں، نیز ایک بہت بڑی اسلامی لائبریری بھی قائم کی گئی ہے۔ مسجد السلطان محمد کا خوبصورت سنہری گنبد



سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے اس کے واحد مینار کی بلندی 199 فٹ ہے۔ مسجد کی تعمیر میں ملائیشیائی فنِ تعمیر نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کی تعمیر میں برونائی، پاکستان، سعودی عرب، مصر اور ملائیشیا کی حکومتوں نے بھرپور مالی تعاون کیا۔ لکڑی کا کام مالدیپ کے فن کاروں کی اعلیٰ مہارت کا نمونہ ہے۔ مسجد کی پیشانی پر عربی میں ڈیزائن کی گئی خصوصی تحریر صدر مامون عبدالقیوم کے ذہن اور فن کی اختراع ہے۔ مسجد کے صحن میں یونان سے منگوایا گیا ماربل لگایا گیا ہے اور مرکزی ہال میں پاکستان کی طرف سے تحفے میں دیا گیا قالین بچھا ہوا ہے۔



اس مسجد کی تعمیر روایتی طور پر اینٹوں سے چنائی نہیں کی گئی بلکہ زیرِ سمندر مونگے (مرجان) کی چٹانوں سے بلاک بنا کر تعمیر میں استعمال کیے گئے ہیں۔



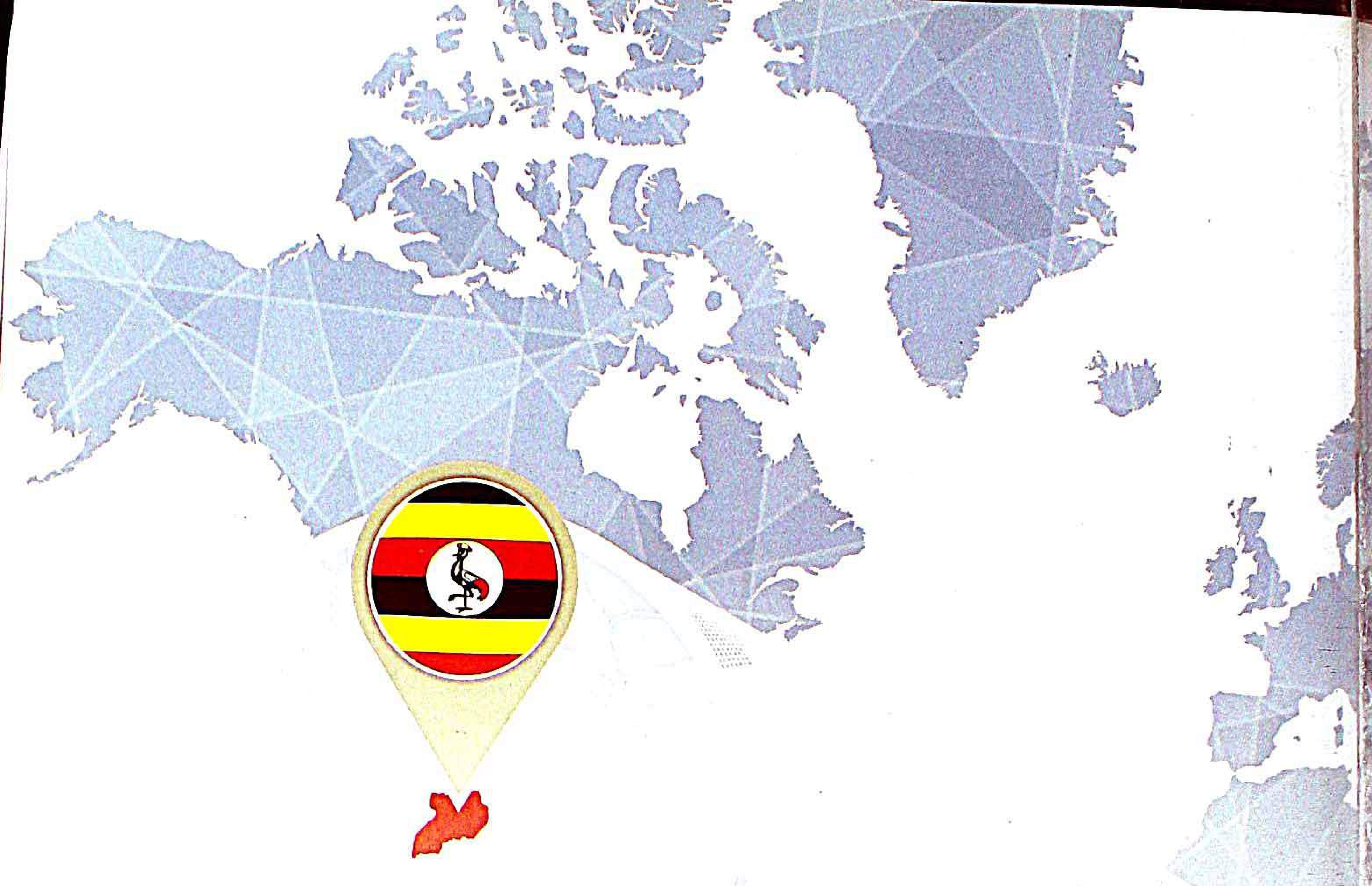
یوگنڈا

یوگنڈا وسطی افریقہ کا خشکی بند ملک ہے جو خطِ استوا پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں جنوبی سوڈان، مغرب میں جمہوریہ کانگو، جنوب میں روانڈا اور تنزانیہ اور مشرق میں کینیا واقع ہیں۔ جنوب مشرق میں افریقہ کی سب سے بڑی جھیل وکٹوریہ ہے۔ روانڈا سے دریائے نیل کا ابتدائی دھارا ''کاگیرا'' نکلتا ہے جو یوگنڈا اور تنزانیہ کی سرحد بناتا ہوا جھیل وکٹوریہ میں آگرتا ہے، پھر جھیل وکٹوریہ کے شمال میں جنجا کے قریب دریائے نیل (ابیض) نکل کر جھیل کیوگا سے ہوتا ہوا جھیل البرٹ میں جا گرتا ہے جو کانگو اور یوگنڈا کی سرحد پر واقع ہے۔ ایک بار پھر نیل ابیض جھیل البرٹ سے نکل کر شمال کو ہو لیتا ہے اور جنوبی سوڈان، سوڈان اور مصر میں سے بہتا ہوا بحیرۂ روم سے جا ملتا ہے۔ تیسری بڑی جھیل ایڈورڈ بھی کانگو کی سرحد پر ہے۔

یوگنڈا کا رقبہ 241551 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 3 کروڑ 60 لاکھ ہے۔ دارالحکومت کمپالا میں 17 لاکھ کے قریب انسان بستے ہیں۔ یہاں کے باشندے بنتو، نیلی اور سوڈانی نسل کے ہیں۔ ملک 10 صوبوں اور 34 اضلاع میں بٹا ہوا ہے۔ مغرب میں کوہستان رونزوری کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ مارگریٹا 5118 میٹر بلند ہے۔

ہجرتِ حبشہ میں شریک مسلمانوں کے حسن اخلاق سے حبشہ میں اور اس کے اردگرد آہستہ آہستہ اسلام پھیلنے لگا تھا۔ مشرقی افریقہ کے ساحل اور جنوبی سوڈان سے مسلم داعی اور تاجر یوگنڈا آنے لگے اور یہاں بھی نورِ اسلام پھیلتا چلا گیا۔ بعض مسلم قبائل ہجرت کر کے شمال مشرقی یوگنڈا میں آبسے۔ زنجبار اور تانگانیکا (تنزانیہ) کے کچھ عرب یوگنڈا کے جنوب مغرب میں واقع ریاست یوگنڈا کے قبائل سے لین دین کرنے لگے اور ان کی کاوشوں سے بھی یہاں اسلام کو فروغ ملا۔

موسوعہ العالم الاسلامی کے مطابق یوگنڈا کی 65 فیصد آبادی مسلمان ہے۔ 1974ء کی اسلامی سربراہی کانفرنس (لاہور) میں صدر یوگنڈا جنرل عیدی امین کے ہمراہ ان کی وزیر خارجہ الزبتھ آئی تھیں اور انھوں نے صحافیوں کو بتایا تھا کہ



''یوگنڈا کی 49 فیصد آبادی مسلمان ہے۔ بعض ویب سائٹس یوگنڈا میں مسلمانوں کی آبادی 35 یا 36 فیصد بتاتی ہیں اور بعض 12.5 فیصد سے آگے نہیں بڑھتیں۔

امبالے میں تنظیم اسلامی تعاون (OIC) نے ایک اسلامی یونیورسٹی (IUIU) قائم کی ہے۔ اس کے قیام کا فیصلہ دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس (لاہور) میں ہوا تھا۔ اس یونیورسٹی میں تدریس کا آغاز 1988ء میں ہوا۔ اس کے چانسلر ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف (سعودی) اور وائس چانسلر ڈاکٹر عبداللہ کاویسا ہیں۔ باقی عیسائی اور ارواح پرست ہیں۔ مسلمان زیادہ تر مالکی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ یوگنڈا میں مشہور مساجد یہ ہیں: مسجد کیبولی (کمپالا)، مسجد نکیسرو (کمپالا)، مسجد المجلس الاسلامی الاعلیٰ (کمپالا)، مسجد المدرسۃ العربیۃ (مضافات کمپالا)، مسجد وانداکیہ (کمپالا)، مسجد مینگو، مسجد جنجا، مسجد جبل بکوتو۔ مسجد المجلس الاسلامی الاعلیٰ پہلے اسماعیلیوں کی عبادت گاہ تھی، پھر حکومت نے وہ المجلس الاسلامی کے سپرد کر دی۔

دارالحکومت کمپالا کے علاوہ یوگنڈا کے دیگر مشہور شہر یہ ہیں: اروا، لیرا، اینٹی بے، ماسندی، جنجا، امبالے، ماساکا، کابالے، امبارارا، گولو۔



قذافی مسجد، کمپالا (یوگنڈا)

یوگنڈا کے صدر عیدی امین نے اپنے دورِ حکومت میں صدر مقام کمپالا میں ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرنے کا عزم کیا تھا لیکن ملک کے سیاسی حالات نے ان کو یہ نیک کام پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی مہلت نہ دی اور وہ 1979ء میں سعودی عرب میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ بعد میں اس مسجد کی تعمیر کا کام کھٹائی میں پڑ گیا۔ آخر کار لیبیا کے صدر معمر قذافی نے اس مسجد کی تعمیر کے لیے مالی اعانت کا وعدہ کیا اور یہ مسجد 2006ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

کمپالا شہر میں اس مسجد کا اپنا انفرادی حسن ہے۔ اس مسجد کی خوبصورتی کو دیکھ کر مسلمان تو مقناطیس کی طرح کھینچے چلے جاتے ہیں لیکن غیر مسلموں کے دلوں میں بھی اس مسجد کے لیے کشش کا ایک ان دیکھا جذبہ موجزن نظر آتا ہے۔ اس مسجد کے ہال کے اندر اور باہر صحن میں 15000 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔

اس مسجد کی افتتاحی تقریب میں صدر قذافی کے علاوہ صومالیہ، زنجبار اور جبوتی کے حکمران بھی شریک ہوئے۔ یہ مسجد 2006ء میں مکمل ہوئی اور جون 2007ء میں نمازیوں کے لیے کھول دی گئی۔ یہاں مسجد کے دفاتر کے علاوہ یوگنڈا کی مسلم

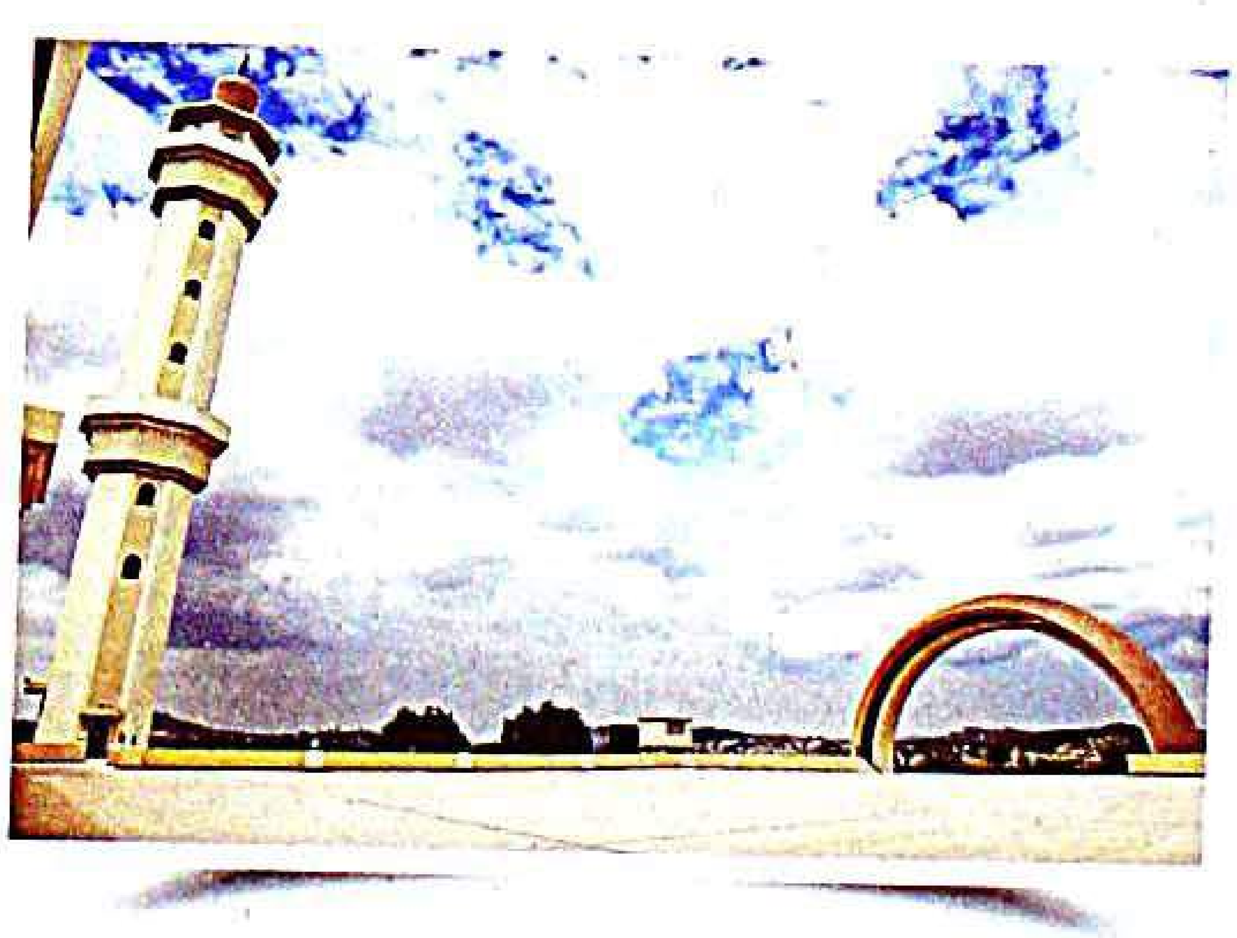
سپریم کونسل کا دفتر بھی موجود ہے۔ اس مسجد کو قومی مسجد کا درجہ حاصل ہے۔ یہ صدر معمر قذافی کی طرف سے یوگنڈا کے مسلمانوں کے لیے ایک بے مثال تحفہ ہے۔ مسجد کمپالا کی پہاڑیوں پر واقع ہے۔

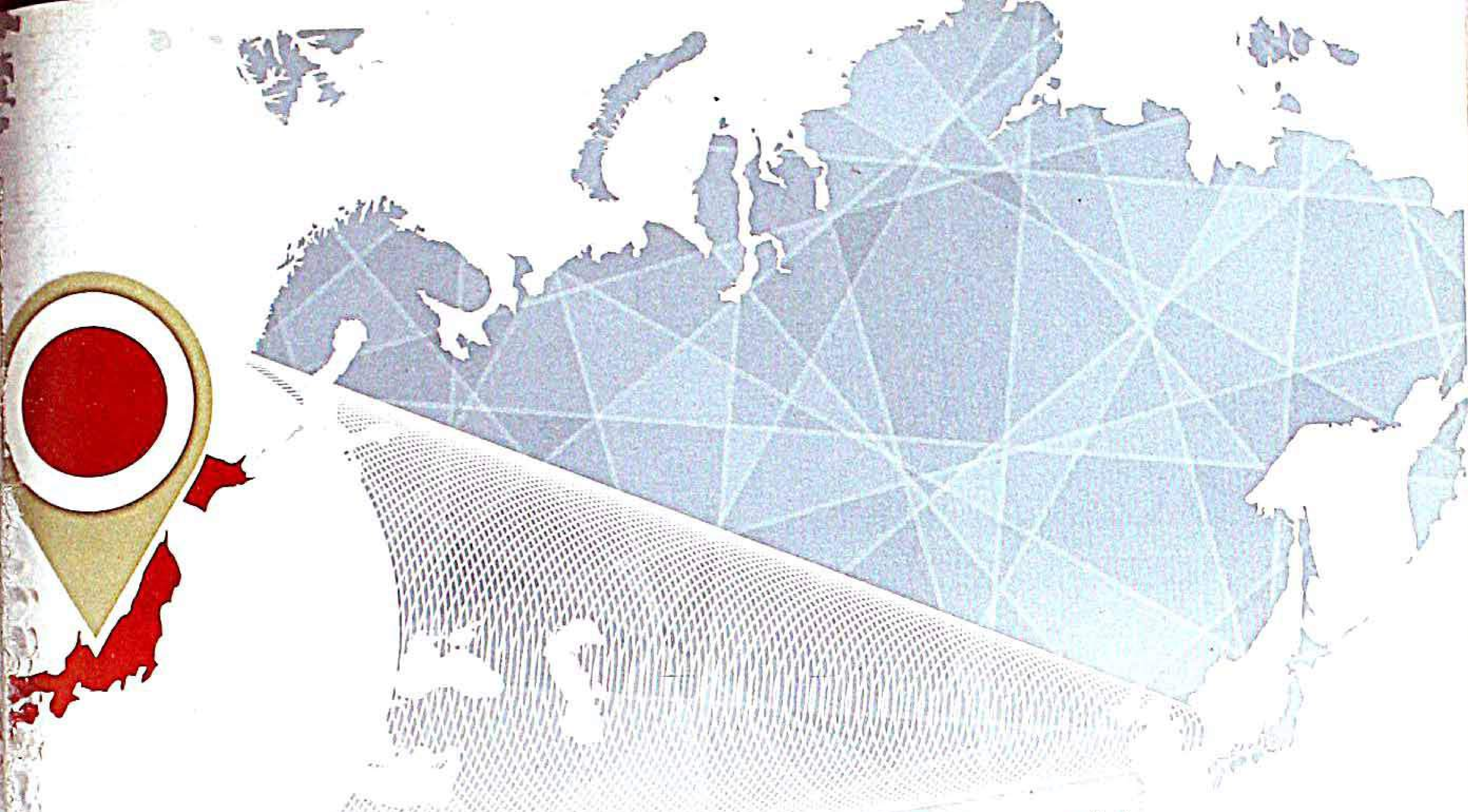
یہ دو منزلہ مسجد بارہ ایکڑ رقبہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی تعمیر میں بہترین میٹریل استعمال کیا گیا ہے۔ جب 1972ء میں کمپالا میں سپریم مسلم کونسل تشکیل دی گئی تو اس مسجد کی تعمیر شروع ہوئی اور اسے سرکاری طور پر قومی مسجد کی حیثیت دی گئی۔

ملکی سیاسی حالات دگرگوں ہونے کے سبب 1976ء میں اس کی تعمیر روک دی گئی جو کہ 25 سال بعد 2001ء میں دوبارہ شروع ہو سکی۔ ملک کے مفتیٔ اعظم شیخ محمد رمضان نے لیبیا کے صدر معمر قذافی سے ملاقات کی اور ان سے مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں مدد کی درخواست کی۔ صدر قذافی نے یہ درخواست بخوشی قبول کی اور یوگنڈا کی قومی مسجد کو احسن طریقے سے مکمل کروانے کا عزم صمیم ظاہر کیا۔ بالآخر یہ مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچی اور کمپالا کے مسلمانوں نے اسے قذافی کے نام سے منسوب کر دیا۔









جاپان

جاپان ایک مجمع الجزائر ہے جو ایشیا کے مشرق میں بحرالکاہل اور بحیرۂ جاپان کے درمیان واقع ہے۔ ملک کا جاپانی نام نپون(Nippon) ہے۔ اس کے شمال میں اوکھوٹسک اور روسی مقبوضہ جزائر کیورائل ہیں اور جنوب میں بحیرۂ چین مشرقی ہے۔ جاپان کو چڑھتے سورج کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے۔ جاپانی نام ''نپون'' کے معنی ہی ''چڑھتا سورج'' ہیں۔ دنیائے مشرق کا آغاز جاپان سے اور سب سے پہلے سورج وہیں نکلتا ہے۔ جاپان میں بڑے جزائر ہونشو، ہوکیڈو، کیوشو اور شکوکو ہیں۔ کیوشو کے جنوب مغرب میں بحیرۂ چین مشرقی میں چھوٹے چھوٹے جزائر کا مجموعہ ''ریوکو'' کہلاتا ہے۔ یہاں جزیرہ اوکیناوا میں امریکی بحری اڈا قائم ہے۔ مغرب میں آبنائے کوریا جاپان کو جنوبی کوریا سے جدا کرتی ہے۔ ہوکیڈو کے شمال مغرب میں واقع جزیرہ سکھالین اور جزائر کیورائل بھی ایک صدی پہلے جاپان کی ملکیت تھے مگر دوسری جنگ عظیم (1939-45ء) میں جاپان کی شکست کے بعد روس نے ان پر قبضہ جمالیا، تاہم روس کا ان پر دعویٰ برقرار ہے۔

جاپان کا رقبہ 3 لاکھ 78 ہزار مربع کلومیٹر اور آبادی 12 کروڑ 66 لاکھ 60 ہزار (2012ء) ہے۔ اس کا سکہ ین (Yen) ہے جس میں 100 سین (Sen) ہوتے ہیں۔ ایک امریکی ڈالر 99.4 ین کے مساوی ہے۔ ملک کی فی کس آمدنی 46726 ڈالر ہے۔ جاپانی قومی، دفتری اور تعلیمی زبان ہے۔ دارالحکومت ٹوکیو کی آبادی ایک کروڑ 32 لاکھ ہے۔ دیگر مشہور شہر یوکوہاما، اوساکا، ناگویا، کوبے، ہیروشیما، کیتا کیوشو ہیں۔ کیوٹو قدیم دارالحکومت ہے۔

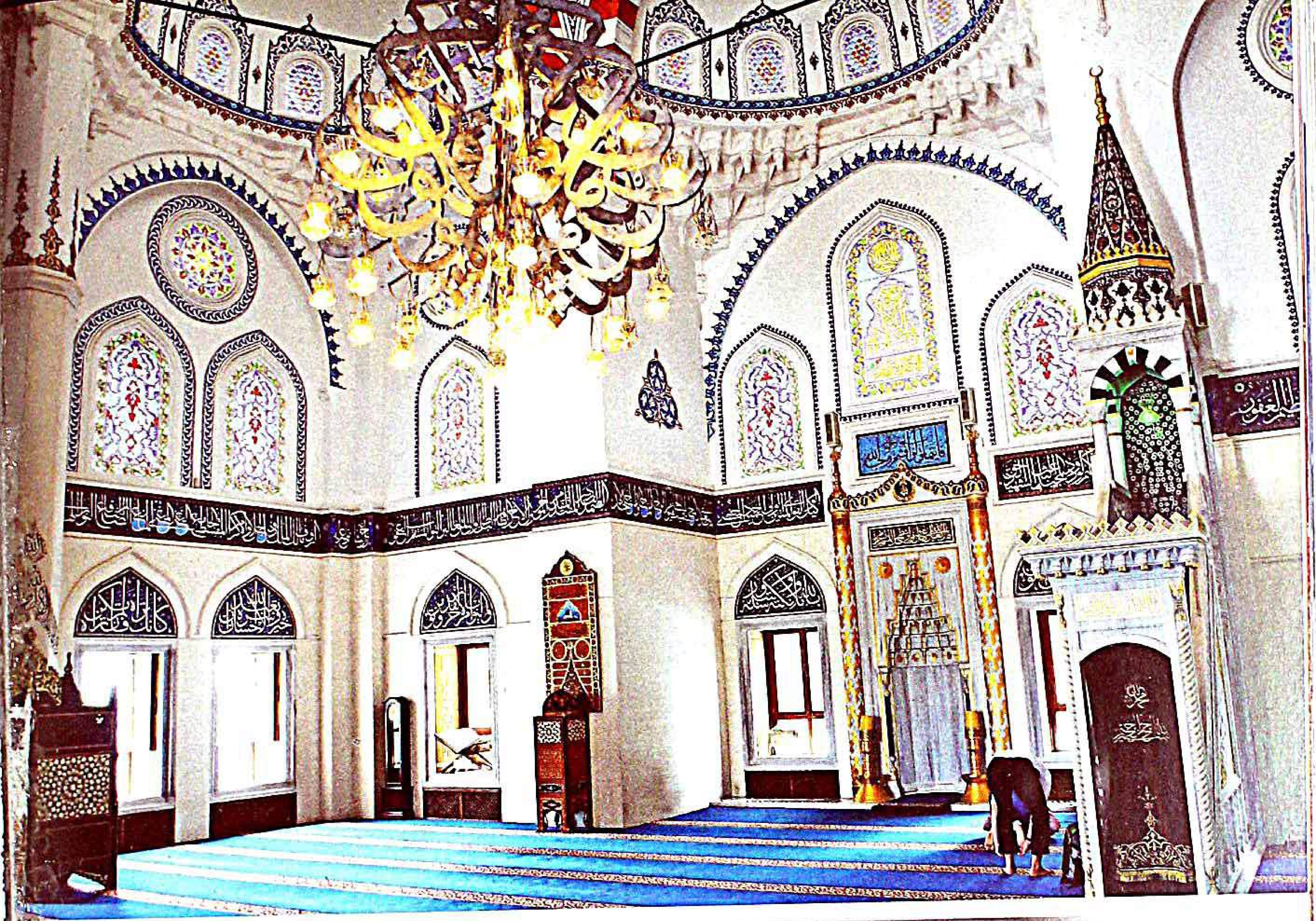
660 ق م میں شاہ جمو نے جزائر جاپان کو ایک سلطنت میں متحد کیا تھا۔ بارھویں صدی عیسوی سے جاپان پر جنگجو



خانوادوں کا تسلط رہا۔1854ء میں امریکی کیپٹن پیری جنگی بحری جہاز میں خلیج ٹوکیو میں آ دھمکا تھا۔1867ء میں شاہ میجی کے شاہی اختیارات بحال ہوئے تو جاپان میں جدید دور کا آغاز ہوا اور اس نے تعلیم کو خصوصی اہمیت دے کر نصف صدی کے اندر ایک عالمی طاقت کا درجہ حاصل کر لیا۔1868ء میں ایدو (ٹوکیو) دارالحکومت بنا۔جاپان نے 1894-95ء میں چین کو اور 1905ء میں روس کو شکست دی۔جاپانی 1910ء میں کوریا اور 1931ء میں چینی علاقے منچوریا پر قابض ہو گئے اور 1937ء میں انھوں نے چین کے بڑے حصے پر تسلط جما لیا۔1936ء میں جاپان نے محوری طاقتوں جرمنی اور اٹلی سے اتحاد کر لیا تھا، چنانچہ دسمبر 1941ء میں جاپان پرل ہاربر (ہوائی) کے امریکی بحری اڈے پر حملہ آور ہو کر دوسری جنگ عظیم میں کود پڑا اور جاپانی فوجیں فلپائن، ویت نام، کمبوڈیا، لاؤس، تھائی لینڈ، سنگاپور، ملائیشیا، انڈونیشیا اور برما (میانمار) پر قابض ہو گئیں، نیز بحرالکاہل کے جزیرے گوام، نیوگنی اور جزائر سولومن بھی جاپان نے فتح کر لیے۔ پھر اتحادیوں کی جوابی کارروائی سے جاپانیوں کی پیش قدمی رک گئی اور اگست 1945ء میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکی ایٹم بم گرنے سے جاپانی مزاحمت دم توڑ گئی۔امریکی فوجیں جاپان میں آن اتریں اور 1946ء میں یہاں آئینی بادشاہت کا آغاز ہوا۔شاہِ جاپان ہیرو ہیٹو اپنے نام نہاد الوہی اختیارات سے دست بردار ہو گئے۔

جاپان کی زرعی پیداوار میں چاول، گندم، آلو، گنا، سویابین، چائے، تمباکو اور تر شاوہ پھل شامل ہیں جبکہ معدنیات میں کوئلہ، لوہا، تانبا، سیسہ، کرومیم، سونا، چاندی، گندھک اور معدنی تیل قابلِ ذکر ہیں۔ صنعتوں میں برقی اشیاء، موٹر کاریں، مشینری، کیمیکلز، گھڑیاں، مصنوعی ریشے، بحری جہاز، کیمرے شامل ہیں۔ جاپان ماہی گیری، جہاز سازی اور موٹر سازی میں دنیا میں سرِفہرست ہے۔

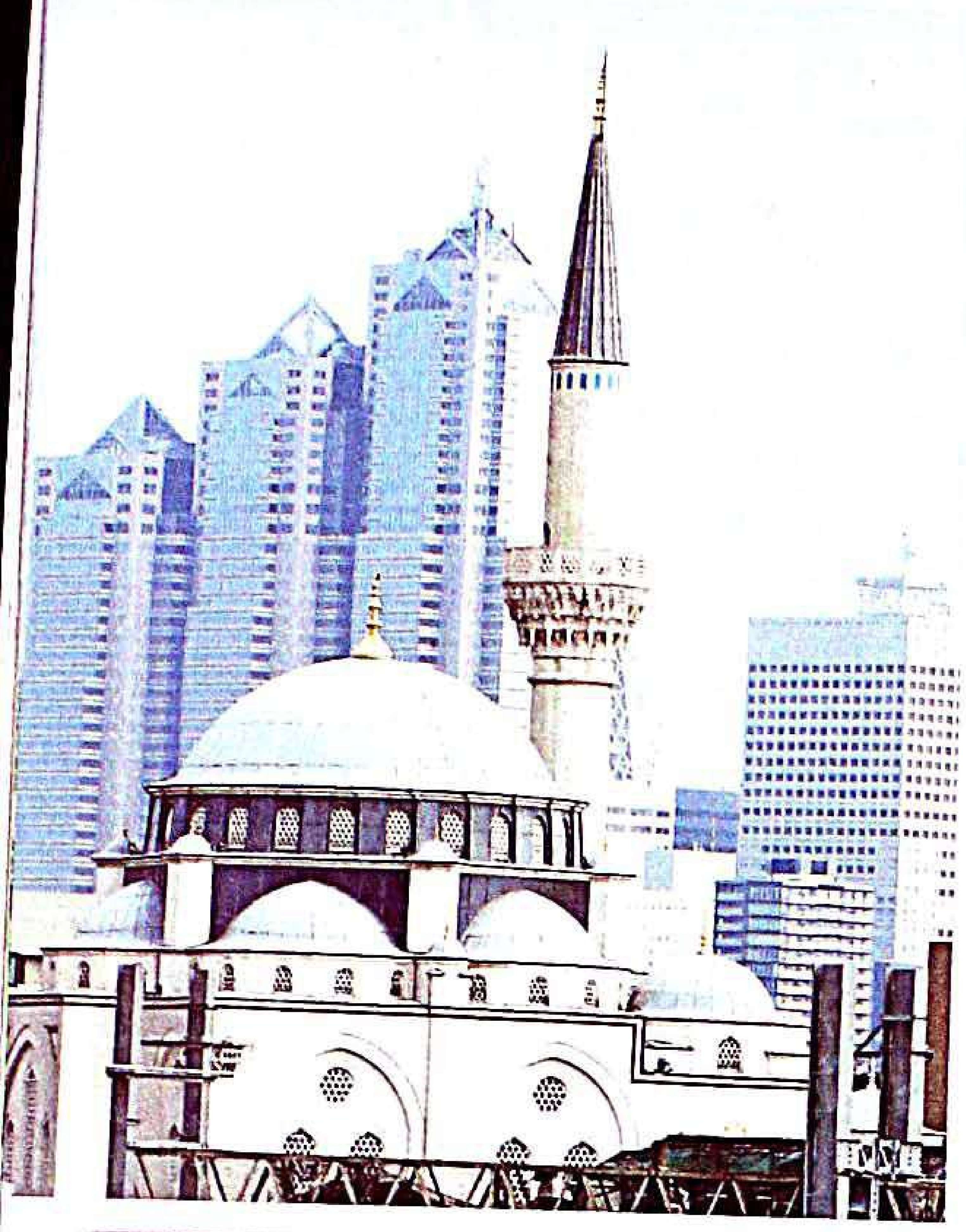
جاپان کے پہاڑوں میں چھ سوزندہ فشاں ہیں۔ جاپان کا بلند ترین پہاڑ فیوجی یاما (3776 میٹر) بھی ایک آتش فشاں ہے جو آخری بار 1707ء میں پھٹا تھا۔ جاپان زلزلوں کے خط پر واقع ہے۔1923ء میں یوکوہاما زلزلے سے تباہ ہو گیا تھا۔



مرکزی جامع مسجد، ٹوکیو (جاپان)

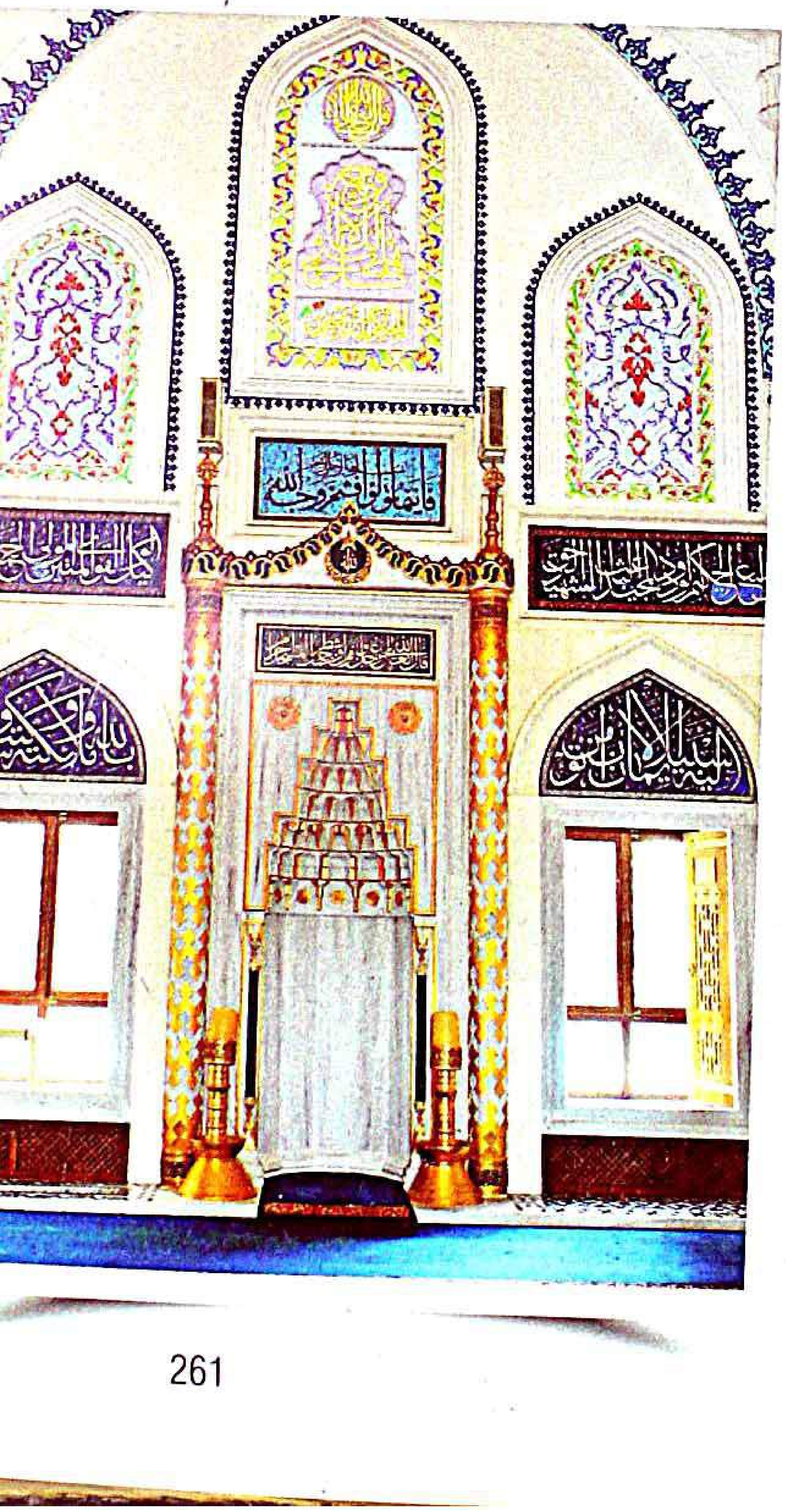
اس وقت جاپان میں ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ مسلمان ہیں جن میں تقریباً 7000 مقامی جاپانی مسلمان بھی شامل ہیں۔ ایک حالیہ سروے کے مطابق اس وقت جاپان میں 60 کے قریب مساجد موجود ہیں اور آٹھ مساجد صرف دارالحکومت ٹوکیو میں ہیں۔ ٹوکیو کی مرکزی جامع مسجد شہر کی سب سے بڑی اور خوبصورت مسجد ہے، جسے ٹوکیو میں مقیم ترکوں نے اپنی کوششوں سے تعمیر کیا ہے۔

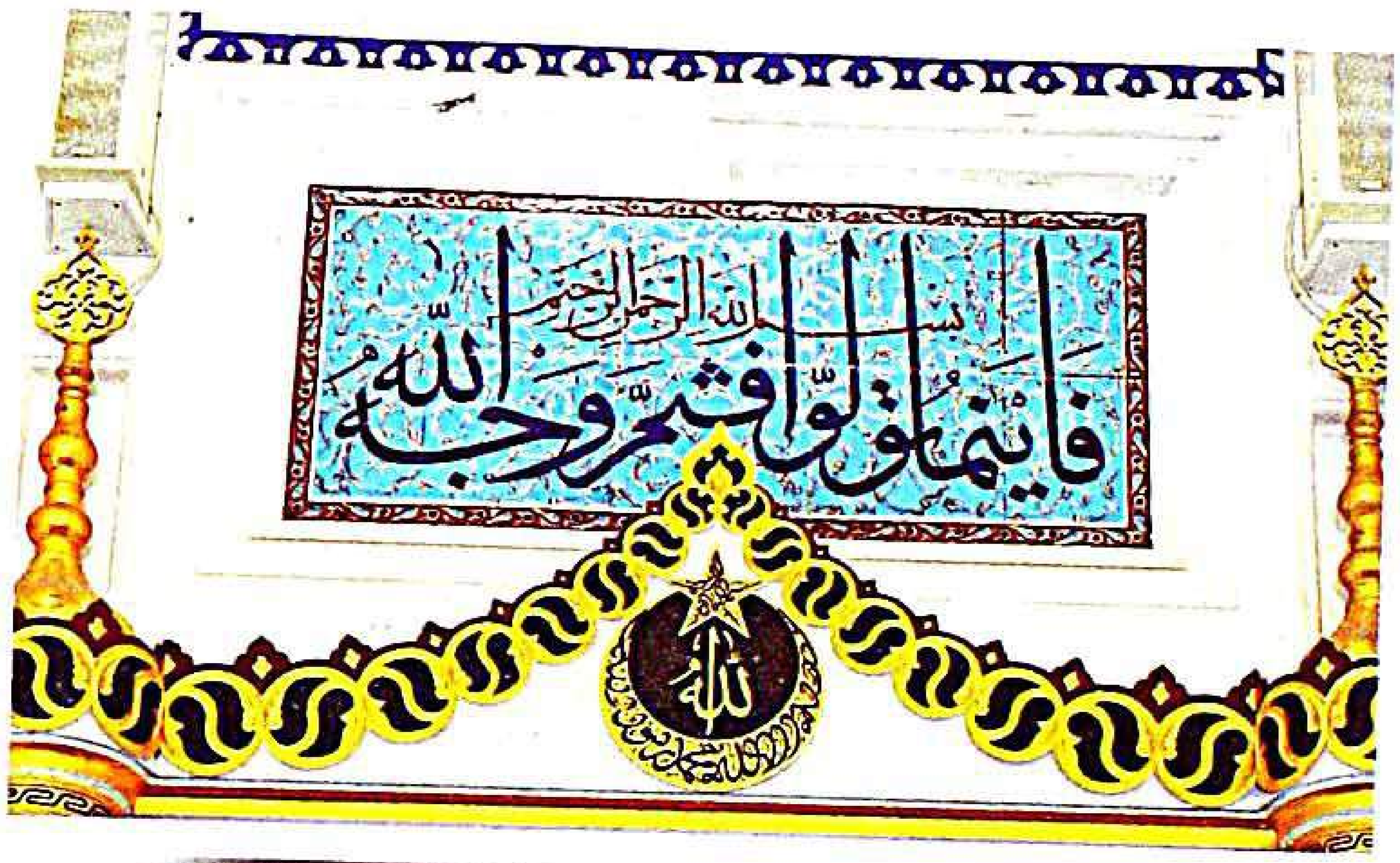
1986ء میں ترکی کی حکومت نے ٹوکیو ٹرکش ایسوسی ایشن کو شہر میں جگہ خرید کر بطور عطیہ اس شرط پر دی کہ نئی مسجد تعمیر کی جائے۔ انھوں نے نئی مسجد کی تعمیر 1998ء میں شروع کی جو بالآخر 30 جون 2000ء کو مکمل ہوگئی۔ اس مسجد کی تزئین و آرائش میں ترکی سے آئے ہوئے 100 ماہر کاریگروں نے حصہ لیا۔ مرکزی ہال میں قرآنی خطاطی کا کام بھی ماہر خوش نویسوں کی کاریگری ہے۔ اس مسجد کے آرکی ٹیکٹ محرم علی تھے۔ مسجد تین منزلہ ہے۔ داخلی دروازے کے اوپر مسجد کا سنِ تعمیر 1420ھ درج ہے۔ مرکزی ہال میں لکڑی کا کام اتنی خوبصورتی سے کیا گیا ہے کہ ماہر کاریگروں کے فن کی داد دینی پڑتی

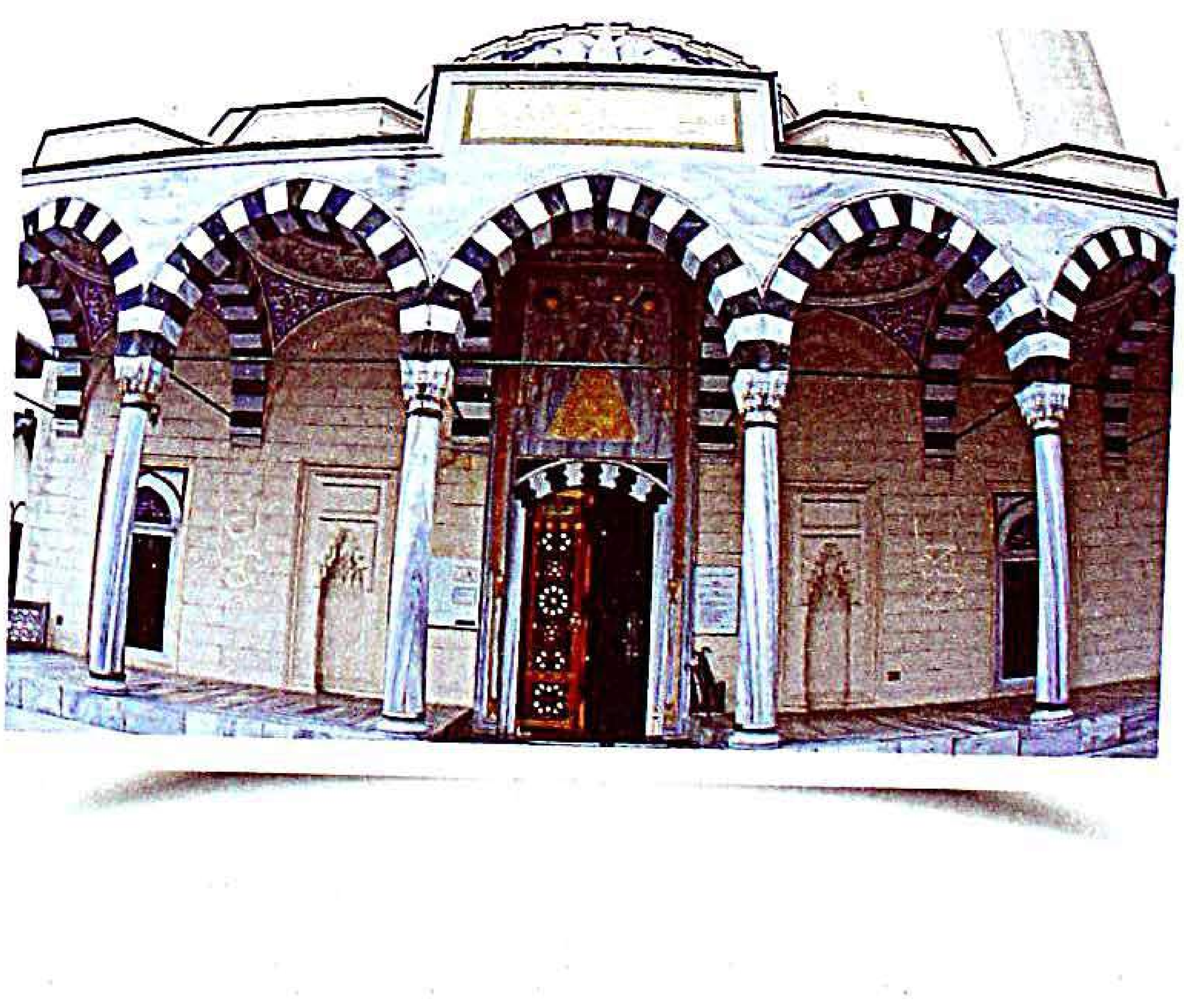


ہے۔ مسجد کا ایک مینار اور ایک بڑا مرکزی گنبد ہے، مینار کی بلندی 136 فٹ اور گنبد کی فرش سے بلندی 77 فٹ ہے۔ گنبد کا قطر 36 فٹ ہے۔

مسجد عثمانی طرز سے تعمیر کی گئی ہے۔ مرکزی ہال میں 2000 نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں اور خواتین کے لیے علیحدہ انتظام کیا گیا ہے۔ اس مسجد کی تعمیر پر ڈیڑھ بلین ین لاگت آئی۔ 30 جون 2000ء کو ترکی کے جاپان میں متعین سفیر یمان باسکل نے اس مسجد کا افتتاح کیا۔ ان کے ساتھ جاپان کے مذہبی امور کے وزیر بھی افتتاحی تقریب میں آئے ہوئے تھے۔ 2004ء میں ترکی کے وزیر اعظم رجب طیّب اردگان نے بھی اس مسجد کا دورہ کیا۔ ان کے ساتھ ترکی کے وزرائے مملکت، ارکان پارلیمنٹ اور جاپان میں ترکی کے سفیر بھی موجود تھے۔









کوبے

جاپان کی بندرگاہ کوبے جزیرہ ہونشو کے جنوبی ساحل پر صنعتی شہر اوساکا کے مغرب میں 30 کلومیٹر پر ہے۔
کوبے کی آبادی تقریباً 16 لاکھ سے زائد ہے۔ جنوری 1995ء میں کوبے میں شدید زلزلہ آیا تھا جس سے 5 ہزار افراد ہلاک ہوئے اور بڑی تباہی ہوئی تھی۔ کوبے میں کاواساکی ہیوی انڈسٹریز اور کوبے سٹیل کے ہیڈ کوارٹر ہیں، نیز ایلی للّی، پروکٹر اینڈ گیمبل اور نیسلے سمیت 100 سے زائد بین الاقوامی کمپنیوں کے جاپانی یا ایشیائی ہیڈ کوارٹر ہیں۔
خلیج اوساکا کے شمالی ساحل پر واقع کوبے کی بنیاد 201ء میں رکھی گئی تھی۔ یہ جاپان کا پانچواں بڑا شہر ہے اور ملک کی چوتھی بڑی کنٹینر پورٹ ہے۔





جامع مسجد کوبے، اوساکا (جاپان)

2010ء کے آخر تک جاپان میں کل مساجد کی تعداد 60 تک پہنچ گئی۔ ان مساجد میں زیادہ تر گزشتہ بیس برس میں تعمیر کی گئیں۔ اوساکا کے قریب 1935ء میں تعمیر ہونے والی مسجد جاپان میں مسلمانوں کی پہلی مسجد ہے۔ 1943ء میں جنگِ عظیم دوم کے دوران جاپانی بحریہ نے اس مسجد پر قبضہ کرلیا لیکن جنگ کے خاتمے کے بعد یہ دوبارہ مسلمانوں کے حوالے کر دی گئی۔ اپنی مخصوص بناوٹ اور تہ خانے کی وجہ سے یہ مسجد بڑے بڑے زلزلوں میں بھی محفوظ رہی۔ ایک بڑے زلزلے کے دوران میں یہ جاپانی فوجیوں کے لیے محفوظ پناہ گاہ بھی بنی۔ یہ مسجد ترکی طرزِ تعمیر میں بنائی گئی ہے۔ اس مسجد کا ماہرِ تعمیرات چیکوسلواکیہ کا باشندہ جان جوزف تھا۔ اس نے جاپان میں کئی مذہبی عبادت گاہوں کے نقشے بنائے تھے۔ اس کی وفات 1969ء میں ہوئی۔ یہ مسجد اب بھی مسلمانوں کے زیرِ استعمال ہے۔ اس کی تعمیر جاپان کے مسلمانوں نے اپنے ذاتی فنڈ سے کی تھی۔



کینیڈا

یہ ملک براعظم شمالی امریکہ کے شمالی حصے اور شمالی جزائر پر مشتمل ہے، اس کے شمال میں بحرِ منجمد شمالی، مشرق میں خلیج بیفن، آبنائے ڈیوس، بحیرۂ لیبریڈار اور بحرِ اوقیانوس، جنوب میں ریاستہائے متحدہ امریکہ (USA) اور مغرب میں بحرالکاہل اور امریکی ریاست الاسکا واقع ہیں۔ یوں کینیڈا کا ایک ہی ہمسایہ (ریاستہائے متحدہ امریکہ) ہے۔ آبنائے ڈیوس اور خلیج بیفن کینیڈا کو گرین لینڈ سے جدا کرتی ہیں جو کہ ڈنمارک کی ملکیت ہے اور دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ شمال میں بہت بڑی خلیج ہڈسن کینیڈا کے اندر تک چلی آئی ہے۔ کینیڈا اور امریکہ کی سرحد (8891 کلومیٹر) طویل ترین بین الاقوامی سرحد ہے جس میں 2475 کلومیٹر لمبی الاسکا کینیڈا سرحد بھی شامل ہے۔

کینیڈا کا رقبہ 9976140 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی تقریباً سوا تین کروڑ ہے۔ ملک کی 76 فیصد آبادی شہروں میں بستی ہے۔ اکثریت انگریزی بولتی ہے جبکہ صوبہ کیوبک میں فرانسیسی بولنے والوں کی اکثریت ہے، اس لیے انگریزی اور فرانسیسی دونوں سرکاری زبانیں ہیں۔ مذہبی لحاظ سے کینیڈا کے 47 فیصد باشندے کیتھولک عیسائی اور 41 فیصد پروٹسٹنٹ عیسائی ہیں اور باقی مسلمان، سکھ، ہندو، یہودی وغیرہ ہیں۔

کینیڈا کے قدیم باشندے اسکیمو اور ریڈ انڈین قبائلی تھے۔ یورپ سے سب سے پہلے فرانسیسی سترھویں صدی میں کینیڈا میں آباد ہونے شروع ہوئے۔ انھوں نے اسے نیو فرانس کا نام دیا۔ جنگ ہفت سالہ (63-1756ء) میں انگریزوں نے کینیڈا فرانس سے چھین لیا۔ نیو فرانس اور برطانوی مقبوضات نیو فاؤنڈ لینڈ، لیبریڈار اور برٹش کولمبیا کو ملا کر انگریزوں نے اسے کینیڈا کا نام دیا۔ 1867ء میں کینیڈا کو داخلی خود مختاری ملی جبکہ 1931ء میں یہ کامل آزادی کا حقدار

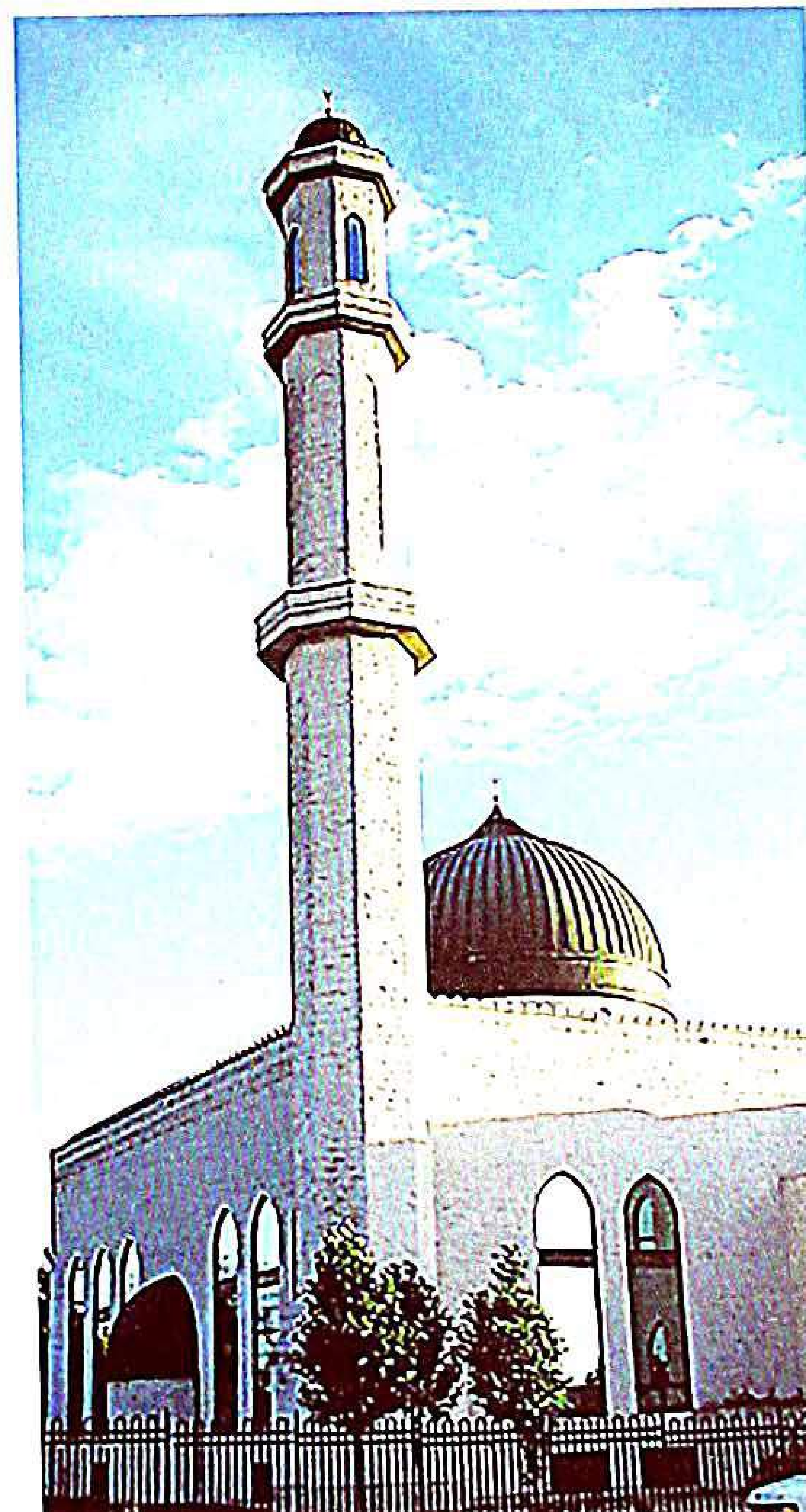


ٹھہرا۔ آزادی سے کینیڈا برطانوی دولت مشترکہ میں شامل ہے۔ دوسری جنگ عظیم (45-1939ء) کے بعد کینیڈا ایک صنعتی قوت بن گیا اور 56-1945ء کے عرصے میں جرمنی اور اٹلی وغیرہ سے بے شمار لوگ کینیڈا میں جا بسے۔ کینیڈا کے مغربی صوبے برٹش کولمبیا میں سکھوں کی بہت بڑی آبادی ہے۔

کینیڈا درج ذیل صوبوں میں بٹا ہوا ہے: نیوفاؤنڈ لینڈ و لیبریڈار، کیوبک، اونٹاریو، مانیٹوبا، ساسکیچوان، البرٹا، برٹش کولمبیا، نوناووت (اس میں جزیرہ بیفن اور ایلس میر وغیرہ بھی شامل ہیں)، نارتھ ویسٹرن ٹریٹری اور یوکان ٹریٹری۔ کینیڈا جزیروں، جھیلوں، دریاؤں اور صنوبری جنگلات کا ملک ہے۔ مغربی کینیڈا میں کوہستان راکی شمال سے جنوب کو ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اندر پھیلتا چلا گیا ہے۔ کینیڈا میں ایلس میر، بیفن، وکٹوریہ اور نیوفاؤنڈ لینڈ چار بڑے جزیرے ہیں۔ امریکی سرحد پر لیک سپیریئر، ہیورن، ایری اور اونٹاریو چار بڑی جھیلیں ہیں جبکہ اندرون ملک ونی پیگ، گریٹ سالٹ لیک اور گریٹ بیئر لیک مشہور جھیلیں ہیں۔ کینیڈا کا شمالی علاقہ زیادہ تر برف سے ڈھکا ہوا ہے۔ دریائے سینٹ لارنس اور دریائے میکنزی بڑے دریا ہیں۔ جھیل ایری اور جھیل اونٹاریو کے درمیان دریائے نیاگرا پر آبشار نیاگرا واقع ہے جس کی بلندی 47 تا 50 میٹر ہے۔

کینیڈا کی زرعی پیداوار میں گندم، مکئی اور معدنی پیداوار میں تیل، گیس، سونا، تانبا اور کوئلہ شامل ہیں۔ صنعتوں میں موٹر کاریں، مشینری، تیل صاف کرنے اور فولاد سازی کے کارخانے قابلِ ذکر ہیں۔ کینیڈا کے مشہور شہر ٹورنٹو، کیلگری، مونٹریال، وینکوور، دارالحکومت اوٹاوا اور ونی پیگ ہیں۔

اسلامک فاؤنڈیشن مسجد، ٹورنٹو (کینیڈا)



اسلامی فاؤنڈیشن نہ صرف ٹورنٹو شہر بلکہ پورے کینیڈا میں سب سے پرانا اسلامی مرکز ہے۔ اس میں ایک بہت بڑی اور خوبصورت مسجد بھی ہے۔ یہ مسجد ٹورنٹو کے مضافاتی علاقہ سکاریورو میں نگٹ ایوینیو اور مرخم کے سنگم پر واقع ہے۔ اس کا 125 فٹ بلند مینار اس چوراہے سے ہر گزرنے والے کی توجہ کا مرکز ہے۔ یہ اسلامی مرکز 1969ء میں قائم کیا گیا تھا۔ 1992ء میں ارہوڈ ایوینیو پر تیس ہزار مربع فٹ زمین خرید کر ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ یہ تین منزلہ خوبصورت عمارت سفید پتھر سے تیار کی گئی ہے۔ اس پر چھ ملین ڈالر کی لاگت آئی۔ مقامی مسلم کمیونٹی نے یہ سارا فنڈ اپنے ذرائع سے حاصل کیا۔ مسجد کی عمارت کا رقبہ 5300 مربع فٹ ہے۔ اس میں مردوں اور خواتین کے لیے نماز کی علیحدہ علیحدہ جگہ مختص کی گئی ہے۔

اس مسجد میں پانچوں وقت نماز کا اہتمام ہے۔ جمعے کو 2000 سے زائد نمازی نماز ادا کرنے آتے ہیں۔ مسجد سے ملحق طلبہ کے لیے بارہ کلاس روم، کچن، کیفے ٹیریا اور لائبریری بھی قائم کیے گئے ہیں۔ پارکنگ ایریا میں دو سو سے زائد گاڑیوں کی پارکنگ کا انتظام ہے۔ اس مرکز میں ایک بورڈ آف ٹرسٹیز ہے جو سارے انتظامات اور اہم امور کا ذمہ دار ہے۔





فلپائن

مغربی بحرالکاہل میں واقع 7100 جزائر کا مجموعۂ فلپائن کہلاتا ہے۔اس کے شمال مشرق میں بحیرۂ فلپائن اور مغرب میں بحیرۂ چین جنوبی ہے، شمال میں تائیوان اور چین اور جنوب میں ملائیشیا اور انڈونیشیا ہمسائے ہیں۔ بڑے جزائر لوزان، منڈاناؤ، پالاوان، سامار، نیگروس، بوہول، لیٹی، منڈورو، پانے، سیبو اور جزائر سولو ہیں۔رقبہ 3 لاکھ مربع کلومیٹر اور آبادی گیارہ کروڑ ہے جس میں 89 فیصد عیسائی اور باقی مسلمان ہیں۔دارالحکومت کیوزون سٹی (28 لاکھ) ہے، دیگر بڑے شہر منیلا (28 لاکھ)، ڈیواؤ (16 لاکھ) سیبو (9 لاکھ)، زمبوانگا (8.5 لاکھ) ہیں۔ جزیرۂ منڈاناؤ اور جزائر سولو میں مسلم اکثریت ہے۔

فلپائن ملائی قوم نے آباد کیا تھا۔ اسلام یہاں ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی عیسوی) میں انڈونیشیا کے راستے



وارد ہوا تھا۔ 1521ء میں جب پرتگالی جہاز ران فرڈیننڈ میگیلن ہسپانوی بحری مہم کی قیادت کرتے ہوئے ان جزائر میں پہنچا، اس وقت منیلا کا راجہ سلیمان تھا۔ میگیلن یہاں لڑائی میں مارا گیا تھا۔ 1565ء میں ہسپانویوں نے یہ جزائر فتح کر کے انھیں ہسپانوی بادشاہ فلپ کے نام پر فلپائن کا نام دیا۔ 1571ء میں انھوں نے منیلا شہر کی بنیاد رکھی اور یہاں کیتھولک مسیحیت کو فروغ دیا۔ 1898ء کی جنگ میں فلپائن امریکہ نے ہتھیا لیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں اس پر جاپان قابض رہا۔ 1946ء میں اسے امریکہ سے آزادی ملی۔ 1965ء سے 1986ء تک یہاں فرڈیننڈ مارکوس نامی آمر نے حکومت کی۔ فروری 1986ء کے انتخابات مارکوس نے دھاندلی سے جیتنے چاہے تو عوامی تحریک اٹھی جس کی تاب نہ لا کر مارکوس ملک سے فرار ہو گیا اور مقتول اپوزیشن لیڈر بینینو اکینو کی اہلیہ کورازون اکینو نے صدارت سنبھالی۔ 1992ء میں امریکہ نے سوبک بے نیول بیس خالی کر دیا۔ اب کورازون کا بیٹا نوئی نوئی اکینو برسرِ اقتدار ہے۔

ہسپانویوں نے اندلس (سپین) کے مسلمانوں کو قدیم بربر علاقے موریتانیا کی نسبت سے مور (Moor) کا نام دیا تھا، چنانچہ وہ فلپائن کے مسلمانوں کو بھی مُور یا مورو کہنے لگے تھے۔

فلپائن صدارتی جمہوریہ ہے اور یہ 79 صوبوں میں بٹا ہوا ہے۔ ملک کی زرعی پیداوار گنا، ناریل، چاول، مکئی، کیلا، کساوا، اناناس اور آم ہیں جبکہ معدنی پیداوار میں تیل، نکل، کوبالٹ، چاندی، سونا، نمک اور تانبا شامل ہیں۔ سکہ پیسو ہے، فی کس آمدنی 3500 ڈالر ہے۔ شرح خواندگی 95.4 فیصد ہے۔ فلپینو (تگالو) اور انگریزی سرکاری زبانیں ہیں۔ تگالو دراصل تگالوگ قبیلے کی زبان ہے جو آبادی (28 فیصد) میں سب سے بڑا ہے۔ اس کے بعد سیبوانو (13 فیصد)، الکانو (9 فیصد) اور بسایا (8 فیصد) ہیں۔

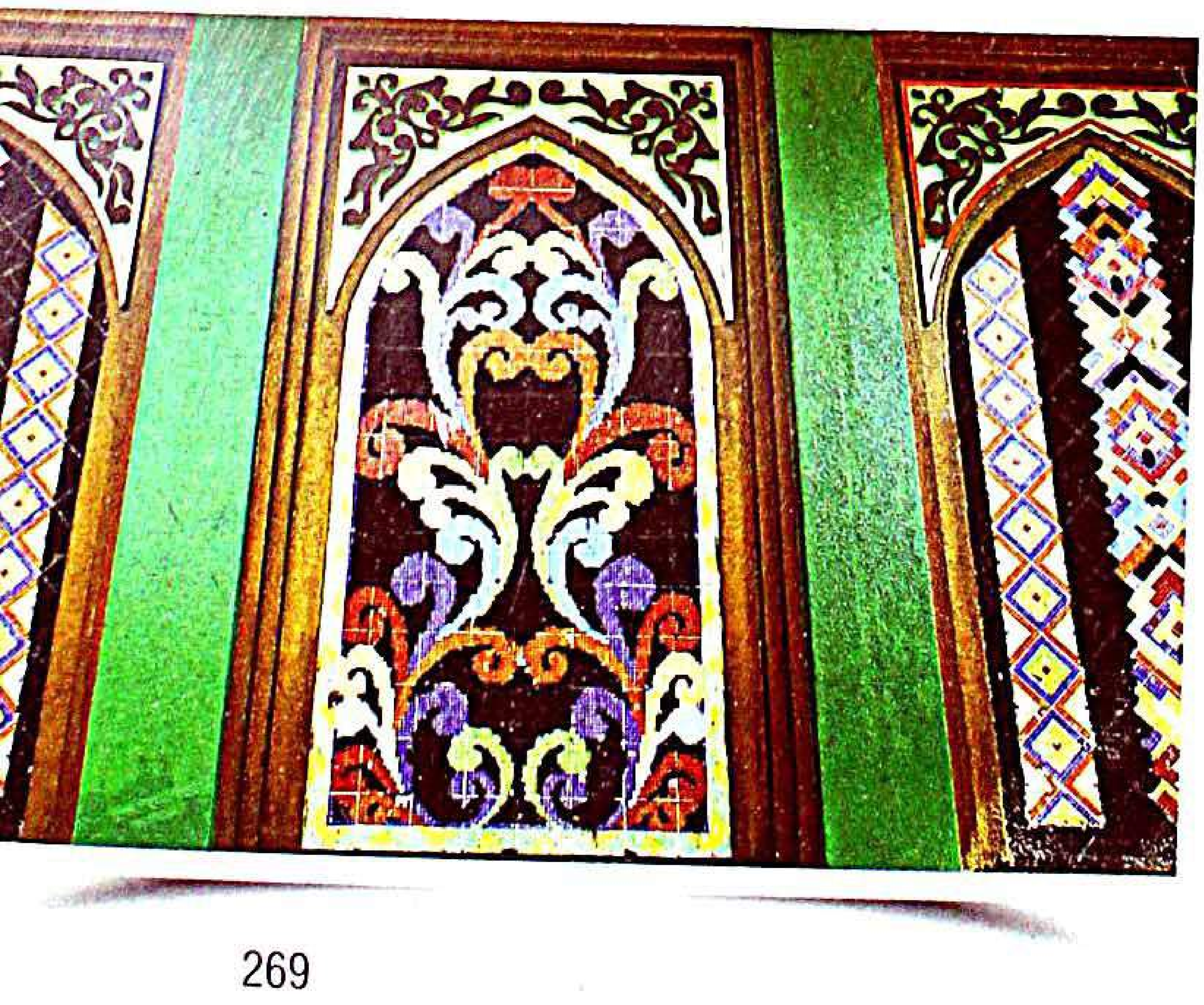
جنوبی فلپائن (منڈاناؤ اور جزائر سولو) کے مسلمان نصف صدی سے علیحدگی کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ ان کی مسلح تحریک مورو لبریشن فرنٹ (MLF) کے نام سے شروع ہوئی جس کے قائد نور مسواری تھے۔ بعد میں اختلافات کی بنا پر ہاشم سلامت کی قیادت میں ایک گروپ نے مورو اسلامک لبریشن فرنٹ (MILF) قائم کر لیا۔ 1996ء میں نور مسواری نے حکومت سے معاہدہ امن کیا جس کے تحت منڈاناؤ میں خودمختار مسلم ریجن کا قیام طے پایا تو MILF نے مسلح جدوجہد کو جاری رکھا۔ اس دوران میں نور مسواری کو مسلم صوبے کا گورنر بنا دیا گیا، تاہم کچھ عرصہ بعد معاہدہ امن کی سرکاری خلاف ورزی کی بنا پر نور مسواری نے حکومت سے علیحدہ ہو کر پھر گوریلا تحریک کی قیادت سنبھال لی جو اب تک جاری ہے۔ نائن الیون کے بعد ابوسیاف گوریلا گروپ کے خلاف امریکی دستے فلپائنی فوج کے ساتھ سرگرم عمل رہے۔ نومبر 2013ء میں جزیرۂ لیٹی میں سمندری طوفان سے 10 ہزار افراد ہلاک ہو گئے۔

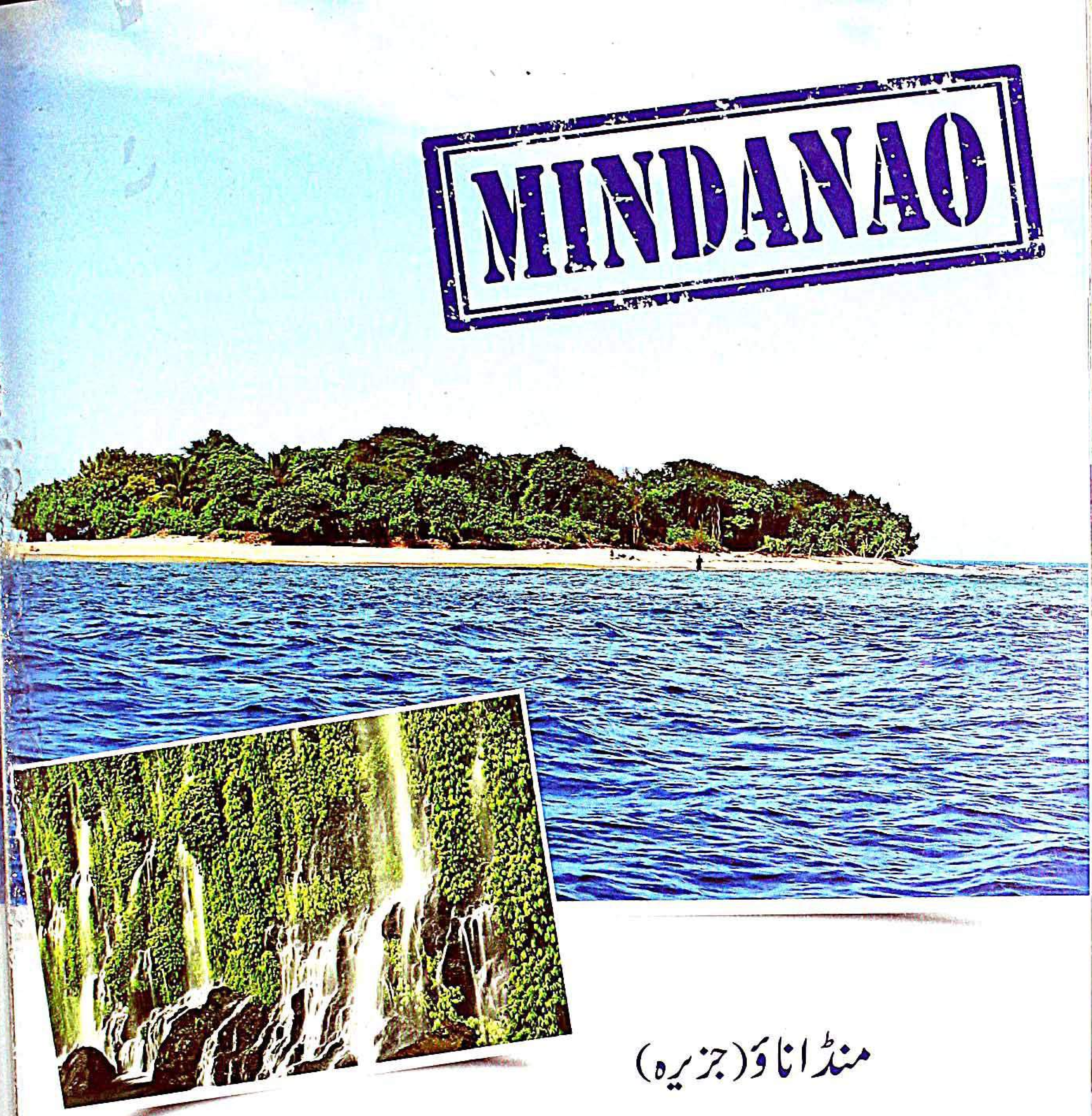


سنہری مسجد، منیلا (فلپائن)

منیلا شہر کے قوایاپو (Quiapo) ڈسٹرکٹ میں مسلمانوں کی کثیر تعداد رہائش پذیر ہے، جن کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ یہیں مسلمانوں کی سب سے بڑی مسجد واقع ہے، جس کا نام سنہری مسجد ہے۔ یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کا گنبد سنہری رنگ کا ہے۔ اس وقت منیلا کی تمام مساجد میں یہ سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس میں 3000 نمازیوں کی گنجائش موجود ہے۔

یہ مسجد 1976ء میں صدر مارکوس کے دور میں خاتونِ اول امیلڈا مارکوس کی نگرانی میں تعمیر ہوئی۔ اسی سال لیبیا کے راہنما صدر معمر قذافی کا سرکاری دورہ طے پا چکا تھا اور فلپائنی حکمران انھیں ایک طرح کا گفٹ پیش کرنا چاہ رہے تھے لیکن کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر صدر قذافی کا دورہ منسوخ ہوگیا، تاہم منیلا کی سب سے خوبصورت مسجد مکمل ہوگئی۔ نمازِ جمعہ اور عیدین کی نماز کے اوقات میں سنہری مسجد مسلمانوں سے بھر جاتی ہے اور یہ دنیا کی چند خوبصورت مساجد میں شمار ہوتی ہے۔





منڈاناؤ (جزیرہ)

فلپائن کے جنوب میں واقع منڈاناؤ لوزون کے بعد ملک کا دوسرا بڑا جزیرہ ہے۔ اس کا رقبہ 98700 مربع کلومیٹر ہے۔ ڈیواؤ، زمبوانگا، کاگایان اور بوتوان اس کے اہم شہر ہیں۔ اس میں فلپائن کی بلند ترین چوٹی آپو (2954 میٹر) واقع ہے۔ منڈاناؤ کے مشرق میں فلپینی سمندری کھائی ہے جس کی بحرالکاہل میں گہرائی 10540 میٹر ہے۔ منڈاناؤ کے جنوب مشرق میں واقع جزائر سولو جنوبی فلپائن کے مسلمانوں کی تحریکِ آزادی کا مرکز رہے ہیں۔ ان دنوں منڈاناؤ میں مسلمانوں کی موروتحریکِ آزادی چل رہی ہے جس کے سربراہ سابق گورنر منڈاناؤ نور مسواری ہیں۔

گرینڈ مسجد، کوتاباتو (فلپائن)

یہ مسجد فلپائن کی سب سے بڑی مسجد ہے جو برونائی کے سلطان حاجی حسن البولکیہ نے فلپائن کے جنوبی صوبے منڈاناؤ کے شہر کوتاباتو (Cotabato) میں پانچ ایکڑ کے رقبے پر تعمیر کروائی۔ یہ پلاٹ وہاں کے ایک مسلمان قبیلے نے تحفے کے طور پر دیا تھا۔ اس مسجد کی تعمیر 2009ء میں شروع ہوئی۔ اس برس برونائی کے سلطان تین روزہ سرکاری دورے پر فلپائن آئے تو انھوں نے اس مسجد کی تعمیر کے تمام اخراجات برداشت کرنے کی یقین دہانی کروائی۔ گرینڈ مسجد اتنی خوبصورت اور عالی شان ہے کہ سارے فلپائن کے مسلمان فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ یہ ہمارے ملک کی انتہائی خوبصورت اور سب سے بڑی مسجد ہے۔ دیکھنے میں یہ مسجد اسلامی طرزِ تعمیر کا شاہکار ہے۔

اس مسجد کو گولڈن مسجد اور حاجی سلطان حسن البولکیہ مسجد کے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے۔ اس کے چار مینار ہیں جن کی بلندی 141 فٹ ہے۔ مسجد میں 40000 نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ یوں تو یہ مسجد 2011ء کے رمضان المبارک میں استعمال کے لیے کھول دی گئی تھی لیکن اس کا باقاعدہ افتتاح اگلے سال عیدالفطر کے دن 2012ء میں ہوا۔ اس کے مینار اوپر سے سنہری ہیں جن پر ہلال نصب کیے گئے ہیں۔ مسجد کی تعمیر پر بیس کروڑ پیسو (48 ملین ڈالر) خرچ ہوئے جو سارے کے سارے سلطان حسن البولکیہ نے برداشت کیے۔ مسجد کے مرکزی ہال کے درمیان ایک دیدہ زیب فانوس لٹک رہا ہے۔ حفاظتی انتظامات کے پیشِ نظر کلوز سرکٹ ٹی وی کیمرے بھی نصب کیے گئے ہیں۔ اس مسجد کی پچھلی جانب جزیرہ بونگ ہے جو خلیج مورو میں گھرا ہوا ہے۔





برطانیہ

برطانیہ عظمیٰ (GB) یا مملکت متحدہ (United Kingdom) جسے مختصراً برطانیہ یا یو کے (UK) لکھا جاتا ہے، مغربی یورپ کا ایک ملک ہے۔ اس کا رقبہ 2,44,880 مربع کلو میٹر اور آبادی 6 کروڑ سے زائد ہے جس میں 84 فیصد انگریز، 9 فیصد سکاٹ، 5 فیصد ویلش اور 3 فیصد آئرش ہیں۔ اس میں جزیرہ برطانیہ اور شمالی آئرلینڈ شامل ہیں۔ اس کے شمال میں بحر اوقیانوس، جنوب میں رودبار انگلستان (English Channel) مشرق میں بحیرۂ شمالی اور مغرب میں بحیرۂ آئرش، آئرلینڈ اور بحیرۂ سیلٹک واقع ہیں۔ جزیرۂ آئرلینڈ جمہوریہ آئرلینڈ اور شمالی آئرلینڈ (برطانوی) میں بٹا ہوا ہے۔ بحیرۂ آئرش جزیرہ برطانیہ کو جزیرۂ آئرلینڈ سے جدا کرتا ہے۔ برطانیہ عظمیٰ (UK) میں درج ذیل چار اکائیاں شامل ہیں: انگلستان (England)، سکاٹ لینڈ، ویلز اور شمالی آئرلینڈ۔ انگلینڈ والے انگریز اور ویلز والے ویلش کہلاتے ہیں۔ جنوبی انگلستان کا مشہور دریا ٹیمز ہے جس کے کنارے لندن واقع ہے جو انگلستان اور برطانیہ کا دارالحکومت اور دارالسلطنت ہے۔ برطانوی مقبوضات میں جبرالٹر، برٹش ویسٹ انڈیز، برمودا، جزائر فاکلینڈ، ساؤتھ جارجیا، سینٹ ہیلینا، اسنشن (بحر اوقیانوس) اور مجمع الجزائر چاگوس (بحر ہند) شامل ہیں۔

جغرافیائی لحاظ سے برطانیہ (Britain) میں انگلینڈ، ویلز، سکاٹ لینڈ اور چھوٹے چھوٹے ملحقہ جزیرے شامل ہیں۔ 1603ء میں جب انگلینڈ اور سکاٹ لینڈ کی بادشاہتیں متحد ہوئیں تو اسے UK یا برطانیہ کہا جانے لگا۔ جیمز اول شاہ برطانیہ عظمیٰ King of Great Britain کہلایا اور 1707ء میں انگلینڈ اور سکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹوں کے اتحاد سے مملکت متحدہ (UK) وجود میں آئی۔

پہلی ہزاری ق م میں ان جزائر میں سیلٹ (Celt) قبائل آباد ہوئے، انھی میں سے ایک قبیلہ برٹین (Britain) کے نام سے جزیرہ برطانیہ مشہور ہوا۔ 55 ق م میں رومی جرنیل جولیس سیزر نے برطانیہ پر حملہ کیا، پھر 43ء میں رومی قیصر کلاڈیس نے انگلینڈ فتح کر لیا۔ رومی یہاں چار صدیوں (43ء سے 450ء) تک قابض رہے۔ قیصر ہیڈریان نے سکاٹ باشندوں کے حملوں سے بچاؤ کے لیے انگلینڈ کے شمال میں ہیڈریان وال تعمیر کی۔ تیسری تا ساتویں صدی عیسوی جرمن نژاد اینگلز اور سیکسن قبائل آکر یہاں آباد ہوئے اور ریاستیں قائم کر لیں۔ اینگلز (Angles) کی نسبت سے نویں صدی میں اس علاقے کا نام انگلینڈ پڑا۔ اینگلو سیکسن ریاستوں میں ویسکس، سسیکس، کینٹ، ایسٹ، اینگلیا، مرسیا، اور نارتھمبریا شامل تھیں۔ اسی زمانے میں یہاں عیسائیت کو فروغ ملا۔ کینٹ کا حکمران ایتھلبرٹ پہلا انگریز بادشاہ تھا جو 601ء میں حلقہ بگوشِ عیسائیت



ہوا۔نویں دسویں صدی میں یہاں ڈنمارک سے آنے والے ڈین بادشاہ حکمران رہے۔1066ء میں نارمنڈی (فرانس) کا ڈیوک ولیم انگلینڈ کو فتح کرکے یہاں حکومت کرنے لگا۔ اس کی اولاد 1399ء تک حکمران رہی۔ رچرڈ اول (1189-99ء) نے تیسری صلیبی جنگ میں سرگرم حصہ لیا اور صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں ناکامی کا داغ لیے انگلستان لوٹ گیا۔فرانسیسی علاقوں پر دعاوی کے لیے انگلستان اور فرانس میں جنگ صد سالہ (1338ء تا 1453ء) لڑی گئی۔ملکہ الزبتھ اول (1558ء تا 1603ء) کے عہد میں ہسپانوی آرمیڈا کو شکست دے کر انگلینڈ بحری طاقت بن گیا۔ انقلاب 1688ء میں بادشاہ پر پارلیمنٹ کی برتری مسلم ہوگئی۔ جنگ ہفت سالہ (1756-63ء) کے دوران میں برطانیہ نے کینیڈا فرانس سے چھین لیا، 1783ء میں امریکی ریاستیں برطانوی تسلّط سے نکل گئیں، تاہم 1757ء تا 1857ء کی صدی میں انگریز ہندوستان، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ پر قابض ہو گئے اور ملکہ وکٹوریہ (1837ء تا 1901ء) کے دور میں برطانیہ دنیا کی سب سے بڑی استعماری سلطنت بن گیا جو دوسری جنگ عظیم کے بعد باقی نہ رہی۔ 1947ء میں ہندوستان کی تقسیم سے برطانوی اقتدار جاتا رہا۔

برطانیہ کے بڑے شہر لندن کی آبادی 87 لاکھ، برمنگھم 24 لاکھ، مانچسٹر 23 لاکھ، ویسٹ یارک شائر 16 لاکھ اور گلاسکو 12 لاکھ ہے۔ سکاٹ لینڈ کا دارالحکومت گلاسکو اور شمالی آئرلینڈ کا دارالحکومت بلغاسٹ ہے۔ نظام دستوری بادشاہت ہے۔ ملکہ الزبتھ دوم فروری 1952ء سے برسرِ اقتدار ہے۔ زرعی پیداوار میں گندم، جو، آلو، آئل سیڈ اور معدنی پیداوار میں کوئلہ، تیل، قدرتی گیس، سیسہ، جست، سونا، قلعی، جپسم، پوٹاشیم شامل ہیں۔ فی کس آمدنی 34800 ڈالر ہے۔ آبادی میں 71.6 فیصد عیسائی، 2.8 فیصد مسلم، ایک فیصد ہندو، 0.6 فیصد سکھ، 0.5 فیصد یہودی اور 15 فیصد لادین ہیں۔ عیسائیوں میں 62 فیصد اینگلیکن اور 13.5 فیصد کیتھولک ہیں۔



مرکزی مسجد، ایڈنبرا (یو کے)

اس مسجد کو کنگ فہد مسجد بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مسجد یہاں کے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا اسلامی مرکز بھی ہے۔ یہ مسجد سکاٹ لینڈ میں ایڈنبرا اور نیشنل میوزیم کے قریب واقع ہے۔ اس کا سنگِ بنیاد 1992ء میں رکھا گیا اور چھ سال میں یہ مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچی اور اس کا افتتاح 31 جولائی 1998ء بمطابق 8 ربیع الثانی 1419ء کو سعودی شاہ فہد بن عبدالعزیز کے صاحبزادے پرنس عبدالعزیز بن فہد نے کیا۔ مسجد کا ڈیزائن ایک ماہرِ تعمیرات باسل الباقی نے تیار کیا۔ اس کی تعمیر پر 15 ملین سعودی ریال (3.5 ملین پاؤنڈ) خرچ ہوئے۔ اس میں 90 فیصد رقم شاہ فہد نے بطور عطیہ دی۔ مسجد کے مرکزی ہال میں 1100 نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اوپر کی بالکونی میں دو سو خواتین بھی نماز پڑھ سکتی ہیں۔ مسجد کے دو گنبد اور ایک مینار ہے۔ مرکزی ہال میں بہت قیمتی اور عالیشان قالین بچھایا گیا ہے اور گنبد کے نیچے ہال میں ایک شاندار فانوس لٹک رہا ہے۔ دورانِ تعمیر شاہ فہد کے صاحبزادے شہزادہ عبدالعزیز اس منصوبے کے سرپرست تھے۔

اس مسجد کی تعمیر سے قبل یہاں کوئی مسجد موجود نہ تھی اور روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کے پیشِ نظر یہاں پر ایک مسجد کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ اس طرح مقامی سٹی کونسل کے تعاون سے یہ مسجد تعمیر کی گئی۔ اس اسلامی مرکز میں ایک لائبریری، لیکچر ہال اور طلبہ کے لیے کلاس روم بھی بنائے گئے ہیں۔

مرکزی مسجد برمنگھم (یوکے)

برمنگھم کی مرکزی مسجد ایک اسلامک سنٹر بھی ہے۔ پورے یورپ میں مسلمانوں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اس مسجد میں 6000 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ عیدین کے موقع پر جب مسجد کے سامنے اور اطراف میں بھی صفیں بچھائی جاتی ہیں تو نمازیوں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ خواتین کے لیے علیحدہ جگہ مخصوص ہے جبکہ مرکزی ہال میں 2500 نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

گزشتہ صدی کی ساٹھ کی دہائی میں مسجد کی زمین کے حصول کے بعد جب اس کی تعمیر کے لیے فنڈ کا مسئلہ درپیش آیا تو مسجد کے ٹرسٹی، بزنس کمیونٹی سے ملے۔ ان میں مسلم اور غیر مسلم سبھی شامل تھے جب کافی فنڈ اکٹھا ہو گیا تو مسجد کی تعمیر شروع کر دی گئی اور 1969ء میں یہ مکمل ہو گئی۔



1986ء میں مسلمانوں کو لاؤڈ سپیکر میں اذان کی اجازت کا مسئلہ پیش آیا تو اردگرد مقیم غیر مسلموں نے احتجاج کیا کہ ہمارے آرام میں خلل پڑے گا، لہٰذا معاملہ عدالت میں چلا گیا۔ جج نے مسلم کمیونٹی سے وضاحت طلب کی تو مسلمانوں نے یہ جواز پیش کیا کہ جب ہمارے اردگرد ان کے کلیساؤں کی گھنٹیاں بجتی ہیں تو انھیں اجازت ہے، اسی بنیاد پر جج نے مسلمانوں کو بھی مسجدوں کے لاؤڈ سپیکر میں اذان دینے کی اجازت دی اور یوں یہ مسئلہ خوش اسلوبی سے حل ہو گیا۔

اس مسجد کا ایک مینار اور ایک بڑا گنبد ہے۔ گنبد کے اوپر ستارہ و ہلال کا نشان بنا ہوا ہے۔ مینار کی چوٹی کے اوپر ایک چھوٹے سنہری گنبد کا 1981ء میں اضافہ کیا گیا۔ مسجد کے داخلی دروازے کی پیشانی پر جلی حروف میں کلمہ طیبہ نہایت خوبصورت انداز میں تحریر ہے۔ راقم کے عزیز دوست مولانا عبیدالرحمٰن ضیاء ہر دوسرے تیسرے سال وہاں برمنگھم کے مسلمانوں کی دعوت پر تشریف لے جاتے ہیں اور مرکزی مسجد میں لوگ مولانا کی پُرترنم اور دلوں میں اترنے والی تقریروں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

نیدر لینڈ (ھالینڈ)

مغربی یورپ کا یہ ملک بحیرۂ شمالی کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کے مشرق میں جرمنی، جنوب میں بلجیم اور شمال اور مغرب میں بحیرۂ شمالی واقع ہے۔ جرمنی سے آنے والا دریائے رائن نیدر لینڈ کے وسط سے بہہ کر بحیرۂ شمالی میں گرتا ہے۔ روٹرڈم کی بندرگاہ اسی دریا پر واقع ہے۔ نیدر لینڈ کی آبادی ایک کروڑ 70 لاکھ اور رقبہ 41,543 مربع کلومیٹر ہے۔ نیدر لینڈ ہموار ملک ہے اور سطح سمندر سے اس کی اوسط بلندی 37 فٹ ہے اور خاصا رقبہ سطح سمندر سے نیچے ہے جسے 1500 میل لمبے پشتوں کے ذریعے سمندر سے حاصل کیا گیا ہے۔ دارالحکومت ایمسٹرڈم خلیج اِجسلمیر کے ساحل پر واقع ہے جسے حکومت 1920ء سے پانی سے خالی کرتی آ رہی ہے۔ ایمسٹرڈم کی آبادی ساڑھے دس لاکھ ہے جبکہ بندرگاہ ہیگ میں ساڑھے چھ لاکھ اور روٹرڈم میں سوا دس لاکھ افراد بستے ہیں۔ آبادی میں رومن کیتھولک 30 فیصد، ڈچ ریفارمڈ 11 فیصد، کیمونسٹ 6 فیصد، دیگر پروٹسٹنٹ 3 فیصد، مسلمان 6 فیصد اور 42 فیصد لادین (دہریے) ہیں۔ مسلمانوں میں انڈونیشی، ترک، مراکشی اور سرینامی شامل ہیں۔ ڈچ اور فریسین سرکاری زبانیں ہیں۔ تقریباً 83 فیصد آبادی شہروں میں بستی ہے۔

ہالینڈ میں آئینی بادشاہت ہے۔ ملکہ بیٹرکس 1980ء سے برسرِاقتدار ہیں۔ بحیرۂ شمالی کے ساحل پر واقع ہیگ ڈچ حکومت کا انتظامی مرکز اور صوبہ جنوبی ہالینڈ کا دارالحکومت ہے۔ ہیگ میں بین الاقوامی عدالت انصاف (ICJ) کام کرتی ہے۔ ملکی دارالحکومت ایمسٹرڈم تقریباً 90 جزیروں پر آباد ہے جن کے درمیان نہریں حائل ہیں، ایمسٹرڈم چودھویں صدی سے اہم بندرگاہ ہے۔ یہاں ہیروں کی صنعت مشہور ہے۔ نیدر لینڈ کے باشندے اور ان کی زبان جرمن نژاد ہونے کے باعث ڈچ (Dutch) کہلاتے ہیں، یہ اصطلاح جرمن زبان سے مستعار ہے جیسا کہ جرمن میں ملک جرمنی کو ڈوچ لانڈ کہا جاتا ہے۔ ہالینڈ پورے ملک کو بھی کہا جاتا رہا ہے اور اس کے ایک ساحلی صوبے کا نام بھی ہالینڈ تھا جو اب دو صوبوں شمالی ہالینڈ اور جنوبی ہالینڈ میں بٹا ہوا ہے۔ ''ہالینڈ'' کے معنی ہیں ''لکڑی کی سرزمین''۔

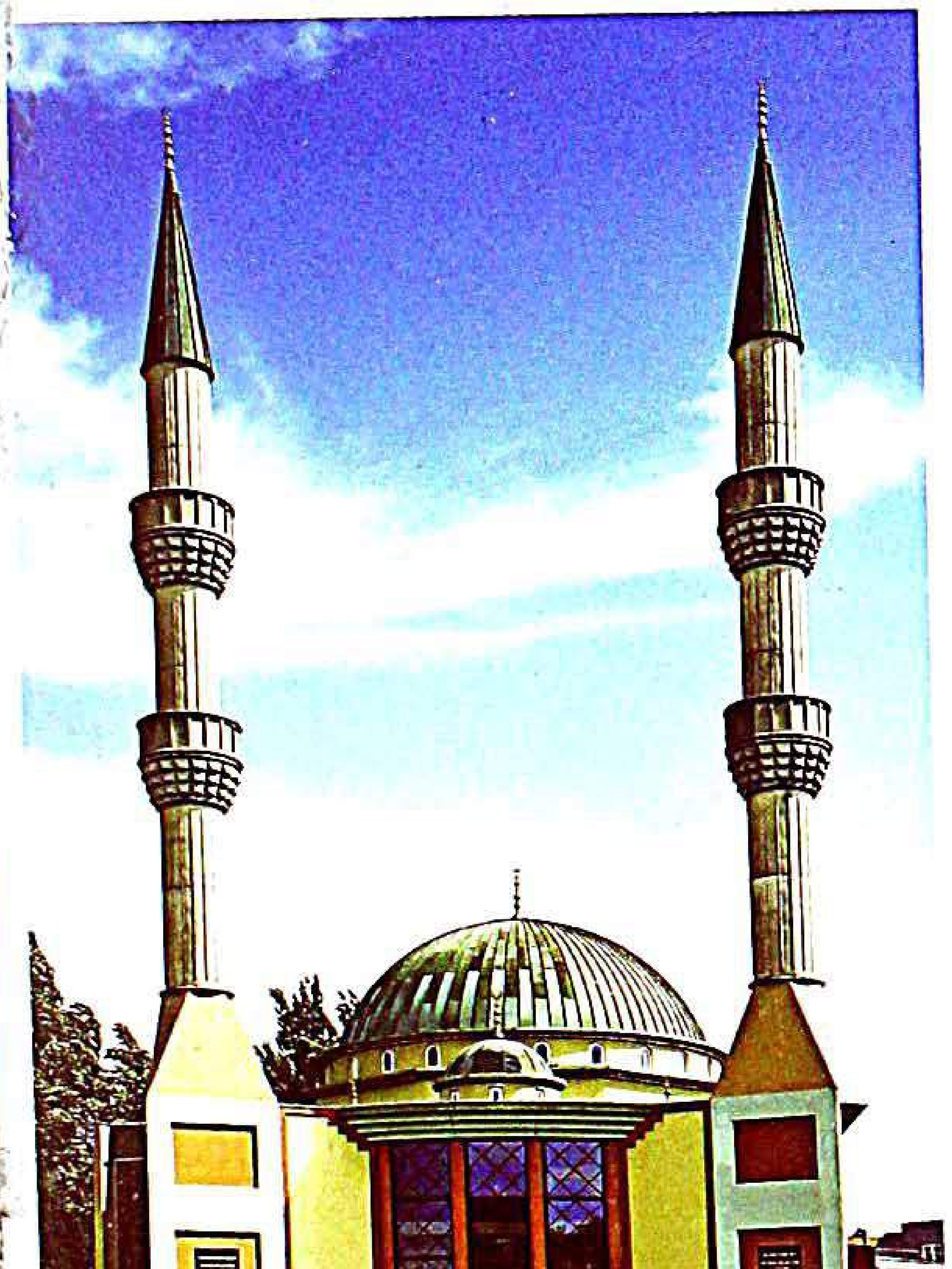


رومی جرنیل جولیس سیزر نے 55 ق م میں نیدرلینڈ فتح کیا تھا جب یہاں سیلٹ اور جرمانک قبائل آباد تھے۔ شاہ فرانس چارلس اعظم (شارلیمین) کی سلطنت ٹوٹی تو نیدرلینڈز (ہالینڈ، بلجیم اور فلانڈرس) کے حصے بخرے ہو گئے اور یہاں کاؤنٹ (نواب)، ڈیوک اور بشپ حکومت کرنے لگے۔ پھر ہالینڈ پر برگنڈی (فرانس) اور اس کے بعد سپین کا قبضہ رہا۔ 1581ء میں ہالینڈ نے سپین سے آزادی حاصل کر لی۔ سترھویں صدی عیسوی میں نیدرلینڈ ایک بحری اور استعماری قوت بن کر ابھرا۔ (1795ء تا 1813ء) نیدرلینڈ اور بلجیم پر فرانس کا تسلط رہا۔ 1815ء میں ویانا کی کانگرس سے نیدرلینڈز کی بادشاہت وجود میں آئی، جس میں بلجیم بھی شامل تھا۔ 1830ء میں بلجیم نے علیحدگی اختیار کر لی۔ پہلی جنگِ عظیم میں نیدرلینڈ غیر جانبدار رہا، تاہم دوسری جنگ عظیم میں جرمنی اس پر قابض رہا۔ 1949ء میں ڈچ استعمار سے انڈونیشیا کو آزادی ملی۔ نومبر 2004ء میں ڈچ فلمساز تھیووان گوگھ کو گولی ماردی گئی جس نے ایک دل آزار فلم بنا کر توہین رسالت کا ارتکاب کیا تھا۔ قتل کے الزام میں ایک مراکشی مسلمان کو سزا سنائی گئی۔ جون 2010ء کے پارلیمانی انتخابات اسلام دشمن جماعت فریڈم پارٹی نے جیت لیے جس کا سربراہ گیرٹ ولڈر خلافِ اسلام فلم ''فتنہ'' بنا چکا ہے۔

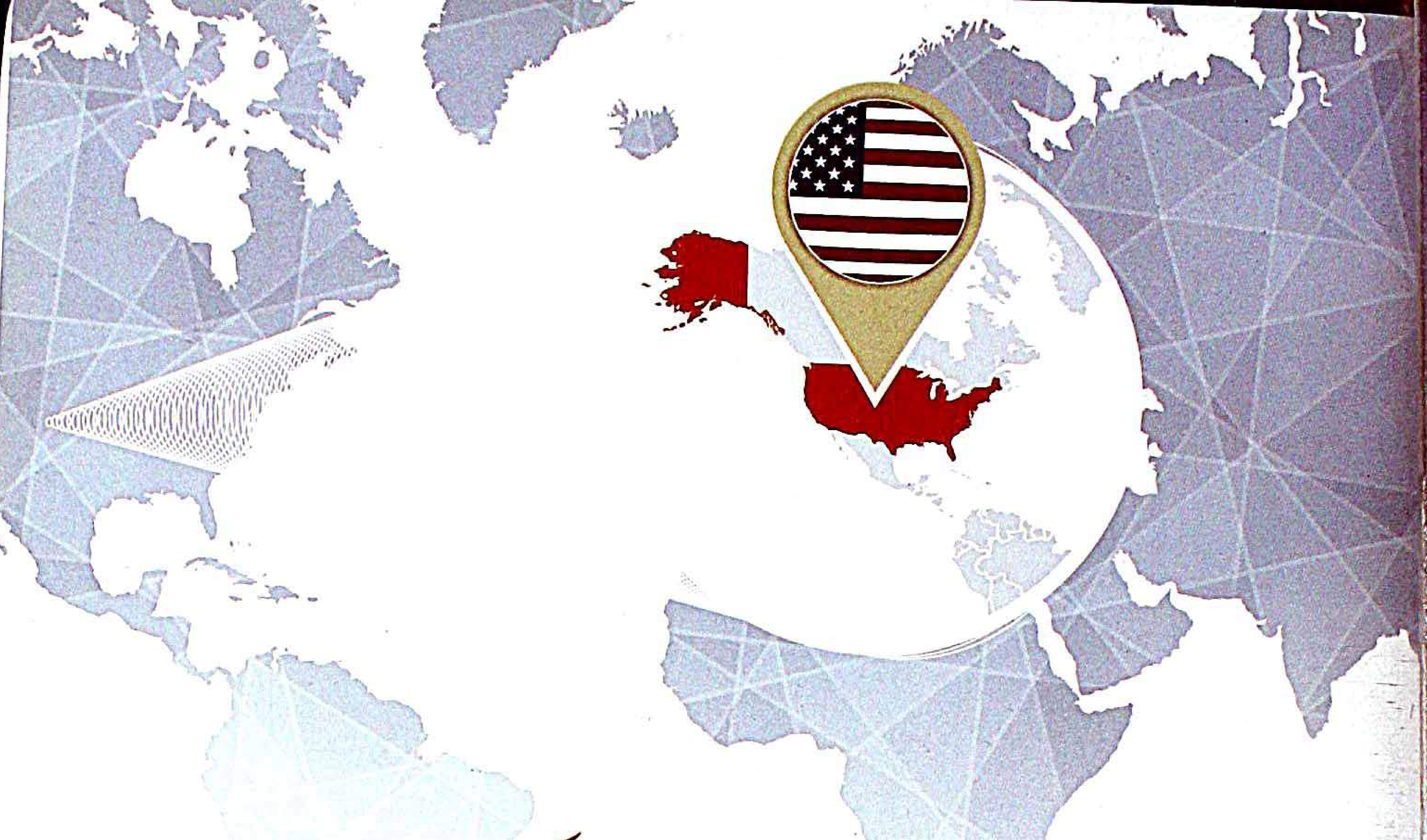
ہالینڈ کی بڑی فصلیں گندم، آلو، چقندر اور پھول ہیں۔ معدنی وسائل میں قدرتی گیس، پٹرولیم، چونے کا پتھر اور نمک شامل ہیں۔ سکہ یورو ہے۔ فی کس آمدنی 40,300 ڈالر ہے۔ شرح خواندگی 99 فیصد ہے۔ ویسٹ انڈیز (جزائر غرب الہند) میں نیدرلینڈز اینٹلز، کوراکاؤ، بونیئر، سینٹ مارٹن اور اروبا نامی جزیرے نیدرلینڈ کی ملکیت ہیں۔



مولانا روم مسجد
روٹرڈیم (نیدرلینڈ) یورپ



یہ مسجد نیدر لینڈ (ہالینڈ) میں دنیا کی معروف ترین بندرگاہ روٹرڈیم میں بنائی گئی ہے۔ اسے روٹرڈیم میں مقیم ترک مسلمانوں نے 2001ء میں تعمیر کروایا۔ یہ ترک دوسری جنگ عظیم (45-1939ء) کی تباہی کے بعد تعمیراتی کاموں کے سلسلے میں یہاں آباد ہوئے تھے جب اس ملک میں کارکنان کی شدید قلت تھی۔ یہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس مسجد کے دو مینار ہیں جن کی بلندی 111 فٹ ہے۔ مسجد کی تعمیر میں یورپی اور عثمانی طرز نمایاں ہے۔ 2006ء میں وہاں کے مسلمانوں کی رائے کے مطابق یہ مسجد نہایت پرکشش اور خوبصورت مساجد میں سے ایک ہے۔



ریاست ہائے متحدہ امریکہ

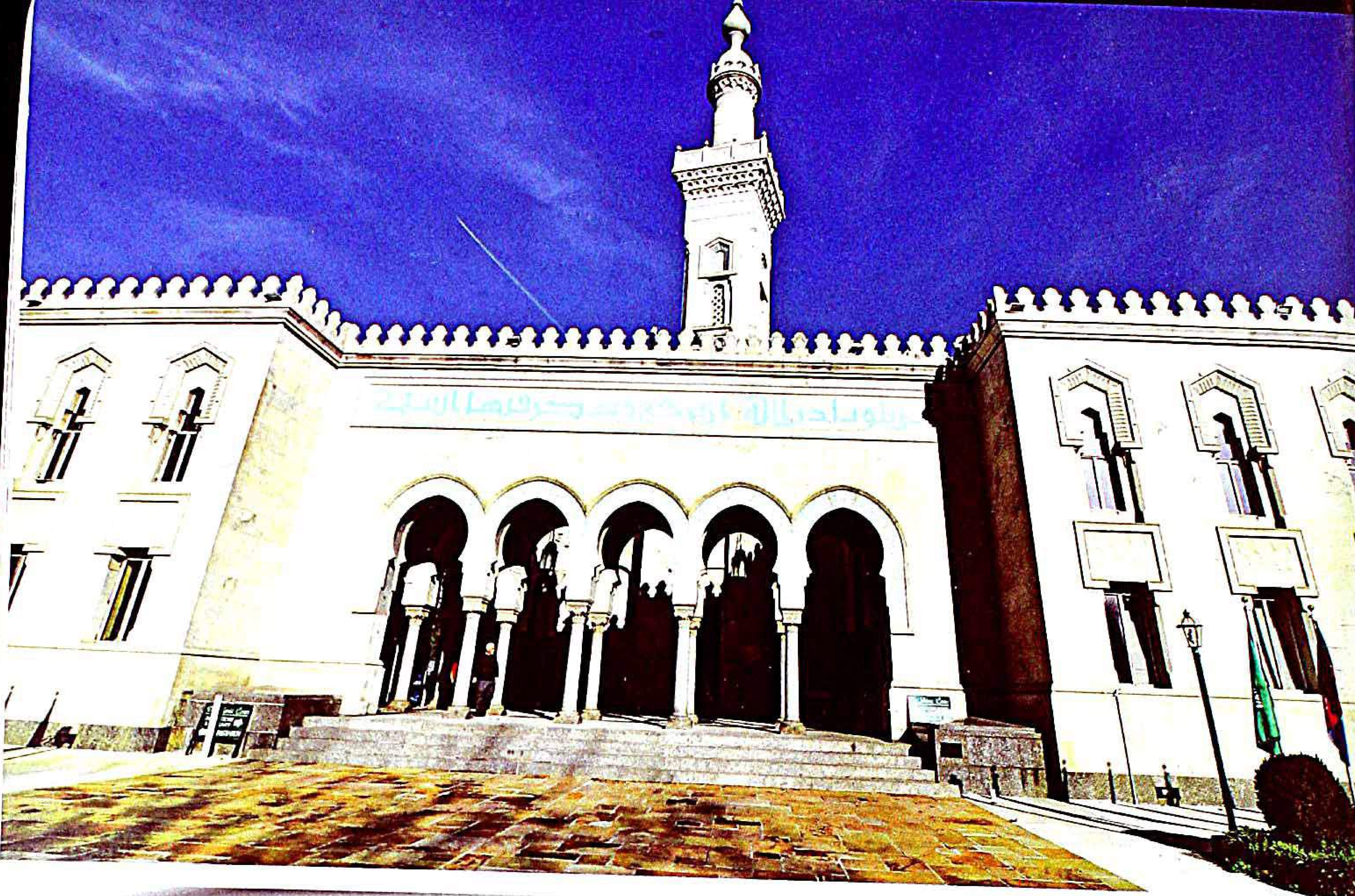
ریاست ہائے متحدہ امریکہ (United States of America) جو مختصراً USA یا "امریکہ" کہلاتا ہے، براعظم شمالی امریکہ کے اندر بحراوقیانوس اور بحرالکاہل کے درمیان واقع ہے۔ اس کے شمال میں کینیڈا اور جنوب میں میکسیکو اور خلیج میکسیکو واقع ہیں۔ اس کی ایک ریاست الاسکا کینیڈا کے شمال مغرب میں ہے اور ایک اور ریاست ہوائی بحرالکاہل کے وسط میں واقع ہے۔ علاوہ ازیں جزیرہ پورٹوریکو (ویسٹ انڈیز) اور گوام وغیرہ جزیرے (بحرالکاہل) اس میں شامل ہیں۔ اس کی آبادی تقریباً 30 کروڑ ہے۔ یوں بلحاظ آبادی چین اور بھارت کے بعد امریکہ دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے۔ یہاں 80 فیصد سفید فام، 13 فیصد سیاہ فام (افریقی النسل) اور 4 فیصد ایشیائی رہتے ہیں۔ مذہب کے لحاظ سے پروٹسٹنٹ عیسائی (81 فیصد)، رومن کیتھولک عیسائی (24 فیصد)، مورمن 2 فیصد اور یہودی 1.7 فیصد ہیں۔ علاوہ ازیں مسلمان 0.6 فیصد، بدھ 0.7 فیصد اور ہندو 0.4 فیصد ہیں۔ دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی ہے جس کی آبادی تقریباً 65 لاکھ ہے۔ نیویارک (80 لاکھ)، شکاگو (27 لاکھ)، لاس اینجلس (38 لاکھ)، فلاڈلفیا (15.5 لاکھ)، بوسٹن (سوا 6 لاکھ)، اٹلانٹا (سوا 4 لاکھ) اور سان فرانسسکو (سوا 8 لاکھ) بڑے شہر ہیں۔

امریکہ کا رقبہ 9526468 مربع کلومیٹر ہے۔ یوں امریکہ رقبے کے لحاظ سے روس، کینیڈا اور چین کے بعد دنیا کا چوتھا بڑا ملک ہے۔ 1788ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ (یو ایس اے) کی ابتدائی تیرہ ریاستوں کا کل رقبہ 888685 مربع میل (تقریباً 23 لاکھ مربع کلومیٹر) تھا، یعنی سعودی عرب سے کچھ زیادہ۔ اس کے بعد رقبے میں اضافہ یوں ہوا:

شاہ فرانس نپولین سے خریدا(1803ء)	8,27,192	مربع میل
فلوریڈا اسپین سے چھینا(1819ء)	72,003	مربع میل
9 سال سے آزاد ملک ٹیکساس کا الحاق (1845ء)	72,003	مربع میل
اوریگان کا مفتوحہ علاقہ (1846ء)	2,85,680	مربع میل
کیلیفورنیا و دیگر ریاستیں جو میکسیکو سے جنگ میں ہتھیالیں (1848ء)	5,29,017	مربع میل
نیو میکسیکو کا علاقہ جو میکسیکو سے خریدا (1854ء)	29,640	مربع میل
الاسکا جو روس سے خریدا (1867ء)	5,86,412	مربع میل
جمہوریہ ہوائی ہتھیالیا (1898ء)	6,450	مربع میل
پورٹوریکو اور گوام سپین سے جنگ میں چھینے (99-1898ء)	3,840	مربع میل
امریکی سموا، امریکی ورجن جزائر، شمالی میریانا (1900ء اور اس کے بعد)	388	مربع میل

امریکہ میں دنیا کا تیسرا بڑا دریا مسوری، مسسپی واقع ہے جو ریاست مونٹانا میں اپنے سرچشمے سے لے کر اپنے دہانے (خلیج میکسیکو) تک 3710 میل لمبا ہے۔ یہ دراصل دو دریا ہیں: مسسپی جو شمال سے آتا ہے اور مسوری جو شمال مغرب سے 2540 میل کا فاصلہ طے کر کے سینٹ لوئیس شہر کے قریب دریائے مسسپی سے آملتا ہے۔

جدید امریکی تاریخ کا آغاز 1524ء سے ہوا جب پہلی برطانوی کالونی جیمز ٹاؤن (ورجینیا) میں بسائی گئی۔ 1624ء میں ڈچ قوم نے نیویارک کے علاقے میں نیونیدر لینڈ کے نام سے کالونی بسائی اور نیو ایمسٹرڈم شہر آباد کیا جس پر 1664ء میں انگریزوں نے قبضہ کر کے اسے نیویارک کا نام دیا۔ 83-1776ء میں 13 امریکی ریاستوں نے برطانیہ کے خلاف جنگ کر کے آزادی حاصل کر لی اور جارج واشنگٹن امریکہ کا پہلا صدر بنا۔ 1814ء میں برطانوی فوج نے حملہ کر کے واشنگٹن ڈی سی میں ایوان صدر، کیپٹل اور دیگر عمارات جلا دیں۔ 1861ء میں سولھویں امریکی صدر جارج واشنگٹن کے عہد میں غلامی کی حامی جنوبی ریاستوں نے بغاوت کر کے الگ ریاست بنالی جو بڑی خونریزی کے بعد 1865ء میں ختم ہوئی۔ 99-1898ء کی امریکہ سپین جنگ میں امریکہ نے فلپائن، گوام اور پورٹوریکو ہتھیا لیے۔ پہلی جنگ عظیم (18-1914ء) اور دوسری جنگ عظیم (45-1939ء) میں اتحادیوں (برطانیہ، فرانس اور روس) کا ساتھ دیا۔ 53-1950ء میں جنگ کوریا اور 75-1965ء میں جنگ ویت نام ہوئی جن میں ایک لاکھ سے اوپر امریکی فوجی مارے گئے۔ 1991ء اور 2003ء میں عراق پر اور 2001ء میں افغانستان پر حملے کیے۔



مرکزی جامع مسجد، واشنگٹن ڈی سی (یو ایس اے)

واشنگٹن سٹی کے مرکز میں واقع اسلامک سنٹر نہ صرف مسلمانوں کا ایک ثقافتی مرکز بلکہ ایک بہت بڑی مسجد بھی ہے۔ یہ میساچوسٹس ایوینیو پر دریائے پوٹامک کے پل کے قریب Embassy Row میں واقع ہے۔ اس مسجد کے اردگرد کثیر تعداد میں سفارت خانے موجود ہیں۔ جب یہ اسلامک سنٹر 1957ء میں تیار ہوا تو مغربی دنیا میں یہ مسلمانوں کی سب سے بڑی مسجد تھی۔ اس مسجد میں تقریباً 75 ممالک کے 6000 نمازی بیک وقت نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں۔

دراصل یہ مسجد ایک حادثے کے باعث تعمیر کی گئی۔ 1944ء میں ترکی کے سفیر منیر اردگان یہاں فوت ہوئے تو تمام شہر میں ان کی آخری رسومات ادا کرنے کے لیے کوئی مخصوص جگہ یا مسجد نہ تھی، چنانچہ واشنگٹن ڈی سی میں مقیم مسلم سفراء نے اس پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کیا کہ شہر میں مسلمانوں کی ایک بڑی مسجد کا قیام نہایت ضروری ہے۔ اس خیال کو عملی شکل دینے کے لیے مقامی مسلم کمیونٹی کے نمائندے آگے بڑھے۔ دنیائے اسلام کے سب ممالک سے اس مسجد کی تعمیر کے لیے فنڈز کی پیشکش ہوئی۔ 1946ء میں مناسب جگہ خریدی گئی۔ مسجد کا نقشہ اٹلی کے ایک ماہرِ تعمیرات پروفیسر ماریو روسی نے تیار کیا۔ ماریو روسی مصر میں کئی خوبصورت مساجد کے ڈیزائن بنا چکے تھے۔ گیارہ جنوری 1949ء کو اس مسجد کا سنگِ بنیاد رکھ



دیا گیا۔ نو سال کے عرصے میں مسجد مکمل ہوگئی اور اس کی افتتاحی تقریب میں صدر آئزن ہادو نے خصوصی طور پر شرکت کی اور 28 جون 1957ء کو مسجد کا افتتاح عمل میں آ گیا۔

اس مسجد کے واحد مینار کی بلندی 160 فٹ ہے۔ نمازِ جمعہ اور عیدین کے وقت با آسانی 6000 نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کی تکمیل کے بعد شاہِ ایران رضا شاہ پہلوی نے ایران سے بطورِ خاص قالینوں کا تحفہ بھیجا اور ترکی کی حکومت نے مسجد کی دیواروں پر لگانے کے لیے ٹائلیں اور مصر نے ایک خوبصورت فانوس بھیجا۔ اس مسجد کے باہر تمام مسلم ممالک کے جھنڈے لگے ہوئے ہیں۔

اس مسجد کے نظامِ کار کو چلانے کے لیے ایک بورڈ آف گورنر بنایا گیا ہے جو واشنگٹن میں مسلم ممالک کے سفیروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ مسلم سربراہانِ مملکت بھی اس مسجد میں نماز ادا کرنے آتے ہیں۔ سانحہ نائن الیون کے چھ دن بعد یہاں صدر جارج ڈبلیو بش تشریف لائے اور انھوں نے یہاں واضح الفاظ میں امریکیوں کو یقین دہانی کرائی کہ مسلمانوں کی اکثریت امن پسند ہے اور سب مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام قطعاً نہیں لگایا جا سکتا۔



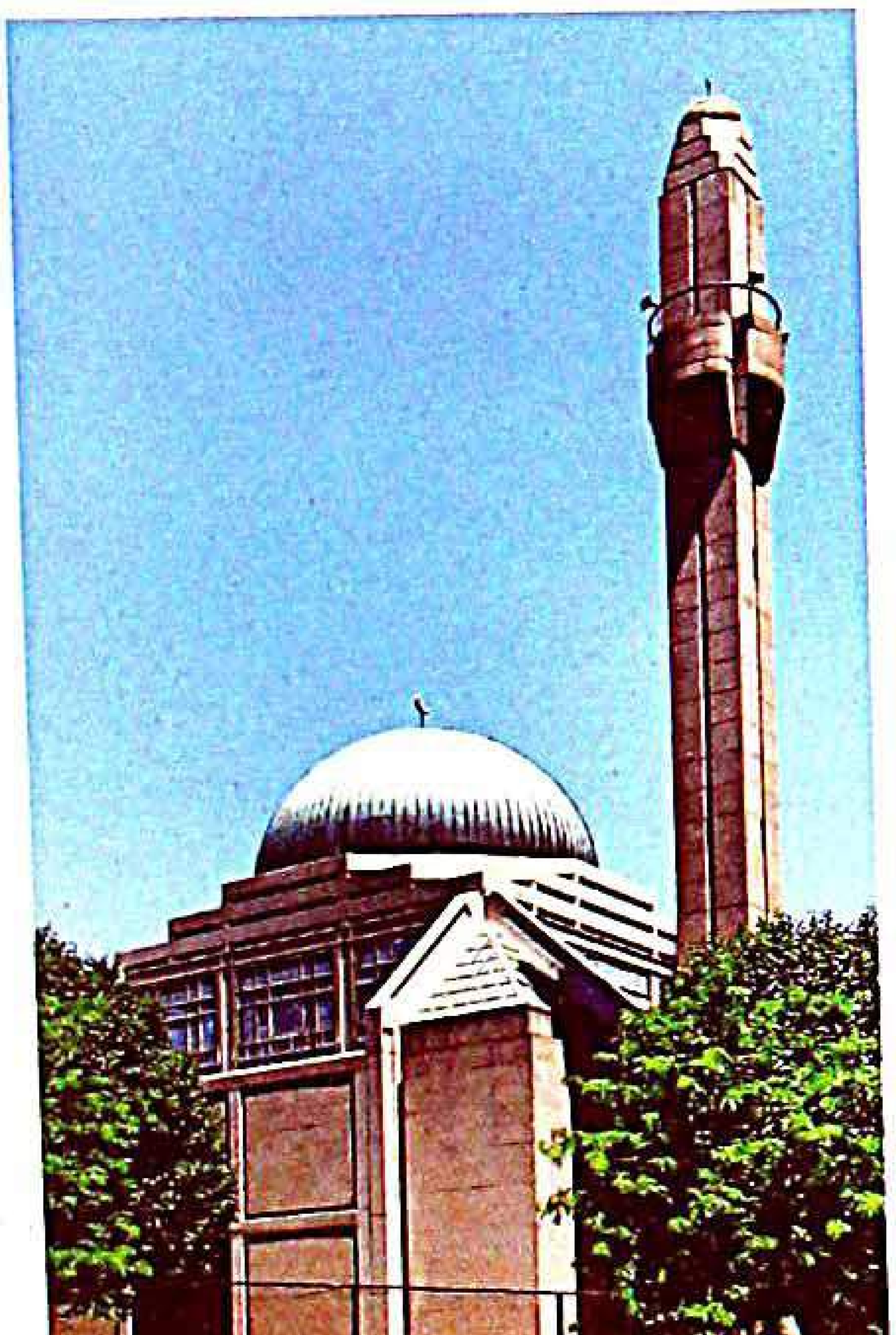
نیویارک (شہر)

یہ ریاست نیویارک کے جنوب مشرق میں بحراوقیانوس کے ساحل پر امریکہ کی ایک بڑی بندرگاہ ہے۔ نیویارک شہر دریائے ہڈسن کے کنارے واقع ہے۔ اس کی آبادی 80 لاکھ کے قریب ہے۔ یورپی مہم جو پہلی بار 1609ء میں دریائے ہڈسن میں داخل ہوئے تھے اور نیویارک کا جزیرہ مین ہیٹن دریافت کیا تھا۔ 1628ء میں ڈچ لوگوں نے ریڈ انڈینز سے مین ہیٹن 24 ڈالر کی معمولی اشیاء کے عوض خرید لیا اور اسے آباد کر کے یورپی شہر ایمسٹرڈم کے نام پر نیو ایمسٹرڈم کا نام دیا۔ 1664ء میں اس پر برطانویوں نے قبضہ کر لیا اور ڈیوک آف یارک کے اعزاز میں اسے نیویارک کہا گیا۔ نیویارک زیادہ تر جزیروں پر واقع ہے جو پلوں سے ملے ہوئے ہیں۔ یہ شہر پانچ بوروز (Boroughs) میں بٹا ہوا ہے: مین ہیٹن، بروکلین، برونکس، کوئینز، سٹیٹن آئی لینڈ۔ مین ہیٹن کی وال سٹریٹ میں ملک کا مالیاتی مرکز (سٹاک ایکس چینج) واقع ہے۔ یہاں فلک بوس عمارات ہیں جن میں سے بلند ترین ورلڈ ٹریڈ سنٹر 11 ستمبر 2001ء کے سانحے میں اس کے دونوں ٹاور طیارے ٹکرانے سے تباہ ہو گئے۔ نیویارک میں اقوام متحدہ کے دفاتر اور مجسمہ آزادی واقع ہے جو فرانس نے بطور تحفہ امریکی آزادی کی سویں سالگرہ (1889ء) پر پیش کیا تھا۔



اسلامک سنٹر مین ہیٹن (نیویارک) امریکہ

یہ نیویارک شہر کی سب سے پہلی مسجد ہے۔ یہ مسجد نیویارک شہر کے ڈاؤن ٹاؤن (مرکزی حصے) مین ہیٹن میں تھرڈ ایوینیو اور 96 ویں 97 ویں سٹریٹ کے سنگم پر واقع ہے۔ نیویارک شہر میں 1960ء ہی سے مسلم کمیونٹی کی طرف سے مسجد کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا۔ ریورسائڈ ڈرائیو کی 72 ویں سٹریٹ پر پہلے ایک چھوٹی سی مسجد بنائی گئی لیکن ٹرسٹی بورڈ کے ارکان کسی بڑی وسیع جگہ پر ایک ذی وقار مسجد بنانا چاہتے تھے جو شہر میں مسلم کمیونٹی کی بہتر انداز میں نمائندگی کر سکے۔ مسجد سے ملحق سکول، لائبریری اور ایک لیکچر ہال بنانا بھی مقصود تھا۔ بہت تگ و دو کے بعد موجودہ مقام پر جگہ حاصل کی گئی۔ یہاں پہلے سے تعمیر شدہ ایک پرانی عمارت کو مسمار کرنے کے بعد 26 مئی 1988ء کو مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ بیچ میں گلف وار اور عراق کے کویت پر حملے کی وجہ سے تعمیری کاموں میں سست روی رہی۔ آخر کار 15 اپریل 1991ء کو عید الفطر کے دن اس مسجد میں پہلی نماز (نمازِ عید) ادا کی گئی۔ 47 مسلم ممالک نے مسجد کے تعمیری فنڈ میں فراخ دلی سے حصہ لیا تھا۔ مسجد کی تعمیر پر 17 ملین ڈالر خرچ ہوئے۔



اس مسجد کا گنبد فرش سے 90 فٹ بلند اور مینار 130 فٹ بلند ہے۔ مسجد میں 1000 نمازیوں کی گنجائش ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں سٹیل، کنکریٹ، سنگِ مرمر اور شیشہ استعمال کیا گیا ہے۔ گو یہ مسجد دوسری بڑی مساجد کے مقابلے میں چھوٹی ہے لیکن علاقے کی اہمیت کے پیش نظر اس کا مقام عالمِ اسلام کی نگاہ میں بہت بلند ہے کیونکہ اسے ایک بڑے ملک کے سب سے بڑے شہر میں پہلی مسجد ہونے کا منفرد اعزاز حاصل ہے۔

کیلیفورنیا (ریاست)

ریاست کیلیفورنیا ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے جنوب مغرب میں بحرالکاہل کے ساحل پر واقع ہے۔اس کے شمال میں ریاست اوریگان، مشرق میں نیواڈا اور اریزونا کی ریاستیں اور جنوب میں میکسیکو کی ریاست باجا کیلیفورنیا ہے۔

ریاست کیلیفورنیا کا رقبہ 163595 مربع میل اور آبادی تقریباً پونے چار کروڑ ہے۔ یہاں 57.6 فیصد گورے یورپی، 6.2 فیصد سیاہ فام افریقی، 13 فیصد ایشیائی، ایک فیصد مقامی سرخ ہندی اور گوروں میں ہسپانوی نژاد (ہسپانک) 37.6 فیصد بستے ہیں۔

ریاست کیلیفورنیا کا دارالحکومت سکرامنٹو ہے جبکہ مشہور شہر لاس اینجلس، سان فرانسسکو، سان ڈائیگو، سان جوز، برکلے، پام سپرنگز، اوکلینڈ، بیکرز فیلڈ، سان برنارڈینو، ریورسائڈ، بارسٹو، سانتا باربرا، ریڈنگ، فریسنو اور یوریکا ہیں۔

دریائے کولوریڈو کیلیفورنیا کی جنوب مشرق سرحد بناتا ہوا میکسیکو کی خلیج کیلیفورنیا میں جا گرتا ہے۔ دوسرا بڑا دریا برکلے کے شمال میں خلیج سان فرانسسکو میں گرتا ہے۔

قدیم سرخ ہندی یا امریکی ہندی (Amerindians) کیلیفورنیا میں 100 سے زائد قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ پہلا یورپی ہسپانوی مہم جو جوان راڈریگوز کیبریلو 1542ء میں یہاں پہنچا جبکہ برطانوی بحری ڈاکو فرانسس ڈریک 1579ء میں



کیلیفورنیا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ یہاں پہلی ہسپانوی نوآبادی سان ڈائیگو میں 1769ء میں قائم ہوئی۔ 1821ء میں کیلیفورنیا آزاد میکسیکو کا ایک صوبہ بن گیا۔ 1846ء میں امریکہ نے یہاں امریکی نوآبادکاروں کی بغاوت Bear Flag Rovolt کرائی، پھراسی سال فوج بھیج کراس پر قبضہ کرلیا۔1848ء کی جنگ کے اختتام پر میکسیکو نے کیلیفورنیا پرامریکی قبضہ تسلیم کرلیا اور 1850ء میں کیلیفورنیا امریکی ریاست بن گیا۔ 1906ء میں شدید زلزلے اور آتش زدگی سے سان فرانسسکو شہر تباہ ہوگیا اور پھر دوبارہ تعمیر ہوا۔ 1967ء سے 1975ء تک کیلیفورنیا کے گورنر رونلڈ ریگن رہے اور بعد میں 1981ء سے 1989ء تک امریکہ کے صدر رہے۔ اس سے پہلے صدر رچرڈ نکسن (1969-74ء) بھی کیلیفورنیا کے باشندے تھے۔ مشہورِ زمانہ فلمی صنعت کا مرکز ہالی وڈ بھی کیلیفورنیا میں واقع ہے۔ رونلڈ ریگن اور بعد کے گورنر کیلیفورنیا شوار زینگراسی ابلیسی جادونگری ہالی وڈ کی پیداوار ہیں۔



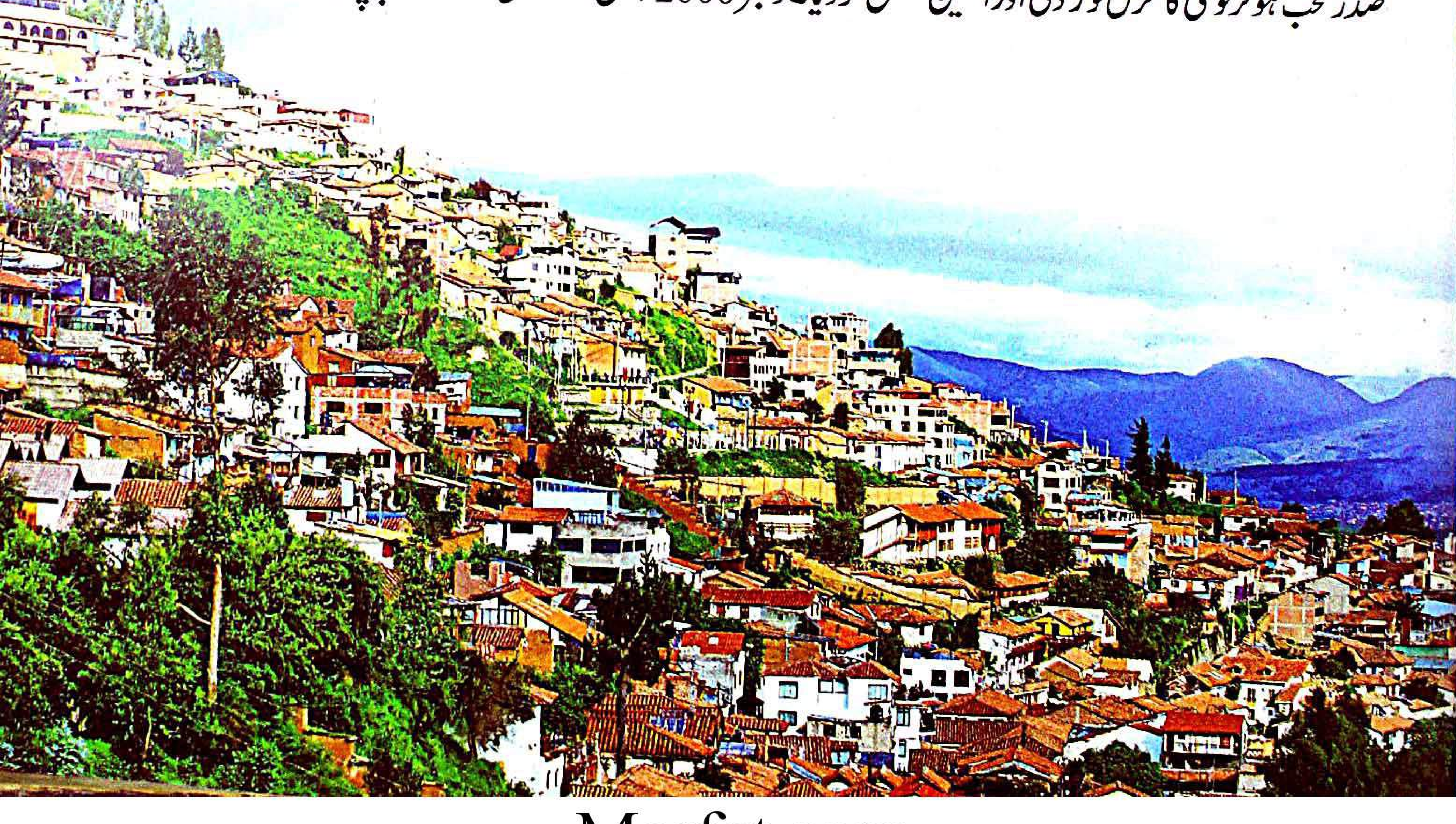
شاہ فہد مسجد کلورسٹی، کیلیفورنیا (یو ایس اے)

یہ مسجد کیلیفورنیا کے شہر کلورسٹی (Culver City) میں واقع ہے جو لاس اینجلس سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔ مسجد کا رقبہ 63000 مربع فٹ ہے۔ اس کا خوبصورت مینار 72 فٹ بلند ہے۔ مینار کے اوپر سنہری رنگ کے ہلال کا نشان بنا ہوا ہے۔ مسجد میں ایک وقت میں دو ہزار نمازی نماز ادا کرسکتے ہیں۔ یہ مسجد سعودی عرب کے شاہ فہد کے صاحبزادے پرنس عبدالعزیز بن فہد بن عبدالعزیز نے اپنی خصوصی توجہ سے تعمیر کروائی۔ پرنس عبدالعزیز سعودی کابینہ میں وزیرِ مملکت تھے۔ یہ مسجد ریاست کیلیفورنیا کے مسلمانوں کے لیے، جن کی آبادی اڑھائی لاکھ ہے، ایک گرانقدر تحفہ ہے۔ اس کے زیادہ تر اخراجات شہزادہ عبدالعزیز نے اپنی جیب خاص سے برداشت کیے۔ مسجد میں ترکی سے منگوائی گئی خوبصورت ٹائلیں استعمال کی گئی ہیں جن سے اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ پرنس عبدالعزیز نے اس مسجد کا افتتاح خود اپنے ہاتھوں اپریل 1998ء کو کیا۔ مسجد میں عورتوں کے لیے علیحدہ انتظام کیا گیا ہے۔ مسجد سے ملحق ریسرچ سنٹر، کانفرنس ہال، کلاس روم اور لائبریری ہیں۔ یہ مسجد ایک تعلیمی مرکز بھی ہے۔ اس پر 8.1 ملین سعودی ریال (2.16 ملین ڈالر) کا خرچ آیا۔ مسجد کا انتظام مقامی اسلامک فاؤنڈیشن چلا رہی ہے۔

پیرو

پیرو براعظم جنوبی امریکہ کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں کولمبیا، شمال مغرب میں ایکویڈور، مشرق میں برازیل، جنوب مشرق میں بولیویا، جنوب میں چلی اور مغرب میں بحرالکاہل (Pacific) موجزن ہے۔ اس کا رقبہ 12,85,216 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 3 کروڑ ہے۔ آبادی میں 45 فیصد امریکی ہندی (Amerindians)، ہندیوں اور گوروں سے مخلوط "میسٹیزو" 37 فیصد، گورے 15 فیصد اور سیاہ فام، جاپانی، چینی وغیرہ 3 فیصد ہیں۔ ہسپانوی اور قیوچوا (Quechua) سرکاری زبانیں ہیں۔ لوگ مذہباً 81 فیصد رومن کیتھولک اور 13 فیصد انجیلی مسیحی ہیں۔

ہسپانوی سامراجیوں کی آمد سے پیرو میں طاقتور اِنکا سلطنت قائم تھی۔ ہسپانوی فاتح فرانسسکو پیزارو نے 1532ء میں پیرو پر دھاوے شروع کیے اور 1533ء میں انکا بادشاہ اتاہوا کو قتل کر کے لوگوں کو غلام بنا لیا۔ پیرو کے دارالحکومت لیما میں ہسپانوی گورنر حکومت کرتا تھا حتیٰ کہ 1821ء میں ارجنٹینا کے قائدِ آزادی ہوزے ڈی سان مارٹن نے لیما فاتح کر لیا۔ ہسپانوی فوجوں کو سائمن بولیوار نے 1824ء میں حتمی شکست دی۔ چلی نے 1879-83ء کی جنگِ بحرالکاہل میں چلی کو شکست دی۔ دائیں بائیں کی طویل کشمکش کے بعد 1980ء میں یہاں جمہوریت بحال ہوئی۔ 1980-2000ء کی خانہ جنگی میں 69000 افراد مارے گئے جن میں زیادہ تر ریڈ انڈین تھے۔ جون 1990ء میں جاپانی نژاد البرٹو فوجیموری نے صدر منتخب ہو کر قومی کانگرس توڑ دی اور آئین معطل کر دیا۔ نومبر 2000ء میں فوجیموری کے دورۂ جاپان کے دوران میں





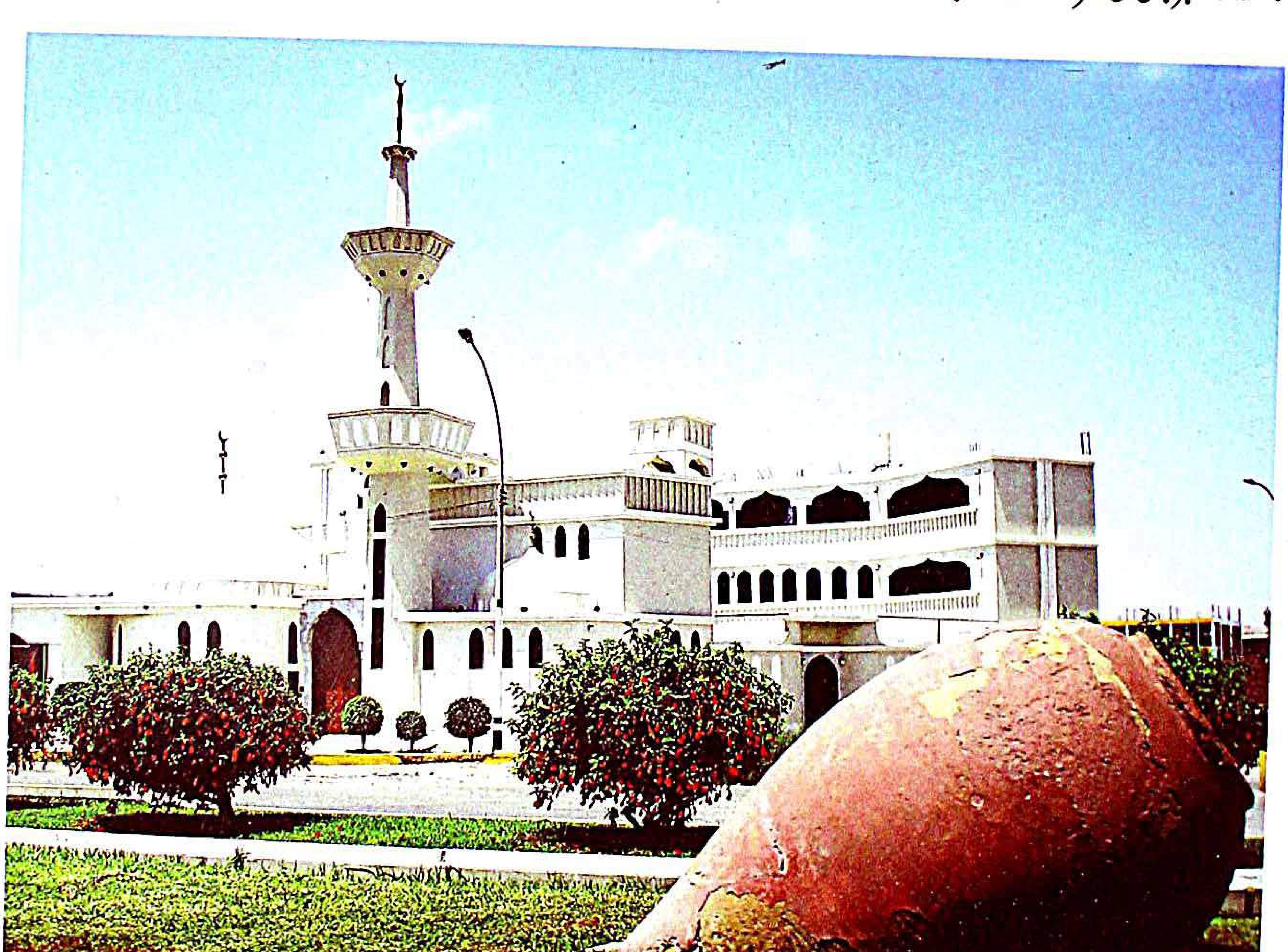
کانگرس نے اخلاقی بنیاد پر اسے نااہل قرار دے دیا۔ نومبر 2005ء میں فوجیموری کو گرفتار کر کے پیرو لایا گیا اور ڈیتھ سکواڈ سے کم از کم 25 افراد کی ہلاکت (92-1991ء) پر اس کو سزا وار ٹھہرا کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ جون 2011ء کے صدارتی انتخاب میں اس کی بیٹی کائکو فوجی نے سابق فوجی افسر اولانٹا ہمالا ٹاسو سے شکست کھائی۔

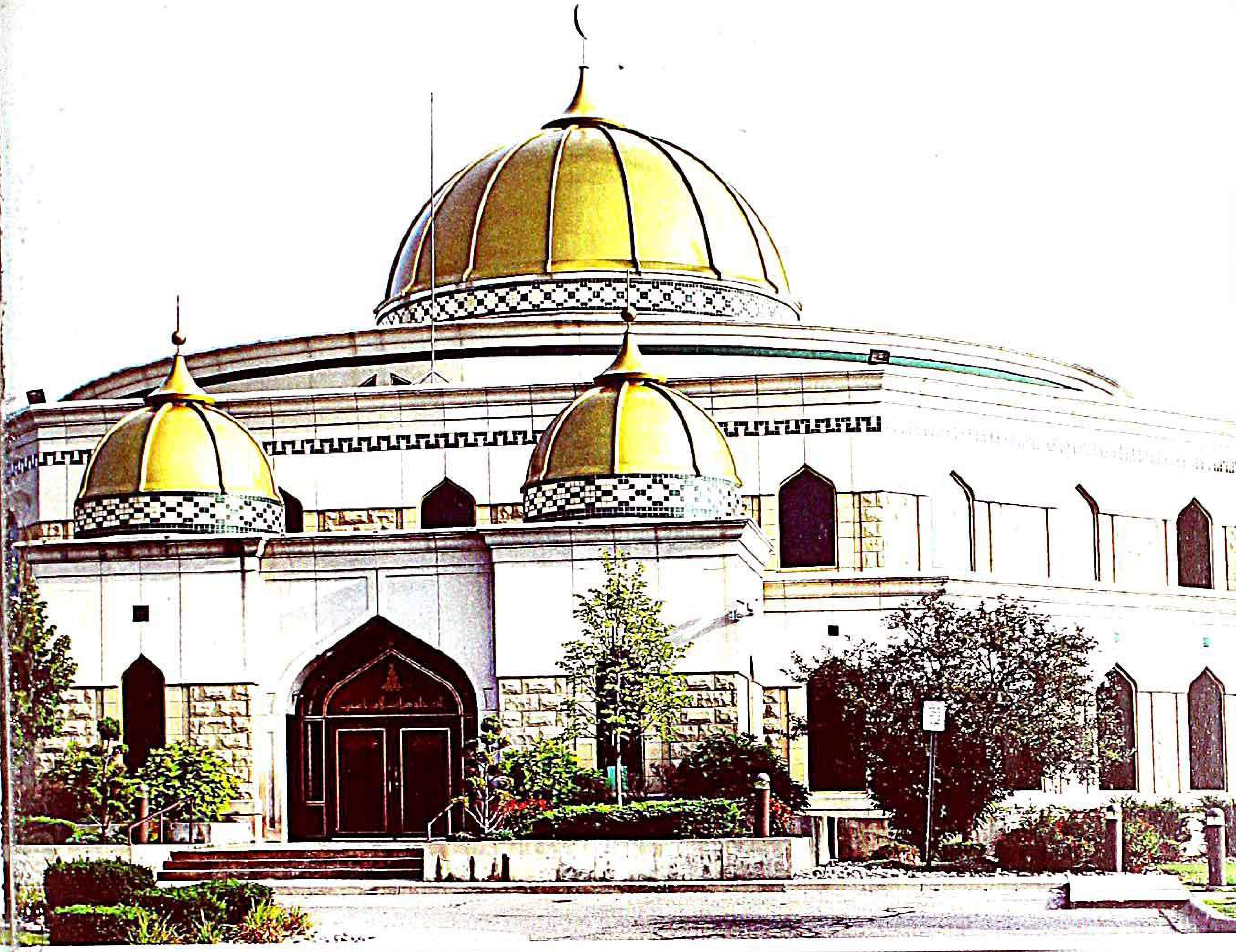
جنوبی امریکہ کا طویل سلسلۂ کوہ اینڈیز پیرو میں شمالاً جنوباً واقع ہے۔ اس میں سے دریائے ایمیزون کا بالائی دھارا میرانون اور معاون دریا اوکایالی نکلتے ہیں اور شمالی پیرو میں ان کے اتصال سے ایمیزون بنتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ پانی کی کثرت کے لحاظ سے دنیا کا عظیم ترین اور دوسرا طویل ترین دریا میرانون (ایمیزون) جہاں سے نکلتا ہے وہاں سے مغرب میں بحرالکاہل صرف 100 میل دور ہے مگر ایمیزون 4000 میل مشرق کی طرف بہہ کر بحراوقیانوس میں گرتا ہے۔

پیرو کا زیادہ تر علاقہ پہاڑی ہے۔ مغرب میں 10 تا 100 میل چوڑی ساحلی پٹی زرخیز ہے۔ دارالحکومت لیما کی آبادی تقریباً 90 لاکھ ہے۔ دوسرا بڑا شہر آری کوپا تقریباً 9 لاکھ آبادی کا ہے۔ زرعی پیداوار میں اسپاراگس، کافی، کوکو، کپاس، گنا، چاول، آلو، مکئی، کیلا، انگور، سنگترہ قابل ذکر ہیں۔ معدنی وسائل تانبا، چاندی، سونا، پٹرولیم، لوہا، کوئلہ، فاسفیٹ اور پوٹاش پر مشتمل ہیں۔ سکہ نیووسول ہے۔ ستمبر 2011ء میں 2.73 نیووسول ایک ڈالر کے برابر تھے۔ شرح خواندگی 89.6 فیصد ہے۔

بابُ السّلام مسجد پیرو (جنوبی امریکہ)

مسجد باب السلام جنوبی امریکہ کے ملک پیرو کے شہر ٹاکنا(Tacna) میں تعمیر کی گئی ہے۔ یہ واحد مسجد ہے جو پیرو میں تعمیر کی گئی ہے۔ یہ مسجد پاکستان سے آئے ہوئے مہاجرین نے 2000ء میں تعمیر کی۔ یہ خوبصورت مسجد شہر کے مرکزی حصے (ڈاؤن ٹاؤن) میں واقع ہے۔ یہ اتنی خوبصورت ہے کہ دور دور سے آئے ہوئے سیاح بھی اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ مسجد وہاں کے مسلمانوں کے جذبہ ایمانی اور دینِ اسلام سے محبت کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ مسجد سے ملحق مسلم بچوں کی دینی اور جدید تعلیم کے لیے ایک سکول قائم کیا گیا ہے۔ اس مسجد کو تعمیر کروانے کا سہرہ ایک پاکستانی تاجر شیر افضل خاں بارہ کوٹی کے سر ہے۔ شیر افضل خاں شاہ ولی اللہ سکول آف سائنسز بھی تعمیر کروا رہے ہیں۔ اتنے دور افتادہ مقام پر اس مسجد کا تعمیر ہونا مسلمانوں کے لیے باعثِ فخر ہے جہاں پر پانچوں وقت اذان اور تکبیر کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ ٹاکنا کا شہر چلی کی سرحد کے قریب کوہستان اینڈیز کی ڈھلان پر سطحِ سمندر سے 2000 فٹ بلندی پر واقع ہے۔

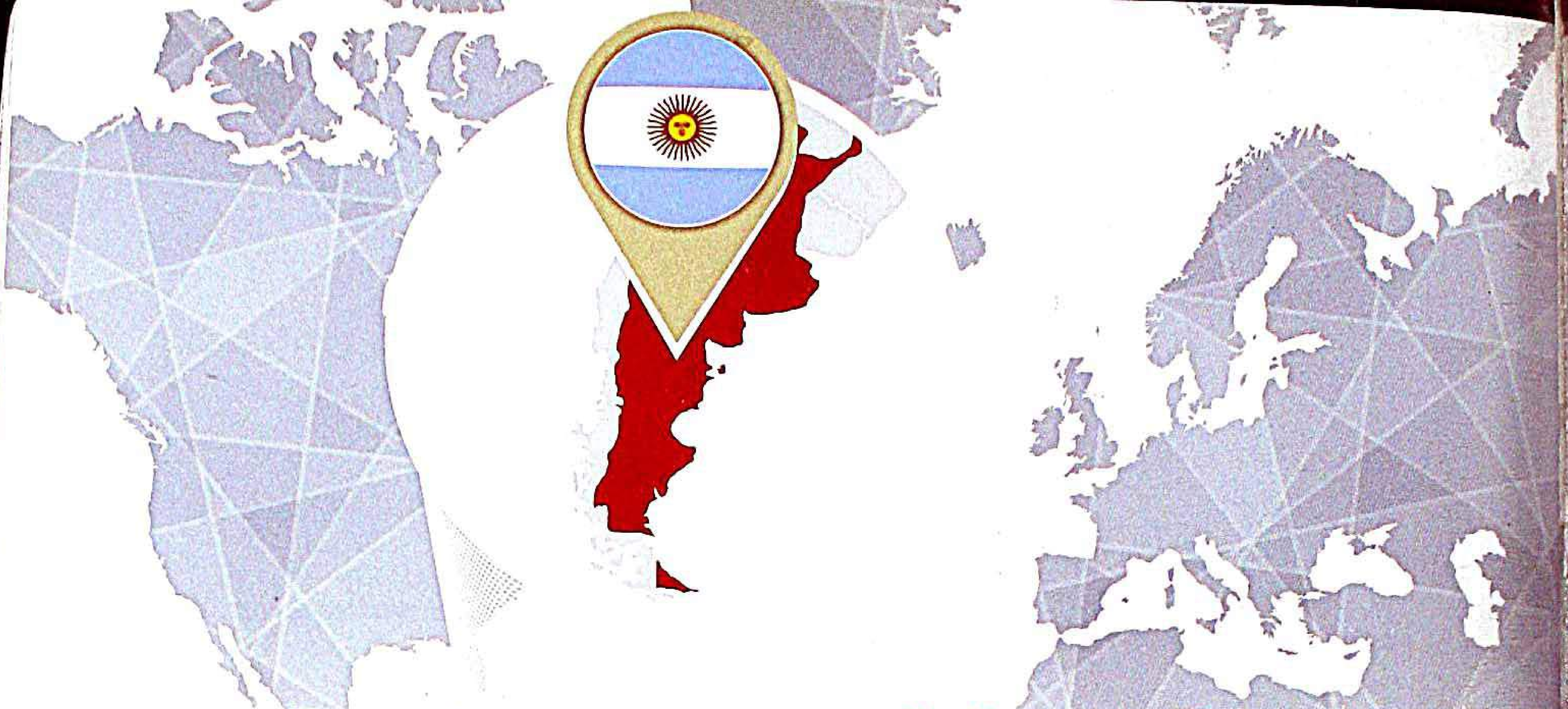




اسلامک سنٹر آف امریکہ ڈیئر بارن، مشیگن (یو ایس اے)

اسلامک سنٹر آف امریکہ ریاست مشیگن کے شہر ڈیئر بارن (Dearborn) میں واقع ہے۔ اس علاقے میں لبنانی اور عراقی شیعہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد رہتی ہے، اس لیے ڈیئر بارن شہر کو امریکہ میں شیعوں کا گڑھ مانا جاتا ہے۔ جب یہ مسجد 2005ء میں تعمیر کی گئی تو شمالی امریکہ میں یہ مسلمانوں کی سب سے بڑی اور خوبصورت مسجد تھی۔ اس مسجد کا ڈیزائن بہت خوبصورت ہے۔ اس کے دو مینار ہیں اور ہر مینار کی بلندی 220 فٹ ہے جبکہ اس کے واحد گنبد کی بلندی 150 فٹ ہے۔

21 اپریل 1911ء کو جب بدنامِ زمانہ پادری (پاسٹر) ٹیری جونز نے قرآن پاک کے خلاف اپنے ناپاک مقصد کا مظاہرہ کرنا چاہا تو اس سے ایک دن قبل مسلمانوں نے یہاں اکٹھے ہو کر ٹیری جونز کے خلاف زبردست مظاہرہ اور احتجاج کیا۔ مسلمانوں کے علاوہ عیسائی اور یہودی تنظیموں نے بھی اس مظاہرے میں بھرپور شرکت کی۔



ارجنٹینا

یہ رقبے میں برازیل کے بعد برِ اعظم جنوبی امریکہ کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ اس کے شمال میں بولیویا اور پیراگوئے، مشرق میں برازیل، یوروگوئے اور بحرِ اوقیانوس جنوبی، مغرب میں چلی اور جنوب میں چلی اور بحرِ منجمد جنوبی واقع ہیں۔ ارجنٹینا اور چلی کی طویل سرحد پر کوہستانِ اینڈیز پھیلا ہوا ہے۔ اس کا رقبہ 27,80,400 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً سوا چار کروڑ ہے۔ آبادی میں 97 فیصد گورے ہیں جو زیادہ تر ہسپانوی اور اطالوی ہیں۔ 3 فیصد امریکی انڈین ہیں، مذہباً 92 فیصد رومن کیتھولک عیسائی، 2 فیصد پروٹسٹنٹ عیسائی اور 2 فیصد یہودی ہیں۔ دارالحکومت بیونس آئرس (تقریباً ایک کروڑ 30 لاکھ) ہے۔ دیگر بڑے شہر کارڈوبا (15 لاکھ) اور روزاریو (12.5 لاکھ) ہیں۔ کارڈوبا کا نام قرطبہ (ہسپانوی Cordoba) کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اینڈیز میں ارجنٹینا کی بلند ترین چوٹی اکنکاگوا 22831 فٹ بلند ہے۔ دریائے پارانا (2485 میل) اور دریائے یوروگوئے (معاون 1000 میل) بڑے دریا ہیں۔ جنوب میں ٹیرا ڈل فیگو کا جزیرہ (مشرقی نصف) ارجنٹینا میں اور مغربی نصف چلی میں واقع ہے۔ قدیم زمانے سے یہاں خانہ بدوش سرخ ہندی (Amerindians) آباد تھے۔ 1515-16ء میں جوان ڈیاز کی قیادت میں ہسپانوی یہاں آن پہنچے۔ انیسویں صدی تک تقریباً تمام سرخ ہندی (ریڈ انڈین) مار دیے گئے۔ ہسپانوی اس علاقے سے گزر کر مغرب میں پیرو کی طرف جاتے تھے جہاں چاندی کی کانیں دریافت ہوئی تھیں۔ وہ چاندی چونکہ شمالی ارجنٹینا کے راستے بیونس آئرس کی بندرگاہ سے سپین روانہ کی جاتی تھی، اس لیے اس ملک کا نام ہی چاندی (Argentum) کے نام پر ارجنٹینا پڑ گیا جسے انگریزی میں ارجنٹائن ری پبلک کہتے ہیں۔ ٹیرا ڈل فیگو اور ارجنٹینا و چلی کے درمیان آبنائے میجیلن فرڈی ننڈ میجیلن کی یاد دلاتی ہے جس نے (1519-21ء) میں دنیا کے گرد پہلا بحری سفر کیا تھا۔

ارجنٹینا کے شمال میں گھنے جنگلات ''گران چاکو''، وسط میں ''پمپاس'' کا زرخیز میدان اور جنوب میں پیٹے گونیا نامی صحرا ہے۔ ریوڈی لا پلاٹا نامی کھاڑی (170 میل لمبی 140 میل چوڑی) زیادہ تر تازہ پانی کا ذخیرہ ہے جس میں دریائے پارانا گرتا ہے۔ ارجنٹینا کی زرعی پیداوار میں گندم، سورج مکھی کے بیج، سویابین، مکئی، لیموں اور انگور شامل ہیں۔ معدنی پیداوار سیسہ، جست، قلعی، تانبا، لوہا، مینگنیز، معدنی تیل اور یورانیم پر مشتمل ہے۔ خام تیل کے ذخائر 2.5 ارب بیرل ہیں۔ قابلِ کاشت رقبہ 11.3 فیصد ہے۔ سکہ پیسو ہے، فی کس آمدنی 14700 ڈالر ہے، زرِ مبادلہ کے ذخائر 49.7 ارب ڈالر (2011ء) ہیں۔ شرح خواندگی 97.7 فیصد ہے۔

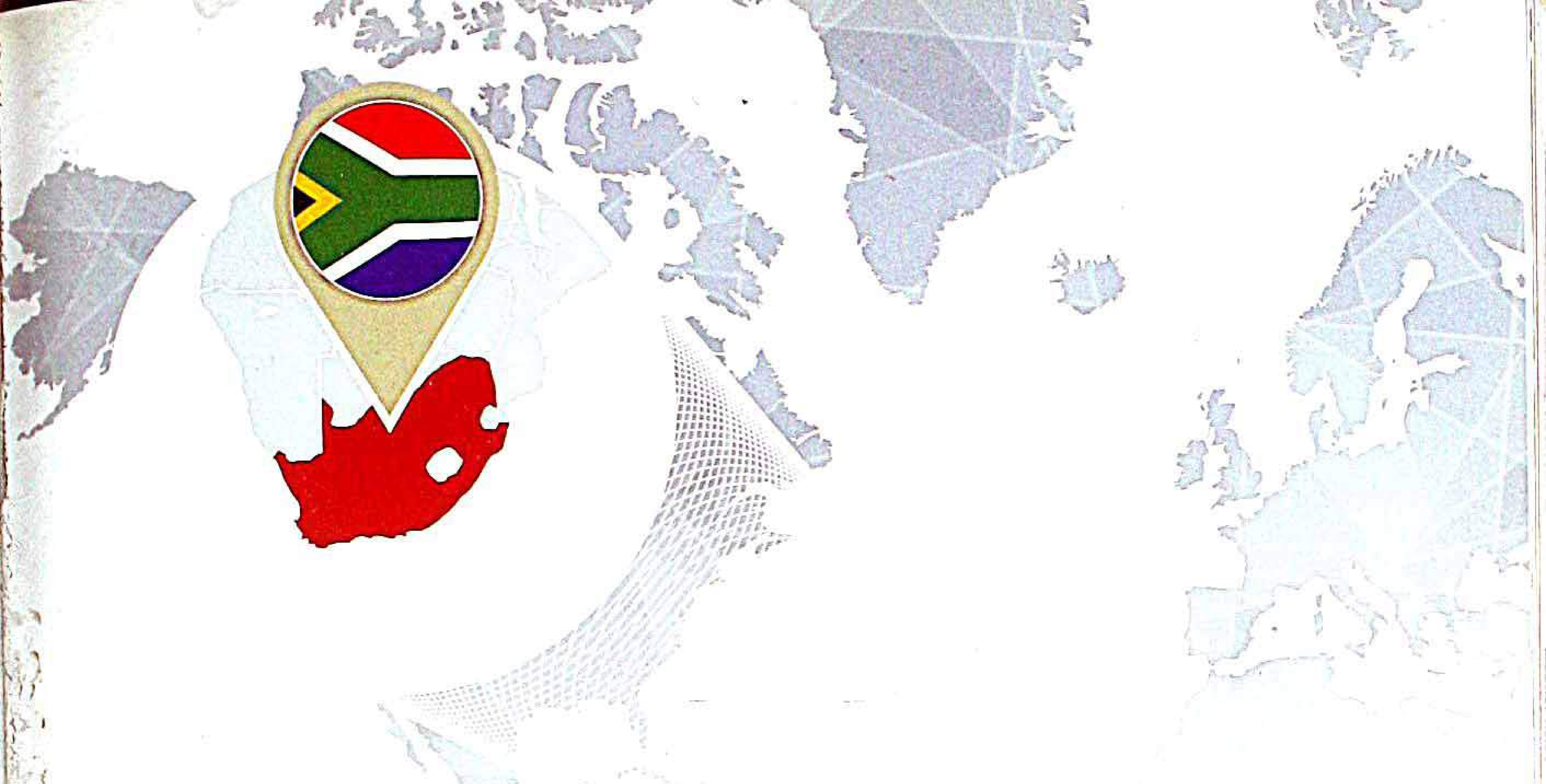
ارجنٹینا کے ہسپانوی آبادکاروں نے 1816ء میں سپین سے آزادی حاصل کر لی۔ 1880ء کے بعد کے عشروں میں اطالوی، جرمن اور ہسپانوی بڑی تعداد میں یہاں آ کر آباد ہوئے۔ 1846ء میں یہاں جنرل جوان پیرون برسرِ اقتدار آئے۔ 1955ء کے انقلاب نے جنرل پیرون کو جلاوطن کر دیا۔ وہ 1973ء میں واپس آ کر صدر منتخب ہوئے مگر 10 ماہ بعد وفات پا گئے۔ اب ان کی بیوی ازابیلا پیرون جو نائب صدر تھی، صدر بن گئی۔ وہ مغربی نصف کرے میں پہلی سربراہ مملکت تھی۔ 1976ء میں فوج نے اسے کرپشن کے الزام میں برطرف کر دیا۔ 83-1976ء میں جرنیلوں کی حکومت میں 30 ہزار لوگ ''غائب'' کر دیے گئے۔ 2 اپریل 1982ء کو ارجنٹینا نے بحر اوقیانوس کے جزائر فاکلینڈ (مالویناس) پر قبضہ کر لیا۔ اس پر برطانیہ اور ارجنٹینا میں جنگ ہوئی۔ 14 جون کو برطانوی افواج دوبارہ فاکلینڈ پر قابض ہو گئیں۔ مارچ 2003ء میں نسطور کرچنر (پیرونسٹ) برسرِ اقتدار آئے دسمبر 2004ء میں بیونس آئرس میں آگ لگنے سے 194 افراد ہلاک ہوئے۔ اکتوبر 2007ء میں کرچنر کی بیوی کرسٹینا صدر منتخب ہوئی اور دوسری ٹرم جیت کر بھی برسرِ اقتدار ہے۔ اس کی حکومت نے 2010ء میں یک جنس جوڑوں کو شادی کی اجازت دے دی ہے۔





شاہ فہد مسجد، بیونس آئرس (ارجنٹائن)

یہ مسجد ایک کلچرل سنٹر بھی ہے جو ارجنٹائن کے دارالخلافہ بیونس آئرس میں واقع ہے، یہ جنوبی امریکہ کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس مسجد کا رقبہ 365986 مربع فٹ ہے۔ ارجنٹائن کے صدر کارلوس مینم نے 1995ء میں یہاں ایک قطعہ مسلمانوں کو بطور عطیہ دیا تھا تاکہ وہ اس جگہ ایک مسجد اور ایک ثقافتی مرکز تعمیر کر سکیں۔ اس مسجد کا ڈیزائن ایک سعودی آرکی ٹیکٹ زہیر فیض نے تیار کیا۔ اس میں 1600 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں جبکہ 500 خواتین کے لیے نماز کی علیحدہ جگہ مختص کی گئی ہے۔ مسجد کے دو مینار ہیں۔ مسجد کافی وسیع اور خوبصورت ہے۔ مسجد کے ساتھ بچوں کے لیے پرائمری اور سیکنڈری سکول بھی بنائے گئے ہیں جہاں بچوں کو جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر پر تیس ملین ڈالر خرچ ہوئے۔ بیونس آئرس میں زیادہ تر شام، لبنان اور آرمینیا سے آئے ہوئے مسلمان رہائش پذیر ہیں۔ ارجنٹائن کے صدر کارلوس مینم خود بھی شامی نژاد مسلمان تھے، کلیسا کے ہتھے چڑھ کر کیتھولک فرقے کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔



جنوبی افریقہ

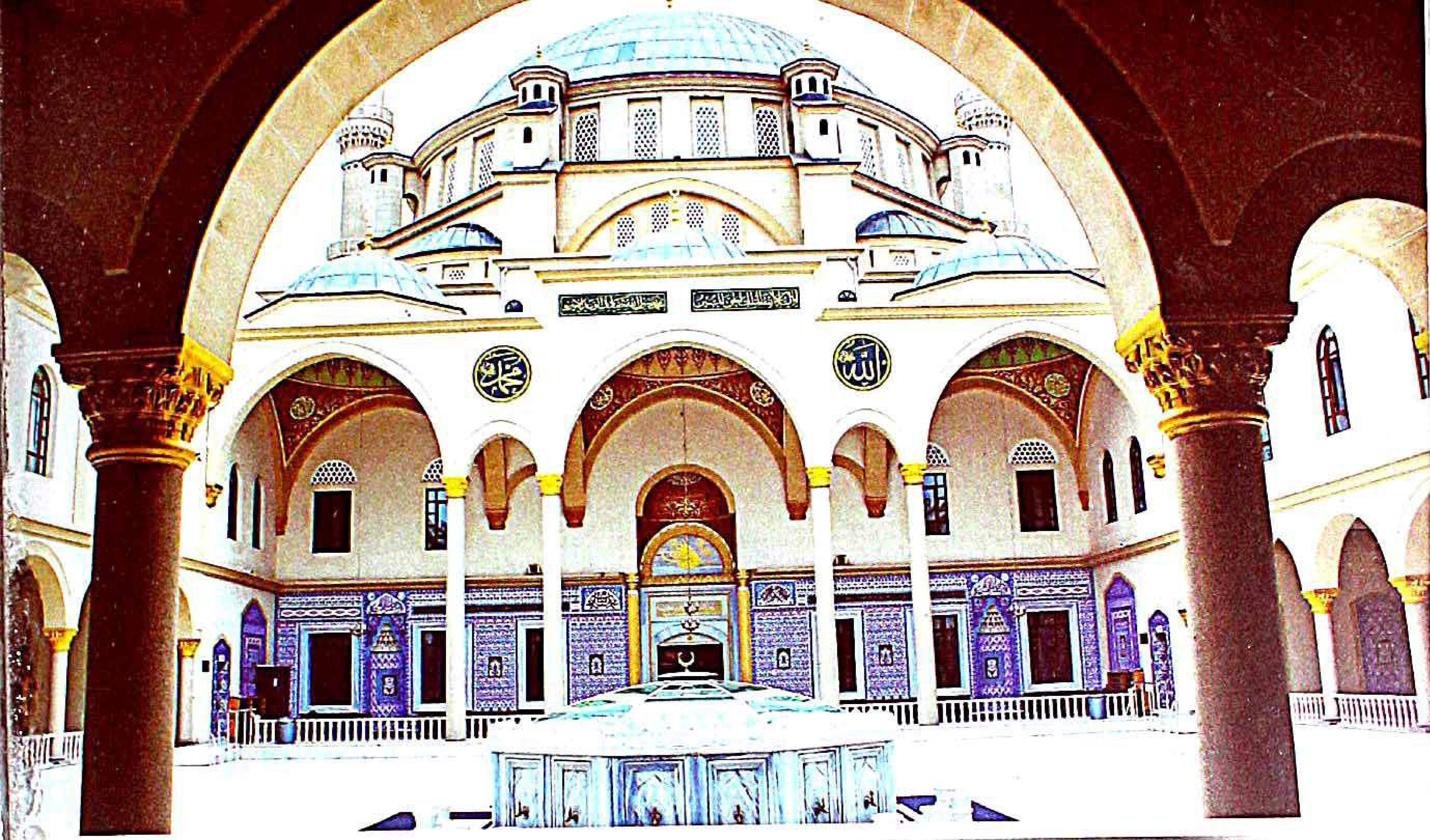
جمہوریہ جنوبی افریقہ براعظم افریقہ کا انتہائی جنوبی ملک ہے جو بحرِ ہند اور بحرِ اوقیانوس سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے جنوب میں راس اگلہاس پر یہ دونوں عظیم سمندر باہم ملتے ہیں۔ جنوبی افریقہ کے شمال میں نمیبیا، بوٹسوانا اور زمبابوے ہیں، مشرق میں موزمبیق اور سوازی لینڈ ہیں، جنوب مشرق اور جنوب میں بحرِ ہند اور مغرب میں بحرِ اوقیانوس واقع ہے۔ ایک چھوٹا سا ملک لیسوتھو (سابق بسوٹو لینڈ) چاروں طرف سے جنوبی افریقہ کے اندر گھرا ہوا ہے۔ جنوبی افریقہ کا رقبہ 12 لاکھ 19 ہزار مربع کلومیٹر سے زائد ہے۔ آبادی تقریباً 5 کروڑ ہے۔ آبادی میں 79 فیصد سیاہ فام، 10 فیصد گورے یورپی، 9 فیصد رنگدار اور 3 فیصد بھارتی و پاکستانی ہیں۔ انگریزی اور افریکان کے علاوہ 9 مقامی زبانوں کو بھی سرکاری حیثیت حاصل ہے جن میں ایسی زولو اور ایسی کوسو (Isizhosa) نمایاں ہیں۔ 80 فیصد آبادی عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ 2 فیصد مسلمان ہیں، 15 فیصد لامذہب ہیں۔

سترھویں صدی سے پہلے جنوبی افریقہ میں بنتو، زولو، کوسو، سوازی اور سوتھو قبائل آباد تھے۔ 1497ء میں پرتگالی جہاز ران واسکوڈے گاما ہندوستان جاتے ہوئے جنوبی افریقہ کی جنوب مغربی راس کیپ آف گڈ ہوپ (راس امید) پہنچا تو اسے ہندوستان پہنچنے کی امید ہوئی تھی۔ ہالینڈ کے ڈچ سترھویں صدی عیسوی میں صوبہ کیپ میں آن آباد ہوئے۔ برطانیہ نے 1806ء میں کیپ پر قبضہ کرلیا اور کیپ ٹاؤن شہر کو ترقی دی۔ ڈچ شمال کی طرف نکل گئے اور انھوں نے وہاں اورنج فری سٹیٹ اور ٹرانسوال نامی دو ''جمہوریائیں'' قائم کرلیں۔ یہ نام نہاد جمہوریائیں بھاری سیاہ فام اکثریت کو غلام بنا کر

وجود میں لائی گئیں۔ 1867ء میں ہیرے اور 1886ء میں سونا دریافت ہوا۔ ڈچ آبادکار بوئر کہلاتے تھے۔ 1899-1902ء کی اینگلو بوئر وار برطانیہ نے جیت لی۔اس نے پورے جنوبی افریقہ پر قبضہ کر کے 1910ء میں کیپ، نٹال، ٹرانسوال اور اورنج فری سٹیٹ کو ملا کر یونین آف ساؤتھ افریقہ بنا ڈالی۔1961ء میں ایک نام نہاد ریفرینڈم کے ذریعے سے ''آزاد'' جنوبی افریقہ میں گورا شاہی قائم ہوگئی۔ یہ بدترین نسل پرستی تھی جس میں کالوں کے کوئی حقوق نہ تھے۔سیاہ فاموں نے افریقن نیشنل کانگریس (ANC) بنا کر آزادی کی جدوجہد شروع کی جو بڑی کٹھن تھی۔اے این سی کے لیڈر نیلسن منڈیلا 1963-89ء کے دوران 27 برس لگاتار جیلوں میں رہے۔ایک اور لیڈر احمد کاتھرادا نے 25 برس جیل کاٹی۔ منڈیلا کی رہائی کے بعد گورے صدر ڈی کلارک سے مذاکرات ہوئے۔اپریل 1994ء کے انتخابات اے این سی نے 62.7 فیصد اکثریت سے جیت لیے اور منڈیلا ملک کے پہلے سیاہ فام صدر بنے۔جون 1999ء میں تھابو امبیکی ان کے جانشین بنے۔ستمبر 2008ء میں جیکب زوما نے صدارتی انتخاب جیت لیا۔یاد رہے نیلسن منڈیلا اور جیکب زوما وغیرہ کو مشنری تعلیمی اداروں میں عیسائی بنایا گیا تھا۔

جنوبی افریقہ 9 صوبوں پر مشتمل ہے۔اس کے وسط میں دریائے اورنج اور اس کا معاون دریائے وال بہتے ہیں۔ اورنج نمیبیا کی سرحد بناتا ہوا بحر اوقیانوس میں جا گرتا ہے۔دریائے لیمپوپو بوٹسوانا اور زمبابوے کی سرحد بناتا ہے۔جنوبی افریقہ کی آب و ہوا رومی خطے کی سی معتدل ہے۔ یہاں کی بڑی فصلیں مکئی، گندم، گنا اور ترشاوہ پھل ہیں۔معدنیات میں سونا، کرومیم، اینٹی منی، کوئلہ، لوہا، مینگنیز، نکل، فاسفیٹ، قلعی (Tin)، یورانیم، ہیرے، پلاٹینم، تانبا، ونیڈیم، نمک اور قدرتی گیس شامل ہیں۔کیپ ٹاؤن (35لاکھ) قانون ساز دارالحکومت ہے۔ پریٹوریا (15لاکھ) انتظامی دارالحکومت ہے جبکہ بلوم فونٹین (ساڑھے چار لاکھ) عدالتی دارالحکومت ہے۔دیگر مشہور شہر جوہانسبرگ (38لاکھ)، ایسٹ رینڈ (33لاکھ)، ڈربن (29 لاکھ) ہیں۔جنوبی افریقہ کا سکہ رینڈ (Zar) ہے۔ فی کس آمدنی 10700 ڈالر ہے۔شرح خواندگی 88.7 فیصد ہے۔

مولانا عبدالمالک مجاہد ''میرے سنہرے سفرنامے'' میں لکھتے ہیں کہ ''کیپ ٹاؤن میں سو سے زائد مساجد ہیں۔مسجد قدس کیپ ٹاؤن چار کنال میں تو ضرور ہوگی۔ یہ نہایت خوبصورت مسجد ہے۔اسے بنانے کے لیے مراکش سے معمار لائے گئے تھے۔مسجد کا خوبصورت گنبد، محراب، نماز کا بڑا ہال سبھی نہایت خوبصورت ہیں۔میں نے دنیا میں جو خوبصورت مساجد دیکھی ہیں، مسجد قدس ان میں سے ایک ہے۔مسجد میں بے حد میناکاری کی گئی ہے۔یوں لگتا ہے کہ ہم مراکش میں داخل ہوگئے ہیں۔''



جامع مسجد، جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ)

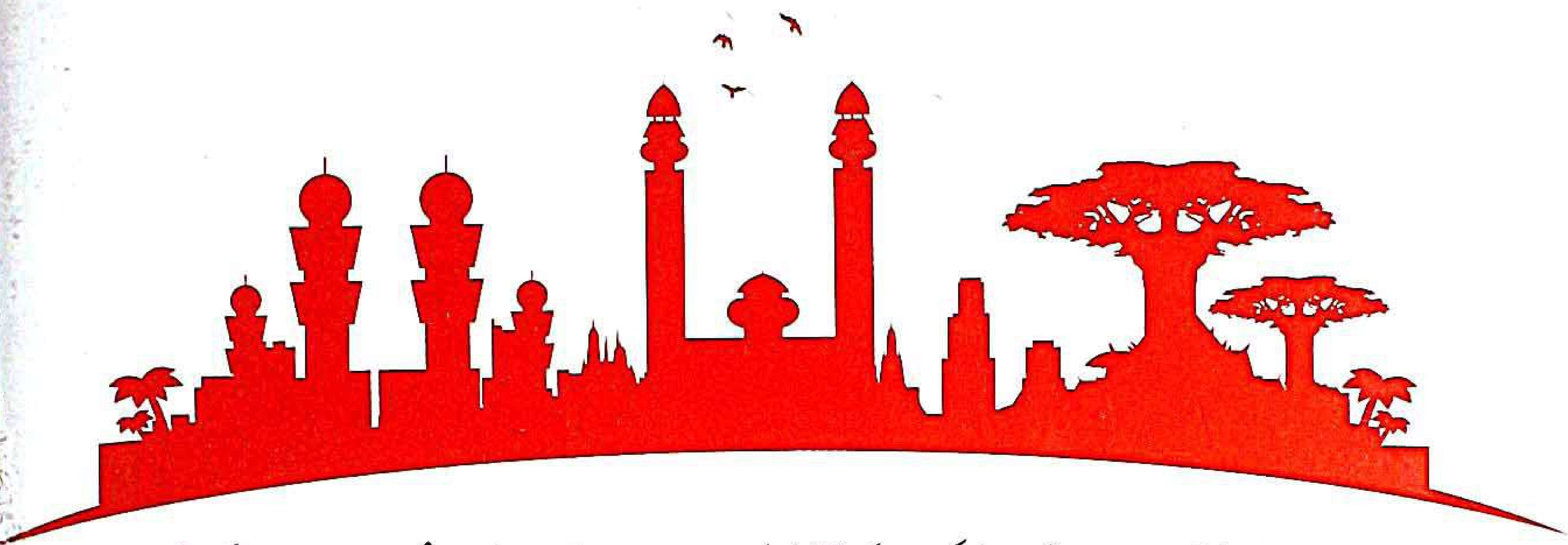
یہ مسجد نہ صرف ملک جنوبی افریقہ بلکہ خطۂ جنوبی افریقہ کی ایک خوبصورت مسجد ہے۔ اس مسجد کے دروازے (فروری 2013ء) سے نماز کے لیے کھول دیے گئے۔ یہ مسجد جوہانسبرگ شہر کے ایک مشہور مسلمان تاجر 74 سالہ علی کاترگلو کی سوچ کا حاصل ہے۔ علی ترکی سے کاروبار کے لیے جوہانسبرگ میں آمقیم ہوئے تھے۔ بعد میں ان کا کاروبار اتنا پھلا پھولا کہ انھوں نے امریکہ میں ایک مسجد تعمیر کرنے کا عزم کیا لیکن ان کے ایک دوست نے مشورہ دیا کہ وہ یہ مسجد جنوبی افریقہ میں ہی تعمیر کروائے۔ انھوں نے ترکی طرزِ تعمیر سے استنبول کی مسجدِ سلیمانیہ کے نمونے پر یہ مسجد تعمیر کروائی۔ مسجد کا افتتاح ہونے سے قبل ہی یہ نہ صرف مقامی باشندوں بلکہ غیر ملکی سیاحوں کی توجہ کا مرکز بن چکی تھی۔ روزانہ 500 کے لگ بھگ لوگ اس مسجد کو دیکھنے آتے رہے جن میں دس فیصد تعداد صرف غیر مسلموں کی ہوتی۔ غیر مسلم اسلام کی شان وشوکت کو دیکھ کر نہ صرف مرعوب بلکہ دنگ رہ جاتے ہیں۔ اس مسجد کا ایک مرکزی گنبد اور چار مینار ہیں۔ مسجد کے میناروں کی بلندی 180 فٹ ہے۔ مسجد کے اندر خوبصورت رنگوں سے آراستہ قرآنی آیات تحریر کی گئی ہیں۔ دیواروں پر اتنے خوبصورت نقش ونگار بنائے گئے ہیں کہ آنکھیں حیران رہ جاتی ہیں۔ مسجد کے کمپلیکس میں سکول بھی بنایا گیا ہے جو 850 طالب علموں کے لیے ہے۔ اس مسجد کے امام ابراہیم عطا جامعہ الازہر کے گریجوایٹ ہیں اور انھوں نے اس سے قبل امریکہ میں پٹس برگ کی ایک مسجد میں بھی امامت کے فرائض انجام دیے۔ اس کے علاوہ وہ البانیہ میں ایک سکول کے پرنسپل بھی رہ چکے ہیں۔



سینی گال

سینی گال مغربی افریقہ میں ساحلِ اوقیانوس پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں موریتانیا، مشرق میں مالی، جنوب میں گنی اور گنی بساؤ اور مغرب میں بحر اوقیانوس (اٹلانٹک) موجزن ہے۔ گنی اور مالی سے آنے والا دریائے سینی گال شمال میں موریتانیا کی سرحد کے ساتھ بہتا ہے۔ گنی سے بہہ کر آنے والا دریائے گیمبیا جنوبی سینی گال میں ایک زرخیز وادی بناتا ہے جس کا آخری نصف ملک گیمبیا میں واقع ہے۔ یوں ملک گیمبیا طویل پٹی کی شکل میں ملک سینی گال کے اندر واقع ہے اور فقط مغرب میں اسے تھوڑا سا اوقیانوس کا ساحل لگتا ہے۔ اس کا سبب استعماری تقسیم ہے۔ جب فرانس نے سینی گال پر اور برطانیہ نے گیمبیا پر قبضہ جما رکھا تھا۔ سینی گال کا جنوب مغربی علاقہ دلدل اور جنگلات پر مشتمل ہے۔ سینی گال کا رقبہ 1,96,722 مربع کلومیٹر اور آبادی ایک کروڑ 27 لاکھ کے قریب ہے۔ آبادی میں 94 فیصد مسلمان اور 5 فیصد مسیحی ہیں۔ 43 فیصد آبادی قبیلہ وولوف، 24 فیصد پولار اور 15 فیصد **سیریر** قبیلے سے تعلق رکھتی ہے۔ مقامی زبانیں وولوف، پولار، جولا اور مینڈنکا ہیں جبکہ فرانسیسی سرکاری زبان ہے۔ دارالحکومت ڈاکار کی آبادی 30 لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

سینی گال میں اسلام کو عہدِ مرابطین میں فروغ حاصل ہوا۔ 432ھ/1040ء میں پہلی مرتبہ دریائے سینی گال کے جنوب میں موریتانیا کے قبیلہ لمتونہ کے لوگوں نے ایک زاویہ (تبلیغی مرکز) قائم کیا۔ 442ھ/1050ء میں شاہان تکرور نے مرابطی داعیوں کے ہاتھوں اسلام قبول کر لیا۔ اس زمانے میں مسلمان تاجر بھی سینی گال میں وارد ہونے لگے، تاہم مؤرخ عبداللہ الطیب السودانی کہتے ہیں کہ جب حبشہ میں مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعے سے اسلام پھیلا تو وادیٔ نیل اور حبشہ (ایتھوپیا) کے کچھ لوگ ترکِ وطن کر کے دریائے سینی گال کے کنارے تکرور میں جا آباد ہوئے اور ان کے طفیل

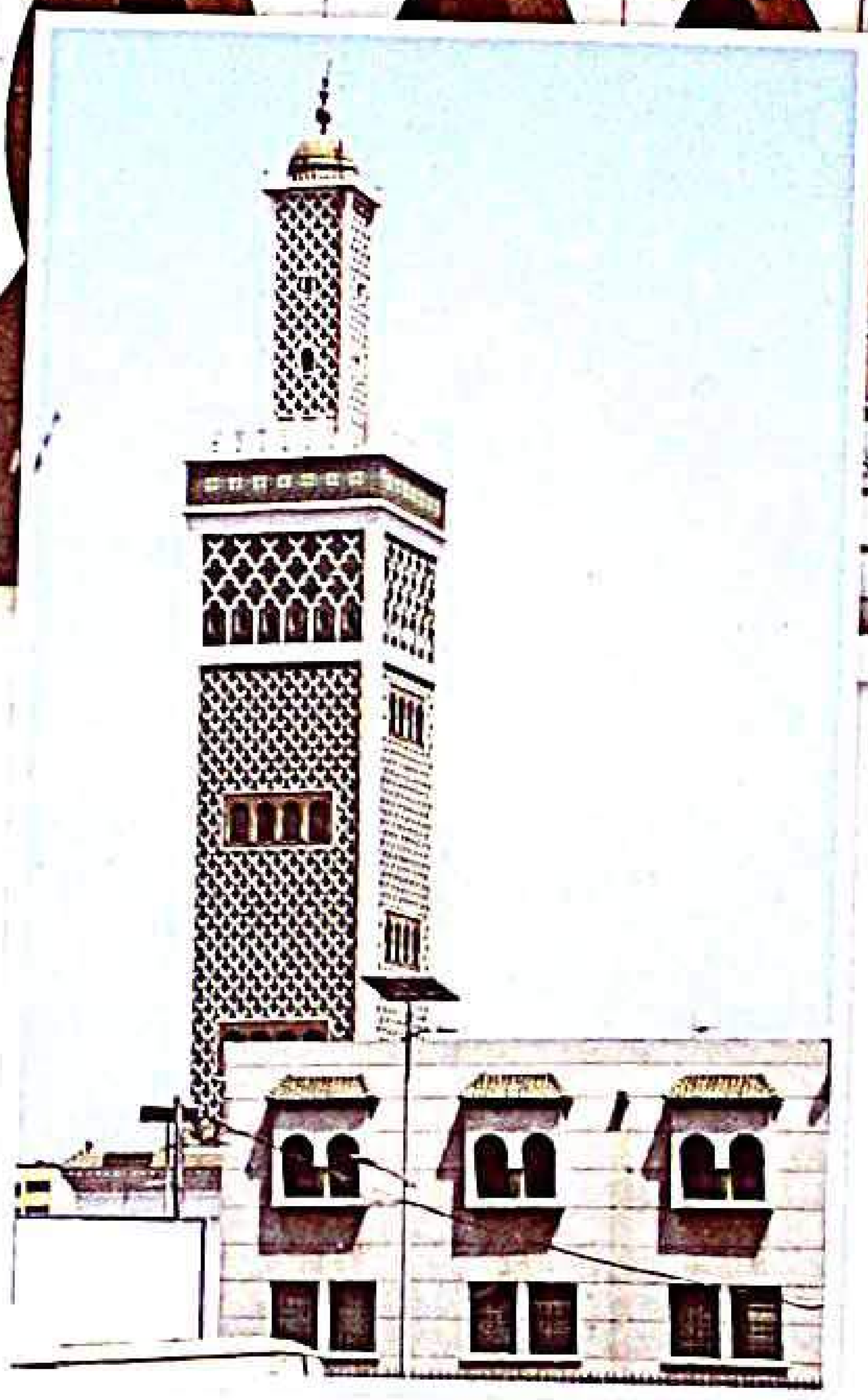


دینِ اسلام وہاں پہنچا۔ ماہرینِ انساب کا کہنا ہے کہ سینی گال میں جولوف سلطنت کے بانی اندیاجان اندیائی بزرگ صحابی ابودرداء رضی اللہ عنہ کی نسل سے تھے۔ چھٹی ساتویں صدی ہجری میں سینی گال سلطنت مالی کا حصہ بن گیا۔ 1184ھ/1770ء میں شیخ توکلور نے وولوف قبیلے کومشرف بہ اسلام کیا۔ انھوں نے فوتا میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جو 1304ھ/1890ء تک قائم رہی۔ 1893ء میں فرانس نے سینی گال کی آخری آزاد مسلم ریاست پر تسلط جمالیا۔

ساحلِ سینی گال پر فرانسیسی 1036ھ/1626ء سے قابض تھے۔ 83-1757ء کے زمانے میں ساحلِ سینی گال پر انگریز قابض رہے۔ 64-1852ء میں الحاج عمر الفوتی نے فرانس کے خلاف جہاد کیا حتی کہ وہ بانجاغارا میں شہید ہوگئے۔ شیخ احمد ماباجاہو نے جہاد جاری رکھا اور معرکہ سومب (1867ء) میں شہادت پائی۔ فوتا میں شیخ احمد فرانسیسیوں سے آٹھ سال لڑتے رہے اور 1292ھ/1875ء میں شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ مشرقی سینی گال میں شیخ محمد الامین درامی 2 سال فرانسیسیوں سے لڑتے رہنے کے بعد 1305ھ/1887ء میں شہید ہوگئے۔ 1088ھ/ 1677ء سے یورپی سامراجیوں، پرتگالیوں، ولندیزیوں، برطانویوں اور فرانسیسیوں نے ساحلِ سینی گال پر جزیرہ گوری کو سیاہ فام افریقی غلاموں کی تجارت کا مرکز بنائے رکھا۔ یہاں سے ان غلاموں کو امریکہ لے جا کر بیچ دیا جاتا اور سفید فام آقا ان سے اپنے زرعی فارموں میں جانوروں کی طرح کام لیتے۔ سینی گال نے اگست 1960ء میں فرانسیسی سامراج سے آزادی حاصل کی۔ 89-1982ء میں سینی گال اور گیمبیا کا وفاق سینی گیمبیا وجود میں آیا جو 7 سال بعد ختم ہوگیا۔

سینی گال کی بڑی فصلیں مونگ پھلی، باجرہ، مکئی، سورگھم، چاول، کپاس، ٹماٹر ہیں۔ قدرتی وسائل میں مچھلی، فاسفیٹ اور لوہا اہم ہیں۔ سکہ CFA فرانک ہے (ایک ڈالر 468.55 فرانک کے برابر ہے) فی کس آمدنی 1900 ڈالر اور شرح خواندگی 49.7 فیصد ہے۔ سربراہ مملکت صدر عبداللہ ودیع اور وزیر اعظم سلیمان اندینی اندیائی ہیں۔ سینی گال میں فقہ مالکی رائج ہے۔ سینی گال کے سلاطین جنھوں نے فرانسیسی سامراج کے خلاف جنگیں لڑیں، ان میں لانجور جوب، البوری نجائی، سامبالاولی فال اور بیرام یاسین بویوشامل ہیں۔





جامع مسجد ڈاکار
سینی گال (افریقہ)

یہ مسجد سینی گال کے دارالحکومت ڈاکار میں واقع ہونے کی وجہ سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا ڈیزائن فرانسیسی اور مراکشی ماہرینِ تعمیرات نے باہم مل کر تیار کیا تھا اور اس کے اخراجات حکومت مراکش نے برداشت کیے۔ اس مسجد کی ایک منفرد بات یہ ہے کہ 1964ء میں اس کا افتتاح دو ملکوں کے حکمرانوں مراکش کے شاہ حسن ثانی اور سینی گال کے مسیحی صدر لیو پولڈ سیڈر سنگھور نے باہم مل کر کیا۔ یہ سینی گال کے لیے ایک اعزاز کی بات ہے۔ یہ مسجد اندرونی اور بیرونی طرف انتہائی منقش کام کی وجہ سے بہت خوبصورت لگتی ہے، اس کے واحد مینار کی بلندی 220 فٹ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سینی گال کی پہلی مسجد شہر سلوی میں بنی تھی مگر اس کا سنِ تعمیر معلوم نہیں۔ اس وقت ڈاکار میں 1000 سے زیادہ مسجدیں ہیں جبکہ پورے ملک میں مساجد کی تعداد 50 ہزار سے زائد ہے۔



نائیجیریا

نائیجیریا مغربی افریقہ میں واقع ہے اور آبادی کے لحاظ سے یہ براعظم افریقہ کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کے شمال میں ملک نائیجر، مشرق میں چاڈ اور کیمرون، مغرب میں بینن (سابق داہومی) اور جنوب میں خلیج گنی ہے۔ دریائے نائیجر ملک کے وسط میں بہتا ہے جو سیرالیون کے پہاڑوں سے نکل کر گنی، مالی اور نائیجر میں سے گزرتا ہے۔ اس کا معاون بینو نائیجیریا کا دوسرا بڑا دریا ہے جو کیمرون سے آتا ہے۔ نائیجیریا کا رقبہ 9,23,768 مربع میل ہے اور آبادی 18 کروڑ کے قریب ہے۔ اس کے ہمسایوں نائیجر اور چاڈ میں دنیا کا سب سے بڑا ریگستان صحرائے اعظم واقع ہے۔ نائیجیریا کے شمالی علاقے میں سوانا کے گھاس کے میدان ہیں جہاں شتر مرغ اور زرافے پائے جاتے ہیں، سوانا کے نیچے گرم مرطوب بارانی جنگلات کی پٹی ہے اور انتہائی جنوب میں ساحلی دلدلی علاقہ ہے۔

نائیجیریا کی 49.8 فیصد آبادی شہروں میں مقیم ہے۔ آبادی میں 60 فیصد مسلمان اور 40 فیصد عیسائی یا ارواح پرست ہیں۔ شمال میں آباد ہوسا اور فولانی قبائل (ملکی آبادی کا 29 فیصد) مسلمان ہیں، یوروبا (21 فیصد) مخلوط ہیں اور جنوب کا **ایبو** قبیلہ مسیحی ہے۔ انگریزی سرکاری زبان ہے۔ ہوسا، یوروبا، اگبو (**ایبو**) اور فولانی مقامی زبانیں ہیں۔ دارالحکومت ابوجا کی آبادی 20 لاکھ ہے جبکہ سابق دارالحکومت اور بندرگاہ لاگوس ایک کروڑ 6 لاکھ آبادی کا شہر ہے۔ کانو کی آبادی 34 لاکھ اور ابادان کی 29 لاکھ ہے۔ نائیجیریا وفاقی جمہوریہ ہے جو 36 ریاستوں اور ایک وفاقی علاقے (ابوجا) پر مشتمل ہے۔

بارھویں تا چودھویں صدی عیسوی کا زمانہ نائیجیریا میں شمال سے اسلام کے ورود کا دور ہے۔ پندرھویں سولھویں صدی سے پرتگالی اور برطانوی یہاں وارد ہوئے۔ 1861ء میں برطانیہ نے لاگوس پر قبضہ کرلیا اور پھر 1900ء تک پورا نائیجیریا اس کے تسلط میں آ گیا۔ یکم اکتوبر 1960ء کو برطانیہ سے آزادی ملی۔ ابوبکر تفاوا بلیوا وزیراعظم بنے۔ جنوری 1966ء میں

مسیحی جنرل ارونسی نے فوجی انقلاب برپا کر کے تفاوابلیوا کو شہید کر دیا۔ اگست میں ارونسی جنرل یعقوبو گوان کے ہاتھوں مارا گیا۔ یعقوبو گوان اسلام سے مرتد ہونے والا عیسائی تھا۔ 1967ء میں جنوب مشرق کے علاقے میں مسیحی کرنل ''چوکو میکو اودمیگوا جوکو'' نے بغاوت کر کے ایک آزاد ریاست بیافرا قائم کر لی جو شدید خونریزی کے بعد 1970ء میں ختم ہوئی اور کرنل اجوکو ملک سے فرار ہو گیا۔ اگلی دہائی میں جنرل مرتلا محمد نے انقلاب برپا کیا۔ 2 سال بعد وہ ایک اور فوجی انقلاب میں مارا گیا اور جنرل الوسیگن اباسنجو (مسیحی) برسراقتدار آیا۔

1979ء میں شیخو شگاری کی سول حکومت قائم ہوئی جس کا تختہ 1983ء میں جنرل محمد بوہاری نے الٹ دیا۔ 1985ء میں جنرل ابراہیم بابنگیدا نے عسکری انقلاب برپا کیا۔ متنازع انتخابات کے بعد اگست 1993ء میں عبوری سول حکومت قائم ہوئی مگر چند ماہ بعد جنرل ثانی اباچا نے تختہ الٹ دیا۔

1998ء میں اباچہ کی موت پر جنرل عبدالسلام ابوبکر نے حکومت سنبھالی۔ فروری 99ء کے صدارتی انتخابات جنرل (ر) الوسیگن اباسنجو نے جیت لیے۔ اپریل 2007ء میں عمرو موسیٰ یار آدوا صدر منتخب ہوئے۔ مئی 2010ء میں ان کی وفات پر مسیحی نائب صدر گڈلک جوناتھن نے اقتدار سنبھالا اور اپریل 2011ء میں محمد بوہاری کے خلاف صدارتی انتخاب جیت لیا۔

اکتوبر 1998ء میں نائیجیریا میں ایک شکستہ پائپ لائن سے تیل حاصل کرتے ہوئے 700 افراد آگ لگنے سے ہلاک ہو گئے۔ شمال کے صوبوں میں نفاذِ شریعت کے بعد جنوری مارچ 2000ء کے فسادات میں کم از کم 800 افراد مارے گئے۔ ستمبر اکتوبر 2001ء کے مسیحی مسلم فسادات میں 600 جانیں ضائع ہوئیں۔ اکتوبر ہی میں فوجیوں نے جنوب مشرقی نائیجیریا میں 200 افراد گولیوں سے بھون ڈالے۔ نومبر 2002ء میں مس ورلڈ کے مقابلے کی میزبانی کے منصوبے کے خلاف احتجاج پر کدونا شہر میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے جن میں 200 افراد ہلاک اور 1100 زخمی ہوئے۔ مئی 2004ء میں یلوا (وسطی نائیجیریا) میں مسیحی ملیشیا نے کم و بیش 630 مسلمان شہید کر ڈالے۔ جولائی 2009ء میں فوج کے ساتھ جھڑپوں میں شمال مشرقی نائیجیریا میں بوکو حرام تنظیم کے 800 تک لوگ جاں بحق ہوئے۔ صدر جوناتھن کے انتخاب کے بعد 12 شمالی صوبوں کے فسادات میں 800 سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ 2013ء میں ''بوکو حرام'' کے سینکڑوں افراد فوجی کارروائیوں میں شہید ہوئے۔

نائیجیریا کی بڑی فصلیں کوکو، مونگ پھلی، کپاس، پام آئل، مکئی، چاول، سورگھم، باجرہ، کساوا، رتالو اور ربڑ ہیں۔ معدنی وسائل میں قدرتی گیس، تیل، قلعی، لوہا، چونے کا پتھر، سیسہ اور جست شامل ہیں۔ سکہ نائرا ہے، فی کس آمدنی 2500 ڈالر ہے۔ قابل کاشت زمین 37.3 فیصد ہے۔ خام تیل کے ذخائر 37.2 ارب بیرل ہیں۔ شرح خواندگی 60.8 فیصد ہے۔



مرکزی جامع مسجد، ابوجا (نائیجیریا)

اس مسجد کو ملک کی قومی مسجد کا درجہ حاصل ہے۔ یہ مسجد نائیجیریا کے دارالحکومت ابوجا میں 1984ء میں بنائی گئی۔ اس کے چاروں کونوں پر چار مینار اور ان پر چار ہی چھوٹے گنبد ہیں جبکہ ایک مرکزی گنبد ہے جس کا قطر 118 فٹ اور بلندی 187 فٹ ہے۔ ہر مینار کی بلندی 308 فٹ ہے۔ مسجد کے مرکزی ہال میں 5000 نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ ہال کے اوپر تینوں اطراف میں گیلریاں بنی ہوئی ہیں جن میں 1500 خواتین نماز پڑھ سکتی ہیں۔ اس مسجد کے ساتھ ایک لائبریری اور ایک کانفرنس روم بھی بنایا گیا ہے جس میں 1500 اشخاص کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ مسجد کے چیف امام، ڈپٹی امام اور مؤذن کی رہائش گاہیں بھی تعمیر کی گئی ہیں۔

ابوجا کی تاریخ اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب نائیجیریا کی حکومت نے 1980ء میں لاگوس سے دارالحکومت ابوجا منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ابوجا کے آزادی چوک میں دارالحکومت کے شایانِ شان ایک خوبصورت مرکزی مسجد تعمیر کرنے کا سوچا گیا۔ ایک کمیٹی بنائی گئی جس نے فیصلہ کیا کہ اس مسجد کا ڈیزائن ایسا ہو جو شہر کے ہر حصے سے برابر نظر آئے۔ چنانچہ AIM کنسلٹنٹس کمپنی نے جو دیدہ زیب ڈیزائن بنایا واقعی وہ ایسا ہی تھا۔ اس مسجد کا رقبہ 55382 مربع فٹ ہے اور یہ نہ صرف ابوجا بلکہ پورے نائیجیریا کی انتہائی خوبصورت مسجد ہے۔



اٹلی

اٹلی یا اطالیہ جنوبی یورپ کا ایک اہم ملک ہے۔اس کے شمال میں سوئٹزر لینڈ اور آسٹریا، مشرق میں سلووینیا اور بحیرۂ ایڈریاٹک، مغرب میں فرانس اور بحیرۂ روم اور جنوب میں بحیرۂ آئیونین اور بحیرۂ روم واقع ہیں۔اٹلی اور اس کے دو بڑے جزیروں سسلی (صقلیہ) اور سارڈینیا کے درمیان بحیرۂ ٹائرینین گھرا ہوا ہے۔اٹلی کا رقبہ 3,01,340 مربع کلومیٹر اور آبادی 6 کروڑ سے زائد ہے۔اطالوی (اٹالین) سرکاری زبان ہے۔اس کے علاوہ شمال میں فرانسیسی، جرمن اور سلووینی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔جنوبی اٹلی میں کچھ البانوی اور یونانی اطالوی بھی آباد ہیں۔سوئٹزر لینڈ، آسٹریا اور اٹلی کے درمیان یورپ کا مشہور پہاڑی سلسلہ الپس پھیلا ہوا ہے۔

اٹلی دراصل ایک جزیرہ نما ہے۔اس کے شمال میں دریائے پو کی زرخیز وادی ہے جو بحیرۂ ایڈریاٹک میں گرتا ہے۔وسط میں ایپی نائن کا پہاڑی سلسلہ ہے جس میں سے دریائے ٹائبر نکلتا ہے۔روم کا تاریخی شہر اور پوپ کا مرکز ویٹیکن ٹائبر ہی کے کنارے واقع ہیں۔مغرب میں بحیرۂ روم کے اندر اٹلی کا جزیرہ سارڈینیا (سردانیہ) ہے اور جنوب میں مشہور جزیرہ صقلیہ (Sicily) ہے جسے آبنائے مسینا اٹلی سے جدا کرتی ہے۔827ء سے 1091ء تک مسلمانوں کے تسلط میں رہا۔اسے امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد قاضی اسد بن فرات نے فتح کیا تھا۔یہیں شریف الادریسی جغرافیہ دان نے چاندی سے دنیا کا پہلا گلوب تیار کیا تھا۔

اٹلی کے دارالحکومت روم شہر کی بنیاد 753 ق م میں رومولس نے ڈالی تھی۔یہاں رومن بادشاہ حکمران رہے، پھر 510 ق م میں رومن جمہوریہ قائم ہوئی جس کا انتظام سینیٹ کے ہاتھ میں تھا۔تیسری دوسری صدی ق م میں قرطاجہ یا قرطاجنہ (Carthage) اور روم میں تین فنیقی جنگیں (Punic Wars) لڑی گئیں۔دوسری پیونک وار میں قرطاجہ کے جرنیل



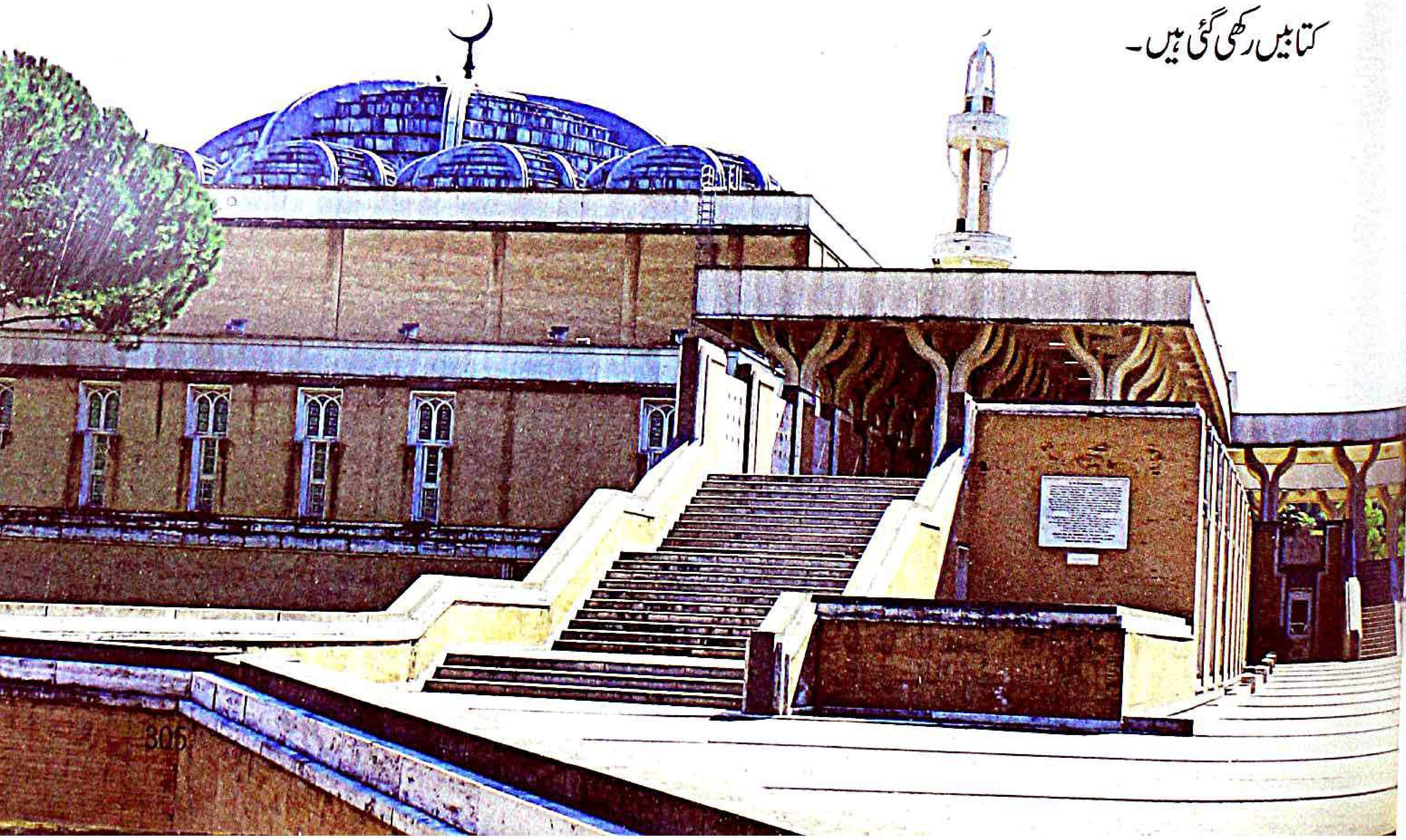
ہنی بال نے اٹلی پر یلغار کر کے بڑی شہرت حاصل کی۔ تیسری فنیقی جنگ (148-146 ق م) میں رومیوں نے قرطاجہ شہر کو نذرِ آتش کر دیا۔ 74-64 ق م میں رومیوں نے ایشیائے کوچک (ترکی)، شام اور فلسطین فتح کر لیے۔ 60 ق م میں سینیٹ نے جولیئس سیزر نامی جرنیل کو اختیارات دیے تو اس نے گال (فرانس) فتح کر لیا، سپین اور مصر بھی فتح ہو گئے۔ 44 ق م میں جولیئس سیزر قتل ہوا اور آگسٹس سیزر مختار کل بن کر 16 ق م میں ایمپرر (بادشاہ) بن بیٹھا۔ رومی سلطنت 476ء تک قائم رہی۔ 330ء میں قسطنطین اعظم نے روم کے بجائے قسطنطنیہ کو دارالحکومت بنا لیا۔ ازمنہ وسطیٰ میں اٹلی کئی ریاستوں میں بٹا رہا: جنوا، وینس (بندقیہ)، نیپلز و سسلی اور پاپائی ریاست ویٹیکن جہاں پوپ کو مذہبی و سیاسی اقتدار حاصل رہا۔ دریں اثنا اٹلی پر کبھی فرانس کا اور کبھی جرمنی کا قبضہ رہا۔ 1861ء میں اطالوی ریاستوں کے اتحاد سے موجودہ اٹلی وجود میں آیا۔

اٹلی کے بڑے شہر دارالحکومت روم (آبادی 34 لاکھ)، میلان (30 لاکھ)، نیپلز (23 لاکھ) اور ٹیورن (17 لاکھ) ہیں۔ زرعی اجناس میں انگور، آلو، چقندر، سویابین، گندم، زیتون اور معدنی پیداوار میں کوئلہ، پارہ، جست، پوٹاش، سنگِ مرمر، ایسبسٹاس، گندھک، قدرتی گیس اور معدنی تیل شامل ہیں۔ سکہ یورو (پہلے لیرا) اور فی کس آمدنی 30500 ڈالر ہے۔ شرح خواندگی 98.9 فیصد ہے۔ اہم بندرگاہیں جنوا، وینس، نیپلز، باری، سلرنو، کٹانیہ (سسلی) اور کاگلری (سارڈینیا) ہیں۔

جامع مسجد روم (اٹلی)

یہ مسجد نہ صرف اٹلی بلکہ پورے یورپ میں مسلمانوں کی سب سے بڑی عبادت گاہ ہے۔ اس کا رقبہ 3,20,000 مربع فٹ ہے اور اس میں 12,000 نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ یہ مسجد روم شہر میں ماؤنٹ انٹین کے دامن میں واقع ہے جو کہ سرسبز علاقہ ہے۔ یہ اٹلی کا مرکزی اسلامک سنٹر بھی ہے۔ 1970ء کی دہائی میں افغانستان کے ایک جلاوطن شہزادے محمد حسن اور اس کی بیوی شہزادی رضیہ بیگم کے باہمی اشتراک سے اس مسجد کی تعمیر عمل میں آئی اور شاہ فیصل نے بھی مالی معاونت کا وعدہ کیا۔ روم شہر کی سٹی کونسل نے اس کے لیے زمین تحفتاً دی لیکن کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر اس کا سنگِ بنیاد 1984ء (1405ھ) میں رکھا گیا۔ کیتھولک فرقہ کے روحانی پیشوا پوپ جان پال دوم نے خصوصی دعا کی۔ جب مسجد مکمل ہوگئی تو جذبۂ خیر سگالی کے پیش نظر اٹلی کے صدر نے 21 جون 1995ء کو اس کا افتتاح کیا۔

کیتھولک مسیحی فرقے کے گڑھ میں یورپ کی سب سے بڑی مسجد کا وجود ہی اسلام کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کی تعمیر میں تھوڑا سا اختلاف اس وقت پیدا ہوا جب مسجد کے مینار کی بلندی رومن چرچ سے بڑھنے لگی لیکن بعد ازاں اس مسئلے کو نہایت خوش اسلوبی سے اس طرح حل کر لیا گیا کہ مینار کی بلندی سینٹ پیٹر چرچ سے دو فٹ کم کر دی گئی۔ اب گنبد کی بلندی 130 فٹ اور مینار کی بلندی 141 فٹ ہے۔ اس مسجد کے ساتھ ایک لائبریری بھی قائم کی گئی ہے جس میں دس ہزا کتابیں رکھی گئی ہیں۔





تائیوان

جزیرہ تائیوان بحیرۂ چین مشرقی اور بحیرۂ چین جنوبی کے درمیان ساحل چین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں بحرالکاہل (Pacific) ہے۔ اس کا رقبہ 35980 مربع کلومیٹر اور آبادی اڑھائی کروڑ کے قریب ہے۔ آبادی میں تائیوانی (مقامی چینی) 84 فیصد ہیں اور 1949ء کے بعد ملک چین سے آ بسنے والے 14 فیصد ہیں۔ منڈارن چینی سرکاری زبان ہے۔ 93 فیصد آبادی بدھ مت اور تاؤمت سے تعلق رکھتی ہے جبکہ عیسائی 5 فیصد ہیں۔ شمالی ساحل پر دارالحکومت تائپے کی آبادی 27 لاکھ ہے۔ کاؤسیونگ (16 لاکھ) اور تائی چونگ (13 لاکھ) مشہور شہر ہیں۔

تائیوان پر 1620ء اور 1662ء کے درمیان ڈچ سامراجی قابض رہے۔ انھوں نے اسے فارموسا کا نام دیا تھا۔ پھر یہ چین میں شامل ہو گیا۔ 1895ء سے 1945ء تک اس پر جاپان کا قبضہ رہا۔ جاپان کو شکست ہوئی تو جنرل سمو چیانگ کائی شیک کی چینی افواج نے اس پر تسلط جما لیا۔ 1949ء میں چین کی قوم پرست (کومنتانگ) حکومت چیانگ کائی شیک کی قیادت میں فرار ہو کر تائیوان چلی آئی۔ چیانگ کائی شیک نے 1975ء میں وفات پائی۔

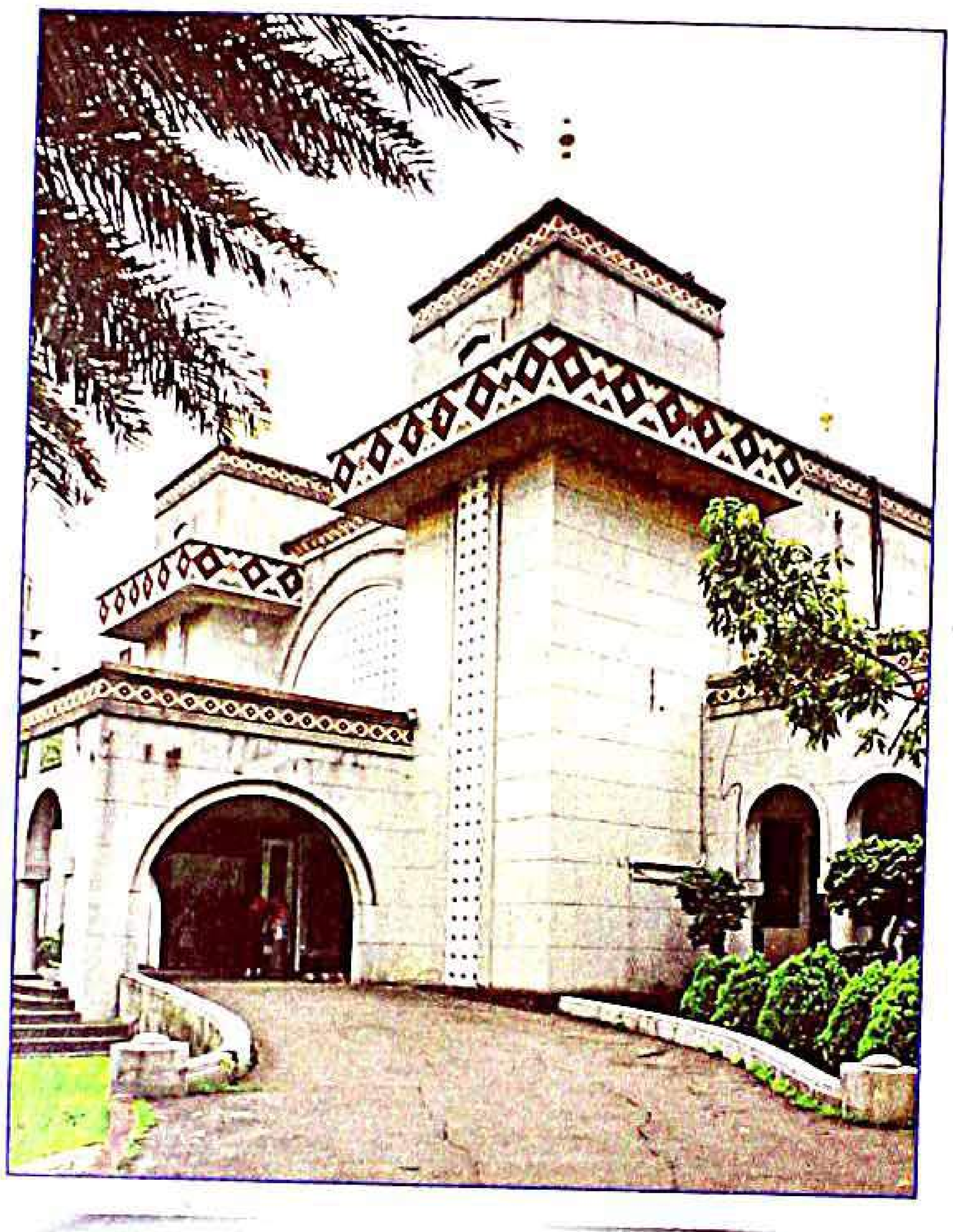
دریں اثنا اقوام متحدہ نے 1971ء میں عوامی جمہوریہ چین (کمونسٹ چین) کو تسلیم کر لیا اور تائیوان سے نشست واپس لے لی۔ یوں تائیوان کی جگہ کمونسٹ چین سلامتی کونسل کا رکن اور ویٹو پاور کا حامل بن گیا۔ 1987ء میں تائیوان میں مارشل لاء اٹھا لیا گیا جو 38 سال سے چلا آ رہا تھا اور 1991ء میں ایمرجنسی کا اختتام ہوا۔ مارچ 2000ء میں نیشنلسٹ پارٹی کے پانچ عشرے طویل اقتدار کا خاتمہ ہوا جب جمہوری ترقی پسند پارٹی چن شوئی بیان نے صدارتی الیکشن جیت لیا۔

نومبر 2008ء میں سابق صدر چن شوئی بیان کو کرپشن کے الزامات میں عمر قید کی سزا سنائی گئی۔

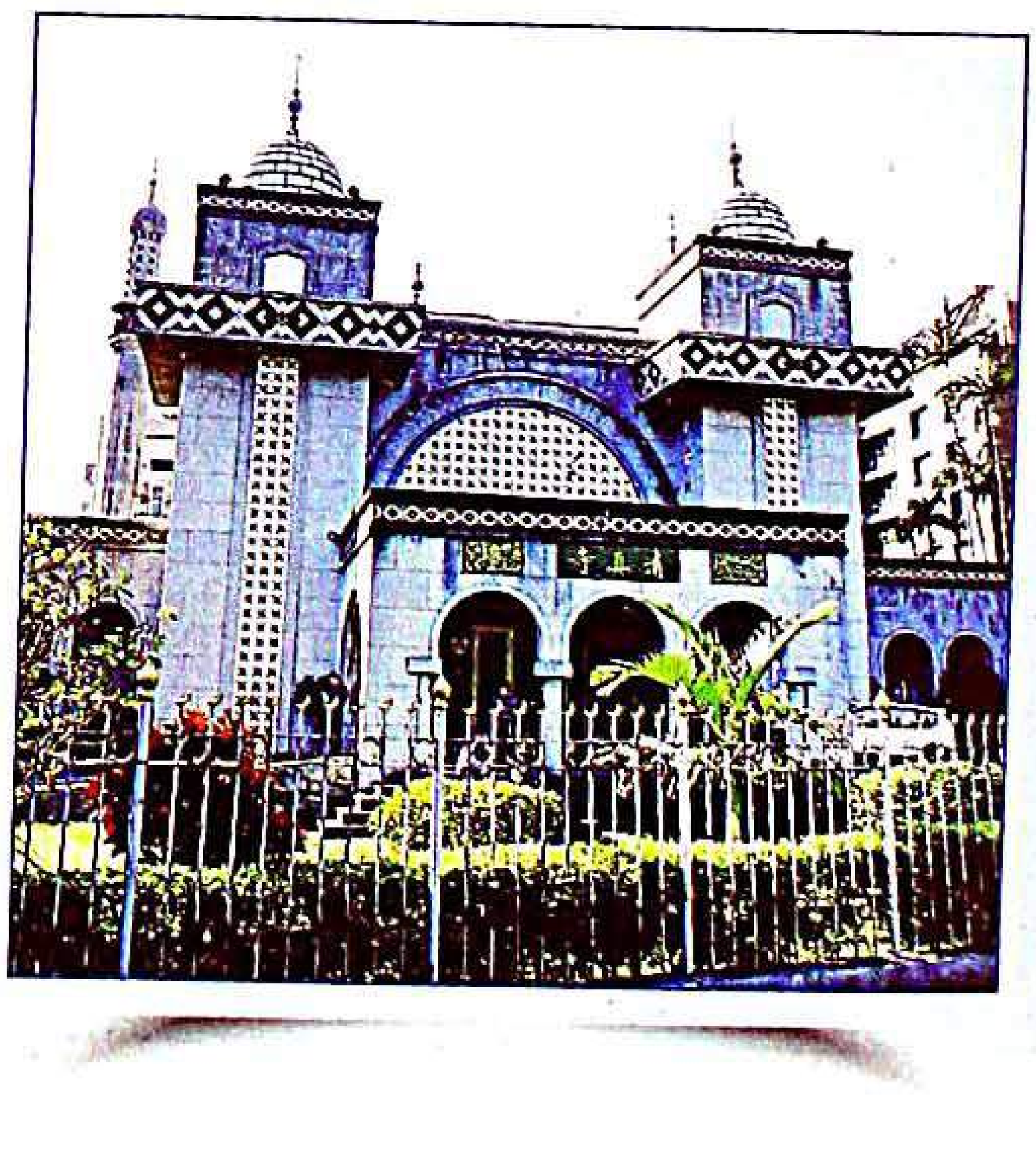
عوامی جمہوریہ چین 1949ء سے تائیوان کو اپنا باغی صوبہ سمجھتا آ رہا ہے۔ 1991ء تک حکومت تائیوان خود کو دونوں حصوں کی حکومت قرار دیتی رہی۔ پھر دونوں میں تجارتی تعلقات استوار ہوئے۔ 2003ء میں چین نے امریکہ کی جگہ تائیوان کے سب سے بڑے تجارتی پارٹنر کی حیثیت اختیار کر لی۔

گرینڈ مسجد، تائپے (تائیوان)

یہ تائیوان میں سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس کا مجموعی رقبہ 2747 مربع میٹر ہے۔ تائیوان کے دارالحکومت تائپے کے ضلع ڈان (Daan) میں یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ حکومت نے 26 جون 1999ء کو ایک مسلم ادارے کی حیثیت سے اسے رجسٹرڈ کر لیا۔



چینی مسلم ایسوسی ایشن کے ڈائریکٹر جنرل اور وزارتِ امورِ داخلہ کے وزیر، دونوں نے 1958ء میں یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ تائپے شہر کے مسلمانوں کے لیے اسلامی طرز کی ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ اس کے لیے ایک مشہور چینی آرکیٹیکٹ یانگ چو کا ڈیزائن منظور کر لیا گیا۔ حکومت نے مسجد کے لیے زمین کا عطیہ دیا اور کونٹی نینٹل انجینئرنگ کارپوریشن نے اس مسجد کی تعمیر کا فریضہ انجام دیا۔ 13 اپریل 1960ء کو یہ خوبصورت مسجد تیار ہو گئی۔ مسجد کے تعمیری اخراجات مقامی مسلمان تنظیم نے خود اکٹھے کیے۔ اس کے علاوہ شاہِ ایران نے ڈیڑھ لاکھ ڈالر اور اُردن کے شاہ حسین نے ایک لاکھ ڈالر بطور عطیہ دیے۔ مسجد کے مرکزی ہال کی چھت 49 فٹ بلند ہے۔ اس میں روزانہ پانچوں وقت نماز کے علاوہ نمازِ جمعہ بھی باقاعدگی سے ادا کی جاتی ہے۔ سعودی عرب کی حکومت اپنے سفارت کے وساطت سے اس مسجد کو ہر طرح کی معاونت مہیا کرتی ہے۔ ہر سال رمضان میں سعودی عرب کے ایک جید امام باقاعدگی سے یہاں آ کر مقامی مسلمانوں کو وعظ کرتے ہیں۔





سنگاپور

سنگاپور جزیرہ نما ملایا کے جنوبی سرے پر واقع ہے۔اس کا رقبہ 697 مربع کلومیٹر اور آبادی 55 لاکھ ہے۔آبادی میں 77 فیصد چینی، 14 فیصد ملائی اور 8 فیصد ہندوستانی (ہندو، مسلم، سکھ) ہیں، مذہبی لحاظ سے سنگاپور میں 43 فیصد بدھ، 15 فیصد مسلمان، 9 فیصد تاؤ، 5 فیصد کیتھولک عیسائی، 4 فیصد ہندو اور 10 فیصد دیگر مسیحی ہیں۔

آبنائے جوہور سنگاپور کو جزیرہ نما ملایا ملائیشیا سے الگ کرتی ہے۔سنگاپور کے مغرب میں آبنائے ملاکا کے پار انڈونیشیا کا جزیرہ سماٹرا ہے اور مشرق میں بحیرۂ چین جنوبی کے پار انڈونیشی جزیرہ بورنیو (کلمنتان) واقع ہے۔جزیرہ سنگاپور میں محدود رقبے پر صرف سبزیاں کاشت ہوتی ہیں یا باغات ہیں۔قدرتی وسائل میں صرف سمندری مچھلی ہے، البتہ صنعتوں میں سنگاپور بہت ترقی یافتہ ہے۔ یہاں الیکٹرانکس، کیمیکلز، آئل ڈرلنگ مشینری، تیل صاف کرنے کا کارخانہ، ربڑ پروسیسنگ، ڈبہ بند غذائیں، مشروبات، آف شور پلیٹ فارم کی صنعتیں بہت ترقی کر چکی ہیں۔سنگاپور کی فی کس آمدنی 62100 ڈالر ہے۔سکہ سنگاپور (SGD) ڈالر ہے۔شرح خواندگی 94.7 فیصد ہے۔

سنگاپور 1819ء سے 1959ء تک برطانوی تسلط میں رہا جب اسے دولت مشترکہ میں خود مختار مملکت کا درجہ مل گیا۔16 ستمبر 1963ء کو ملایا، سنگاپور اور سراوک وصباح (جزیرہ بورنیو) کے اشتراک سے وفاق ملائیشیا وجود میں آیا لیکن سنگاپور کے چینیوں کی ملائیوں (مسلمانوں) سے نہ بنی اور 19 اگست 1965ء کو سنگاپور نے الگ ہو کر آزاد مملکت کی حیثیت حاصل کر لی۔لی کوان یو 1959ء سے 1999ء تک سنگاپور کے وزیراعظم رہے۔ان کے عہد میں اس ننھے سے ملک نے بے مثال ترقی کی۔پھر گوہ چوک ٹونگ 14 برس برسرِاقتدار رہے۔اگست 2004ء سے لی کوان یو کے بیٹے لی سائن لونگ وزیراعظم چلے آ رہے ہیں۔

سلطان مسجد (سنگاپور)

سنگاپور کی تاریخی عرب سٹریٹ میں واقع سلطان مسجد کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ یہ ملایا کے سابق حکمران سلطان حسین شاہ کے محل کے قریب تعمیر کی گئی ہے۔ یہ مسجد خوبصورت سنہری پیازی رنگ کے گنبد اور اونچے میناروں کے ساتھ شانِ اسلام کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ 1924ء میں اس مسجد کی تعمیر کا آغاز ہوا اور چار سال بعد 1928ء میں یہ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس وقت سنگاپور میں چالیس سے زائد مساجد موجود ہیں لیکن ان میں سلطان مسجد کو ایک مرکزی مقام حاصل ہے۔ راقم الحروف کو اس خوبصورت مسجد کو دیکھنے اور اس میں نماز ادا کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اس مسجد کو اس کی پرانی جگہ پر دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے۔

سلطان مسجد میں پانچ ہزار نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ ایک برطانوی آرکی ٹیکٹ ڈینس سینٹری نے تاج محل، ایرانی اور ترکی طرز کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کا ڈیزائن تیار کیا تھا۔ سنگاپور کی حکومت مارچ 1975ء میں اس مسجد کو قومی یادگار کا درجہ دے چکی ہے۔





جنوبی کوریا

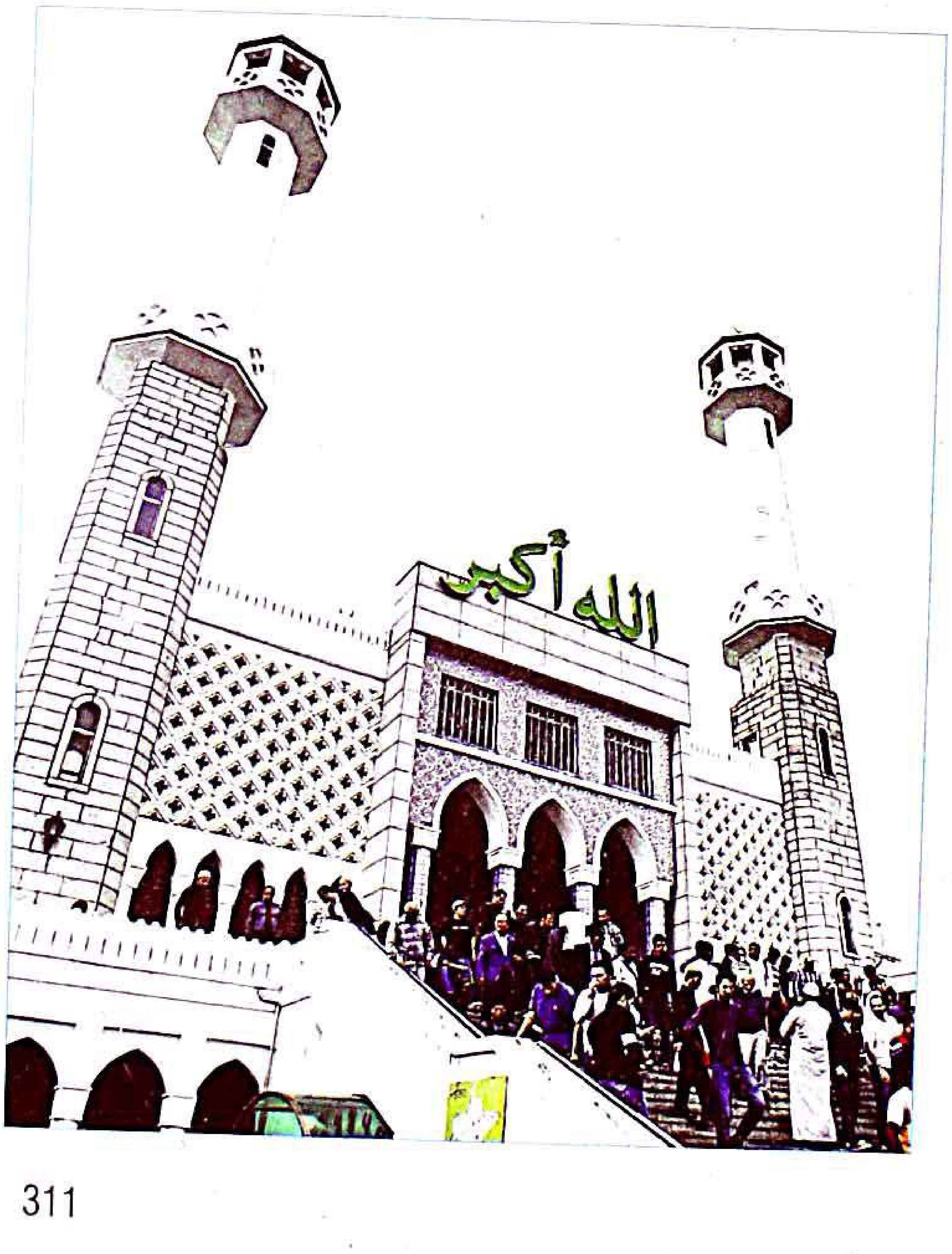
شمال مشرقی ایشیا کا ملک جنوبی کوریا ایک ترقی یافتہ ملک ہے۔اس کے شمال میں شمالی کوریا، شمال مشرق اور مشرق میں بحیرۂ جاپان، مغرب میں بحیرۂ زرد اور جنوب میں بحیرۂ چین مشرقی واقع ہے۔جنوب مشرق میں آبنائے کوریا اسے جاپان سے جدا کرتی ہے۔

جنوبی کوریا کا رقبہ 99720 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 5 کروڑ ہے۔باشندے کورین نسل کے ہیں اور کچھ چینی ہیں۔ شہری آبادی 60.2 فیصد ہے۔قومی اور سرکاری زبان کورین ہے۔آبادی میں 29.2 فیصد عیسائی اور 22.8 فیصد بدھ ہیں۔46.5 فیصد لامذہب اور 1.7 فیصد مسلم وغیرہ ہیں۔دارالحکومت سیول کی آبادی ایک کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ پوسان کی آبادی تقریباً 35 لاکھ، انچیوں کی تقریباً 26 لاکھ اور ڈائیگو کی تقریباً 25 لاکھ ہے۔

پہلی صدی ق م سے کوریا راہب بادشاہت (Hermit Kingdom) کہلاتا تھا۔668ء میں سلاّ خانوادے نے اسے متحد کیا۔بعد میں کئی بار اس کا الحاق سلطنتِ چین سے ہوا۔95-1894ء کی چین جاپان جنگ کے بعد کوریا مکمل آزاد ہوگیا مگر 1910ء میں جاپان نے اس پر قبضہ کر کے اسے چوسون کا نام دیا۔دوسری جنگ عظیم کے اواخر میں شمالی علاقے پر روسی فوجوں نے اور جنوبی علاقے پر امریکی فوجوں نے قبضہ کر لیا اور پوٹسڈم کانفرنس (جولائی 1945ء) کے فیصلے کی رو سے شمالی کوریا میں روس کے زیرِ حفاظت کمونسٹ حکومت قائم ہوگئی اور جنوبی کوریا ڈاکٹر سنگمن ری کی قیادت میں جمہوریہ کوریا

بن گیا۔ جون 1950ء میں شمالی کوریا کی فوج نے جنوبی کوریا پر حملہ کر دیا۔ امریکی فوج کے زیرِ کمان اقوام متحدہ کی فوجیں جنوبی کوریا کی مدد کو پہنچ گئیں۔ روس اور چین شمالی کوریا کے پشت پناہ بنے رہے۔ یہ جنگ تین سال بعد جولائی 1953ء میں ختم ہوئی۔ اس جنگ میں نصف لاکھ امریکی مارے گئے۔ معاہدہ امن کی رو سے 34 ویں عرض بلد پر غیر فوجی زون (DMZ) قائم کیا گیا۔ اکتوبر 1979ء میں کورین سی آئی اے کے چیف نے صدر جنرل پارک چنگ ہی کو قتل کر دیا، وہ مئی 1961ء کے فوجی انقلاب میں برسرِ اقتدار آیا تھا۔ اگست 1996ء میں سابق صدر چندو ہوان کو 1979ء کی سازش اور کوانگجو کے قتل عام کے الزام میں عدالت نے سزائے موت سنائی جو بعد میں عمر قید میں بدل دی گئی۔ اس کے جانشین روہ تائی وُو کو 17 سال کی سزا ہوئی مگر دسمبر 1997ء میں دونوں کو معافی دے کر رہا کر دیا گیا۔ سابق وزیر خارجہ بان کی مون نے یکم جنوری 2007ء کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کا منصب سنبھالا۔ جنگِ عراق (8-2003ء) میں جنوبی کوریا نے 3600 فوجی بھیجے۔ 2011ء میں جنوبی کوریا کے 350 فوجی افغانستان میں تعینات تھے اور 28500 فوجی جنوبی کوریا میں مقیم تھے۔

سیئول سنٹرل مسجد (جنوبی کوریا)

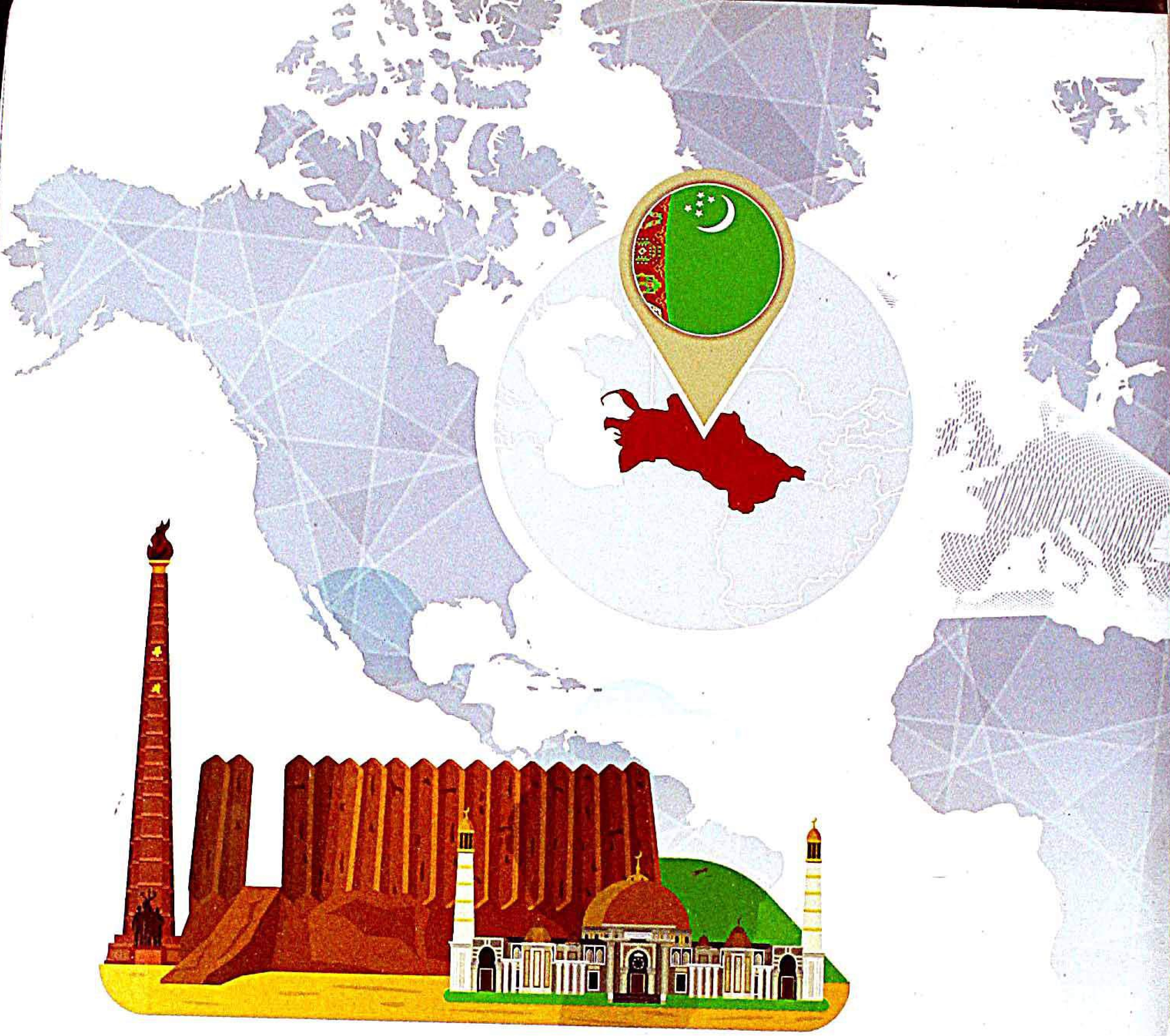


یہ سیئول میں مسلمانوں کی واحد مسجد ہے۔ اس کی تعمیر 1976ء میں مکمل ہوئی۔ تقریباً ایک ہزار لوگ یہاں نماز جمعہ پڑھنے آتے ہیں۔ ان میں سیئول میں مقیم سفارتکاروں کے علاوہ عرب ممالک، مشرقِ وسطیٰ، بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش، ملائیشیا، انڈونیشیا اور ترکی سے آئے ہوئے لوگوں کی کثیر تعداد ہوتی ہے۔ اس مسجد کے دو مینار ہیں۔ اس کی نمایاں خصوصیت اس کی پیشانی پر جلی حروف میں لکھا ہوا ''اللہ اکبر'' ہے جو نہ صرف مسجد کی شان بلکہ شانِ کبریائی کو بلند کرتا ہے۔

ترکمانستان

ترکمانستان وسطی ایشیا کا ایک صحرائی ملک ہے۔ اس کے شمال میں قازاقستان، شمال مشرق میں ازبکستان، جنوب میں افغانستان اور ایران اور مغرب میں بحیرۂ کیسپین واقع ہے۔ بحیرہ قزوین (کیسپین) کے پار آذربائیجان اس کا ہمسایہ ہے۔ جنوب مشرق میں دریائے آمو (جیحون) ازبکستان ترکمانستان میں سے بہتا ہوا ازبکستان میں داخل ہو جاتا ہے۔ ترکمانستان کا صحرا قرہ قم (سیاہ ریگستان) کہلاتا ہے اور وہ ملک کے 90 فیصد رقبے پر محیط ہے۔ افغانستان سے آنے والا دریائے مرغاب تاریخی شہر مرو کے شمال مغرب میں جا کر قرہ قم میں گم ہو جاتا ہے۔ آمو دریا سے نکالی گئی نہر دریائے مرغاب میں ڈال کر آبپاشی کا بندوبست کیا گیا۔ ترکمانستان کا رقبہ 4,88,100 مربع کلومیٹر اور آبادی 50 لاکھ کے قریب ہے۔ دارالحکومت عشق آباد ایرانی سرحد کے قریب واقع ہے، اس کی آبادی تقریباً ساڑھے چھ لاکھ ہے۔ اس کے قریب ہی امام نسائی کے شہر نسا کے کھنڈر ہیں۔

قدیم زمانے میں ترکمانستان عظیم ترین خراسان کا حصہ تھا۔ مختلف ادوار میں اس پر ہخامنشی ایرانیوں، یونانیوں، باختریوں، اشکانیوں، ساسانیوں کی حکومت رہی۔ 22ھ/23ھ میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے مروشاہجہان (ماری) فتح کیا۔ مفرور ساسانی بادشاہ یزدگرد شاہ مرورود (افغانستان) کی طرف نکل گیا۔ کچھ عرصہ بعد یزدگرد نے لوٹ کر مروشاہجہان کا محاصرہ کر لیا مگر احنف کی آمد پر وہ فرغانہ کی طرف فرار ہو گیا اور خلافت عثمانی (51ھ) میں مرورود میں مارا گیا۔ سیدنا بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ مجاہدین کے ہمراہ یہاں آئے اور یہیں مقیم رہ کر وفات پائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خراسان اور مرو کے جہاد میں شرکت اور وہیں آباد ہونے کی تاکید کی تھی۔ اس حدیث کے مطابق ذوالقرنین نے مرو کی بنیاد رکھی تھی اور عزیر علیہ السلام نے یہاں نماز پڑھی تھی۔ خلیفہ مامون عباسی مرو میں مقیم رہا۔ دسویں صدی عیسوی میں ترکمانستان سامانی سلطنت کا حصہ رہا۔ سلجوقی دور میں سلطان سنجر نے مرو کو دارالحکومت بنایا، پھر یہ خوارزم شاہی سلطنت میں شامل رہا حتی کہ 21-1220ء میں تاتاریوں نے اسے تباہ کر دیا۔ 1881ء میں روسیوں نے



ترکمانستان فتح کرلیا۔1884ء میں وہ مرو پر بھی قابض ہوگئے۔1925ء میں سوویت اشتراکی جمہوریہ ترکمانستان قائم ہوئی۔1991ء میں سوویت روس کے ٹوٹنے پر ترکمانستان آزاد ہوگیا۔

ترکمانستان میں 85 فیصد ترکمان، 5 فیصد ازبک اور 4 فیصد روسی آباد ہیں۔روسی رسم الخط میں ترکمانی سرکاری زبان ہے۔89 فیصد آبادی مسلمان اور 9 فیصد ایسٹرن آرتھوڈکس عیسائی ہیں۔49.5 فیصد آبادی شہروں میں آباد ہے۔صدر قربان قلی بردۂ محمد ہیں جنھیں روسی رسم الخط میں ''گربان گلی بردی مخمّدوف'' لکھا جاتا ہے۔اس کا والد صدر سومراد نیاز (متوفی 2006ء) ''ترکمان باشی'' کہلاتا تھا۔ترکمانستان کی بڑی فصلیں کپاس اور گندم ہیں۔معدنی وسائل میں تیل، گیس، گندھک اور نمک شامل ہیں۔خام تیل کے ذخائر 60 کروڑ بیرل ہیں۔فی کس آمدنی 7500 ڈالر ہے۔سکّہ منات کہلاتا ہے۔2011ء میں 2.85 منات ایک ڈالر کے برابر تھے۔شرح خواندگی 99.6 فیصد ہے۔تیل وگیس کے باعث ترکمانستان بہت اچھی اقتصادی پوزیشن رکھتا ہے۔



حاجی مراد مسجد، عشق آباد (ترکمانستان)

یہ مسجد عشق آباد شہر سے باہر مغرب کی جانب ایک پرانے قلعے کی باقیات پر تعمیر کی گئی ہے۔ یہ قلعہ اس جگہ واقع تھا جہاں 1881ء میں روس کی فوجوں نے ترکمانستان پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے لیے لڑائی لڑی تھی۔ یہ مسجد ان غازیوں کے سالار حاجی مراد کے نام سے موسوم ہے جنھوں نے اس جنگ میں حصہ لیا تھا۔ ترکمانستان کے صدر سفر مراد نیاز نے 1992ء میں اس مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا اور یہ 1995ء میں مکمل ہوئی۔ یہ مسجد ترکمانستان کی روس سے آزادی کے بعد پہلا بڑا پراجیکٹ تھا۔ ایک فرنچ کنسٹرکشن کمپنی نے یہ مسجد تعمیر کی تھی۔ اس کے چار نصف بیضوی گنبد ہیں جبکہ درمیان والا گنبد بڑا ہے۔ ان پانچوں گنبدوں کی اوپری سطح پر سبز رنگ کیا ہوا ہے۔ چاروں کونوں پر چار مینار ہیں۔ ہر مینار کی بلندی 63 میٹر ہے۔ اس مسجد میں ایک وقت میں 8000 نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مرکزی ہال میں بڑے گنبد کے نیچے دو ٹن وزنی فانوس لٹک رہا ہے۔ یہ فانوس فرانس سے منگوایا گیا تھا۔ اس فانوس میں لگے ہوئے 260 بلب مسجد کو جگمگا دیتے ہیں۔ مسجد کے مشرق میں ایک خوبصورت کمپاؤنڈ بنایا گیا ہے جس کے درمیان ستارہ نما خوبصورت تالاب بنا ہوا ہے۔ ہال میں ترکمانستان ہی کے ہاتھ کے بُنے ہوئے خوبصورت قالین بچھائے گئے ہیں۔

رُوحی مسجد، عشق آباد (ترکمانستان)

یہ مسجد پورے وسطی ایشیا میں سب سے بڑی مسجد ہے۔ اسے ترکمانستان کے صدر سفر مراد نیاز نے 2001ء میں تعمیر کروایا۔ یہ مسجد عین اس جگہ تعمیر کی گئی ہے جہاں ایک زلزلے میں صدر نیاز کی والدہ اور دو بھائی شہید ہو گئے تھے۔ یہ زلزلہ 1948ء میں آیا تھا۔ اس مسجد میں بیس ہزار نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کے ہال میں ترکمانستان ہی کا دستی بُنا ہوا قالین بچھایا گیا ہے۔ یاد رہے ترکمانستان کے دستی قالین ساری دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔ یہ مسجد دو منزلہ ہے۔ دوسری منزل پر خواتین نماز ادا کرتی ہیں۔ مسجد کے چاروں کونوں پر چار مینار آسمان کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں جبکہ مرکزی ہال کے اوپر سنہری گنبد ہے۔ ہر مینار کی بلندی 300 فٹ اور گنبد کی بلندی 165 فٹ ہے۔ گنبد کے اوپر والے حصے پر سونے کا کام کیا ہوا ہے۔ مسجد کے چاروں طرف خوبصورت باغیچے بنے ہوئے ہیں جن کے اندر نہایت دیدہ زیب فواروں کی پھوار محوِ رقص رہتی ہے۔ مسجد کے ہال کی دیواروں پر صدر نیاز کی لکھی ہوئی کتاب ''روح نامہ'' سے اقتباسات رقم کیے گئے ہیں جو کہ ترکمانی زبان میں ہیں۔



ایران

ایران خلیج فارس، بحیرۂ کیسپین (خزر) اور کوہ قاف کے درمیان واقع ہے۔ اس کے شمال میں آرمینیا، آذربائیجان اور بحیرۂ قزوین (خزر)، شمال مشرق میں ترکمانستان، شمال مغرب میں ترکی، مشرق میں ترکمانستان، افغانستان اور پاکستان، جنوب مغرب میں خلیج فارس اور جنوب میں آبنائے ہرمز اور خلیج عُمان ہیں۔ آبنائے ہرمز اور خلیج عُمان کے پار عُمان اور متحدہ عرب امارات ایران کے قریبی ہمسائے ہیں۔ ایران کا رقبہ 164800 مربع کلومیٹر اور آبادی پونے آٹھ کروڑ ہے۔ 98 فیصد آبادی مسلمان ہے جس میں 89 فیصد شیعہ ہیں اور باقی اہل سنت جو زیادہ تر ایرانی بلوچستان وسیستان میں آباد ہیں۔ بہائی، پارسی (آتش پرست)، یہودی اور عیسائی معمولی اقلیت میں ہیں۔ تہران دارالحکومت (آبادی 75 لاکھ) ہے، دیگر بڑے شہر مشہد (آبادی 18 لاکھ)، اصفہان (12.5 لاکھ)، تبریز (12 لاکھ)، شیراز (10.5 لاکھ) ہیں۔ 55 فیصد آبادی شہری ہے اور 45 فیصد دیہی۔

ایران (فارس) میں سولھویں صدی ق م میں آریہ آباد ہونے شروع ہوئے تھے۔ ایران کی تاریخ چھٹی صدی ق م میں کوروش کبیر (ذوالقرنین) سے شروع ہوتی ہے جس نے فارسی قبائل کو متحد کیا اور بابل (عراق) اور لیڈیا (ترکی) فتح کر کے ہخامنشی سلطنت مضبوط کی۔ اس خانوادے کے دار یوش یا دارا اول نے گندھارا (شمالی پنجاب وسرحد)، سندھ، مقدونیہ اور یونان فتح کیے، تاہم جنگ میراتھون (490 ق م) میں یونانیوں سے شکست کھائی۔ دارا سوم کو 330 ق م میں سکندر اعظم نے شکست دی اور دارا مارا گیا۔ پھر 150 ق م تک ایران پر یونانی حکمران رہے حتی کہ حکومت اشکانیوں (Parthicans) کے ہاتھ آئی۔ 226ء میں ایران میں ساسانی سلطنت قائم ہوئی جس کا پہلا دارالحکومت اصطخر اور دوسرا مدائن (عراق) تھا۔ نبی کریم ﷺ نوشیرواں ساسانی کے عہد میں پیدا ہوئے، اس کے پوتے خسرو پرویز نے آپ ﷺ کا دعوتی نامہ مبارک چاک کر ڈالا اور پھر آپ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق عہد فاروقی میں مسلمانوں کے ہاتھوں ساسانی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ عباسی خلافت کمزور ہوئی تو ایران پر پہلے بویہی شیعہ اور پھر سنی سلجوقی ترک چھا گئے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں تاتاریوں نے ایران کو زیر وزبر کر ڈالا۔ ان کے بعد تیموری اور صفوی یہاں حکمران رہے۔ اسماعیل صفوی (24-1501ء) نے جبر وزور سے ایران کو شیعہ مملکت بنا ڈالا۔ پھر زند اور قاچار بادشاہ حکمران رہے حتی کہ 1925ء میں سپہ سالار رضا خاں نے پہلوی بادشاہت قائم کی جو اس کے جانشین محمد رضا شاہ (79-1941ء) کے زوال پر امام خمینی کے



ہاتھوں ختم ہوگئی۔

ایران فتنوں کی سرزمین ہے۔ پہلا بڑا فتنہ حسن بن صباح طوسی (متوفی 1124ء) کے فدائین کا تھا۔ گیارھویں صدی کے اواخر میں وہ مصر سے بھاگ کر شمالی ایران آیا اور یہاں پہاڑی قلعہ الموت میں نزاری اسماعیلیوں کا مرکز قائم کر کے عبیدی (فاطمی) خلافت کے مدعی نزار (مقتول) کے پوتے مہتدی بن ہادی کی پرورش کی۔ 557ھ/1162ء میں مہتدی کا بیٹا القاہر حسن تخت نشین ہوا۔ ان کے پیروکار فدائی تاریخ میں حشیشین کہلاتے ہیں جنھوں نے اہل سنت کے کتنے ہی علماء اور سیاستدان دغابازی سے شہید کیے۔ ہلاکو خاں نے 1256ء میں قلعہ الموت پر قبضہ کر کے اسماعیلی ریاست کا خاتمہ کر دیا اگرچہ ہلاکو خاں نے خود ایک فتنہ بن کر بغداد کی عباسی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں ایران میں محمد علی باب اور بہاء اللہ کی جھوٹی نبوت کا فتنہ اٹھا۔ باب کی پیروکار قرۃ العین طاہرہ شاعرہ کو 1852ء میں سزائے موت دی گئی۔ بہاء اللہ نے عثمانی ترکوں کے زیرِ حکومت عکّا (فلسطین) میں 1892ء میں بحالتِ قید وفات پائی۔

ایران کی زرعی پیداوار گندم، چاول، چقندر، گنا، زعفران، کپاس اور پھل ہیں۔ معدنی وسائل میں تیل، گیس، کوئلہ، کرومیم، تانبا، لوہا، سیسہ، مینگنیز، جست اور گندھک شامل ہیں۔ خام تیل کے ذخائر 137 ارب بیرل ہیں۔ فی کس آمدنی 10600 ڈالر ہے۔ شرح خواندگی 85 فیصد ہے۔ فارسی سرکاری اور تعلیمی زبان ہے۔ ایران علاقے کی فوجی طاقت ہے۔ وہ دور مار میزائل اور ڈرون طیارے تیار کر چکا ہے، نیز ایٹم بم بنانے کے لیے خاصی یورانیم افزودہ کر چکا ہے۔

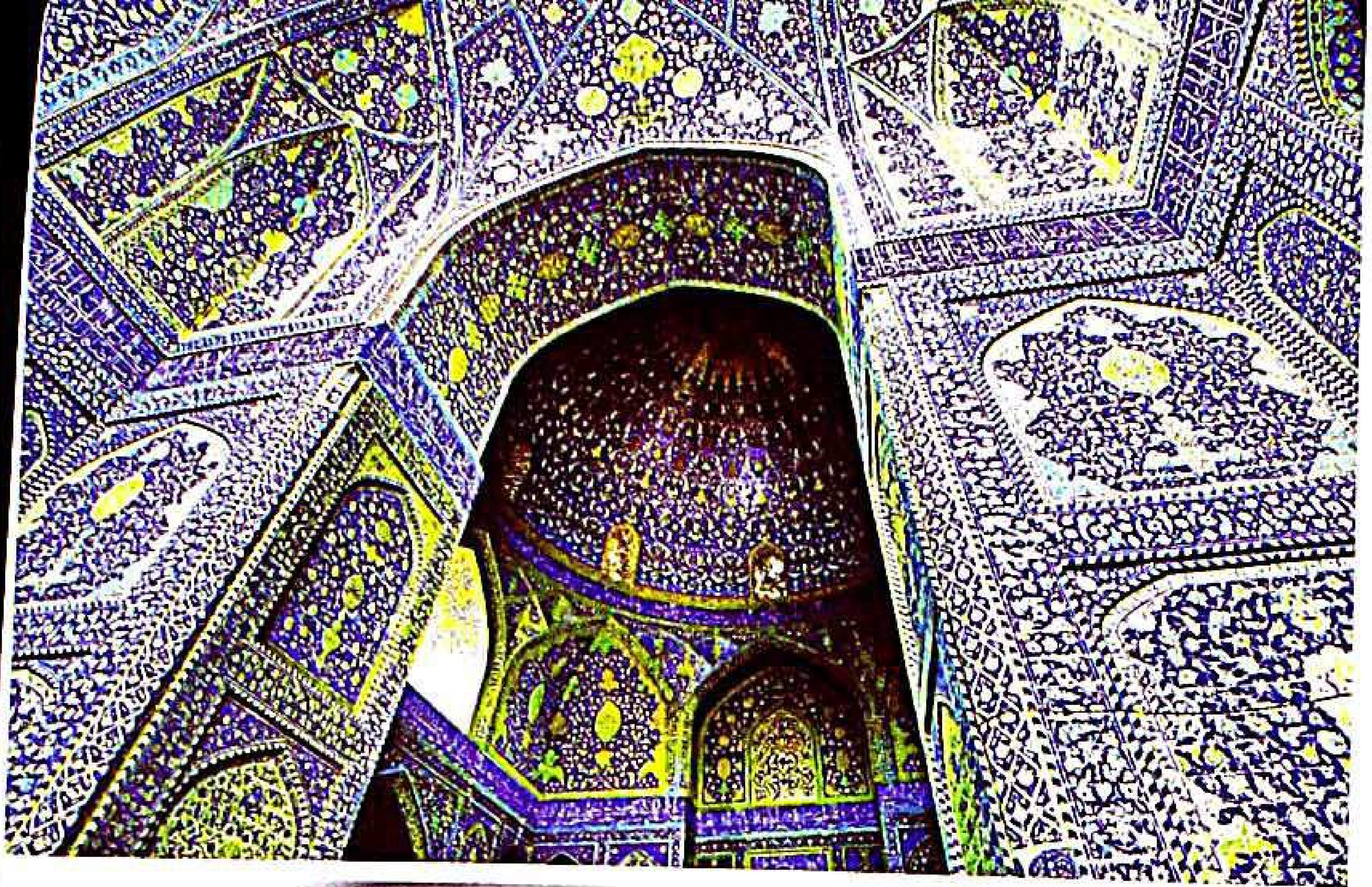
مشاہیر ایران میں امام مسلم، امام ابن ماجہ، امام طبری، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، شیعہ فقیہ کلینی، اصطخری جغرافیہ دان، فردوسی طوسی، ابو مسلم خراسانی، ابوبکر رازی (طبیب)، ابوالفرج اصفہانی، ابن الطبری (طبیب)، امام رازی، عمر خیام، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ شیرازی، نصیر الدین طوسی اور ملک الشعراء بہار شامل ہیں۔



شاہ مسجد اصفہان (ایران)

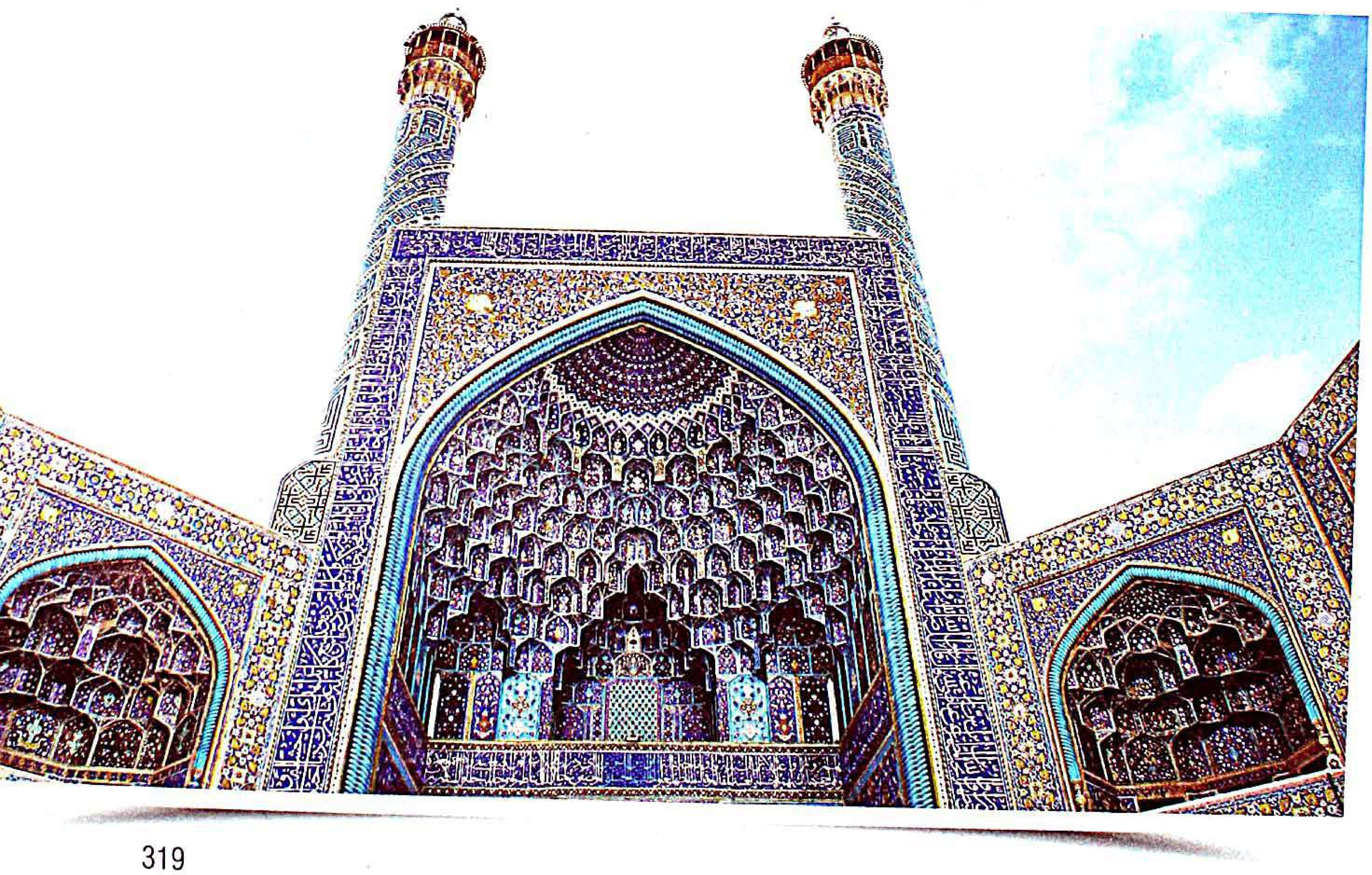
عہدِ صفوی کی یہ مسجد اسلامی فنِ تعمیر کا بہترین شاہکار ہے۔ یہ ایران کے مشہور شہر اصفہان کے نقش جہاں اسکوائر سے جنوب کی جانب واقع ہے۔ اس کی فنی خوبصورتی کے باعث اس مسجد اور اس سے ملحقہ نقش جہاں اسکوائر کو یونیسکو (Unesco) نے عالمی ورثہ قرار دیا ہے۔ اس کو ''امام مسجد'' بھی کہا جاتا ہے۔

اس مسجد کی تعمیر 1611ء میں شروع ہوئی۔ اس کی شان وشوکت اس میں لگی ہوئی سات رنگی ٹائلوں کی مرہون منت ہے۔ یہ مسجد 1629ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس مسجد کی لمبائی 430 فٹ اور چوڑائی 330 فٹ ہے۔ اس کے گنبد کی بلندی 174 فٹ ہے جبکہ اس کے چار مینار ہیں، ہر مینار کی بلندی 189 فٹ ہے۔ اس میں 60,000 نمازیوں کی گنجائش ہے۔ مسجد کا ڈیزائن ایران کے مشہور ماہر تعمیرات شیخ بہائی نے بنایا تھا۔ مرکزی ہال میں قبلہ والی محراب دس فٹ بلند ہے جس کی پیشانی پر قرآنی آیات تحریر ہیں۔ مسجد کا صحن 230 فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا یعنی مربع شکل کا ہے۔





ایران عرصہ دراز سے کاریگروں اور ماہر فن کاروں کا گڑھ رہا ہے۔ ماضی میں مغلیہ دور میں اور اس سے قبل یہاں کے فن کاروں نے برصغیر میں ایرانی فنِ تعمیر اور نقش و نگار کو متعارف کروایا۔ ان ایرانی فنکاروں کے فن پارے آج بھی اپنے تخلیق کاروں کا نام زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ اس مسجد کی تصویر ایران کے بیس ہزار ریال کے نوٹ پر بھی چھپی ہوئی ہے۔



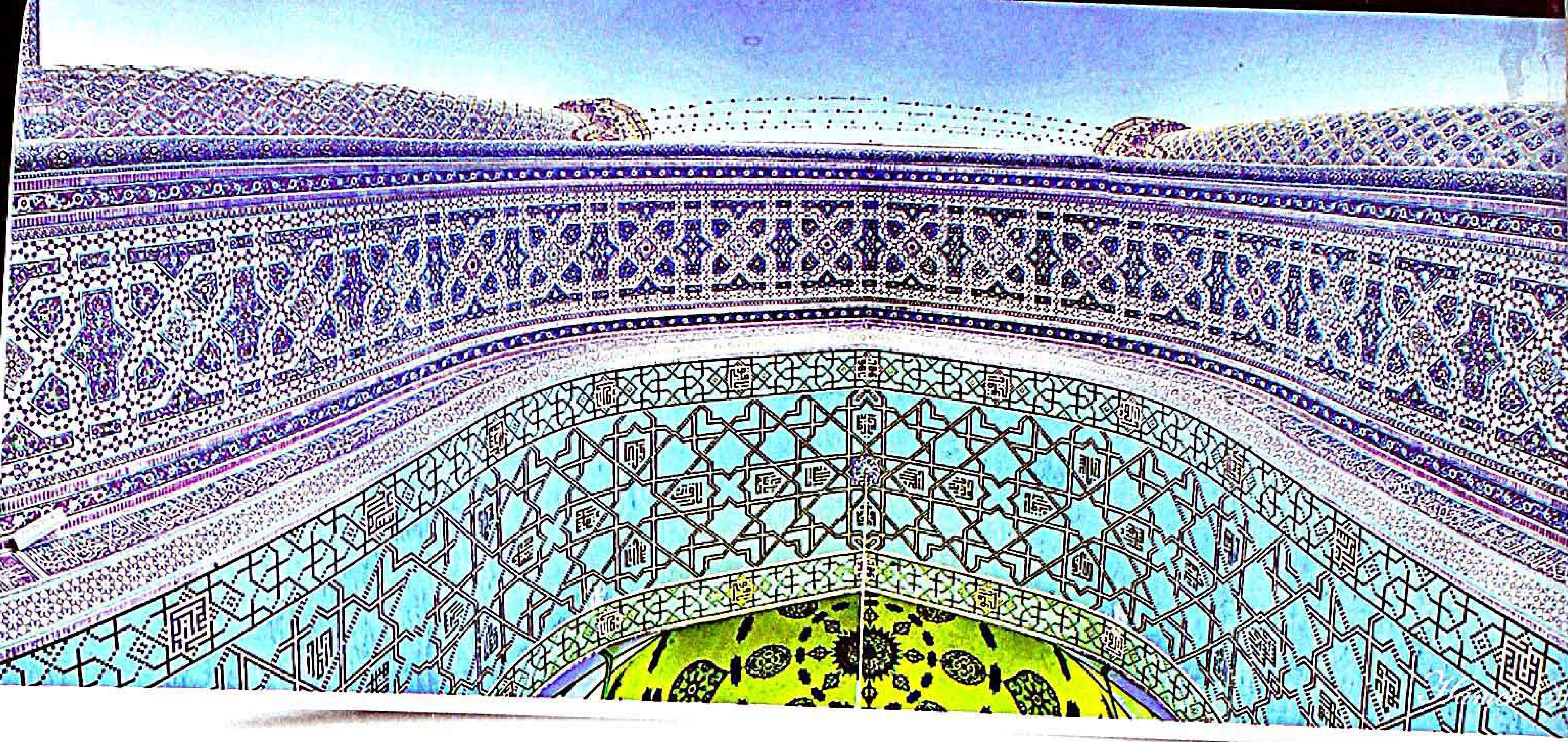
مشہد

ایران کا یہ تاریخی شہر صوبہ خراسان رضاوی کا صدر مقام ہے اور کشف رُودیا ''آب مشہد'' کی وادی میں واقع ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 28 لاکھ ہے۔ یوں مشہد ایران کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ اسے ''شہرِ بہشت'' یا ''شہرِ فردوسی'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں اثنا عشریوں کے امام علی رضا رحمۃ اللہ کا مقبرہ ہے۔ مشہور شاعر فردوسی طوسی اور نادر شاہ افشار یہیں دفن ہیں۔ مشہد سے 24 کلومیٹر شمال میں شہر طوس کے کھنڈر ہیں جسے 1389ء میں امیر تیمور کے بیٹے میران شاہ نے تباہ کر دیا تھا۔

تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی میں مشہد چھوٹا سا شہر تھا جسے سناباد کہا جاتا تھا۔ نوقان یا سناباد کے گاؤں میں اسلامی تاریخ کی دو بڑی شخصیتیں دس سال کے عرصے میں دفن ہوئیں، یعنی خلیفہ ہارون الرشید (متوفی 193ھ/809ء) اور امام علی رضا رحمۃ اللہ (متوفی 203ھ/818ء)۔ امام علی رضا رحمۃ اللہ جو خلیفہ مامون کے داماد اور نامزد خلیفہ تھے، مامون کے ہمراہ مرو جاتے ہوئے سناباد میں چند روز ٹھہرے اور یہیں اچانک انتقال کر گئے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سناباد کا گاؤں ایک بڑے شہر کی شکل اختیار کر گیا اور اسے امام علی رضا رحمۃ اللہ کی نسبت سے مشہد یا المشہد الرضاوی کے نام سے پکارا جانے لگا کیونکہ شیعہ کے خیال میں انھیں شہید کیا گیا تھا۔ طوس کے زوال کے بعد مشہد کی اہمیت بڑھتی چلی گئی۔ سلطان محمود غزنوی نے تخت نشین ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد مشہد اور خراسان فتح کر لیے۔ غزنویوں کے بعد سلجوقی مشہد پر قابض ہو گئے۔ 1161ء میں غز ترکوں نے اسے فتح کیا۔ ان کے بعد خوارزم شاہ اور پھر تاتاری اس پر قابض رہے۔ صفوی عہد میں 1589-98ء کے دوران میں مشہد پر شیبانیوں کا قبضہ رہا۔ 1753-95ء کے عرصے میں یہ شہر ابدالیوں کے زیرِ تسلّط رہا حتی کہ محمد خاں قاچار نے اسے فتح کر لیا۔

مشہد بذریعہ سڑک شمال مغرب میں قوچان اور شروان سے، مغرب میں نیشاپور، سبزوار اور تہران سے، مشرق میں سرحد ترکمانستان پر سرخس سے اور جنوب مشرق میں ہرات (افغانستان) سے ملا ہوا ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں سمرقند و بخارا، مرو اور بلخ سے آنے والی شاہراہِ ریشم مشہد سے گزر کر رے، تبریز اور بغداد کو جاتی تھی۔



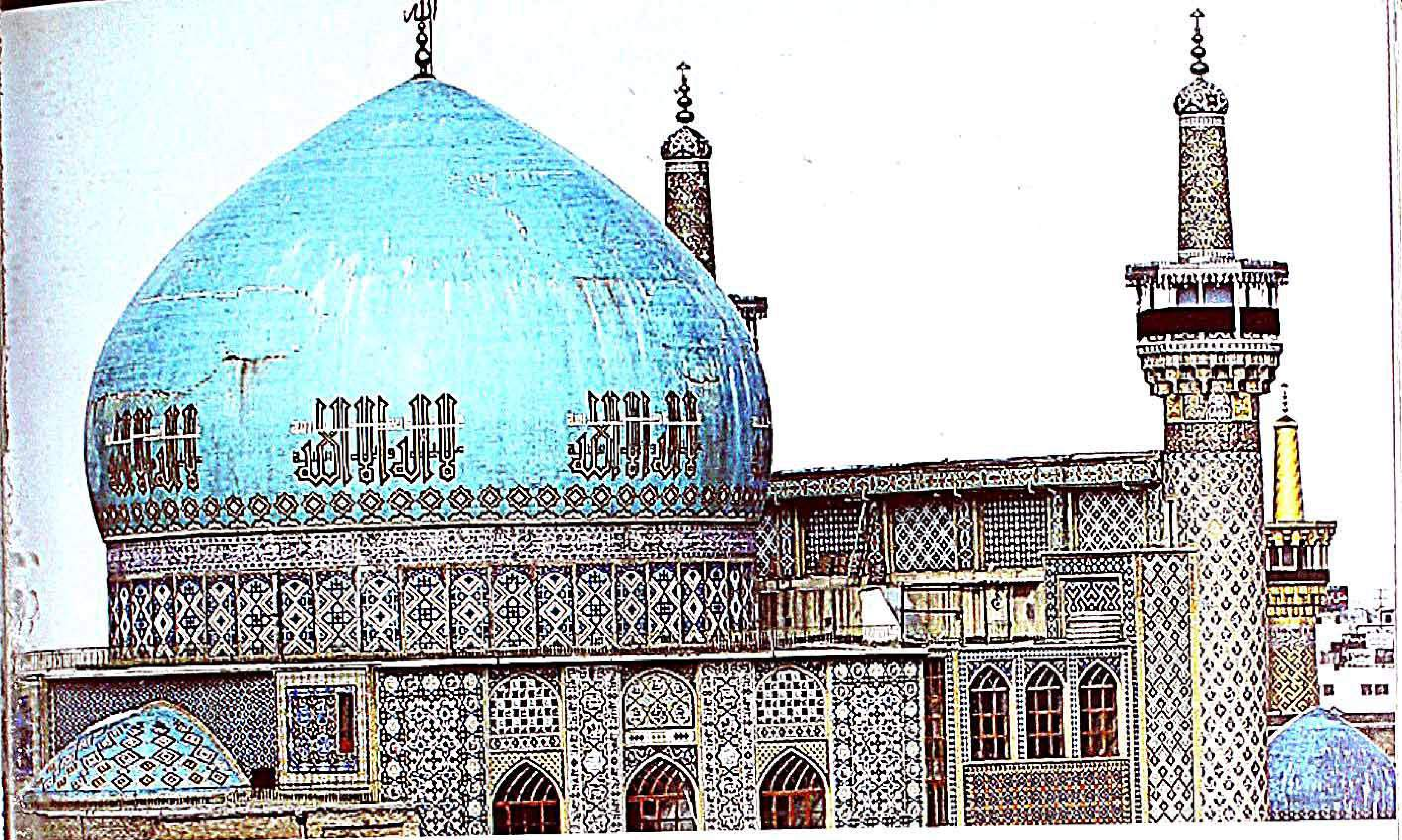


مسجدِ گوہر شاد، مشہد (ایران)

دنیائے اسلام میں جہاں مردوں نے خوبصورت مساجد تعمیر کروانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں خواتین بھی اس کارِ خیر میں حصہ لینے میں پیچھے نہ رہیں۔ انھی میں امیر تیمور کی بیگم کے نام سے مسجد بی بی خانم (سمرقند) تیموری دور کی خوبصورت مساجد میں شمار کی جاتی ہے۔ امیر تیمور اور بی بی خانم کی بہو اور ان کے بیٹے شاہ رخ کی بیگم گوہر شاد بھی اپنی ساس سے کسی طرح کم نہ ٹھہری۔ ملکہ گوہر شاد نے اپنے درباری ماہر تعمیرات زین الدین شیرازی کو حکم دیا کہ مشہد میں ایک خوبصورت اور عالیشان مسجد تعمیر کی جائے۔

1418ء میں مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ اصفہان اور شیراز سے ماہر فن کار اور کاریگر بلائے گئے۔ انھوں نے ملکہ کی خواہشات کے مطابق مسجد تعمیر کرنے میں اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں۔ استاد شیرازی کی زیرِ نگرانی یہ مسجد بارہ سال میں مکمل ہوئی۔ مسجد سمرقندی طرزِ تعمیر سے تیار کی گئی۔ پیازی طرز کا گنبد مسجد کی شان ہے۔ گنبد کا رنگ فیروزی ہے، مسجد کا کل رقبہ 101292 مربع فٹ ہے اور صحن 180 فٹ لمبا اور 160 فٹ چوڑا ہے۔ مسجد کے صحن میں سنگِ مرمر استعمال کیا گیا ہے۔ صحن کے تینوں اطراف میں برآمدے بنائے گئے ہیں۔ مسجد کے دو مینار ہیں جو 131 فٹ بلند ہیں۔ گنبد کا قطر 49 فٹ اور اس کا محیط 207 فٹ ہے۔ صحن سے مسجد کے اندر ہال میں داخل ہونے کے لیے نو محرابی دروازے ہیں۔ گنبد کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ دہری تہہ

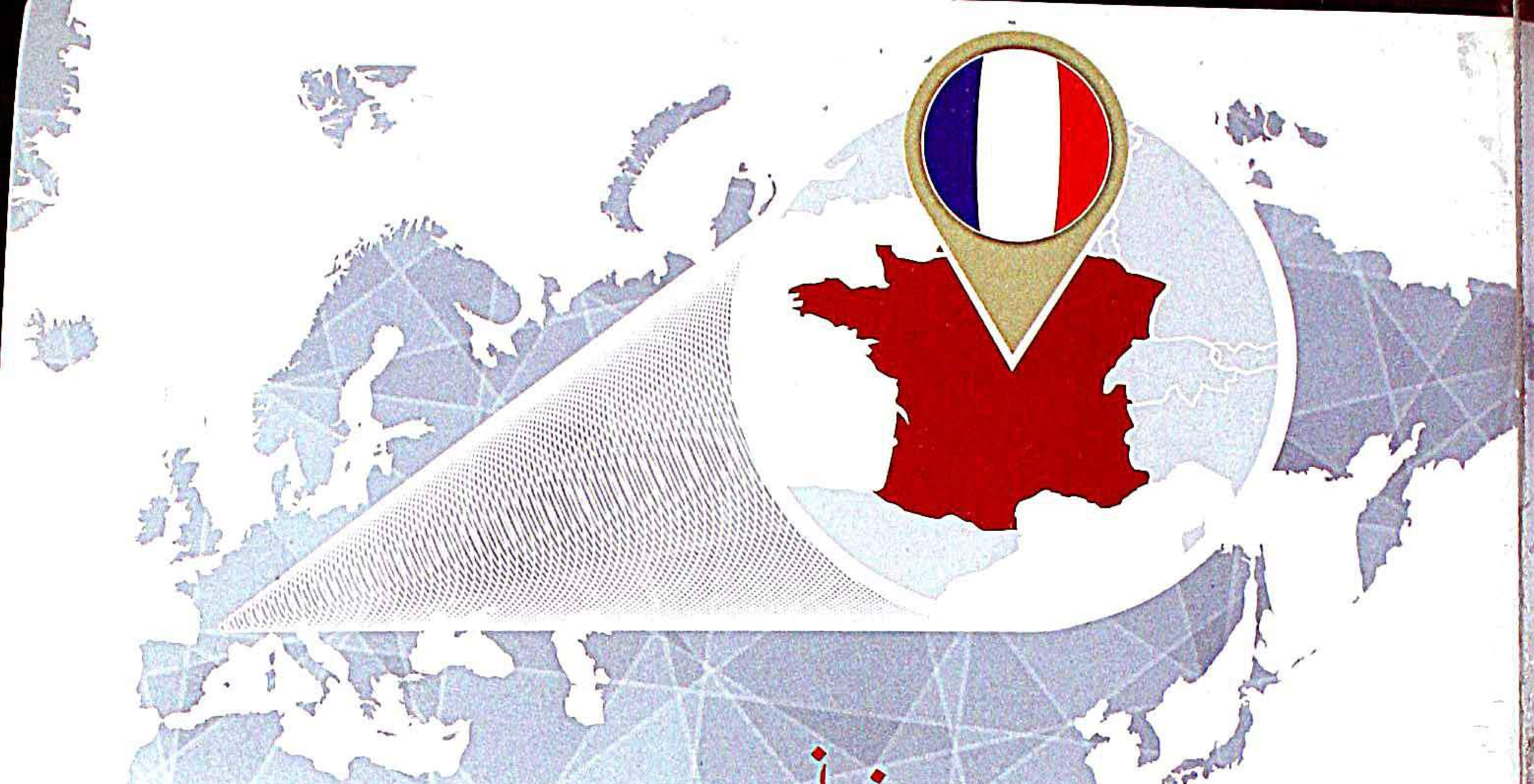




میں بنایا گیا ہے۔ مسجد کی تعمیر میں سرخ اینٹوں، ٹائلوں اور سنگِ مرمر کا استعمال کیا گیا ہے۔ خطِ کوفی میں قرآنی آیات اتنی خوشخطی سے تحریر کی گئی ہیں کہ چھ صدیاں گزرنے کے بعد بھی زمانے کے حوادث ان کی آب وتاب میں سرِمو فرق نہیں لا سکے۔ مسجد کا منبر اخروٹ کی لکڑی سے تیار کیا گیا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ منبر کی تیاری میں کہیں بھی لوہے کی میخ کا استعمال نہیں کیا گیا۔ مسجد کے ہال میں ہاتھ سے تیار کردہ خوبصورت ایرانی قالین بچھائے گئے ہیں۔ مسجد سے ملحق ایک بڑی لائبریری ہے جس میں 35 ہزار کتب رکھی گئی ہیں۔ غرضیکہ مسجد گوہر شاد ایران کی نہایت خوبصورت مساجد میں سے ایک ہے۔ یہ مسجد مشہد میں امام رضا رحمۃ اللہ کے روضہ کے کمپلیکس کا حصہ ہے۔

شاہ رخ کے صدر مقام ہرات میں ایک خوبصورت مدرسہ بھی استاد زین الدین شیرازی کی زیرنگرانی مکمل ہوا تھا۔ ملکہ گوہر شاد امیر تیمور کے پوتے اور شاہ رخ کے بیٹے الغ بیگ کی والدہ تھی۔ الغ بیگ ایک بڑا حکمران، مشہور ہیئت دان اور سائنس دان تھا۔ اس کی تعمیر کی ہوئی رصدگاہ راقم نے سمرقند میں دیکھی ہے جہاں اس کی دادی کی بنائی ہوئی مسجد بی بی خانم آج بھی اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ قائم ہے۔ ملکہ گوہر شاد 1457ء بمطابق 861ھ کو اس جہان فانی سے رحلت کر گئی اور ہرات میں دفن ہوئی۔

صفوی حکمران شاہ عباس نے مسجد گوہر شاد کی مرمت اور تزئین و آرائش پر خاص توجہ دی۔ 1803ء میں زلزلے نے اس مسجد کے کچھ حصے کو نقصان پہنچایا جس کی بعد میں مرمت کر دی گئی۔



فرانس

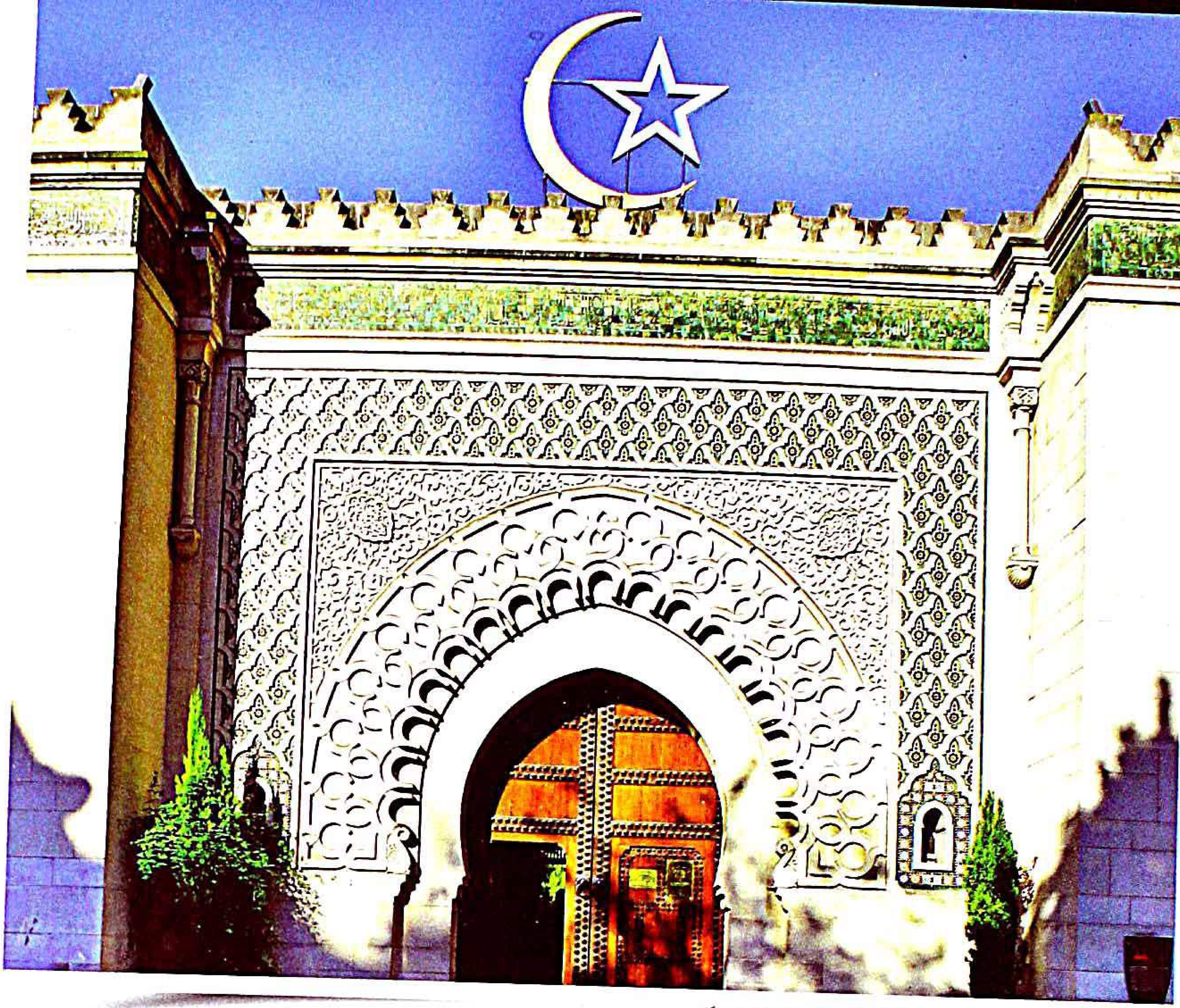
فرانس مغربی یورپ کا ایک اہم ملک ہے۔ اس کے شمال میں بلجیم، لکسمبرگ اور رود بار انگلستان، شمال مشرق میں جرمنی، مشرق میں سوئٹزرلینڈ اور اٹلی، جنوب میں بحیرۂ روم اور سپین اور مغرب میں خلیج بسکے اور بحراوقیانوس (اٹلانٹک اوشن) واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 5,47,026 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً چھ کروڑ ہے۔ آبادی میں 80 فیصد کیتھولک مسیحی، 2 فیصد پروٹسٹنٹ، 7 فیصد مسلمان، 1 فیصد یہودی اور باقی لادین ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی 40 لاکھ سے زائد ہے۔ دارالحکومت پیرس ہے جہاں 22 لاکھ انسان بستے ہیں۔ آبادی میں 74 فیصد شہری اور 26 فیصد دیہاتی ہیں۔ دیگر بڑے شہر، مثلاً: لیون کی آبادی 15 لاکھ، مارسیلز 14 لاکھ، تولوز 6.5 لاکھ، ونیس 5 لاکھ اور نانتز 5 لاکھ ہے۔ فرانس زیادہ تر میدانی علاقہ ہے جس میں دریائے سین، دریائے رون، دریائے لوئر اور دریائے گارون بہتے ہیں۔ اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کی سرحد پر کوہستان الپس اور سپین کی سرحد پر کوہستان پیرینیز واقع ہیں۔ وسطی فرانس سطح مرتفع پر مشتمل ہے۔ جرمنی کی سرحد پر دریائے رائن بہتا ہے۔ پیرس دریائے سین پر واقع ہے۔ فرانس کی سرکاری زبان فرانسیسی (Fench) ہے مگر بعض علاقوں میں جرمن، ڈچ، باسک اور بریٹانی زبانیں بولی جاتی ہیں۔

فرانس نے صدیوں یورپ کی تاریخ وثقافت کی تشکیل میں سرگرم کردار ادا کیا ہے۔ قدیم فرانس میں سیلٹ قبائل آباد تھے جو فرینک کہلاتے تھے جبکہ رومی اس ملک کو ''گال'' کا نام دیتے تھے۔ 60 ق م کے بعد جولیس سیزر نے گال فتح کر لیا۔ 431ء میں فرینکوں نے اپنی آزاد سلطنت قائم کر لی۔ فرینک بادشاہ کلووس نے 496ء میں عیسائیت قبول کی۔ اسی نے پیرس کو دارالحکومت بنایا اور یہاں مقدس رسولوں (حواریوں) کا گرجا تعمیر کیا۔ 639ء میں پیپن نے نئے لس شاہی خاندان کی



بنیاد ڈالی۔اس کے حرامی بیٹے چارلس مارٹل نے 732ء میں جنگ تورز میں امیرِ اندلس عبدالرحمٰن غافقی (شہید) کے لشکر کو شکست دے کر مسلمانوں کے پیرس کی طرف بڑھتے ہوئے قدم روک دیے۔771ء میں چارلس مارٹل کا پوتا چارلس اعظم (شارلمین) بادشاہ بنا جو ہارون الرشید کا ہم عصر تھا۔صلیبی جنگوں 1096ء تا 1291ء میں فرانسیسی حکمران پیش پیش رہے۔ 1337ء سے 1451ء تک فرانس نے انگلستان کے خلاف صد سالہ جنگ لڑی۔سولھویں صدی میں پروٹسٹنٹ فرقہ وجود میں آیا اور کیتھولک فرقے نے ان کے خلاف 30 سال لڑائیاں لڑیں۔23-24 اگست 1572ء کی رات فرانس میں 30 ہزار پروٹسٹنٹ مارے گئے۔لوئی چہاردہم کے عہد 1643ء تا 1715ء میں فرانس نے استعماری سلطنت کا روپ دھارا۔ 1756-63ء کی ہفت سالہ جنگ فرانس اور برطانیہ نے لڑی جس کے نتیجے میں کینیڈا (نیوفرانس) پر برطانیہ قابض ہوگیا۔ 1789ء میں انقلاب فرانس برپا ہوا اور لوئی شانزدہم کو گرفتار کر کے تین سال بعد قتل کر دیا گیا۔جمہوری دور نے جلد ہی تشدد کا روپ دھار لیا۔1804ء میں نپولین شاہِ فرانس بن گیا اور یورپ فتح کرنے کی مہم شروع کر دی۔1812ء میں اس کی روسی مہم ناکام رہی۔1814ء میں شکست کھا کر قید ہوا مگر قید خانے سے بھاگ نکلا اور پھر بادشاہی حاصل کر لی مگر جنگ واٹرلو میں شکست کھائی اور پھر جزیرہ سینٹ ہیلینا کی قید میں اس نے وفات پائی۔سابق شاہی خاندان بوربون پھر برسرِ اقتدار آ گیا۔1870ء میں جرمنی سے شکست کھا کر فرانس میں تیسری جمہوریت کا آغاز ہوا۔پہلی جنگ عظیم (1914-18ء) اور دوسری جنگ عظیم (1939-45ء) فرانس نے جرمنی کے خلاف اتحادیوں کے ہمراہ لڑیں۔1960ء میں فرانس نے بیشتر افریقی مقبوضات آزاد کر دیے۔الجزائر کو سات سالہ جنگ آزادی کے بعد آزاد کیا۔

فرانس ایک ترقی یافتہ صنعتی اور ایٹمی طاقت ہے۔اسے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ویٹو پاور حاصل ہے۔زرعی پیداوار میں گندم، انگور، آلو، سیب، دودھ اور انڈے شامل ہیں۔معدنیات میں لوہا قابلِ ذکر ہے۔فرانس یورپی یونین کا بانی رکن ہے۔فرانس میں ہیوی مشینری، جہاز سازی، طیارہ سازی، آبدوز سازی کی صنعتیں قائم ہیں۔





گرینڈ مسجد آف پیرس (فرانس)

یہ مسجد فرانس کے پانچویں انتظامی ضلع میں واقع ہے۔ یہ فرانس میں سب سے بڑی جبکہ یورپ میں دوسری بڑی مسجد ہے۔ یہ مسجد جنگ عظیم اول میں فرانس میں مقیم مسلمانوں کی جرمنی کے خلاف لڑنے میں بہادری کے صلے میں بنا کردی گئی۔ یہ اہلِ فرانس کی طرف سے مسلمانوں کے لیے ایک گرانقدر تحفہ تھا۔ مسجد کے واحد مینار کی بلندی 125 فٹ ہے۔ 15 جولائی 1926ء کو فرانس کے صدر Rastin Doumergue نے خود اس مسجد کا افتتاح کیا اور الجزائر کے ایک بزرگ صوفی احمد علوی نے صدر کی موجودگی میں پہلی نماز پڑھائی۔ اس وقت مفتی وکیل ابوبکر اس مسجد کے امام اور خطیب ہیں۔



کویت

کویت خلیج فارس (الخلیج العربی) کے شمال مغربی ساحل پر چھوٹا سا عرب ملک ہے۔اس کے شمال میں عراق اور جنوب اور مغرب میں سعودی عرب واقع ہے۔دارالحکومت کویت شہر کی آبادی 23 لاکھ کے قریب ہے جبکہ پورے ملک کی آبادی 26 لاکھ سے زائد ہے۔ملک کا رقبہ 17,818 مربع کلومیٹر ہے۔اس میں خلیج فارس کا جزیرہ بوبیان بھی شامل ہے۔ملکی آبادی میں 45 فیصد مقامی کویتی، 35 فیصد دیگر عرب، 9 فیصد جنوبی ایشیائی اور 4 فیصد ایرانی ہیں۔ مذہباً 85 فیصد مسلمان اور 15 فیصد (مسیحی، ہندو اور پارسی ہیں)۔مسلمانوں میں 70 فیصد سنی اور 30 فیصد شیعہ ہیں۔کویت کی بندرگاہیں میناء الاحمدی، الشعیبہ، الشویخ اور الزور ہیں۔

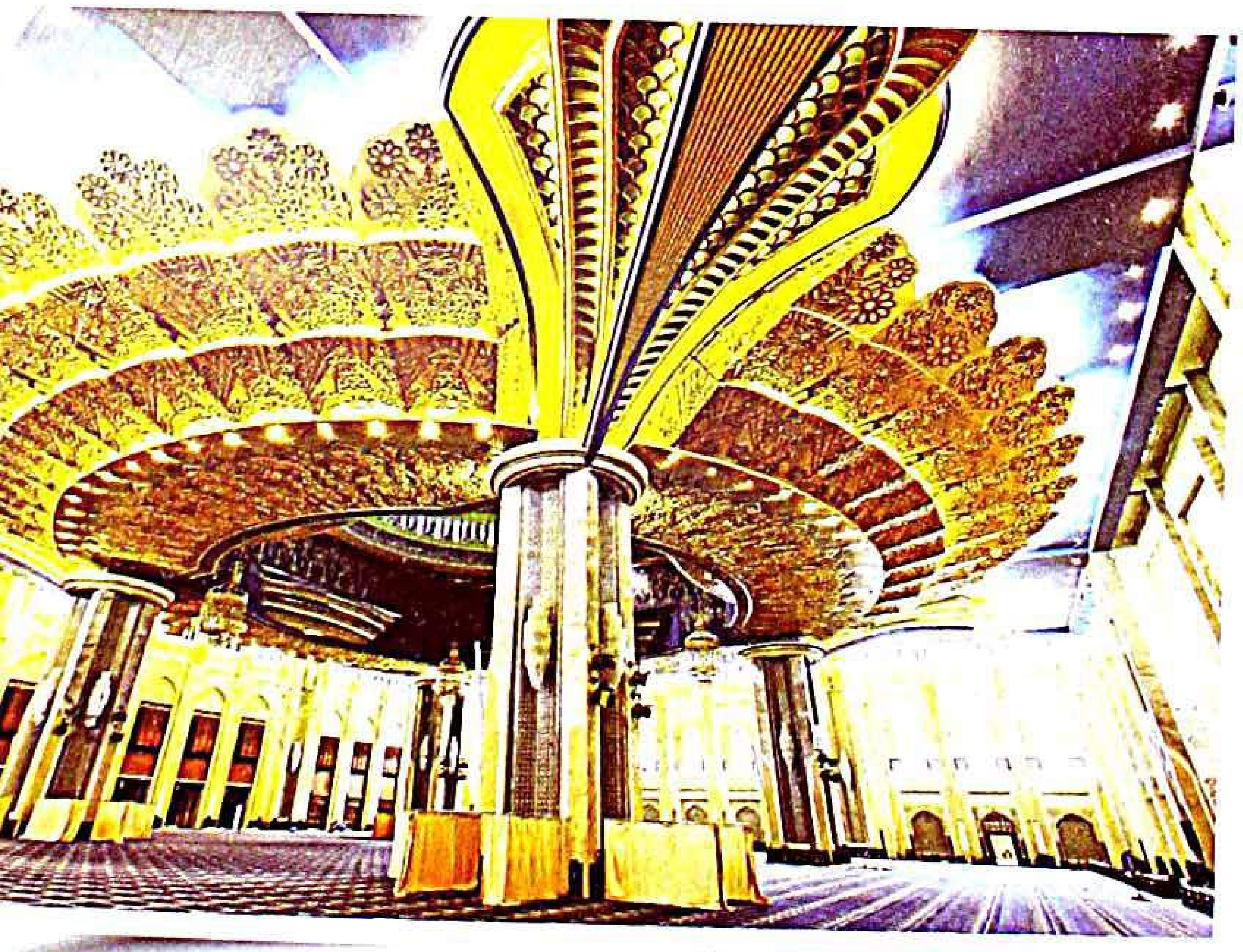
کویت زرعی لحاظ سے بنجر ملک ہے۔ یہاں کوئی دریا نہیں اور بارش بہت ہی کم ہوتی ہے۔تاہم کویت معدنی تیل اور قدرتی گیس کی دولت سے مالا مال ہے۔مچھلی بھی پکڑی جاتی ہے۔فی کس آمدنی 48900 ڈالر ہے۔شرح خواندگی 94 فیصد ہے۔سکہ دینار (KWD) ہے۔ستمبر 2011ء میں ایک ڈالر 0.27 کویتی دینار کے برابر تھا۔

امیر کویت شیخ صباح الاحمد الجابر الصباح جنوری 2006ء سے برسرِ اقتدار ہیں۔1759ء سے یہاں صباح خاندان کی حکومت چلی آرہی ہے۔1899ء سے برطانیہ نے کویت کے خارجہ اور دفاعی امور پر کنٹرول حاصل کرلیا۔1961ء میں کویت نے آزادی حاصل کی۔ملکی آمدنی کا ذریعہ معدنی تیل ہے۔اس سے مفت طبی امداد، مفت تعلیم اور سوشل سکیورٹی کی سہولتیں عوام کو حاصل ہیں۔ملک میں کوئی ٹیکس نہیں، البتہ کسٹم ڈیوٹی لی جاتی ہے۔



مسجد الکبیر (کویت)

مسجد الکبیر ملک کی ایک خوبصورت اور سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس کو سرکاری مسجد کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ اسلامی فنِ تعمیر کا ایک خوبصورت شاہکار ہے۔ اس کا کل رقبہ 45,000 مربع میٹر ہے جبکہ 20,000 مربع میٹر میں مسجد بنی ہوئی ہے۔ اس مسجد کا سنگِ بنیاد 1979ء میں رکھا گیا اور یہ 1986ء میں مکمل ہوئی۔ اس کی تعمیر پر 14 ملین کویتی دینار خرچ ہوئے۔ مسجد کا مرکزی ہال 236 میٹر لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہے۔ ہال میں قدرتی روشنی کے لیے 144 کھڑکیاں نصب کی گئی ہیں جبکہ 21 دروازے ساگوان کی لکڑی کے ہیں۔



مسجد کے گنبد کا قطر 85 فٹ اور یہ 141 فٹ اونچا ہے جس کے اندر اسماء الحسنٰی نہایت خوبصورتی سے تحریر کیے گئے ہیں۔ مسجد کا واحد مینار 243 فٹ اونچا ہے۔

اس مسجد میں دس ہزار حضرات اور ایک ہزار خواتین بیک وقت نماز ادا کرسکتے ہیں۔ مسجد سے ملحق ایک لائبریری بھی بنائی گئی ہے، نیز صحن کے سامنے چھ سو کاروں کی پارکنگ کا انتظام بھی موجود ہے۔



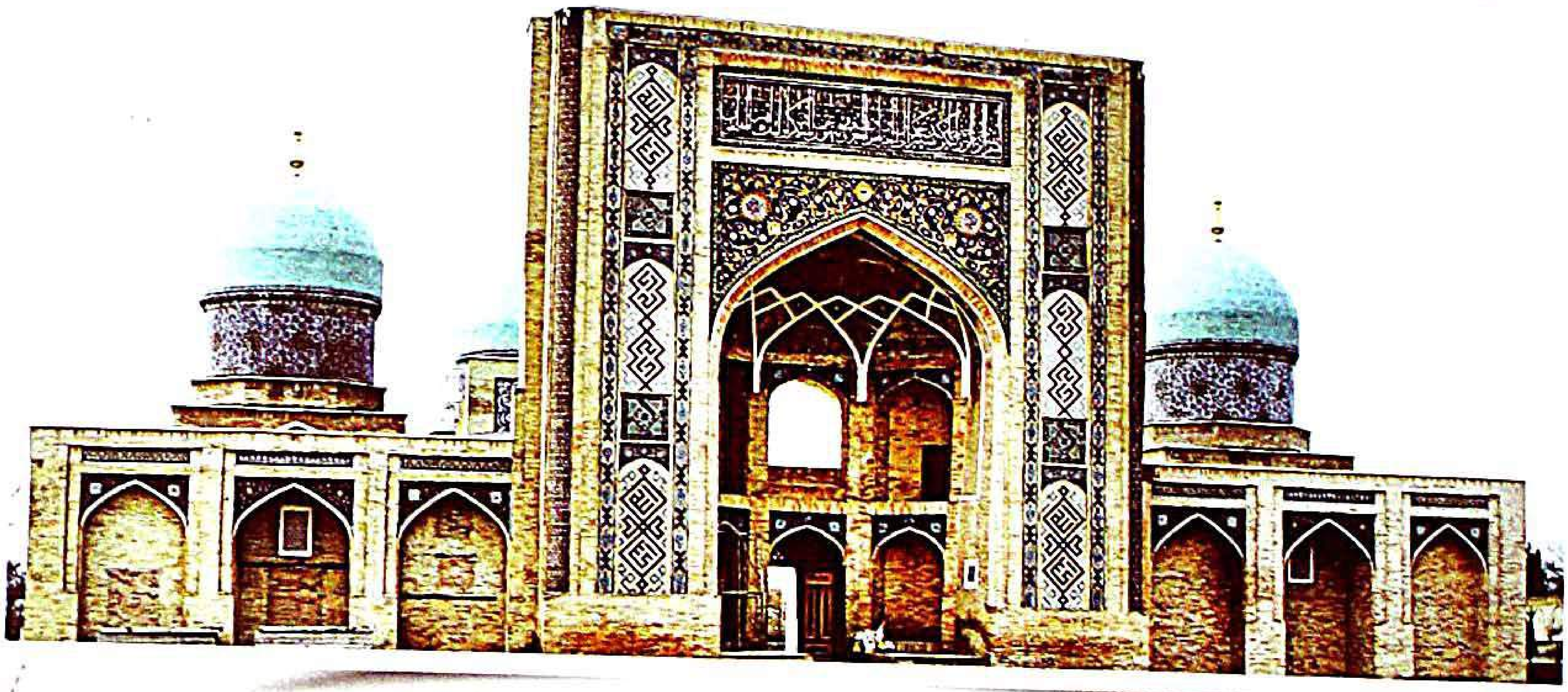
ازبکستان

ازبکستان وسطی ایشیا میں ماضی کے ترکستان (روسی) کی وسطی سرزمین ہے۔ ازبکستان کے شمال اور شمال مغرب میں قازاقستان، مشرق میں کرغیزستان، جنوب مشرق میں تاجکستان، جنوب میں افغانستان اور جنوب مغرب میں ترکمانستان واقع ہیں۔ ازبکستان کا رقبہ 4,47,400 مربع کلومیٹر اور آبادی سوا دو کروڑ ہے۔ آبادی میں 88 فیصد مسلمان اور 9 فیصد روسی مسیحی چرچ کے پیروکار ہیں۔ نسلاً 80 فیصد ازبک، 6 فیصد روسی، 3 فیصد قازاق، 3 فیصد قراقل پاک اور 2 فیصد تاتاری ہیں۔ ازبک (ازبکی ترکی) سرکاری زبان ہے۔ دوسری زبان روسی ہے۔

دریائے آمو (جیحون) ازبک افغان سرحد بناتا ہے جہاں ترمذ شہر آباد ہے، پھر یہ دریا ترکمانستان میں سے بہتا ہوا شمالی ازبکستان سے گزر کر بحیرۂ ارال میں جا گرتا ہے۔ دریائے سیر (سیحون) مشرقی ازبکستان میں سے بہہ کر قازاقستان میں جا نکلتا ہے۔ آمو کا مشرقی معاون زرفشاں ہے جس پر بخارا اور سمرقند کے تاریخی شہر آباد ہیں۔ شمال مغربی ازبکستان میں آمو کے مغرب میں خوارزم آباد تھا جو بارھویں صدی عیسوی میں خوارزم شاہی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ بعد میں خیوا کے نام سے مشہور ہوا۔ دریائے جیحون کے پار واقع ترکستان کے علاقے کو یونانیوں نے ٹرانس اوکسانا (Transoxana) کا نام دیا تھا جسے عرب ماوراء النہر کہنے لگے۔

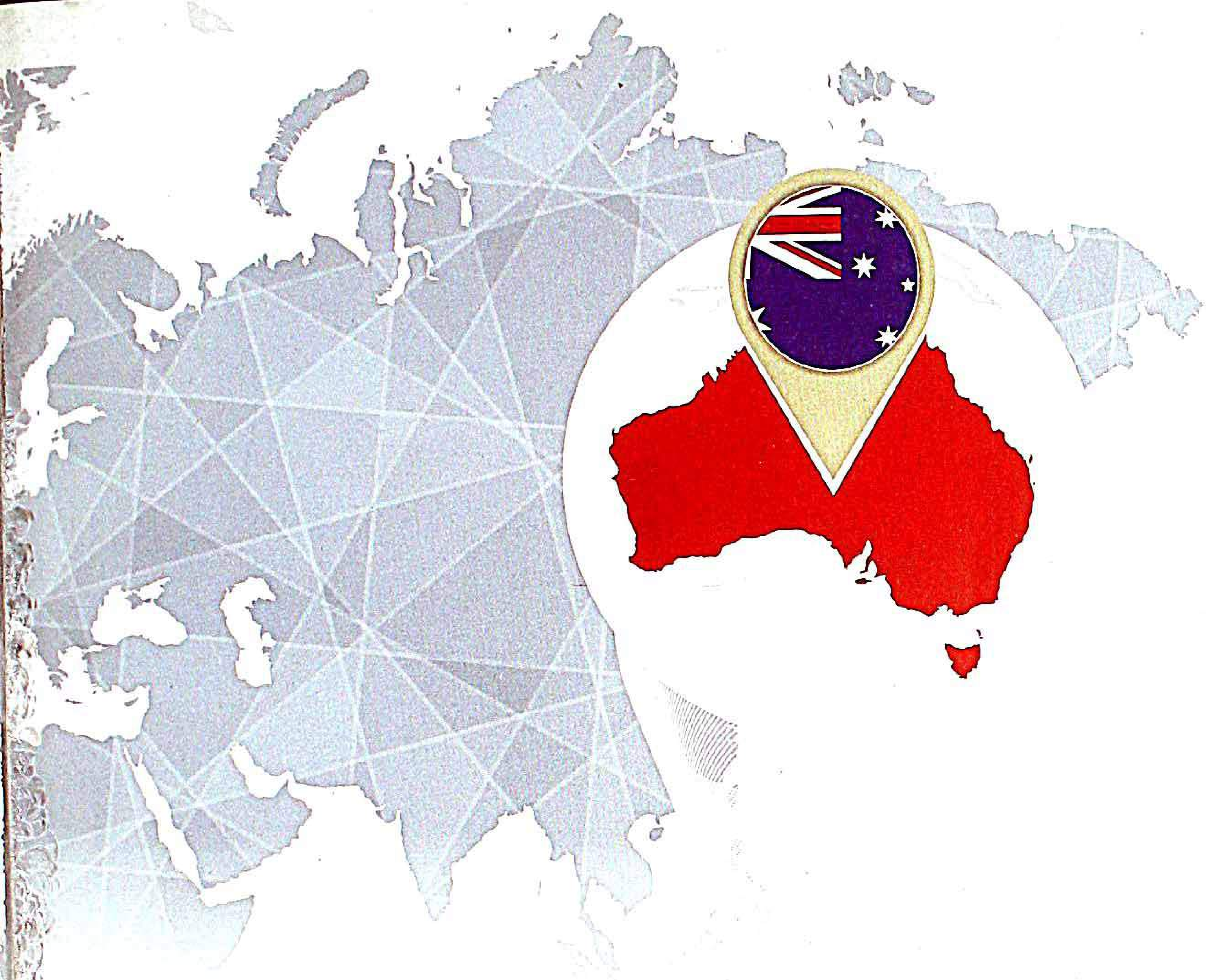
330ء کے لگ بھگ سکندر اعظم نے ماوراء النہر فتح کیا۔ قتیبہ بن مسلم نے عہد ولید (15-705ء) میں اسے اسلامی سلطنت کا حصہ بنایا۔ 261ھ-390ھ/874ء-999ء میں بخارا سامانی سلطنت کا دارالحکومت رہا۔ 1220ء میں چنگیز خان نے سمرقند، بخارا اور خوارزم کے شہر تباہ کیے۔ 1369ء میں امیرِ تیمور نے سمرقند میں تیموری (مغل) سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ ہندوستان کی مغلیہ سلطنت کا بانی ظہیر الدین بابر 1484ء میں فرغانہ (ازبکستان) میں پیدا ہوا تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کی چھٹی دہائی میں روسیوں نے خیوا اور بخارا کی مسلم ریاستیں فتح کر لیں۔ 1925ء میں کمونسٹ روس کے اندر ازبک سوویت شوشلسٹ جمہوریہ قائم ہوئی۔ دسمبر 1991ء میں ازبکستان نے روس سے آزادی حاصل کی۔

ازبکستان 12 صوبوں اور ایک خودمختار جمہوریہ (قراقل پاکستان) میں بٹا ہوا ہے۔ کپاس، گندم اور پھل بڑی فصلیں ہیں۔ معدنیات میں قدرتی گیس، پٹرولیم، کوئلہ، سونا، یورانیم، چاندی، تانبا، سیسہ، جست، ٹنگسٹن اور مولیبڈنیم شامل ہیں۔ فی کس آمدنی 3100 ڈالر ہے۔ شرح خواندگی 99.3 فیصد ہے۔ تاشقند ملکی دارالحکومت کی آبادی 23 لاکھ کے لگ بھگ ہے، دیگر مشہور شہر اندیجان، فرغانہ اور خجند ہیں۔



مرکزی جامع مسجد، تاشقند (ازبکستان)

یہ ازبکستان کے دارالحکومت تاشقند کی سب سے بڑی اور ملک کی تیسری بڑی مسجد ہے۔ اس سے بڑی سمرقند کی مسجد بی بی خانم اور بخارا کی کلیان مسجد ہے۔ تاشقند کی یہ مسجد چار صدی پرانی ہے۔ یہ مسجد پرانے تاشقند کے پررونق بازار میں چوک چہارسو کے پاس واقع ہے۔ راقم کو جب 1992ء میں اپنی قومی ایئرلائنز کی طرف سے اس شہر میں تعیناتی کا حکم نامہ ملا تو ہر نماز جمعہ اسی مسجد میں ادا کرنے کا موقع ملا۔ تقریباً ایک صدی روس کے چنگل میں رہنے کے بعد اس وقت یہ مسجد ایک کھنڈر بنی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی ہزاروں مسجدوں میں روس نے تالے لگا رکھے تھے۔ جب 1991ء میں ان مسلم ریاستوں کو آزادی نصیب ہوئی تو ان مساجد کی مرمت، تزئین و آرائش کا کام شروع کر دیا گیا۔ یہ علاقہ گلکاری اور پچی کاری کے فن کا صدیوں سے گہوارہ چلا آ رہا ہے۔ ان لوگوں نے اس مسجد کو نئی تزئین و آرائش سے ایک خوبصورت شاہکار بنا دیا۔ مسجد کے نئے چمکتے ہوئے گنبد اور پھولدار محرابی دروازوں نے اس کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ مسجد کے تین گنبد ہیں، درمیان والا گنبد بڑا ہے۔ ان گنبدوں اور در و دیوار پر گلکاری اور پچی کاری کا دیدہ زیب کام ترک کاریگروں کے ہنر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس مسجد کے صحن اور سامنے والے دالان میں تقریباً دو ہزار نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ صحن کے اردگرد تینوں اطراف میں طلبہ کے لیے کمرے بنائے گئے ہیں۔



آسٹریلیا

آسٹریلیا دنیا کا سب سے چھوٹا اور ساتواں براعظم ہے جس کے مشرق میں بحرالکاہل، مغرب اور جنوب میں بحر ہند اور شمال میں بحیرۂ آرافورا اور بحیرۂ تیمور واقع ہیں اور ان دونوں کے پار پاپوانیوگنی، انڈونیشیا اور تیمور کے جزائر ہیں۔ شمال مشرقی ہمسایوں (جزائر سولومن، وینواٹو اور فرانسیسی مقبوضہ نیو کیلے ڈونیا) اور آسٹریلیا کے درمیان بحیرۂ کورل واقع ہے اور جنوب مشرق میں بحیرۂ تسمان کے پار نیوزی لینڈ ہے۔ آسٹریلیا درج ذیل حصوں (ریاستوں) میں بٹا ہوا ہے: ① کوئینز لینڈ، دارالحکومت برسبین، ② نیو ساؤتھ ویلز، دارالحکومت سڈنی، ③ وکٹوریہ، دارالحکومت میلبورن، ④ جنوبی آسٹریلیا، دارالحکومت ایڈیلیڈ، ⑤ مغربی آسٹریلیا، دارالحکومت پرتھ، ⑥ شمالی علاقہ، دارالحکومت ڈارون، ⑦ جزیرہ تسمانیہ، دارالحکومت ہوبارٹ۔


ملک آسٹریلیا کا رقبہ 7,74,1220 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً اڑھائی کروڑ ہے۔ رقبے کے لحاظ سے یہ دنیا کا چھٹا

بڑا ملک ہے۔ آبادی میں 92 فیصد سفید فام، 7 فیصد ایشیائی اور ایک فیصد مقامی رنگدار باشندے (Aborigins) ہیں۔ مذہباً 77 فیصد مسیحی، 2 فیصد مسلمان، 2 فیصد بدھ اور 19 فیصد لامذہب ہیں۔ آبادی میں رومن کیتھولک 26 فیصد اور اینگلیکن 19 فیصد ہیں۔ یہاں انگریزی، چینی، اطالوی، یونانی، عربی اور ویتنامی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔

مشرقی آسٹریلیا میں پہاڑی سلسلہ گریٹ ڈیوائڈنگ رینج واقع ہے اور دریائے مرے اور ڈارلنگ بہتے ہیں جو مل کر جنوب میں بحر ہند میں جا گرتے ہیں۔ شمالی اور مغربی آسٹریلیا زیادہ تر بنجر ہیں۔ مغربی آسٹریلیا میں گریٹ سینڈی ڈیزرٹ اور گریٹ وکٹوریہ ڈیزرٹ کا شمار دنیا کے بڑے صحراؤں میں ہوتا ہے۔ ملکی دارالحکومت کینبرا ریاست نیو ساؤتھ ویلز میں سڈنی سے تقریباً 300 کلومیٹر جنوب مغرب میں ہے۔ آسٹریلیا میں کئی پودے اور جانور ایسے ہیں جو دنیا میں اور کہیں نہیں پائے جاتے۔ ان میں کینگرو، پلیٹی پس، کاؤلا ریچھ، ڈنگو (جنگلی کتا)، تھیلی در تسمانی دیو اور بھونکتی چھپکلیاں شامل ہیں۔

جزائر شرق الہند انڈونیشیا کے اس قدر واقع ہونے کے باوجود آسٹریلیا صدیوں باقی دنیا سے کٹا رہا۔ 1642ء میں ڈچ جہاز ران ایبل تسمان نے آسٹریلیا کے شمال مشرق سے جنوب مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ چکر لگایا۔ اس کے نام سے جزیرۂ تسمانیہ اور بحیرۂ تسمان موسوم ہوئے۔ 1770ء میں انگریز کیپٹن جیمز کک نے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ جہاز رانی کی۔ 1888ء میں انگریزوں کی پہلی آبادی سڈنی کے مقام پر بسی۔ ان آبادکاروں میں جیلوں سے بھیجے گئے مجرم، سپاہی اور سرکاری عُمال شامل تھے۔ 1830ء تک برطانیہ نے پورے براعظم پر قبضے کا دعویٰ کیا۔ یکم جنوری 1901ء کو آسٹریلیا ایک آزاد ملک کی حیثیت سے برطانوی دولت مشترکہ کا رکن بنا۔

آسٹریلیا کی زرعی پیداوار میں گندم، لکڑی، پھل، اون اور گائیں اور بھیڑیں ہیں جو برآمد کی جاتی ہیں۔ معدنیات میں سونا، چاندی، ایلومینیم (باکسائٹ)، ہیرے، لوہا، قدرتی گیس، تیل، نکل اور نمک شامل ہیں۔ مچھلی بڑی مقدار میں پکڑی جاتی ہے۔ بحرالکاہل میں جزائر نارفوک، جزائر کورل، ایشمور اینڈ کارٹیئر، بحرِ ہند میں جزائر کوکوس اور کرسمس آسٹریلیا کی ملکیت ہیں، نیز آسٹریلیا نے مشرقی انٹارکٹکا کے 23 لاکھ 62 ہزار مربع میل رقبے پر دعویٰ کر رکھا ہے۔ آسٹریلیا کا سکہ ڈالر (Aud) ہے اور فی کس آمدنی 41000 ڈالر ہے۔ ستمبر 2011ء میں ایک ڈالر 0.95 آسٹریلوی ڈالر کے مساوی تھا۔ شرح خواندگی 99 فیصد ہے۔ بڑے شہر سڈنی (45 لاکھ)، برسبین (20 لاکھ)، میلبورن (39 لاکھ)، پرتھ (16 لاکھ) اور ایڈیلیڈ (12 لاکھ) ہیں۔



جامع مسجد سڈنی (آسٹریلیا)

عثمانی طرزِ تعمیر میں بنائی گئی یہ مسجد پورے آسٹریلیا کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ یہ سڈنی کے مضافات آئیو برن (Auburn) میں واقع ہے۔ اسے آسٹریلیا میں رہنے والے ترک لوگوں نے بنایا۔ اس مسجد کی تعمیر کا آغاز 1986ء میں ہوا، تیرہ سال میں مکمل ہوئی اور 28 نومبر 1999ء کو نمازیوں کے لیے باقاعدہ کھول دی گئی۔ اس میں تقریباً ایک ہزار نمازی نمازِ جمعہ ادا کرنے آتے ہیں۔ اس کا ایک گنبد اور دو مینار ہیں۔ سنگِ مرمر جو مسجد کی بیرونی دیواروں پر لگایا گیا، ترکی سے درآمد کیا گیا اور مرکزی ہال میں بچھایا جانے والا قالین بھی استنبول کا تیار شدہ ہے۔